براہینِ قاطعہ

بجواب

انوارِ ساطعہ

مروّجہ مولود و فاتحہ اور شرک و بدعات و رسومات کے رد میں لاجواب کتاب
جس میں "انوار ساطعہ" کا مفصل جواب اور احمد رضا خاں صاحب کے بہتانات کے شافی جواب شامل ہیں

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ
حسب الحکم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
ضمیمہ از: مولانا محمد منظور نعمانی

دارالاشاعت
اردو بازار کراچی ۱ فون ۲۶۳۱۸۶۱

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو! تحقیق آئی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے

الحمد للہ العلی الاعلیٰ کہ کتاب لاجواب ماحی رسوم و بدعات و رافع
اوہام و ظلمات محلی بحجج لامعہ موشی بدلائل نافعہ اعنی

البراهین القاطعة

علیٰ

ظلام الانوار الساطعة

الملقب

بالدلائل الواضحة

علیٰ

کراهة المروج من المولود والفاتحة

بامر حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف رأس الفقہاء والمحدثین تاج العلماء الکاملین جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی ۱

اشاعت اول مارچ ۱۹۸۷ء

فہرست مضامین براہین قاطعہ

[illegible]

قدس اللہ ... ۲۷۵ | مولانا خلیل احمد صاحب پر مولوی احمد رضا خان کے بہتانات کا جواب از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۲۸۱/۳۳۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہزار ہزار شکر تیرا اے منعم حقیقی کہ تو نے ایسا حبیب مقبول عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا جس کا وجود باجود مومنین کیلئے موجب نور وایمان اور باعث آرام جان ہے، لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ کتاب وجہ تالیف وضرورت تالیف الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمد عبدہ ورسولہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین الی یوم الدین اما بعد بندہ احقر الناس خلیل احمد انبہوی عفا اللہ تعالیٰ عنہ بخدمت مستدینان باانش عرض کرتا ہے کہ ہر چند جناب حق تعالیٰ کے منشور عام واجب الاذعان انزال فرمایا کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کیا) اور فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشتہار علی الاعلان فرمایا کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ الحدیث (تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے اسے مضبوطی سے پکڑلو اور نئے نئے امور سے بچو اس لئے کہ اسمیں نئی نئی باتوں کا پیدا کرنا گمراہی ہے) مگر تاہم عوام کالانعام باغوائے شیطانی اختراع فی الدین سے باز نہ رہے اور محدثات کو عمدہ عبادت تصور کرکے منہمک ان سیئات کے ہوئے اور پھر علماء ربانیین نے اگر قلع وقمع میں ان محدثات کی سعی بلیغ فرمائی مگر علماء دنیا نے بتسویل شیطانی ان بدع کی تحسین میں رسائل تالیف کئے ہر چند یہ سب کچھ تھا لیکن کسی نے فقہاء مجتہدین وعلماء راسخین کو سب وشتم سے یاد نہ کیا تھا اور نہ علماء اولیاء کے طعن سے اپنا دنیا ودین برباد کیا۔ اس سن تیرہ سوتین ہجری کے ماہ شعبان میں ایک کتاب مسمی بانوار ساطعہ کہ فی الواقع وہ ظلمات باطلہ ہے اس احقر کی نظر سے گذری کہ اس کے مؤلف نے صراحتاً علماء راسخین اور اولیاء کے مقبولین پر طعن وشتم کرکے مورد ومن عادی ولیاً لی فقد اذنتہ بالحرب کا ہوا ہے اور طرفہ یہ کہ وہ خود علم وفہم سے بالکل عاری جہل مرکب میں مبتلا ہے۔ نہ سائل کی مراد سے واقف ہوا نہ مجیب کے جواب کو سمجھا اور نہ اپنے دعوے ودلیل کو جانا کہ کیا لکھتا ہوں اور کیا مقصود تھا اور اس پر دعویٰ علم وتبحر وتفقہ کا وہ کچھ کہ گویا دنیا میں لاثانی ہے اور باوصف اس زعم وتبحر وناز اپنے علم کے کہ جہل مرکب ہے اپنے نام کو ستر اخفاء میں مکنون کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بھی اس تحقیق باطل میں مترددہو رہا ہے تا گنجائش انکار باقی رہے مگر بقول ع نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا چونکہ مولف مجمع جہلاء میں فخراً اپنی اس تالیف کو بزعم خود بے مثل تصور

ے دین دار ے قابل یقین ے جانوروں کے مانند ے شیطان کے بہکانے سے ے نفس کے فریب میں آکر ے گالی گلوچ ے تکبر ے پوشیدہ،

لاکھوں کروڑوں درود امام رسل ؐ کی روح پُرفتوح پر جسکے فیض تعلیم وہدایت سے ہر زندہ دل اپنے مردگانِ غمناک کی ارواح کو فاتحہ و درود سے راحت رساں ہو۔ ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف الرحیم

امابعد: اہلِ اسلام کو بھی اس حالتِ نازک پر رونا چاہیئے کہ اسلام ایک گلِ پژمردہ کی طرح سموم اختلافات بیجا سے آناً فاناً کمہلایا جاتا ہے۔ اور عناد و فساد ایک تند بادِ شدید ظلماتی کی طرح ہر طرف سے اُٹھا چلا آتا ہے نہ زبانیں سچی نہ سینے صاف سیکڑوں مفسد ہزاروں اختلاف کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ جناب باری عزاسمہ جس کی شان عالی یہ ہے ومن اصدق من اللہ حدیثا اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے

کرکے تمدح کرکے داد چاہتا ہے اور بریں فہم و دانش و علم چند جہلا کی تحسین پر اپنے جامہ میں نہیں سماتا چنانچہ خود تحریر رسالہ گواہ اس دعوے کی ہے لہٰذا خوب روشن ہوگیا اور مثل آفتاب نیمروز کے واضح ہوا کہ مولف اس کا مولوی عبدالسمیع رام پوری ہے جو میرٹھ میں برمکان شیخ الٰہی بخش مرحوم رہتا ہے کہ اس نے ابتدائے طفلی سے رسائل مبتدعین کو جمع کرکے یہ ملکہ واہیہ بہم پہنچایا اور باوجود یکہ خدمت جناب مولانا احمد علیصاحب سہارنپوری اور مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری اور مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی .... اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم میں بایں بضاعت مزجاۃ علم بے فہم کی حاصل کی تھی ان کو بھی مع علماء متقدم و متاخر کے نشانِ سہام طعن و شتم بنایا اس وجہ سے زیادہ تر موجب ملال تعجب کا ہوا۔ چونکہ جہلاء ضلال اس کتاب پر ناز کرتے ہیں اور خود مولف بھی اس تارِ عنکبوت کو حصن حصین تصور کرتا ہے اس کی حقیقت جہل کے کشف کو ضروری جانا تاکہ مولف کا مبلغ اپنے علم و فہم کا واضح ہوجائے اور ہر ناظر پر کیفیت مولف کی اور استعداد و لیاقت اس کی ہویدا ہوجائے۔ اور اس رد انوارِ ساطعہ کا نام البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ رکھا گیا اور اس رد میں لفظ مولف سے مراد مولوی عبدالسمیع رام پوری ہووے گا اور .... مجیب وہ عالم کہ جس کے جواب پر مولف نے بحث شروع کی ہے اور اس جواب میں مقاصد مضامین اس رسالہ کا ابطال اور حاصل مراد مولف کا قمع کیا گیا ہے اور اس کے الفاظ و عبارت کی اغلاط اور ہفوات و خرافات کا جواب اور سب و طعن کا انتقام اور جملہ جملہ کا افساد و ابطال بسبب خوف طوالت کے ترک کیا گیا ہے مگر ماشاء اللہ تعالیٰ بس بغور ملاحظہ طلب ہے کہ مولف کے جملہ مطالب کو بنیت و نابود اور جمیع قبائح و مفاسد کو باختصار تمام مشائخ و مشہور باذنہ تعالیٰ کردیا گیا ہے کہ تھوڑی فہم والا بھی اس تالیف و مولف کی قدر پر مطلع ہوجائے گا۔ واللہ ولی التوفیق و علیہ الاعتماد و بیدہ ازمۃ الحق والتحقیق۔ قولہ کوئی کہہ رہا ہے کہ جناب باری عزاسمہ الخ اقول۔ مسئلہ خلفِ وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلفِ وعید آیا جائز ہے کہ نہیں چنانچہ ردالمحتار میں ہے ھل یجوز الخلف فی الوعید فظاہر ما فی المواقف والمقاصد ان الاشاعرۃ قائلون بجوازہ لانہ لا یعد نقصا بل جودا و کرما الخ خلف وعید جائز ہے کہ نہیں ظاہر تو یہ ہے اشاعرہ اس کے قائل ہیں .... اس وجہ سے کہ وہ اس کو نقص نہیں شمار کرتے بلکہ بخشش اور کرم تصور کرتے ہیں) ایسا ہی دیگر کتب میں لکھا ہے پس اس پر طعن کرنا مولف کا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی ہے ہاں حق تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی مثل پیدا کرنے پر قادر نہ ہونا آج تک کسی اہلِ علم نے نہ کہا تھا۔ جیساکہ اس شیزدہم صدی کے مبتدعین نے کہا ہے اور عجز بادر مطلق کے مقر ہوئے اور ان اللہ علی کل شیئ قدیر کے خلاف عقیدہ ٹھہرایا۔ اس پر مولف کو افسوس اور عبرت نہ ہوئی پس یہ باجراء لائق دید ہے کہ تمام امت کے خلاف حق تعالیٰ کے عجز پر عقیدہ ٹھیرا

لہ اختلاف کی آندھی ٣ اہلِ بدعت ٣ گالی گلوچ ٣ کروڑوں کا انتقام ٣ گمراہ جاہل ٣ مکڑی کا جالا ٣ مضبوط قلعہ ٣ ظاہر ٣ تمام

لہ واضح ٣ تیرھویں صدی ٣ اقرار کرنے والے

اس کو امکانِ کذب کا دھبہ لگاتا ہے اور حضرت فخرِ موجودات سرورِ کائنات جنھوں نے خود اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ہے کہ ایکم مثلی یعنی کون ہے تم میں میری مانند لستُ کاحدٍ منکم یعنی ایک تم میں میری طرح نہیں اور وہ تو وہی ہیں۔ ان کی بیبیوں کی یہ شان عالی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰنساء النبی لستن کاحدٍ من النساء (ترجمہ) اے نبی کی بیبیو تم عام عورتوں میں سے کسی عورت کی طرح نہیں۔ سو اب پھر اس زمانہ میں ایک ادنیٰ سا آدمی ہے کہ وہ کہتا ہے رسول اللہ میرے بھائی ہیں، واضح ہو کہ بھائی جس قدر ہوتے ہیں سب اپنے باپ کے کل ترکہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اس لفظ میں ایہام دعویٰ برابری حضرت فخر الانبیاء کے ساتھ ہے معاذ اللہ منہا اب کس کس اختلاف کو بیان کیجئے، ایک کہتا ہے کہ وتر ایک رکعت پڑھو تین رکعت ضرور نہیں،

تو مؤلف کے پیشوایان کا دین ہے اور مؤلف اس پر افسوس نہیں کرتا، اور امکان کذب کہ خلف وعید کی فرع ہے جو قدماء میں مختلف فیہ ہو چکا ہے اس پر طعن کرتا ہے اس سے حال علم و فہم مؤلف کا ہر شخص امتحان کر کے دیکھے فقط **قولہ** اور حضرت فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم الخ **اقول** ایکم مثلی میں مماثلۃ تقرب الی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے چنانچہ لفظ ما بعد کا یطعمنی ویسقینی (ترجمہ) وہ مجھکو کھلاتا اور پلاتا ہے) خود اس پر دلالت کرتا ہے اور ایسا ہی لستن کاحدٍ من النساء میں نفی مماثلہ شرف زوجیت ولوازم زوجیت کی مقصود ہے[1] پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا۔ البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلکم (ترجمہ) کہدیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں) اور بعد اسکے یوحیٰ الیّ کی قید سے پھر وہی شرف تقرب کو بعد اثبات مماثلہ بشریت کے ثابت فرما دیا پس اگر کسی نے بوجہ آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کے کہدیا وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے اور فخر عالم نے بھی فرمایا ودِدتُ انّی قد رأیت اخوانی الحدیث (ترجمہ) مجھے پسند ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں) پس اخوت بوجہ اولاد آدم ہونے کے کہا اور یہی وجہ قائل کی ہر موافق قرآن و حدیث کے ہے اس پر طعن کرنا قرآن و حدیث پر طعن ہے اور اس کا خلاف کہنا نص کی مخالفت ہے لہٰذا چونکہ جس نے آپ کو اخ کہا ہے بوجہ اولادِ آدم ہونے کے کہا ہے اور تقرب کی مماثلہ کا وہ ہرگز قائل نہیں لہٰذا یہ طعن سوائے مخالفت نصوص کے اور کیا ہووے گا اور آپ کی ذات کو بشریت سے نکال کر جو اشرف المخلوقات ہے کسی دوسری نوع میں داخل کرنا محض گستاخی اور ہتک شان رفیع ہے، سو مؤلف کو ہنوز یہ بھی خبر نہیں کہ قائل کی کیا مراد ہے اور طعن مؤلف کا خود قرآن و حدیث پر ہوتا ہے مگر اپنی کم فہمی کی کہانی کہنی ضرور ہے علیٰ ہٰذا حال آیۃ لستن کاحدٍ من النساء کا ہے **قولہ** واضح ہو کہ بھائی جس قدر ہوتے ہیں الخ

اقول البتہ خود نفس بشریت میں اور اولاد آدم ہونے میں ہر ایک میں مساوات بنص قرآن ثابت ہے اور کمالات تقرب میں نہ کوئی بھائی کہے نہ مثل جانے سو یہ طعن بالکل سفسطہ ہے خلاف فہم و عقل کے تامل درکار ہے جیسے کہ وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے

قولہ کہتا ہے کہ وتر کی ایک رکعت الخ **اقول** وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبد اللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ وغیرہما صحابہؓ اس کے مقر اور مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ کا وہ مذہب ہے پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے[2] خواب نسیان کا کیا ٹھکانا جب آنکھ بند کر کے ائمہ مجتہدین پر اور صحابہؓ اور احادیث پر تشنیع کی پس یہ تحریر بجز جہل کے اور کیا وجہ رکھتی ہے معاذ اللہ منہا،

[1] یعنی زوجیت کا شرف اور اس کی وجہ سے جو لوازم مرتب ہوتے ہیں ان کی مثال عام عورتوں میں نہیں ہے یہ کم عقلی ہے سو غور طلب ہے۔

[2] یعنی اگرچہ بہت سے صحابہ کرام اور امام اعظمؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ہیں مگر بعض صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک وتر کی ایک رکعت ہے سو اس قول پر طعن کرنا ان حضرات پر طعن کرنا ہے ہاں اگر غیر مقلدین پر اتباع ہوائے نفسانی کا طعن کرتے تو ممکن تھا نہ اس طرز سے جیسے کیا ہے ۱۲

اور تراویح بیس پڑھنی بدعت ہیں آٹھ سنت ہیں اسی طرح وہ محفل میلاد جس کو عالم عامل محدث کامل فقیہ فاضل حافظ ابو الخیر سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جمیع اطراف وجوانب ارض میں اہل اسلام پڑھتے ہیں مولد نبی کریم اور پاتے ہیں اس کے سبب برکات عظیم، اب اس دور میں کوئی آدمی اس کو کفر وشرک کہتا ہے کوئی بدعت کہتا ہے کوئی حرام نعوذ باللہ منہا ہے

محفل مدح پاک کو کہتے ہیں کفر وشرک جو بتان سے کہو واہیو منہ کو ذرا لگام دو

علی ہذا القیاس وہ اموات جو محزون ایک غار تنگ ودہناک وتاریک میں پڑے ہوئے آس کر رہے ہیں کاش میرا بیٹا یا بیٹی کچھ مجھکو دیں یا بھائی بہن فاتحہ درود بھیجیں، اب اس وقت میں بعض وہ صاحب ہیں کہ بے دھڑک فتوے دے رہے ہیں کہ یہ سب امور بدعت ہیں، ان مفتی صاحبوں میں جو واعظین ہیں وہ اپنی گو دبھرتے ہیں مردوں کا مال جسقدر دیدہ گٹھڑی باندھ لیتے ہیں اور جو ان میں مدرسین ہیں وہ امور فاتحہ مردہ کو بدعت بتلا کر تمامی اموال موتی کا اپنے مدرسوں میں آنا آرزو کرتے ہیں، غرضیکہ ہر کوئی اپنی طرف کھینچ رہا ہے، عوام جو تیئیں تراویح کی تعلیم میں کچھ رگڑتے تھے وہ بالکل شتر بے مہار ہو گئے، بدعت سن کر تمام مصارف خیر سے سبکدوش اور دست بردار ہو گئے امداد اموات بند ہو گئی، لیکن ان حضرات مانعین کو اس سے کیا غرض موتی اپنی قبروں میں تڑپا کریں اور مساکین بھوکے خاک میں لوٹا کریں اور تماشا یہ کہ جب ان سے کہیئے کہ میاں کیوں ا ر خیر بند کراتے ہو، کہتے ہیں واہ ہم تو بہت اچھا کام کرتے ہیں پس یہ کہنا ان کا اسی کے قریب جا کر ٹھہرا کہ قرآن شریف میں وارد ہے وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ، تیرہویں صدی میں لوگوں کا کیا عجب حال تھا اب چودھویں شروع ہوئی دیکھئے کیا قیامت ہو، دنیا میں کیا خرابی اور دین میں کیا مصیبت ہو، ان ایام میں دہلی کے تین نفر اور چند علماء دیوبند وگنگوہ وسہارنپور کی حسن توجہ سے اور مطبع خاص ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق پر چھپکر اکثر اطراف میں تشہیر کیا گیا ہے، حاصل نتیجہ اس کا یہ ہے، کہ محفل مولد شریف علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گناہ ہے، اور اسی طرح اموات کا فاتحہ درود جو ہندوستان میں رائج ہیں یہ سب خراب وتباہ ہے

قولہ تراویح بیس پڑھنی الخ **اقول** تراویح آٹھ سے زیادہ کو بدعت کہنا قول کسی عالم کا نہیں بلکہ قول سفہا کا ہے ایسے اقوال ساقط کا ذکر یہاں بے محل ہے البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن نہیں، **قولہ** اسی طرح وہ محفل میلاد الخ **اقول** نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر حالات کے مندوب ہے، چنانچہ یہ امر فتویٰ مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری میں صراحتاً مذکور ہے اور مؤلف اس کو دیکھ چکا ہے کہ یہ کتاب اس کی اسی فتوے کے رد میں تالیف ہوئی ہے البتہ امور غیر مشروعہ جو اس کے ساتھ ضم ہو گئے ہیں، اس کی وجہ سے حکم مجموعہ پر بدعت ومنکر ہونے کا یا شرک وحرمت کا لگایا جاتا ہے اور یہ حکم باعتبار ان قیود غیر مشروعہ کے ہے نہ بوجہ نفس ذکر کے چنانچہ یہ سب قریب معلوم ہو جائے گا، پس مؤلف کا یہ طعن بدون سوچے سمجھے ان فتاویٰ کے محض کم فہمی ہے افسوس کہ اصل سوال اور جواب کو غور بھی نہ کیا اور اعتراض کرنے کو کھڑا ہو گیا **قولہ** علیٰ ہذا القیاس وہ اموات جو محزون الخ **اقول** ایصال ثواب طعام وقراءۃ اموات کو کسی نے منع نہیں کیا اس باب میں جو منع ہے تو اس طرح وہیئت سے ایصال کو منع کرتے ہیں کہ جس میں تشبہ بکفار لازم آجاوے یا تقیید مطلق کی جاوے کہ یہ دونوں تمام امت کے نزدیک حرام وبدعت ہیں اور یہ امر کہ منع کرنا بوجہ قیود وہیئت

نفس ایصال ثواب [illegible]

لہ ازالہ بیہودگی کے شامل کہ غریبوں کو کھانا کھلاتے اور قراءۃ قرآن کے ذریعہ مردوں کو ثواب پہنچانا

کچھ دن اس پر نہ گذرے تھے کہ ایک فتویٰ دوسرا چوبیس صفحہ پر مطبع ہاشمی میں چھپکر دربدر پھرنے لگا۔ اس میں زیادہ تر مذمت میلاد شریف کی ہے اور وہی چودرقہ جو پہلے چھپا تھا پھر دوبارہ اسمیں چھاپا مجھ سے بعض اخوانِ طریقت نے بتاکید تمام یہ فرمائش کی کہ اس فتوے کے سبب لوگوں میں نزاع وجدال ہو رہا ہے اور کچے دل کے آدمی تشکیکات میں پڑے جاتے ہیں اور معاندین اس فتوے کو جابجا دکھاتے ہیں اب تم کو چاہیئے کہ تم خبر لو ورنہ یہ عوام جگر خام گرداب ضلالت میں ڈوب جائیں گے اور پھر کبھی ساحل ہدایت کی طرف خروج نہ پائیں گے ہرچند کہ مریض تغبیہ کم طاقت حوائج علائق سے کم فرصت اس قدر گنجائش نہ رکھتا تھا لاکن ملہم الصدق والصواب نے جسکے قبضۂ قدرت میں آدمی کا دل ہے میرے دل میں بھی ڈال دیا کہ بالفعل اس باب میں امر حق افراط و تفریط سے خالی لکھدینا چاہیئے، ایسے موقعہ میں سکوت کرکے عوام کالانعام کو جو اغوای مانعین سے بہکے جاتے ہیں .... نہ ڈبونا چاہیئے، تب میں نے نظر ڈالی دونوں فتووں مطبع ہاشمی پر تب پایا فتویٰ پچھلے میں زیادہ تر اہتمام فقط مذمت مولد شریف کا اور دیکھا پہلے فتوے میں انکار مولد شریف پر اور نیز طعن و تشنیع چند امور خیرات و حسنات پر اس لئے جواب لکھا میں نے اسی فتویٰ اولیٰ کا جیسے چند امور تھے اور نیز اس کے مکرر چھپنے سے اس کی تاکید سمجھی گئی تھی لیکن فتویٰ ثانیہ کی بھی دلائل اور مسائل کو اسی کے ذیل میں کہیں صاف صاف کہیں ضمناً رد کیا گیا ہے چاہیئے کہ ناظرین بچشم تدبر ملاحظہ فرماویں اور نام رکھا ہم نے اس فتویٰ کا فتویٰ انکاری جس مقام پر یہ نام آوے جان لیجئے وہی فتویٰ چودرقہ مانع الخیرات مراد ہے اور نام رکھا ہم نے اپنے رسالہ کا **انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ** مشتمل چار انوار پر نور اول میں دو لمعے ہیں **لمعہ اولیٰ** میں بیان ہے ان علماء و مشائخ کا جو مفتیان فتویٰ انکاری کے مقتدا ہیں **لمعہ ثانیہ** میں اس سوال کی نقل ہے لفظاً لفظاً جو اس فتویٰ انکاری میں تحریر ہے پھر جو کچھ خطائیں اس سوال میں ہیں ان کی تشریح پھر ثبوت دیا گیا ہے خوش آوازی اور فرش تکلفی بچھانے اور تقسیم شیرینی اور روشنی کرنے کا اور حرمین شریفین کی عظمت اور خطاب حاضر مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کرنے کا اور یہ کہ حکم شرعی موقوف فقط حدیث پر نہیں نور دوم میں چھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ میں جواب مانعین منقول ہے بلفظ اور مولوی محمد یعقوب صاحب مدرس اول مدرسہ دیوبند کی چار شکایتیں، لمعہ ثانیہ میں رد جواب مانعین ثبوت بدعت حسنہ بدلائل ساطعہ لمعہ ثالثہ میں نقل ہے عبارت مولوی عبدالخالق صاحب واعظ دیوبندی کی پھر رد کرنا اس کا لمعۂ رابعہ میں ہے رد عبارت مولوی عبدالجبار اور اثبات ہر جگہ موجود ہونے ملک الموت اور ابلیس اور چاند اور سورج کا۔ اور نہ مشرک ہونا آدمی کا اس اعتقاد سے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک محفل مولد شریف میں آتی ہے **لمعہ خامسہ** نقل عبارت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی پھر اس کی شرح، **لمعہ سادسہ** عبارت مولوی امیر باز خان صاحب واعظ جامع مسجد سہارنپوری کی، پھر جواب اس کا اور ذکر سماع اور حقہ کا،،

کے ہے نہ بوجہ ایصال کے اس فتوے میں جس کا رد کرنے کو مؤلف نے یہ کتاب لکھی ہے، مصرح، ہے مگر دیدۂ حق بیں نہ ہو تو اس کا کیا چارہ۔ پس اگر کسی نے مسلمانوں کو خسرانِ دین و دنیا سے بچایا کہ مال بھی ضائع ہو اور مقصود بھی حاصل نہ ہو کہ مقصود ثواب اموات تھا نہ کہ معصیت سے ملوث ہونا تو یہ عین دین ہے اس کو قبیح کوئی اہل دین و دانش ہرگز نہیں کہہ سکتا،

لہ جھگڑا ے شبہات کہ صدق اور ثواب کا الہام کرنے والا مراد اللہ تعالیٰ ہے کہ واضح ہے تعصان

نور سوم میں چھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ۔ جواز فاتحہ اور جواب دلائل مانعین لمعہ ثانیہ۔ جمعرات کی فاتحہ لمعہ ثالثہ، عیدین و شب برات و عشرۂ محرم میں ~~وانحم~~ لمعہ رابعہ جواز طریقہ فاتحہ سوم لمعہ خامسہ۔ ذکر چہلم و بستم و دہم کا اور بھیجنا گھڑا مسجد میں لمعہ سادسہ نصائح در باب اموات نور چہارم میں آٹھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ اثبات محفل مولد شریف لمعہ ثانیہ۔ یہ اعتراض کہ محفل مولد شریف کو کنھیا کے جنم اور نصاریٰ کے بڑے دن سے مشابہت ہے پھر اس کا جواب لمعہ ثالثہ یہ اعتراض کہ یہ محفل بدعت سیئہ ہے پھر اس کا جواب اور اصول مقررہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے ثابت کرنا کہ یہ محفل سنت ہے بدعت ہرگز نہیں کیونکہ اس کی اصل بھی ثابت ہے اور نظیر اور مثل بھی لمعہ رابعہ یہ اعتراض کہ محفل خاص بارھویں ربیع الاول کو کیوں کرتے ہیں اور ہر سال التزام کیوں ہے پھر اس کا جواب اور ثبوت تخصیص یوم و التزام دائمی چند دلائل سے لمعہ خامسہ یہ اعتراض کہ قیام شرک ہے اور روح کا وہاں حاضر جاننا شرک ہے پھر ان سب کا جواب اور چلنا پھرنا روحوں کا دلائل قویہ سے ثابت کرنا اور یہ بھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچتی ہے محفل مولد شریف کی، لیکن قیام اس واسطے نہیں کہ روح مبارک تشریف لائی ہے بلکہ قیام چند وجوہ سے شرع میں پایا گیا ہے لمعہ سادسہ۔ یہ اعتراض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہیں الفاظ حاضر مخاطب ان کے واسطے بولنے کفر ہیں پھر اس کا جواب دلائل قاطع سے اور ثبوت اس کا عہد صحابہ سے ابتک لمعہ سابعہ اعتراضات متفرقہ واہی تباہی پھر ان کا جواب لمعہ ثامنہ اسمار مبارک حضرات عالی درجات فقہاء و محدثین مجوزین این عمل و برکات تضمین یعنی مولد ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واولیاء امتہ اجمعین **مولف رسالہ**: جمیع اہل اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جب میں نے یہ بات دیکھی کہ بعض جاہلین فتوی انکاری پڑھ پڑھ کر اپنے مسلمان بھائیوں کو بیدردی سے چڑاتے ہیں اور فتنہ کی آگ جو اس قسم کی تحریکات نفسانی سے بھڑکتی ہے بھڑکاتے ہیں تب اس نزع باہمی پر کمال افسوس ہوا اور اگر یہ مفتیان دین سمجھتے کہ یہ آدمی فتوی لکھوا کر باہم سر پھوڑیں گے اور شیشۂ اتفاق و جمعیت سنگ تفرقہ سے توڑیں گے نہایت درجہ کے یقین کامل سے کہتا ہوں کہ کبھی یہ علماء اسمیں قلم نہ اٹھاتے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر کفار کو اپنی خانہ جنگی کا تماشہ نہ دکھاتے بجبر گذشتہ را صلوات اب میں بصد التجا سب صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں ایک مرد مبتلائی افکار ہوں، ترددات سے دم بھر خالی نہیں جنگ و جدال اور تضیع اوقات سے بچتا ہوں کیوں کہ میں کوئی وارستہ مزاج لاابالی نہیں اپنے کاروبار کو اصلاح دین کے لئے چھوڑ کر یہ رسالہ لکھتا ہوں،

البتہ واعظین و مدرسین پر جو کہ تمثل امر بلغوا عنی ولو اٰیۃ کے ہیں اور امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر کے عامل طعن و تشنیع کرنا اور بدظنی کو کام فرمانا کہ منہی عنہ بنصوص قطعیہ ہے لاریب تسویل شیطان اور ارضاء لعین ہے اور توہین نواب فخر عالم کی کرکے اپنی عاقبت کا برباد کرنا اور خلق کا گمراہ کرنا ہے پس مولف اپنے اس فعل شنیع سے اپنا انجام سوچ کہ کیا ہے اور یہ عذر کہ وہ بطمع دنیا یہ وعظ و درس کرتے ہیں سو اس کا حساب علی اللہ تعالیٰ ہے مولف کو حکم حسن ظن کرنے کا تھا نہ بدظنی کا لقولہ علیہ السلام ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ سو مولف عدول حکم ہو کر کون ہوتا ہے اور جو وہ اجرت لیتے ہیں

لہ آزاد لہ جس کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے

اے اہلِ اسلام بنظرِ انصاف کے اس کو دیکھو، نفسانیت کو ہرگز دخل نہ دیجیو، اگر حق سمجھ میں آجاوے تو قبول کیجیو۔ اور
قولِ سابق سے رجوع کرنے کو کسرِ شان مت سمجھیو، اور اگر مدتوں کی جمی ہوئی دل سے نہ نکالو تو اتنا بالضرور کرو کہ طرفِ
ثانی کی تشنیع سے زبان سنبھالو۔ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔ وہ لوگ جو باقتدائے سلفِ صالح ان امورِ حسنہ کے
قائل ہیں دیکھو ان کے پاس اپنی تقویت میں کس قدر دلائل ہیں، اور ادلۂ شرعیہ سے مدلل ان کے مسائل ہیں جو اوراق میں درج
ہیں۔ لمعۂ اولیٰ میں بیان ہے ان علماء و مشائخ کا جو مفتیانِ فتویٰ انکاری کے اساتذہ اور مشائخ اور مقتدا اور پیشوا ہیں واضح
ہو کہ اس فتوے کے جس قدر مفتی ہیں وہ معتقد ہیں ان دو عالموں کے یعنی مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی اسحاق صاحب
دہلوی کے پس بعضوں کو ان صاحبوں کے خاندان میں واسطہ در واسطہ رابطۂ شاگردی کا حاصل ہے، بعضوں کو مریدی غائبی
اور بعضوں کو محض تقلید اور اتباع، پس مولوی اسماعیل صاحب کا خاندانِ طریقت یہ ہے کہ وہ مرید ہیں سید احمد صاحب کے
اور وہ شاہ عبد العزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اور مولوی اسحاق صاحب علمِ حدیث میں شاگرد ہیں شاہ
عبد العزیز صاحب کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے اور مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا ایک
سلسلہ تو جاریہ ہے دوسرا نقشبندیہ مجددیہ وہ منتہی ہوتا ہے شاہ ولی اللہ پر اس طرح کہ یہ دونوں صاحب اور نیز تیسرے
مولوی محمد قاسم صاحب ساکن نانوتہ ضلع سہارنپور، یہ تینوں صاحب مرید ہیں جناب حاجی امداد اللہ صاحب کے اور وہ میاں جی
نور محمد صاحب کے اور وہ سید احمد صاحب کے اور وہ شاہ عبد العزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے حاصل یہ کہ
ان صاحبوں کے استاد یا پیر امام معتقد بہ فیہ حضرت شاہ ولی اللہ ٹھیرے اور شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اوپر کو اس طرح چلتا ہے
خاندان مجددیہ یہ ہے کہ وہ مرید ہیں اپنے باپ شاہ عبد الرحیم صاحب کے اور وہ مرید ہیں سید عبد اللہ صاحب کے وہ سید آدم بنوری
سے اور وہ امام ربانی مجدد الف ثانی سے الی آخرہ اور دوسرا سلسلہ اپنا شاہ ولی اللہ صاحب نے کتاب انتباہ میں یہ لکھا ہے
کہ اس فقیر نے علم حدیث لیا اور خرقۂ تصوف پہنا اور خلافت پائی شیخ ابو طاہر سے اور انھوں نے شیخ ابراہیم سے اور انھوں نے
شیخ احمد قشاشی سے اور انھوں نے شیخ احمد شناوی سے اور انھوں نے اپنے باپ علی بن قدوس سے اور انھوں نے شیخ عبد الوہاب
شعرانی سے اور انھوں نے شیخ جلال الدین سیوطی سے اور انھوں نے شیخ کمال الدین امام کاملیہ سے اور انھوں نے شیخ الاسلام

تو آخر علماء متاخرین نے درس اور وعظ پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور خود مؤلف بھی ایک رسالہ اس باب میں طبع کرا چکا ہے
پس یہ طعن اپنے اوپر اور علماء متاخرین اور فقہاء پر ہوا کہ اپنی غرض فاسد کی اتباع میں اپنا قول بھی یاد نہ رہا سخت تعجب ہے معہذا جو کچھ
واعظ کو اور مدرسہ میں بہ نیت ایصال ثواب دیا جاتا ہے اس کا ثواب بھی تو اموات کو پہنچتا ہے سو اموات کا حرمان نہ معلوم کہ مؤلف
کس طرح سمجھ گیا مگر شاید مؤلف کے نزدیک وعظ و درس کوئی گناہ ہے کہ اس کے صرف میں وصول ثواب بھی نہیں ہوتا معاذ اللہ ورنہ
وعظ و درس چونکہ فرض ہے ان کے صرف میں اجر بھی زیادہ ہوتا ہے تو مساکین کے دینے سے اس میں اموات کو زیادہ نفع ہے حسب حکم
شرع پس مؤلف کا یہ کلام محض کینہ کا اظہار اور بے خبری علم دین سے ہے پس جواب مسئلہ و طعنِ ناموزوں مؤلف کا حاصل ہو چکا اور

ابو الخیر ابن الجزری شیخ القراء والمحدثین سے الی آخرہ الحاصل یہ بزرگان مندرجہ سلاسل مذکور مقتدا اور پیشوا ہیں مفتیان فتویٰ انکاری کے اور نقل کیا ہم نے ان اسمار کو ان کی کتب مشائخ مثل انتباہ و قول جمیل، وضیاء القلوب، اور یہ اس لئے کہ ہم جو قول لیا دلیل پیدا کریں گے تو وہ یا خود ان بزرگواروں کی تصانیف میں ہوں گی، یا ان بزرگواروں کی مسلم الثبوت کتابوں میں **لمعۂ ثانیہ** سوال فتویٰ انکاری کی نقل ہے **سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی مدح سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردان خوش الحان خوانندہ ہوں، و زیب و زینت و شیرینی کثیر ہے اور رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں، اور قیام وقت ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز ہے یا نہیں اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں، اور نیز بروز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ کے آب و طعام سامنے رکھکر اس پر فاتحہ وغیرہ ہاتھ اٹھا کر پڑھنا، اور ثواب اس کا اموات کو پہنچانا جائز ہے یا نہیں اور نیز بروز سوم میت کے لوگوں کو جمع کرکے قرآن خوانی و کلمہ طیبہ چنوں بھنوں پر سا پنج آیت کے و شیرینی تقسیم کرنا بحدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا؟ تمام ہوئی عبارت سوال کی حرفاً حرفاً، شرح اس سوال کی کرتا ہوں اس طرح پر کہ عبارت سوال پر لفظ قولہ ہوگا اور میری عبارت پر لفظ اقول ہوگا، **قولہ**۔ جس مجلس میں امردان خوش الحان خوانندہ ہوں الخ **اقول** دیکھو سائل چونکہ سخت عناد محفل خیر العباد رکھتا ہے خواہ اپنے مفتیوں کے مشورہ سے خواہ اوروں کی کمیٹی سے وہ لفظ درج کرتا ہے جسمیں مفتی صاحب بے کھٹکا مہر مناہی کی لگادیں۔ بھلا کوئی اس سائل سے پوچھے کہ کیا مجلس میلاد کو خاص امردانِ خوش الحان ہی پڑھتے ہیں اے مرد خدا آنکھیں کھولکر دیکھ دہلی میں مولانا عبد الحکیم صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور

جو کچھ کلام لا یعنی اس کا سوائے اس کے نہ اس کا حوالہ یوم الجزاء پر کیا جاتا ہے نہ یہ کام علم کا ہے، بلکہ دہلی کے بھکڑ باز اس سے زیادہ لکھ سکتے ہیں اس کے بعد جو مؤلف نے وجہ تالیف لکھی اور اپنے عالم متبحر ہونے اور معتبر زمانہ کی داد دی ہے اس کا جواب دینا فضول ہے کیونکہ یہ کتاب مؤلف کی خود شاہد اس کے علم و فہم کی اور مکذب اس کے دعوے کی موجود ہے کہ ہر اہل علم مبلغ فہم مؤلف کا دریافت کرسکتا ہے علیٰ ہذا ابتویب و تقسیم رسالہ در لمعہ اولیٰ نمبر اول کا قابل جواب نہیں اس سے مجبور کرکے آگے بڑھتا ہوں فقط **قولہ لمعۂ ثانیہ** سوال فتویٰ انکاری کی نقل الخ **اقول**۔ سائل نے وہ ہیئت واقعہ محفل مولود جو مروج ہے درج سوال کرکے اس کا حکم پوچھا سو اس کی غرض یہی کہ اصل ذکر مولود کو تو سب علماء جائز رکھتے ہیں مگر اس ہیئت کا کیا حال ہے مؤلف نے بنام نہاد شرح سوال کے اس کا جواب یا ہے اور شرح میں اپنی رائے سے جو مناسب جانا لکھدیا ہے چنانچہ ظاہر ہوا جاتا ہے **قولہ** اقول۔ دیکھو سائل چونکہ سخت عناد محفل الخ **اقول** یہ مؤلف کا محض کینۂ قلبی ہے کہ سائل کو معاند فخر عالم علیہ السلام کا لکھا ہے البتہ اگر سائل متبع سنت ہے تو اس ہیئت کا معاند بیشک ہوگا کیونکہ اس ہیئت کو بدعت جان کر اس سے مجتنب ہے لقولہ علیہ السلام کل بدعۃ ضلالۃ، اور اصل ذکر کو وہ مندوب ہی جانتا ہے مگر مؤلف کے حسن فہم سے جو کچھ اس کے قلب میں ہے وہ ٹپکتا ہے **قولہ** وہ لفظ درج کرتا ہے الخ **اقول** اس کلام سے اس قدر معلوم ہوا کہ امردان کا حاضر ہوکر غزل و قصیدہ پڑھنا مؤلف کے نزدیک بھی موجب تامل فتوی کراہت کے دینے کا

بیان زیب و زینت محفل مولود بروجہ احسن

۱؎ اچھے آواز والے نابالغ لڑکے ۲؎ ممنوع ۳؎ جھٹلانے والی ۴؎ مخالف

مولوی وزیر الدین واعظ جامع دہلی اور چند علماء معمر میلاد شریف پڑھتے ہیں اور کئی برس کو مولوی عبدالرب صاحب دہلوی بھی مولد شریف پڑھتے تھے خوب محفل سجاتے ہیں یہ بھی ساٹھ برس کے ہوں گے امرد خوبرو نہیں ہیں البتہ بعض محافل میں کوئی لڑکا خوش آواز بھی آجاتا ہے

ہے جس سبب سے سائل پر غصہ ہے کہ کیوں ایسا سوال بنالیا اور مؤلف اپنی مجالس میں امردوں کی مولود خوانی سے انکار کرتا ہے مگر مؤلف کا یہ قول کسقدر کم فہمی ہے کو کیا مجلس میلاد کو خاص کر ان خوش الحان ہی پڑھتے ہیں کیوں کہ سائل نے کب کہا ہے کہ امرد ہی پڑھتے ہیں یہ حصر تو مؤلف کے فہم ناقص سے پیدا ہوا ہے، سائل یہ کہتا ہے کہ امردان خوش الحان خوانندہ ہوں اور خوانندہ ہونا عام ہے کہ بالکل وہی پڑھیں یا کچھ پڑھیں اور مطلب سائل کا حسب واقعہ مروجہ بے قصائد مدح وغیرہ مجلس میں پڑھنے سے ہے نہ کہ خود کتاب مولود کی پڑھنا سو یہ توجیہ مؤلف کی خواب غفلت ہے کیوں کہ اس کی غرض حضور امارد اور خوش الحانی سے قصائد پڑھنا ہے اور یہ امر مجالس میں موجود ہے کیوں کہ اس سے انکار کرنا ممکن نہیں تھا کہ خود مولف کی محافل میں بھی یہ امر موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کے دفعہ کے واسطے یہ تدبیر کی کہ قول سائل ہے کہ امرد خوانندہ ہوں امرد کا کتاب مولود کی پڑھنا شرح سوال میں مراد لیا اور پھر استشہاد لائے کہ دہلی وغیرہ میں سب بوڑھے اور معمر پڑھتے ہیں سبحان اللہ خوب شرح کی اور خوب اعتراض کیا عوام کو تو شاید دھوکہ لگجائے مگر فہیم آدمی تو اس کاریگری کو خوب سمجھ لیویگا پھر یہ کہ اگر بالفرض یہ امر نہ بھی ہوتا تاہم سائل ایک صورت فرضی کرکے اس کا حکم پوچھتا ہے اور ہر روز یہ ایسے سوالات امر شائع رہے ہیں یہاں تک کہ کتب فقہ میں بعض ایسے سوال مندرج ہیں کہ محال عادی ہیں، پس سائل پر یہ عتاب مؤلف کا کہ یہ صورت کہاں ہوتی ہے ایسا سوال کیوں کرتا ہے کون عقل کی بات ہے مجیب اور عالم کو واقعہ سے کیا بحث ہے وہ سوال کی صورت کا جواب دیتا ہے یہ مؤلف کا نیا قاعدہ مخترعہ ہے مگر بات وہی ہے کہ سائل نے خود عیب مؤلف کا بیان کیا اس کے رنج میں غصہ آگیا اور دوسری شرح خلاف مقصود کرکے جواب میں انکار واقعہ کردیا گیا مگر اس تغیر سے کیا حاصل ہوا کیوں کہ قصائد خوانی اور مولود خوانی دونوں کا ایک ہی حکم ہوئے گا غرضیکہ حضور امارد خوش الحان سے ہے مگر مؤلف ایسا فہم کہاں سے ہوگیا جو اس کو سمجھتا یہ سمجھا کہ جواب سکید وش حالاں کہ یہ جواب قابل خندہ ہے کیوں کہ سائل پوچھتا ہے کہ جس محفل میں امردان خوش الحان قصائد پڑھیں اور حالانکہ امرد بعض حسین صبیح بھی ہوتے ہیں اور مجالس مولود میں جوانان فساق فجار بھی حاضر ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں اندیشہ فتنہ کا ہے سو جوں کہ سب سامان فتنہ وہاں موجود ہوتے ہیں تو مظنہ شہوت حرام کا ہے کہ امارت کوئی صبیح کم کوئی زیادہ اور خوش لحنی اور لباس صاف اور خوشبو کا ہونا اور فسق و فجور شباب کا ہونا داعی پس ایسی حالت میں گو ذکر مخبر عالم علیہ السلام کا ہی ہو مگر مظنہ شہوت بظن غالب ہے ایسی محفل کا کیا حکم ہے اگرچہ ذکر مندوب ہے مگر لحوق معصیت اور کراہت کا بھی ہے اور مجموعہ پر حکم باعتبار قیود کے ہوتا ہے تو مؤلف نے جواب اول تو دیا کہ دہلی وغیرہ میں کوئی امرد مولود نہیں پڑھتا اور اگر کوئی امرد آجاوے تو امردوں کو قرآن یا مدح پڑھنا کہیں منع آیا وہ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب ہے، وہ تو پوچھتا ہے کہ اس مجمع اور ہیئت میں حاضر ہونا اور مدح خوانی کیسی ہے مؤلف جواب دیتا ہے کہ مکتب میں یا خلوت و گھر میں قرآن پڑھنا منع نہیں ہے وہ مکتب و خانہ قرآن و مدح کو پوچھتا ہے یا مطلق قرآن و مدح کو پوچھتا ہے وہ تو ایسے مجمع میں کہ مظنہ فتنہ کا ہے سوال کرتا ہے مطلق قرآن و مدح کو اس نے کہاں پوچھا

[1] دلیل [2] ایجاد کردہ [3] امرد کی جمع [4] گمان [5] خوبصورت [6] قید کی جمع۔

کوئی منقبت یا مدح یا حمد خوش آوازی سے پڑھ دیتا ہے. سو یہ کہیں قرآن و حدیث فقہ اصول سے ثابت نہیں کہ امردوں کو قرآن پڑھنا یا اپنے رسول کریم کی مدح اور نعت کا پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ تعریف زلف و رخ و خال و خد محبوبان نازنین کا ذکر نہیں پڑھتے باقی رہی خوش الحانی. سو اس فرقہ کے مسلم الثبوت عالم ربانی مجدد الف ثانی جلد ثالث مکتوبات میں فرماتے ہیں دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغییر حرف وقرآن است والتزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صورت بآں بطریق الحان یا تصفیق مناسب آں کہ در شعر غیر مباح است انتہیٰ اس سے معلوم ہوا کہ خوش آوازی سے مولود پڑھنا جائز ہے ہاں البتہ تالی بجانا اور رعایت راگنی کے قواعد کی نہ چاہیئے یہ ان کا قول ہے اور مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں والحق ان السماع اذا وقع بصورت حسن بشعر متضمن للصفات العلیا والنعوت النبویۃ المحقۃ بیعن یا عن الالات المحرمۃ وآثار کان من الجنۃ الشریفۃ العلیہ کان من الحسن فی غایتہ و تمام تزکیۃ النفس نہایتہ الی اخرہ اور نیز مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں کہ حب عشقی کے بیان میں. از جملہ مؤیدات آن استماع الحان خوش و اصوات دلکش و قصص شوق آمیز و اشعار عشق انگیز است انتہیٰ اور ابن جزری جو سید احمد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ میں ہیں فرماتے ہیں سن ستات سو بچاسی ہجری ۶۸۵ھ میں بادشاہ مصر نے محفل مولد شریف کی تھی اس میں حاضر ہوا محفل کا احتشام دیکھکر محکوجیرت

ہے اور جو مؤلف کی غرض ہے کہ اصل ذکر تو درست ہے گو عروض فتنہ عارض ہو گیا تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ حرمت عارضی بھی مثل اصلیہ کے محکوم ہوتی ہے اگر یہ مراد ہے کہ مطلق جب حلال ہوا تو پھر جس قید میں اس کا وجود ہو حلال ہی ہے فاتحہ یہ بھی سراسر غلط ہے کہ مطلق حلال قید ممنوع سے ممنوع ہو جاتا ہے چنانچہ نماز ارض مغصوبہ میں ممنوع و مکروہ ہے اور یہ جو مراد ہے کہ امرد اگر خد و خال کے اشعار پڑھے تو منع ہے مگر مدح فخر عالم علیہ السلام کا اندیشہ نہیں تو یہ بھی محض غلط ہے کیونکہ شہوت پرستوں اور جوانان باشہوت کو مدح اور قرآن اور غزل میں اور صلوٰۃ و ذکر میں کچھ تمیز نہیں ہوتی طبعًا اور یہ امر بدیہی ہے ہر شخص جانتا ہے گو مؤلف دیدہ و دانستہ انکار کرے یا بوجہ ضعف دماغ کے قوت شہویہ زائل ہو گئی ہو. دیکھو درمختار میں صبیح کی امامت کو مکروہ لکھا ہے ـــ اور وجہ اس کی وہی مظنۃ فتنہ ہے جب نماز اور قرآن میں علماء مکروہ لکھتے ہیں تو ایسی مجلس میں مدح خوانی کب درست ہووے گی اور احیاء العلوم میں امرد کی صوت کو در صورت مظنہ فتنہ کے مکروہ لکھا ہے مؤلف آنکھ کھولکر مطالعہ کرے پس ہر گاہ کہ ابن ماجہ صلاح میں اس کو مکروہ لکھا ہے تو اس زمانہ فتن میں صلحاء کا بھی حال قابل طمانیت نہیں چہ جائیکہ اس محفل میں جہاں فساق[1] موجود ہوں پس حاصل یہ کہ مؤلف نے کمال فہم کو کام فرمایا کہ سائل تو ایسی محفل کے حضور کو پوچھتا ہے جسمیں فتنہ کا ظن غالب اور امارد کا وہاں ہونا موجب فتنہ کا ہے اور مؤلف جواب دیتا ہے کہ امرد کا قرآن و مدح پڑھنا درست ہے یہ علم مؤلف کا قابل دید ہے **قولہ** باقی رہی الحان. خوش الخ **اقول** بیان ہے مؤلف اپنے دعوی پر دلیل لایا ہے کہ صوت حسن جائز ہے حضرت مجدد کا قول اور مواہب لدنیہ کی عبارت اور صراط مستقیم کی تقریر مگر کوئی مؤلف سے پوچھے کہ ان روایات سے صوت حسن کا جواز معلوم ہوا مگر امردوں حسن الصوت کا مجمع فساق میں پڑھنا ثابت نہیں ہوتا سائل اس ہیئت کو پوچھتا ہے نہ مطلق صوت حسن کو تو آپکی ان روایات کو

[1] جو زمین زبردستی کسی سے چھین لی ہو. نابالغ لڑکا. جب فتنہ کا گمان ہو. فاسق کی جمع

ہوئی اور میں اس کو دیکھکر خوش ہوا خیال کرتا ہوں کہ اس محفل میں دس ہزار مثقال سونا خرچ ہوا ہوگا، کھانے پینے کی چیزوں اور خوشبوئیں اور روشنی شمعوں میں پچیس حلقے تو چھوٹی عمر کے لڑکوں قرآن قرارت سے پڑھنے والوں کے تھے نقل کیا اس حکایت کو ملا علی قاری نے اپنی مورد الروی میں اور اس کے قریب قریب ذکر کیا نورالدین ابوسعید برانی نے اور یاد رکھو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے خوش آواز کو روایت ہے کہ سنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا ابی موسیٰ کا فرمایا لقد اوتی مزمارا من مزامیر آل داؤد جب یہ خبر ابی موسیٰ کو پہنچی، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو میں جانتا کہ آپ سنتے ہیں تو خوب ہی بنا کر پڑھتا غرضکہ حسن صوت اور خوش الحان ہر سلیم الطبع کو پسند ہے مگر جو لوگ بلید الطبع بارد مزاج ہیں وہ اس کی قدر نہیں جانتے علامہ قسطلانی نے مواہب میں لکھا ہے ومن الجمل مع بلادۃ طبعہ تیأثر بالحداء تاثرا یمد عنقہ ویصغی سمعہ الی الحادی فمن لم یحرکہ فہو فاسد المزاج وبعیدا لعلاج انتہی اسی معنی میں سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اشتر بشعر عرب در حالت است و طرب گر ذوق نیست ترا کج طبع جانورے

قولہ زیب و زینت **اقول** یہ لفظ اکثر مانعین و منکرین میلاد سے سنا ہے کہ وہ منجملہ دلائل منع کے زیب و زینت کو بھی منہیات میں شمار کرتے ہیں محفلِ میلاد میں زیب و زینت یہ ہوتی ہے کہ بانی محفل دری چاندنی قالین خوب صورت جو اس کو بہم پہنچتے ہیں اپنے گھر میں

کیا سود حاصل ہوا و سوائے تطویل کے کون سا نفع ملا علی ہذا ابن جزری کے قصے میں پچیس حلقے لڑکوں میں قرآن خوانی کو وہ بھی بچگان[1] کی قرآن خوانی کو تشبیہ نہ اس سائل کے مقصد کو مضر علی ہذا حدیث لقد اوتی مزمارا من مزامیر آل داؤد اور قسطلانی کا قول اور سعدی کا شعر ان سب سے سوال کا جواب ہرگز حاصل نہیں ہوتا مؤلف کی محض تطویل در خواہ مخواہ جمع کرنا روایات بے محل کا جس سے جہلا[2] تو سمجھ گئے کہ مؤلف نے بہت سے دلائل سے مدعی اپنا ثابت کیا اور اہل علم جان گئے کہ مؤلف کو سوائے جمع الفاظ کے معنی اور مطلب سے کوئی بھی مناسبت نہیں سائل کچھ پوچھتا ہے اور مؤلف کچھ اور ہی جواب دے رہا ہے جس امر کو سائل لکھتا ہے اس کو فقہا خود منع کرتے ہیں نماز و قرآن میں بھی اور جس کا جواب مؤلف دیتا ہے وہ سب کے نزدیک درست ہے اس کو اس سے کچھ مناسبت ہی نہیں ہے پس ایسے فہم مؤلف پر ہم کو بڑا اندیشہ ہوتا ہے کہ جب مؤلف کا یہ طریقہ ٹھہرا کہ اگر کوئی مقید کا حکم پوچھے گا مؤلف مطلق کا حکم بتلا کر گمراہ کیا کریگا مثلاً سائل کہے گا کہ بکری چوری کی کیسی ہے مؤلف جواب دیگا کہ بکری حلال ہے قرآن و حدیث میں بکری کو حلال لکھا ہے حرام کہیں نہیں لکھا کوئی پوچھے گا کہ زوجہ سے نفاس[3] میں صحبت کیسی ہے مؤلف کہے گا صحبت اپنی زوجہ سے حلال ہے کہیں حرام نہیں لکھا، علی ہذا تمام ابواب فقہیہ کو قیاس کر لو کہ سائل قید کے حکم کا طالب ہوگا مؤلف مطلق کا حکم بتلا کر گمراہ کرے گا اور تمام دین کو برہم کر دیوے گا لاحول ولا قوۃ الا باللہ، جیسا اس سوال میں علم و فہم کو مؤلف نے صرف کیا کہ سائل ایسے مجمع میں کہ مظنہ فتنہ[4] کا ہے امردوں کی غزل خوانی کو پوچھتا ہے مؤلف صوتِ حسن کے جائز ہونے اور امرد کو قرآن و مدح پڑھنے کو جواز کی دلیل قرار دیکر جواز اس امر ممنوع کردہ کا ثابت کرتا ہے اور پھر اس علم پر فخر کرتا ہے اور جو کسی اور سے بزعم مؤلف کچھ بظاہر سرزد ہو جاوے تو اس پر سخت اعتراض کرتا ہے اور خود اپنی خبر نہیں **قولہ** زیب و زینت .... **اقول**، یہ لفظ اکثر مانعین الخ **اقول** اس کو بھی مؤلف خوب سمجھے اور

[1] بچے [2] جمع جاہل کی [3] نفاس وہ خون جو عورت کو ولادت کے بعد آتا ہے [4] فتنہ کا گمان

بمقام محفل بچھاتا ہے سو یہ باتیں سب جائز ہیں فتاوی عالمگیری جو فریقین کی مسلم الثبوت کتاب ہے مولوی اسحاق صاحب جابجا اپنی تصنیفات میں اس کی سند پکڑتے ہیں اس کی جلد خامس باب ستم میں ہے کہ جائز ہے انسان کو بچھانا اپنے گھر میں جو کچھ چاہے فرش ہو قالین سفید یا رنگین سادہ یا نقشین **قولہ** و شیرینی **قول** یہ لفظ بھی اس لئے درج کیا ہے جب مجین ذکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مانعین کے منع پر کسیطرح شمول محفل میلاد شریف سے باز نہیں آتے تب یہ چال ڈالتے ہیں کہ ایک گفتگو طعن و تشنیع کے طور پر شروع کرتے ہیں کہ شاید ہمارے چڑانے سے اس محفل کو ترک کریں کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیرینی کی طمع سے جاتے ہیں اور وہ لوگ بھی جواب ترکی بہ ترکی چڑانے کا جواب چڑانا اس طرح پر یہ اشعار پڑھ دیتے ہیں۔ **اشعار**

خوب جواب دیا اور مصداق اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کی ہوئی کیوں کہ اور سفقیان پر طعن کرتے ہیں کہ کس واسطے تفصیل مسئلہ کی نہیں لکھتے اجمالی جواب دیتے ہیں اور یہاں خود اس پر عمل کرتے ہیں سنو کہ غرض سائل کی صاف ظاہر ہے کہ یہ ہے کہ جب محفل میلاد میں حضور جوان و طفل و پیر و صالح اور فاسق دنیا دار ہر قسم کے آدمی کا ہوتا ہے اور حسب عادت بوجہ رغبت کے عمدہ فاخرہ لباس میں آتے ہیں اور بیشتر لباس غیر مشروع بھی ہوتا ہے اور وضع میں بھی امر غیر مشروع ہوتا ہے اور موقع امر بالمعروف کا بھی نہیں کیونکہ اگر امر بالمعروف ہو تو یہ مجمع ہی نہ ہو، چنانچہ سب مشاہد کر علی ہذا القیاس بساط[1] آرائش میں اکثر خلاف شرع ہو جاتا ہے اور دیوار گیری وغیرہ امور بھی ہوتے ہیں پس جہاں کہیں کہ زیب و زینت کسی قسم میں حسب عادت خلاف مشروع ہوا ور امر بالمعروف نہ ہو سکے وہاں حاضر ہونا کیسا ہے اور ذکر ولادت فخر عالم علیہ السلام کا وہاں جا کر سننا کہ مندوب ہے ایسی محفل میں کہ یہ امور غیر مشروع وہاں عمل میں آئیں جائز ہے یا نہیں تو مؤلف صاحب نے کس جزم کے ساتھ جواب دیا ہے کہ اول تو شرح زیب و زینت کی آپ ہی کی کہ فقط فرش کو اس کا مصداق بنایا اور دیوار گیری وغیرہ زیب و زینت مکان کو اور زینت حاضرین کو یک قلم حذف کیا اور فرش کی زینت کو بھی اُڑا کر اور عموماً جواز کا حکم فرما دیا گویا زیب و زینت چاندنی دری ہی کا نام ہے لغةً اور پھر فرش بساط بھی گویا کبھی غیر مشروع ہوتا ہی نہیں نہ کچھ تفصیل کی نہ شرح کی مطلقاً سب کو مباح لکھدیا حالاں کہ بخاری میں منقول ہے کہ ابو ورا صحابی دیوار گیری ہونے کے سبب ابن عمر کے گھر سے لوٹ آئے اور دعوت کو کہ سنت ہے رد کر دیا اور عالمگیریہ ہدایہ وغیرہ میں موجود ہے کہ اگر محل دعوت میں معصیت ہو تو وہاں جانا جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین پس جہاں لباس حریر اور داڑھی چڑھی ہوئے اور پاجامہ میں اسبال[2] اور مکان میں دیوار گیری اور قندیل سوز وغیرہ چاندی کے مثلاً اور دیگر امور ہوں وہاں جانا کس طرح درست ہو گا مگر مؤلف نے چشم بند کر کے عوام کو دھوکہ دینے کو حکم جواز کا دیکر ایک روایت عالمگیری کی نقل کر دی اور غرض و مراد سائل سے کچھ بھی خبر نہیں یہ تماشا ہے کہ سائل کچھ پوچھتا ہے اور مؤلف کچھ اور شے کا جواب دے رہا ہے، اولاً سوال عام کو ایک فرد میں مقید کر دیا، ثانیاً اس فرد کو بھی بلا تفصیل مطلقاً حلال لکھدیا اور صریح خلاف نصوص کے فتوی جواز کا دیدیا اور پھر تمام دنیا پر اعتراض کہ جواب و سوال میں مطابقت نہیں اور جواب میں اجمال ہے اور اپنا یہ حال کہ سوال جواب کو مناسبت نہیں انّ ھٰذا لشیء عجاب

بحث شیرینی و تحقیق مسئلہ التزام مباح | **قولہ** شیرینی **اقول** یہ بھی اسلئے **اقول** اس قید کی شرح میں تو مؤلف نے خوب داد اپنے علم کی دی

---

[1] بچھونا [2] پاجامہ کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔

سب میں تقسیم اگر مٹھائی ہوئی * تم کہو اسمیں کیا برائی ہوئی * مومنوں کا تو منہ ہوا میٹھا * ہاتھ ملسل کے تم نے سر پیٹا
دونوں نعمت نصیب ہم کو ہوئیں * ذکر شیریں و لقمۂ شیریں * دونوں لذت سے تم رہے محروم * کیا کریں اپنا اپنا ہے مقسوم
تم کو دنیا کوئی بھلی نہیں * تاکہ منکر کا دل جلے بھی کہیں * اور کبھی اور بھی اشعار پڑھ کر ان کی مذاق بازی کا جواب دیتے ہیں
وہ مرجائیں سر پٹک کے حسود * ہم نہ چھوڑیں گے محفل مولود * اپنے حضرت کا ذکر کیوں چھوڑیں * جن کی امت ہیں ان سے منہ موڑیں
خیر یہ تو گفتگو فریقین کے مذاق میں ہوتی ہے اب ہم اصل بات سناتے ہیں نہ شیرینی کے واسطے لوگوں کو آنا منع ہے اور نہ صاحب
محفل کو تقسیم شیرینی منع ہے۔ آنا اس لئے منع نہیں کہ صاحب محفل نے جو شیرینی وغیرہ کچھ تیار کیا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ سب
صاحب میرے گھر آویں اور حسب حصہ تناول فرماویں در حقیقت یہ ضیافت ہے تھوڑی بہت چیز پر مقرر نہیں حکم شریعت یہ
ہے کہ اِنْ دعیتم اِلیٰ کراع فاجیبوا یعنی اگر بکری کے ایک پایہ کھلانے کے واسطے بھی تم کو بلادیں تو قبول کرو اور ہدایہ میں ہے من لم
یجب الدعوۃ فقد عصیٰ ابا القاسم یعنی جو مسلمان دعوت کیا ہوا بغیر عذر نہ آیا تو اس نے نافرمانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افسوس
وہ لوگ تو تعمیل سنت کیلئے آویں قلیل کثیر پر نظر نہ کریں۔ یہ کمبخت ان عاملانِ سنت پر طعن کریں اب کہئے کس کے ایمان میں یہ تزلزل
آیا؟ اور بیان اس کا اثباتِ محفل مولد شریف میں بھی کرینگے، اور صاحب محفل کو تقسیم کرنا اس لئے منع نہیں ہو کہ شاہ عبد العزیز رح
صاحب رسالہ ما اہل بہ لغیر اللہ مطبوعہ مطبع محمدی کی ص۲۳ میں لکھتے ہیں، وتقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء انتہیٰ
بلفظہ فتاوی خزانۃ الروایات کی فصل ضیافت اور روح البیان کی جلد دوسری میں لکھا ہے فی بطن المؤمن زاویۃ لایملاء الا الحلواء

کیوں کہ علمی بحث میں ایسے مسخریات کا لکھنا مؤلف ہی کا کام ہے اس کے جواب میں کاغذ کا سیاہ کرنا فضول ہو مگر جس کو مؤلف نہ سمجھا
ہم کو اس کی تشریح کرنا ضرور ہوا اول مؤلف کے فہم کی خوبی قابل غور ہے کہ سوال مسئلہ کا تو علماء مانعین سے ہے اور قید شیرینی کی اس
میں مجوزین کے چڑانے کو لکھی سبحان اللہ اگر یہ سوال مجوزین کے پیش ہوتا تو یہ گمان کچھ بجا ہوتا مگر مؤلف صاحب کو مضمون فہمی سے
تو کچھ کام ہی نہیں اپنے فہم سے آپ جو جی چاہا ترجمہ کر دیا آپ ہی جواب دیا اور خوش ہو گئے اور عوام کے نزدیک اپنا تبحر علمی ظاہر
کر دیا مگر اہل علم آپ کے علم کو خوب سمجھ گئے سنو کہ شیرینی کا ہونا بھی مثل زیب و زینت لباس بساط مکان کے ایک جزو ہیئت کذائی
مجلس ہے سائل یہ پوچھتا ہے کہ تقسیم شیرینی فی حد ذاتہ مباح ہے مگر چوں کہ کوئی مولود خالی اس سے نہیں ہوتا گویا کہ لوازم ضروریہ مجلس
مولود کا ہو گیا ہے تو ہر چند غرض صاحب محفل کی یہ ہو کہ اس کے ذریعہ سے مجمع خوب ہو جاوے کہ اطفال و شباب کے مزاج میں
رغبت اس کی رکھی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جو نماز فرض اور جمعہ اور وعظ میں کبھی رخ بھی نہیں کرتے اگر ایک فی لڈو کی بھی کہیں توقع
ہو گئی ہے تو معہ تمام فرزندان کے کپڑے بدل کر رات کو بھی سب سے پہلے حاضر ہو جاتے ہیں یا کوئی دوسری غرض ہوتی ہو گی مگر بہر حال
لیس التزام سے عوام کو ضروری ہونا شیرینی کا اس محفل میں عقیدہ ہو گیا ہے اور یہ مسئلہ محقق ہے کہ مباح کا ایسا التزام کہ عوام کو
موجب تنگدلی کا ہو جاوے، مکروہ ہوتا ہے پس جب یہ محفل محتوی امر مکروہ کو ہوئی تو ایسی مجلس میں جانا جائز ہے یا مکروہ یہ مراد سائل
تھی مگر مؤلف اپنے مذاق کی طرف اس کو کھینچ کر لے گیا اور اصل مطلب سے بالکل غافل خوش طبعی کرنے لگا اور خواہ مخواہ ورق سیاہ

ے جو ترانے والے لے بذات خود ے مشتمل

یعنی مومن کے پیٹ میں ایک گوشہ ہے جس کو نہیں بھرتی، کوئی چیز سوا مٹھائی کے اتھی، اب خیال کرنا چاہیئے کہ گوشہ شکم مومن جو
کہیں سے نہیں بھرتا مٹھائی سے اس کا خلو رفع کرنا کچھ اجر کی بات ہوگی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے لن تنالوا البر حتٰی تنفقوا مما تحبون، یعنی
نہیں پہنچو گے تم نیکی کی حد کو جبتک نہیں خرچ کرو گے وہ چیز جس کو دوست رکھتے ہو اور حدیث شریف سے معلوم ہوا ہے جن چیزوں
کو مومن دوست رکھتا ہے ان میں مٹھائی بھی ہے چنانچہ خزانۃ الروایات و نیز تفسیر روح البیان میں آیا ہے قال علیہ السلام ان المؤمن
حلو یحب الحلاوۃ پس معلوم ہوا کہ جو چیز خود قاسم و مومن اور نیز مومنین مقسوم علیہم کو محبوب ہے آدمی اس کے تقسیم کرنے میں نیکوکاری کی حد کو
پہنچتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس طرح کی وجوہات سے شاہ عبد العزیز نے اس کو مستحسن اور خوب باجماع علماء لکھا ہے **قولہ** ورد شبہا
کثیرا۔ اقول، سائل کی بندش اور تقریر دیکھو سب جانتے ہیں محاورہ اہل زبان ہند کا کہ اگر کسی بزرگ کے مزار پر ایک چراغ جلتا ہو تو اس کو روشنی
کوئی نہیں کہتا بلکہ روشنی اس کو کہتے ہیں جس میں زیادہ چراغ جلیں سائل نے فقط روشنی کا لفظ نہ لکھا بلکہ اسمیں اور لفظ جمع کا یعنی لفظ ہائے

کئے ہیچ ہے ع ہر کس بقدر ہمت اوست :: اہل علم علم کو جانتے ہیں اور اہل بطن لذت اکل و مشرب کو پس جناب مؤلف نے اس کو دعوت
قرار دیکر چیند روایت پیش کیں اور اس محفل کی حاضری کو سنت قرار دیکر اپنے موافقین کو متبع سنت اور مخالفین کو رد کرنے والا دعوت کا ٹھہرایا اور
اس علم پر بہت فخر فرمایا اگر یہ یاد نہ رہا کہ وہ کتاب جو زیر نظر مؤلف کے ہے وہ ایسی دعوت کو منع کرتا ہے کہ جہاں کوئی معصیت اور بدعت
ہو اور ابو الدرداء کا ابن عمر کے گھر سے دعوت کو رد کرکے چلا آنا پہلے بخاری شریف سے نقل کر چکا ہوں اور فخر عالم علیہ السلام کا خانۂ فاطمہ سے
لوٹ آنا بسبب پردۂ منقش کے لٹکانے کے دیوار پر یہ روایت بھی بخاری شریف میں موجود ہے پس ہر گاہ اس محفل میں خود سائل لکھ رہا
ہے کہ وہاں حضور فساق بلباس غیر مشروع زیب و زینت مکروہ اور کراہت شیرینی کے بسبب التزام کے موجود ہے تو اس ضیافت کا
قبول کرنا کونسی حدیث سے سنت ہوا اور کس نص سے اس کو جائز فرمایا سوائے طبعزاد مؤلف کے کونسی روایت جواز حضور کے یہاں ہے کہ حاضرین
متبع سنت ہوں کے لاحول ولا قوۃ الا باللہ مگر ہاں گوشۂ شکم حریص جب بدون شیرینی کی ڈلی کے نہ بھرتے تو کیا کیا جاوے گناہ ہو یا ثواب
جانا ضرور پڑتا ہے۔ معاذ اللہ اب دیکھو کہ یہ حال مؤلف کے فہم عالی کا ہے کہ سوال کو ہرگز نہ سمجھا اور لڈو کی ڈلی کو بایں ہیئت دعوت قرار
دیکر مجلس معصیت میں جانا کہ حدیث سے منع تھا سنت قرار دیا اب کہو کہ گناہ کو سنت کہنے والا کون ہوتا ہے اور پھر مؤلف نے اپنی
عادت کے موافق کہ سوال سائل کا تو قید و مقید کے حکم پوچھنے کو تھا اور مؤلف مطلق اور اپنے فہم کا جواب دیکر راضی ہوا شیرینی تقسیم کرنے
کی اباحت کی دلیل کہیں شاہ عبد العزیز صاحب کے قول سے لکھ رہے ہیں اور کہیں دعوت کے قبول کرنے کی سند دے رہے ہیں غرض بے
خبر از حقیقت حال اور دور از فہم غرض اپنی طبع زاد ملد کا جواب دیکر عوام کے زعم میں فاضل بن بیٹھے اور علماء کے نزدیک تو بجز خندہ اور
کچھ حاصل نہیں کیا شیرینی کی عمدگی کی عبارت نقل کرکے وقت ضائع کیا کہ نہ غرض سائل کی اس سے تعلق رکھتی ہے نہ مؤلف کو اس سے
کچھ فائدہ اور نہ سائل اس کا منکر تھا وہ تو قید التزام مالا یلزمہ الشارع کو پوچھتا ہے اور بسبب عوام کے مؤکد جاننے کے اس کی کراہت
کو کہتا تھا اور مؤلف صاحب شیرینی کی عمدگی کو ظاہر کرنے لگے اور مطلب سائل سے کچھ کام ہی نہیں رکھا پس مبلغ علم و فہم مؤلف کا ہر
کہ و مہ پر واضح ہوگیا کہ کسقدر نکتہ شناسی خداداد رکھتے ہیں اور کیا جواب مطابق سوال دیتے ہیں ماشاء اللہ تعالیٰ ۔

سکہ دیوار پر ملا جسپر نقش و نگار بے ہوں گے اس چیز کو لازم قرار دینا جو شارع کی طرف سے غیر لازم ہو گ منتہا لے ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہوتی کھانا پینا

اضافہ کیا اور کہا روشنیہا پھر اس جمع پر بھی صبر کیا اس کی صفت میں لفظ کثیرہ اور زائد کیا روشنیہائے کثیرہ سے انتہا درجہ کا مبالغہ
سائل نے کیا تاکہ مفتی منیض کھاکر خواہی نخواہی اس کو حرام بول اٹھے اب ہم تحقیق اس کی لکھتے ہیں اے بھائی سن اگر تیری آنکھیں روشنی
ہائے کثیرہ سے چندھیاتی ہیں تو بہت محفلیں مولود شریف کی دن کو ہوتی ہیں ان میں ایک چراغ بھی نہیں جلتا ان میں شریک ہو جایا کر
لیکن تم کب شامل ہوگے تمہاری تو بہانہ بازیاں ہیں ع خوی بد را بہانہ بسیار است:۔ اور رات کی محفلوں میں بھی بہتیری محفلیں ایسی ہوتی
ہیں کہ ان میں ایک ہی چراغ ہوتا ہے پھر روشنیہائے کثیرہ لکھ کر تمام محفلوں پر ایک حکم لگوانے پر کیا غضب کرتے ہو اصل حال یہ ہے کہ بعض امرا رذی مقدور
جو زینت کے عادی ہیں وہ لوگ فانوس اور لمپ وغیرہ روشن کرتے ہیں سو اس کو کسی نے حرام نہیں لکھا اول روشنی کے بانی حضرت
امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ ہیں علامہ نور الدین حلبیؒ نے لکھا ہے مستحب ہے لٹکانا قندیل کا مساجد میں یہ کام اول عمرؓ نے کیا جب
صلوٰۃ تراویح کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لٹکا دیئے گئے کتنے قندیل جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس طرف گذر ہوا دیکھا کہ مسجد
جگمگا رہی ہے روشنی سے، دعا فرمائی کہ تو نے ہمارے مسجدوں کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر کو روشن کرے اے عمر بن الخطابؓ اور
فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے بھی کتاب تنبیہ میں روایت کی کہ حضرت علیؓ نے دعا دی حضرت عمرؓ کو اور روایت ہے کہ اسی طرح حضرت

جو روشنی وجہ ممانعت ہے کون سی ہے۔ **قولہ** روشنیہائے کثیرہ الخ اقول سائل کی بندش اور تقریر **اقول** یہاں تو مؤلف کچھ سمجھا کہ کثرت
روشنی زیادہ از حد ضرورت اسراف اور حرام ہے اور جس محفل میلاد میں ایسا ہوگا وہاں جانا اور یہ کرنا معصیت ہوویگا کیوں کہ مؤلف کہتا
ہے کہ دسائل کی بندش دیکھو کہ روشنی بکثرت کو ذکر کرتا ہے کہ جس سے مفتی خواہی نخواہی اسے حرام بول اٹھے جس سے صاف معلوم ہوا
کہ کثرت روشنی بیشک مؤلف کے نزدیک موجب حرمت ہے شکر ہے کچھ تو سمجھے مگر مؤلف کا یہاں بھی فہم غور طلب ہے اس واسطے کہ
سائل کی غرض لفظ روشنیہائے کثیرہ سے کثرت زائد از حد ضرورت ہے اور یہ امر مجالس مولود میں یقیناً ہوتا ہے لیکن مؤلف
اس کو اپنی طبع زاد تقریر سے ٹالا چاہتا ہے کہتا ہے کہ روشنی محاورۂ اہل ہند میں زیادہ چراغوں کا نام ہے سبحان اللہ تمام ہند میں روشنی
مطلق نور پر بولتے ہیں مگر ہاں رامپور، گنگوہ، انبہٹہ وغیرہ کے جہلا، جلاہے، تیلی اور مبتدعین ان قصبات کے روشنی کثرت چراغاں
وہم عرس کو بولتے ہیں مگر مؤلف نے شاید ان سے ہی دوستی محبت کر رکھی ہے یہی اصطلاح ذہن میں سما رہی ہے سائل تو مبتدع نہیں اس کو
اس اصطلاح سے کیا بحث تھی روشنی ہائے کثیرہ زائد از حاجت اور کثیرہ کا لفظ تاکید کے واسطے لکھا ہے پس مؤلف کی غرض اس
تحریر بے معنیٰ سے یہ ہے کہ سائل کی مراد چار سو پانچسو چراغ ہیں کیوں کہ روشنی عرس بزرگان میں دو چار سو سے عادۃً چراغ کم نہیں
ہوتی پھر اس کو جمع کر کے پس یہ مراد اپنے ذہن میں قرار دیکر اس کا انکار کر دیا کہ اس قدر چراغ مولود میں کہاں ہوتے ہیں پس اس سوال
سے بری ہوئے مگر بہر حال مراد سائل کی جو تھی وہ روشنی زائد از قدر حاجت تھی اگرچہ دو سو چراغ نہ ہوں اور وہ مؤلف کے مولود
وردیگر مجالس میں خود موجود ہوتے ہیں تو اس کے اثبات کی فکر میں ہوتے ہیں **قولہ** اصل حال یہ ہے کہ بعض امرا رذی مقدور الخ
قول سبحان اللہ کیا عمدہ استدلال و تقریر ہے کہ سننے والا وجد میں آیا جاتا ہے دیکھو سائل تو زائد از قدر حاجت کو اسراف حرام بقولہ
تعالیٰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین (الآیۃ) کہتا ہے پھر وہ عمدا ایک ہی لمپ اور فانوس کیوں نہ ہو اور خواہ امرا رعباد کی

ے مصون حرچ ؎ بلا وجہ ؎ طبیعت کی ایجاد کردہ ؎ اہل بدعت ؎ چراغ دان۔

عثمان سے بھی دعا کا دینا آیا ہے انتہا۔ نیز حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جب تمیم داری نے مسجد نبوی کے ستونوں سے قندیل لٹکائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی اللہ تعالیٰ تجھکو نور دے جیسا نورانی کیا تو نے ہماری مسجدوں کو اور نیز حلبیؒ نے لکھا ہے کہ تمیم داریؓ نے جو قندیلیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لٹکائے گئے تھے کم تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثرت سے لٹکائے اور یہ بھی حلبیؒ نے نقل کیا ہے ایک عالم سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجکو بادشاہ مامون نے حکم دیا کہ لکھدو حکم ہماری مملکت میں کہ مسجدوں میں بہت چراغ روشن کیا کریں۔ لیکن میرے کچھ خیال میں نہ آیا کہ کس طرح لکھدوں تب مجکو خواب میں بشارت ہوئی کہ لکھدے روشنی کثیر کے واسطے کہ اس میں دل لگے گا تہجد گذاروں کا اور سجدیں خانۂ خدا ہیں، پس خانۂ خدا سے وحشت اندھیرے کی دفع ہوگی جب میں نے بشارت دیکھی تب میں ہوشیار ہوا اور لکھدیا یہ حکم پس جس طرح زیادہ روشنی کرنے سے وحشت ظلمت کی دور ہوتی ہے مساجد سے اسی طرح دور ہوتی ہے مواقع ذکر اللہ اور ذکر الرسولؐ سے اور جس طرح زیادہ روشنی سے ۔ ۔ ۔ انس ہوتا ہے اور دل لگتا ہے نمازیوں کا اسی طرح

اسراف[1] کی وجہ سے خواہ مؤلف کے انس طبع کے سبب سے ہو خواہ کسی کے گھر اور کوٹھے میں ہو خواہ محفل میلاد میں ہو سب اسراف ناجائز ہے پس عادت امراء سے حجت لانا کسقدر دور از علم ہے کہ بمقابلہ نص قطعی کے عادت امراء کو دلیل بنایا جاتا ہے نعوذ باللہ منہا اور یہ کہنا کہ اس کو کسی نے حرام نہیں لکھا دوسرے غفلت از دین ہی خود قرآن مجید میں موجود ہے اور حضرت عمرؓ کی روشنی کو سند لانا بھی وہی عادت کم فہمی مؤلف کی ہے کہ غرض سائل کی روشنی سے زائد از حاجت ہے اور حضرت عمرؓ سے جو منقول ہے وہ روشنی مطلق قدر حاجت تھی اور ان سب روایات منقولہ حلبی میں روشنی قدر ضرورت آئی ہے۔ پس ان روایات کا نقل کرنا محض لغو غیر مفید مطلب مؤلف کو ہے کیوں کہ کسی روایت سے زائد از ضرورت ہرگز ہرگز نہیں معلوم ہوتا اور نفس روشنی میں سائل کو انکار ہی نہیں۔ پس مؤلف بے خبر یہ نہیں جانتا کہ اسراف جیسا ہزار چراغ میں حرام ہے دو چار چراغ کا بھی حرام ہے وضو کے پانی میں بھی اسراف منع ہے چہ جائیکہ تیل چراغ میں اور یہ طریقہ مؤلف کا کہ رات کو اگر روشنی کے سبب سے محفل میں نہیں آتا تو دن کو آجایا کرے یہ بھی کمال حزم مؤلف کا ہے کیوں کہ سائل نے نہ تو دعویٰ التزام ولزوم روشنی کا کیا اور نہ کراہت اس مجلس کو حصر روشنی میں کیا اگر دن کو روشنی نہیں تو دیگر مفاسد تو موجود ہیں دن کو جلوہ اماردرات سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور علیٰ ہذا دیگر امور التزام شیرینی ولباس وذی فسق تداعی وغیرہ کا حال ہے البتہ اگر حق تعالیٰ مؤلف کو توفیق فرماوے اور یہ کہدے کہ ہم سب امور غیر مشروعہ کو یک قلم موقوف کردیں گے تو البتہ سائل خود شریک اس ذکر مسند وثب کا ہو جاوے گا کاش مؤلف کو یہ توفیق ہو جاوے القصہ مؤلف کی خوبی فہم ہر ہر پہلو میں ایک جدید اعجوبہ ہے اور قول حلبیؒ کا کہ حضرت عمرؓ نے قنادیل کثرت سے لٹکائے۔ دلیل کثرت کی فہم عالی مؤلف میں آگئی اور فی الواقع یہ کم فہمی ہے سنو کہ لفظ کثرت دو معنوں میں بولا جاتا ہے ایک کثرت اعداد مثلاً دس بیس کو کثیر کہتے ہیں دوسرے کثرت از حد ضرورت تو یہاں حضرت عمرؓ کی نقل میں کثرت اعداد مراد ہے کیوں کہ مسجد نبوی ایک بڑا وسیع مکان ہے اس میں پچاس ساٹھ قندیل بھی کم از حاجت ہیں پس حضرت عمرؓ نے قنادیل کی کثیرہ فی الاعداد کہ حد حاجت سے ہرگز زائد نہ تھے لٹکائے گئے تھے اور اس کی مدح حسنینؓ سے منقول ہے پس مؤلف کثرۃ سے زائد از حاجت سمجھ گیا، ماشاء اللہ کیا فہم رسا ہے صحابہ کو قرآن بھی یاد نہ تھا بزعم مؤلف کہ

[1] فضول خرچی [2] مستحب [3] قندیل کی جمع یعنے چراغ [4] حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم

اس مجلس پاک میں دل لگتا ہے۔ شائقین بیان صفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا البتہ بعض علماء نے کثرت سے روشنی کرنے کو مکروہ لکھا ہے سو نہیں پہنچی ان کو یہ حدیثیں اور آثار پس صحیح یہی ہے کہ روشنی کا کرنا ممنوع نہیں ہے اور مجھکو یہ تعجب آتا ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ جاتے ہوں گے اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ نورانی کے گرد اگرد جھاڑ اور فانوس اور قندیل کی کثرت سے اس درجہ کو کہ یہاں کسی کو بھی میسر نہیں آتے وہاں روشن دیکھتے ہوں گے معلوم نہیں یہ لوگ آنکھیں روشنی کی طرف سے بند کر لیتے ہوں گے یا اس کے غیظ اور غصہ میں زیارت ہی ترک کر دیتے ہوں گے اگر ترک کر دیتے ہیں تو ہم کو کچھ شکایت نہیں وہاں محروم رہے تھے یہاں بھی محروم رہے لیکن اگر وہاں اسی روشنی میں جا کر زیارت کی اور زیارت روضہ شریف کی مستحب ہے تو حضرت کے معجزات اور مدائح اور مناقب کا سننا بھی مستحب ہے یہ بھی روشنی میں اگر سن لو روشنی ظاہری سے ظاہر کی آنکھ اور ذکر نورانی سے باطن کی آنکھ روشن کرو وہ روضہ پر انوار جس کی ذات اقدس کا مدفن ہے یہ محفل نورانی بھی انہیں کی شرح صفات کا موطن ہے وہاں روشنی کثرت سے کرائی جاتی ہے تو یہاں روشنی کیوں منع ٹھیرائی جاتی ہے ہم نے دلسوزی اسلامی سے دلائل اور مثال کھول کھول کر سمجھائی اب بھی اگر یہ صاحب نہ سمجھیں تو بہت افسوس ہے اس مقام میں ایک بات اور یاد آئی کہ بعضے صاحب مکہ اور مدینہ جاتے ہیں زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً وہاں خوب محفلیں مولد شریف کی اور قیام کرنا اور تقسیم شیرینی کا ہونا سب کچھ دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ یہاں کے تمام علماء شافعیؒ مالکیؒ حنفیؒ حنبلیؒ سب اس عمل مبارک کو جائز بلکہ مستحسن فرماتے ہیں لیکن جب ہندوستان میں آتے ہیں وہی انکار کرنے لگتے ہیں اس بات میں ایک شاعر شیوا بیان نے سعدیؒ کا شعر تضمین کیا ہے واقعی حدیث صحیح میں آیا ہے ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا۔ یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور بعضے بیان سحر کی طرح دل میں کھب جاتے ہیں ان اشعار کا مضمون اور بیان اسی طرح کا ہے، وہ شعر یہ ہیں، اشعار،

وہ خلاف قرآن کے تبذیر کرتے اور علیٰ ہذا اس عالم کے قصہ میں جو مامون کے عہد سے نقل کرتے ہیں کثرت عدد۔ مراد ہے اور جو وہاں دوسرے معنی ہوں تو کوئی حجت بھی نہیں جواب کا قصہ عہد مامون کا معاملہ، یہ دونوں حجت شرعی نہیں بہر حال قنادیل کثیرہ کا کیا استدلال ہو کہ قابل دید ہے ہرگز مؤلف معنی آثار کو نہیں سمجھا اور ہرگز یہ آثار اس کو مفید نہیں اور ہرگز سوال سائل کا جواب یہ نہیں ہو سکتا **قولہ**، البتہ بعض علماء نے کثرت روشنی کو الخ **اقول**، اب اس قدر پریشانی اٹھا کر اور تقریر لاطائل کر کے مؤلف کو خیال آیا کہ فقہاء کثرت روشنی کو حرام اور اسراف لکھتے ہیں تو یہ جواب دیا کہ وہ سمجھے نہیں ان کو یہ روایات نہیں ملیں نعوذ باللہ مؤلف اپنے جہل کو علم سمجھ گیا ہے اور فقہاء علماء کو جاہل قرار دیا فقہا کی تمام روایات اور آیۃ قرآن پیش نظر تھی اور ان کو حق تعالیٰ نے فہم و علم دیا تھا وہ سمجھ گئے کہ کثرت سے فعل حضرت عمرؓ میں مراد کثرت اعداد ہے اور حضرت عمرؓ قرآن کے خلاف عمل کرنے والے نہیں تھے مگر مؤلف ہی اپنی جہل میں مبتلا ہے اور روایات کو نہ سمجھا اور قرآن کو بھولا اپنے فہم رکیک سے اپنے مدعیٰ باطل کو خلاف نصوص کے ہر حق سمجھ گیا اور فقہاء پر طعن محض بے محل و بے اصل و ناروا کر دیا اور کچھ خدا تعالیٰ سے نہ شرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا پس اب آگے کلام لا یعنی مؤلف کا کیا جواب لکھوں کہ کوئی علم کی بات نہیں ہے، لکھتا ہے کہ روشنی سے دلکشائی بھی ہے، اور

---

۱ اسراف اور فضول خرچی ۲ کمزور ۳ نامناسب۔

ایسے منکر شدید ہیں بعضے ٭ گرچہ مکہ میں بھی وہ ہو آئے ٭ وہاں مجنوں کا ڈھنگ دیکھ آئے ٭ بزم مولد کا رنگ دیکھ آئے
پھر وہی ضد ہے اور وہی تکرار ٭ ذکر مولد شریف کا انکار ٭ تجھکو سعدیؒ کا قول یاد آیا ٭ ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا
خر عیسیٰ اگر بمکہ برود ٭ بازآید ہنوز خر باشد ٭ **لطیفہ** ایک مقام پر دو عالموں میں گفتگو ہوئی ایک ان میں مولد
شریف کے مثبت تھے اور ایک منکر، منکر نے کہا قصبۂ دیوبند میں فتویٰ بھیجو دیکھو مولد شریف کو کیا لکھتے ہیں، مثبت نے کہا دیوبند تو کچھ
دار اسلام نہیں یوں کہیئے کہ ذکر حرمین شریف زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کو فتویٰ بھیجیں یعنی اس لئے کہ وہ دین و ایمان کا گھر ہے حدیث
شریف میں آیا ہے کہ دین مکہ مدینہ میں سمٹ آوے گا جیسے سمٹ آتا ہے سانپ اپنے بل میں یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکلکر پھر سب
جگہ پھر کر اس میں قرار پاتا ہے اور سانپ جب بل میں گھس جاتا ہے تو ایسی قوت سے چپٹ جاتا ہے کہ کوئی اس کو نکالنا چاہے تو مشکل ہوتا
ہے پس اسی طرح دین اول مکہ مدینہ سے نکلا آخر زمانہ میں بھی اگر کہیں دین نہ ہوگا تو یہاں ضرور ہوگا اور کوئی یہاں سے دین کو نکالنا
چاہے گا تو نہ نکل سکے گا غرضیکہ اگر فتویٰ لکھواؤ تو اس ملک کے علماء سے لکھواؤ جس کی تعریف احادیث میں ہے دیوبند کی تعریف
کون سی حدیث میں آئی ہے، منکر صاحب بولے مکہ میں تو چور آدمی ہیں رستہ لوٹتے ہیں مثبت نے جواب دیا رہزنی مال لوٹنا
وہاں کے بدو لوگ اطراف کے رہنے والے کرتے ہیں خاص مکہ کے آدمی نہیں کرتے سو یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وقت
سے ہے قرآن شریف میں آیا ہے اولم یروا انا جعلنا حرماً امناً و یتخطف الناس من حولہم یعنی سورۂ عنکبوت میں ہے کیا نہیں

مانعین مدینہ کی روشنی سے آنکھ بند کر لیتے ہوں گے اور دیگر علماء حجاز کی نسبت شوخ چشمی سے اشعار لکھے کہ یہ سب کام علماء کا
نہیں اس بکھیڑے کے جواب میں وقت کا عذر ضائع کرنا ہے مؤلف اپنے کردار کو آپ پاوے گا مگر ہاں اتنا لکھتا ہوں کہ خوشنمی زائد
از حاجت ہو وہ داخل اسراف ہے اور سبب ناراضی حق تعالیٰ کی موجب ظلمات اور نار جہنم کی روشنی دکھانے والی ہے ہاں قدر حاجت
محل عبادت میں کہ خالی از مسا کیر ہو البتہ موجب کشادگی قلب کی ہے مگر سائل اس سے بحث ہی نہیں کرتا خود مؤلف یمین و یسار
سوال کے جواب لکھ رہا ہے اور صحابۂ کرام اور خلفاء راشدین کے فعل و قول کو اپنے زعم کا سدے خلاف شرع پر حمل کر کے فقہا کی شان میں
گستاخی کر رہا ہے خدا تعالیٰ اس کو ہدایت و توبہ نصیب کرے کہ یہ سب فساد جہل کا ہے اگر کچھ بھی علم ہوتا تو اس روز سیاہ کو بچتا۔
صاحب انوار کے لطیفہ کا جواب اور تحقیق حدیث ان الدین لیارز الی الحجاز | قولہ لطیفہ الخ **اقول** علماء دیوبند کا حال جو کچھ ہے وہ سب
روشن ہے اور کچھ دو نہیں جس مسلمان منصف کا دل چاہے بچشم خود دیکھ لے کہ ظاہر لباس و ہیئت موافق شرع کے رکھتے ہیں اور
نماز کو بجماعت بخوبی ادا کرتے ہیں امر بالمعروف میں بشرط قدرت کوتاہی نہیں کرتے اور تحریر فتویٰ میں رعایت غنی و فقیر کی نہیں
حق جواب دیتے ہیں اور جو ان کو کوئی متنبہ کسی خطا پر کر دیوے تو بشرط صحت کے قبول سے دریغ نہیں بسر و چشم معترف ہوتے
ہیں یہ سب اوصاف واضح ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لیوے امتحان کر لیوے اور یہی قبولیت عند اللہ تعالیٰ کا نشان ہے اور علماء
مکہ معظمہ کا حال جس نے عقل و علم کے ساتھ دیکھا وہ خوب جانتا ہے جو نہیں گیا وہ ثقات کے بیان سے مثل مشاہدہ کے جانتا ہے اور
اکثر وہاں کے علماء نہ کہ سب کیونکہ اکثر وہاں متقی بھی ہیں اس حالت میں ہیں کہ لباس ان کا خلاف شرع اسبال آستین اور دامن

۱۔ قائل ۲۔ منکر کی جمع یعنی ممنوع ۳۔ دائیں اور بائیں ۴۔ ناقص ۵۔ معتبر لوگ

دیکھتے کہ ہم نے کر دیا مکہ پناہ اور امن کی جگہ اور لوگ اچک لئے جاتے ہیں اس کے آس پاس سے انتہیٰ، سو یہ مار پیٹ اور اچک لینے کی
باتیں قدیم سے وہاں کے بدو آدمی خارجی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن کفر و شرک سے منزہ ہیں وہاں کے بدوے
گنوار آدمی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کریں لیکن کفر و شرک اس ارض مقدس کے آس پاس تک نہیں ہوتا اور دیوبند میں تو کفر و شرک
بھرا ہوا ہے جا بجا سیتلا پوجی جاتی ہے مندر اور شوالے بنے ہوئے ہیں سنکھ بج رہے ہیں پھر دیوبند اچھا ہوا یا حرمین شریفین؟
منکر صاحب کی طرف سے جواب ہوا کہ ہم دیوبند کے جاہل مسلمان عامی سے اور مشرکان قوم ہنود سے سند نہیں پکڑتے ہم تو وہاں

حنفیہ وتبعیض میں کرتے ہیں بیش اکثروں کی قبضہ سے کم نماز میں بے احتیاطی امر بالمعروف کا باوصف قدرت کے نام و نشان نہیں اکثر
انگوٹھی چھلے غیر مشروع ہاتھوں میں پہنے ہوئے ہیں قطع صفوف شائع ہے فتویٰ نویسی میں کچھ دیکر جو چاہے لکھوا لو اگر ان کو عصبیت
سے کوئی مطلع کر دیوے تو مارنے کو موجود ہو جاویں اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ علیہ کے ساتھ
کیا وہ کسی پر مخفی نہیں، اور بغدادی رافضی سے کچھ روپیہ لے کر ابو طالب کو مومن لکھدیا، یا خلاف روایت صحاح احادیث صحیح اور علیٰ
ہذا کہاں تک لکھوں کہ طول ہے اور شرم بھی آتی ہے کہ ہجو علمائے حرمین کی لکھوں مگر بناچاری لکھنا پڑا پس اگر کسی نے ایسی حالت میں علمائے
دیوبند کو علمائے حرمین پر ترجیح بوجہ اعتماد کے دیدی تو کون سا غضب کیا اہل فہم انصاف کریں کہ ایسی حالت میں علمائے دیوبند
کا فتویٰ قابل عمل ہوگا، یا علمائے حرمین کا، مثلاً ایک عالم فاجر مسجد میں رہتا ہو کہ اشرف مواضع ہے اور دوسرا عالم متقی بازار کی
دکان میں ہو کہ شر البلاد ہے تو بازاری عالم کا فتویٰ معتبر ہوگا یا مسجد میں رہنے والے کا پھر ایسی صورت میں اگر کوئی کہے کہ مسجد خیر البقاع
والے سے مسئلہ پوچھو بازار شر البقاع والے سے مت پوچھو اور فضائل مسجد کے اور برائی بازار کی بیان کر کے حجت لاوے تو اس
مسجدی بھاٹ کو لوگ احمق کہیں گے یا نہیں اور اس کلام سے بازار کی افضلیت مسجد پر کون بے وقوف استخراج کرے گا پس
اس لطیفہ کثیفہ مؤلف کو دیکھنا چاہیے کہ بحث تو علمائے دیوبند کے معتبر اور دیندار ہونے میں اور بعض علمائے مکہ کے غیر معتبر فی الفتویٰ
والدین ہونے میں ہے اور اس سے افضلیت دیوبند کی مکہ پر سمجھ کر خرافات لکھنی شروع کر دی اور نہ سمجھا کہ یہ مفاسد وہاں کے
علماء کے زیادہ تر موجب بعد و خسران کے ہیں کہ وہاں کی معصیت اشد ہے دیگر بلاد کی معصیت سے مگر ہاں شاید مؤلف کے نزدیک
وہاں کے لوگوں کو مناکیر بھی حلال ہوں معاذ اللہ پس دیکھو کہ کنگا د کیا تھی اور نتیجہ کیا نکلا کیا فہم رسا ہے مؤلف خود بھی حج کر
آیا ہے اور پھر بھی مکہ سے ویسا ہی لوٹا جیسا گیا تھا سو یہی مصداق تضمین کا ہوا ہے، اے مسلمانوں اعتبار قرآن و حدیث و فقہ کا
ہے نہ مکہ کے باشندوں کے قول و فعل کا، ذرا غور کرو کتب دین کو دیکھو کوئی معصیت مکہ کے تعامل سے حلال نہیں ہوتی بلکہ زیادہ موجب
عذاب و شناعت کی ہے اور مؤلف کی بلاہت کو غور کر کے سنو کہ فصل حجاز میں کہ حرمین شریفین بھی اسمیں داخل ہے حدیث کہ ان
الدین لیارز الی الحجاز کما تارز الحیۃ الی جحرہا سو اس کا ترجمہ مؤلف نے نقل کیا اور خود اس کی شرح کی ہے بقولہ یعنی جیسے سانپ
اپنے بل سے نکلکر پھر سب جگہ پھر کر اس میں قرار پاتا ہے الخ پس ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ سانپ جب اپنے بل سے نکلکر جاتا ہے
تو بل سانپ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور پھر سانپ بل میں لوٹ آتا ہے تو اس وقت بل قرارگاہ سانپ کا ہو جاتا ہے تو اس تشبیہ

سے بلائی کی جگہ سے اچھی جگہ سے گندہ سے بے وقوفی سے ٹھکانہ سے استدلال سے پوشیدہ۔

کے علمارِ اہلِ اسلام کی سند پکڑتے ہیں مثبت نے کہا بس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ ہم حرمین کے علمارِ دین ومفتیانِ شرح متین
کی سند لیتے ہیں کہ وہ سب بالاتفاق محفلِ مولد شریف کو درست فرماتے ہیں پھر تم ناحق بدوؤں اور جنگلی نیروں کا ذکر کیوں کرتے
ہو پہلے بھی حرمین کے خواص علمار کا حکم اور فتوی لیا جاتا تھا علیٰ ہذا القیاس اب بھی پس علمارِ خیر البلاد کی سند منگاؤ لیکن منکر کو
خوب معلوم تھا کہ اگر وہاں استفتار بھیجا تو وہاں کے سب علمار حکمِ استحباب محفلِ میلاد لکھدیں گے اس لئے اس نے انکار کیا کہ ہم
حرمین کو نہیں مانتے، معاذ اللہ منہا ہم تو دیوبند کو مانتے ہیں، تب مثبت نے جواب دیا کہ آپ کو دیوبند مبارک ہووے اس پر
ایمان رکھیے ہم کو حرمین شریفین مبارک ہوں ہمارا ایمان ان لوگوں کے ساتھ ہے اسی پر گفتگو ختم ہو گئی اب دیکھئے ان لوگوں کی

مذکورہ مولف کے صاف ظاہر ہے کہ کسی وقت دین حرمین سے نکلکر دیگر بلاد میں چلا جاوے گا اور حرمین دین سے خالی رہے گا اور پھر عود کر کے
حرمین میں آجاوے گا اور یہ امر تقریر مولف سے ظاہر ہے گو مولف کو ہوش نہیں پس اگر کوئی مولف کو یہ کہے کہ اب اس وقت میں حرمین
میں حسبِ تقریر آپ کے کمالِ دین و دیانت نہیں بلکہ بلاد میں ہے مگر وقتِ ظہور امام مہدی صاحب کے عود کر کے آوے گا جیسا کہ حدیث
سے ظاہر ہوتا ہے حسبِ شرح آپ کے تو مولف صاحب کی ترکی تمام ہو جاوے گی اور خود حدیث سے حسبِ زعم مولف کے شرح
کے ظاہر ہو جاوے گا کہ ایسے وقت میں حرمین کے باشندوں کا قول قابلِ اعتماد نہ ہوا اور یہ خلاف مقصود مولف کے ہے اور یہ
نتیجہ خود شرح مولف کا ہے کہ سلیقہ خداداد سے معنی تشبیہ کے بیان کئے نہیں اور مطلب نہیں سمجھا واہ سبحان اللہ کیا خوب
استدلال ہے اب سنو کہ حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ دین وہاں سمٹ آوے گا اور قرار پکڑے گا سو اس کا کسی کو انکار نہیں یہ تو
نہیں فرمایا کہ وہاں بدعات امورِ غیر مشروعہ ہوں گے اور وہاں کوئی خلاف نہ رہے گا اور عملِ بدعت نہ کرے گا تھوڑی عقل
والا بھی سمجھتا ہے کہ اگر دین بھی وہاں ہوا اور خلافِ شرع اعمال بھی وہاں ہوتے ہوں تو خلافِ حدیث کے نہیں یہ کہاں سے سمجھا
گیا کہ حرمین میں جو کچھ ہوگا وہ سب مشروع ہی ہووے گا اور بدعت وہاں ہرگز نہ ہوگی یہ تو خلاف مشاہدہ کے ہے یہ محض
کم فہمی مولف کی ہے بیشک حرمین محلِ دین ہے اور وہاں کے باشندگان علمار و عوام دیندار ہیں خصوصًا مہاجرین کہ اپنا ملک چھوڑ کر
حرمین میں متوطن ہوئے اور تشبیہ سمٹنے سانپ کی بوجہ اتم ظاہر ہو گئی مگر نہ سب علمار اور سب باشندے وہاں کے ایسے دیندار کامل
ہونے ضرور ہیں، بلکہ اہلِ بدعت اور خلافِ شرع بھی وہاں رہتے ہیں جیسے سانپ کے بل میں سوا سانپ کے اور کالا کشا وغیرہ بھی
ہوتی ہے اور حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے اور اس بندۂ عاجز نے ایک عالم نابینا سے جو مسجد مکہ میں بعد نماز عصر کے وعظ
کہتے ہیں حالِ مجلس مولود کا پوچھا تو انھوں نے فرمایا بدعت حرام پس وہاں کے علمار حقانی اس عمل کو مذموم جانتے ہیں اگرچہ وہاں
کے ایسے بھی علمار ہیں جن کا حال اوپر گذرا۔ اب جو کچھ علمار نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے تھوڑا سا لکھتا ہوں ابن حجر نے فتح
الباری شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے قال الداودی کان ھٰذا فی حیوتہ علیہ السلام والقرن الذی کان فیھم والذین یلونھم خاصۃ
وقال القرطبی وھذا اخص بعصر النبی علیہ السلام والخلفاء الراشدین امابعد ظہور الفتن و انتشار الصحابۃ فی البلاد ولاسیما
فی اواخر المائۃ الثانیۃ وھلم جرًا فھو فی بالمشاھد بخلاف ذلک انتھٰی اور علی قاری اور شیخ عبد الحق نے بھی اس کے قریب قریب

لہ لوٹ کر سکے مولف کے گمان کو مطابق سے گزر گی

اور اوپر اوپر ہوجانے صحابہ کرام کے خصوصًا دوسری صدی کے آخر میں حال اہلِ حرمین شریفین وغیرہ کا مشاہدہ میں خلاف حدیث مذکور ہے ۱۲ ـ

یہ حالت ہوگئی کہ دیوبند کے آگے حرمین شریف کو حقیر جاننے لگے ہائے وہ حرم پاک کہ ہم پانچوں وقت نمازوں میں اپنا منہ اس کی طرف کریں قول وجہک شطر المسجد الحرام اور سوتے وقت بھی رو بقبلہ سونا سنت اور مر جاویں تو بھی حکم دیا جاوے قبر میں نماز کے وقت کہ یوجہ الی القبلۃ اور اس خانۂ محترم کے متولیان کفیل کار کی خدا تعالیٰ ثنا فرما دے کہ ان اولیاؤہ الا المتقون یعنی نہیں ولی کار پرداز بیت اللہ کے مگر پرہیزگار آدمی۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ اس حرم پاک اور اس کے اولیا کو اس حقارت سے یاد کریں یہ لوگ اپنے بزرگوں کا کلام بھی بھول گئے تحفۃ العرب والعجم میں مولوی قطب الدین خاں صاحب لکھتے ہیں عرب کے علما پر جو بعضے احمق لوگ طعن کرتے ہیں بڑی خطا پر ہیں اس لئے کہ وہ خیر البقاع کے رہنے والے ہیں۔ انتہٰی۔ اور شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں۔ خبردار اہلِ مدینہ سے ہرگز کدورت دل میں نہ لائیو ورنہ فیضان انوار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہو گے

لکھا ہے اس سب تقریر سے اس قدر سب کو معلوم ہو گیا کہ مؤلف کا ۔۔۔ فہم کس قدر کج ہے کہ کہیں مطلب کو نہیں سمجھا اپنی رائے سے ایک مطلب قرار دیکر جچا بتلاتے ہے جو لکھ دیتا ہے اور پھر اپنے مطلب تراشیدہ کے موافق بھی دلیل نہیں لاتا کچھ عجب تعصب ہے اہل علم فہم غور سے ملاحظہ کریں۔ ایسی تالیف بھی کہیں دیکھی نہ سنی ہوگی قولہ اور اس خانہ محترم کے متولیان الخ اقول یہاں تک تو مؤلف صاحب نے خارج بحث خواہ مخواہ دیوبند پر مکہ کی فضیلت ثابت کی تھی حالانکہ یہ سب کا متفق علیہ ہے اب اہل مکہ علما کی افضلیت و تقویٰ آیۃ ان اولیاءہ الخ علم سے ثابت کرتے ہیں۔ علم مؤلف کو دیکھنا چاہیے۔ سنو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے مکہ میں عمرہ کے واسطے نہ جانے دیا اور لوگوں نے ان کو ملامت کیا تو جواب دیتے تھے کہ ہم متولی وخدمتگار بیت اللہ و مسجد حرام کے ہیں جس کو چاہے آنے دیں اور جس کو چاہے نہ آنے دیں ہم مختار ہیں تو اس کو حق تعالیٰ نے رد فرمایا کہ وہ ہرگز مستحق ولایت بیت اللہ کے نہیں کیوں کہ ظالم ہیں اور مشرک ہیں اور مستحق ولایت بیت اللہ کے مومن موحد ہوتے ہیں اور نیز بیت اللہ کی خدمت گاری خدا تعالیٰ کا گھر ہونے کی وجہ سے وہی کرتا ہے کہ جو حق تعالیٰ کا بندہ مومن موحد ہو۔ مشرک کہ دشمن حق تعالیٰ کا ہے حق تعالیٰ کے بیت کا کب متولی ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو اپنی دنیا کی وجہ سے اور اپنی معیشت کی وجہ سے اس کی کارگزاری کرتا ہے۔ پس استحقاق ولایت بیت اللہ کا مشرکین کو ہونا محض غلط ہے اور علیٰ ہذا خدام بیت اللہ کا بوجہ حق تعالیٰ کے بیت ہونے کے دعویٰ کرنا ان کا بالکل لغو ہے استحقاق ان کا مومنین ہی کو ہے اور خدا تعالیٰ کا بیت ہونے کی وجہ سے سوائے مومنین موحدین کے کوئی ولی بیت کا نہیں ہو سکتا ہے یہ مطلب آیت کا تھا جناب مؤلف صاحب نے ایک طبعزاد معنی پیدا کئے کہ جو ولی بیت کا ہوتا ہے وہ مومن متقی ہی ہوتا ہے غیر متقی ولی خادم بیت کا ہوتا ہی نہیں پس جن کو خادم بیت دیکھو جان لینا کہ حسب وعدہ حق تعالیٰ کے وہ متقی ہی ہے سو اگرچہ کا فر یا فاسق ولی بیت کا ہو وہ بھی متقی ہی ہوگا۔ سبحان اللہ کیا ذہن رسا ہے اول تو بداہتہ معلوم ہے کہ مشرکین خادم بیت رہے ہیں تکذیب قرآن کی حسب تفسیر مؤلف کے اس کو لازم آتی ہے پھر یہ کہ خادم اگرچہ فسق و فجور میں مبتلا ہو پھر بھی وہ متقی رہے گا یہ تمام آیات و احادیث و اجماع کے خلاف ہے فساق خدام بیت کو اگر مؤلف فاسق نہیں جانتا تو اپنے ایمان کی فکر کرے کہ کفر کو ایمان اور فسق کو تقویٰ بتلاتا ہے تمام نصوص کا انکار لازم آتا ہے اور فساق خدام کو متقی سمجھ کر ان کا مداح ہو کر مورد عتاب حدیث اذا مدح الفاسق اھتز عرش الرحمٰن وغضب الرب الحدیث کا بنتا ہے اور اس سے در گذر کر اگر یہ آپکی رائے خلاف نصوص کے کوئی جاہل تسلیم بھی کر لیوے تو آپ کو کسی طرح مفید نہیں کیوں کہ خدام بیت اللہ کی سلطان و شریف و شیبی اور

ہذا کلامہ ملخصاً **قولہ** اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں اور قیام وقت ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں **اقول** اس وقت قیام میں اہل حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً سے جو سنا ہے تو یہ اشعار پڑھتے ہیں، یا نبی سلام علیک ؛ یارسول سلام علیک ؛ یا حبیب سلام علیک ؛ صلوٰۃ اللہ علیک ؛ اور ہندوستان میں کچھ ذکر میلاد کرکے اس طرح پڑھتے ہیں **اشعار** السلام اے آفتاب داد و دیں ؛ السلام اے انتخاب اولیں ؛ السلام اے رحمۃ للعلمین السلام اے ہبط روح الامین ؛ غرضیکہ اسی قسم کے اشعار سلامیہ خطابیہ پڑھے جاتے ہیں ان کے جواز میں کون کلام کرسکتا ہے مولوی اسحٰق صاحب کی مائۃ مسائل میں خود یہ مسئلہ مذکور ہے، جواب سوال بست چہارم میں بیان فرماتے ہیں، ورندا کردن غائب میاں نبی

وغیر نبی فرق است اگر نبی را نداخواہد نمود برائے ایصال صلوٰۃ یا سلام ظاہر اجوا زاست بدو جہت یکے آنکہ در حدیث شریف وارد است کہ ملائکہ از طرف حق تعالیٰ مقرراند ہر کہ بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ یا سلام می فرستد ملائکہ نزد پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم می رسانند دوم آنکہ در التحیات

خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ پس بنابرایں اگر کسے یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است انتہیٰ، پھر اگر کوئی شبہ لاوے کہ مولوی اسحاق صاحب نے سلام و درود کے ساتھ حضرت کو یارسول اللہ یا نبی اللہ کہنا درست لکھا ہے اس واسطے کہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں سلام اور درود کو لیکن وہ اشعار مخاطب حاضر بہ نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جن میں سلام درود نہ ہو تو وہ بالکل ناجائز ٹھہرے حالاں کہ مولد شریف میں ویسے شعر بھی پڑھتے ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ بس یہی جواب ان شعروں میں بھی سمجھو لیعنی اگر کوئی مدح اور نعت اور منقبت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب حاضر کرے گا تو یہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا ان سے چھپا نہیں رہے گا امت کے سب اعمال اور سب کہنا سننا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو

پہنچتا ہے روی البزار بسند جید صحیح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئتی استغفرت اللہ لکم ؛ اور شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی کی سورہ بقر میں آیۃ ویکون الرسول علیکم شہیداً میں لکھتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مطلع ست بہ نور نبوت بر رتبہ متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین

خواجہ سرا و خدمتگاران مسجد ہو ویں گے نہ علماء و سکان وہاں کے کہ ان کو کچھ بھی اختیار مسجد و خدمت بیت کا نہیں مثل دیگر ناس کے ہیں پس ان میں بحث ہے یا علماء میں پس آپ کے ترجمۂ ناصواب کے موافق بھی آپ کا مدعیٰ بر آمد نہ ہوا اور یہاں بھی وہی ہو گیا کہ اصلاح ہی کچھ اور اثبات کچھ قرآن شریف کی تفسیر کو مسخ بھی کیا تفسیر بالرائے بھی بنا مگر مطلب کیا نکلا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور حال لباس معاملات ان خدام کا بھی محض خلاف شرع ہے پھر ان کو متقی جاننا مؤلف جیسے حق پوش ہی کا کام ہے قرآن وحدیث سے تو وہ ہرگز متقی نہیں ہوسکتے معاذ اللہ اور نواب قطب الدین صاحب نے بھی ناحق طعن کرنا وہاں کے علماء کا لکھا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ناحق کدورت لانے کو منع کیا ہے نہ یہ کہ وہاں کے اہل فسق کو اچھا جانو اور ان کی مدح کرو بغض فی اللہ جز و ایمان کا ہے ان کے اس فسق کو برا جانو اور اس وجہ سے ان کو برا سمجھ کر ان کی برائی ظاہر کرنا واجب ہے تاکہ احمق جاہل ان کے افعال کو دین اور جائز نہ سمجھ جاویں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فاسق کی غیبت سے مت اندیشہ کرو مگر ہاں وہ غیبت بوجہ دین اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ہو نہ بوجہ اپنے غیظ کینہ کے پس اب

ل باشندے سکہ لوگ سے بگاڑ دینا،

سن رسیده الی ان قال درو آیات آمده ہر نبی را از اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے چناں می کند و فلانے چناں تا روز قیامت ادائی شہادت تواں کرد انتہی، اور نیز علامہ اسمٰعیل آفندی اور قسطلانی اور زرقانی رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں عن سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا و تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ و عشیۃ فیعرفہم بسیماہم و اعمالہم فلذلک یشہد علیہم یوم القیامۃ، پس اگرچہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم مدح خوانوں کی نظر سے غائب ہیں لیکن ان کے اشعار مخاطب حاضر پڑھے ہوئے سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک خدا پہنچا دیتا ہے ہر صبح و شام پھر جس علت اور دلیل سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا ایہا النبی وغیرہ بقول مولوی اسحاق صاحب جائز ہوا تھا اسی دلیل سے مدح اور منقبت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب حاضر کے اشعار پڑھنے جائز ہیں اور ہم ذمہ لیتے ہیں کہ صحابۂ کرام سے لے کر آج تک اولیاء کرام اور علماء عظام سے اشعار مخاطب حاضر کا پڑھنا ثابت کر دیں گے بیان اس کا ابحاثِ محفل مولد شریف میں آوے گا افسوس ہے کہ اپنے پیر مرشدوں کے کلام پر بھی نظر نہیں رکھتے بول اٹھتے ہیں منہ سے جو چاہیں یہ نہیں جانتے کہ ہر لفظ کا مباحثہ قیامت کو ہوگا وما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید اس مقام میں ایک شعر مولوی محمد حسین فقیر کا یاد آیا جو مذمت محفل مولد شریف میں بیان فرماتے ہیں ؎ بہت ندائے رسول خدا میں شاغل ہیں ؛ یہ مشرکوں کی علامت ہے محفل میلاد ؛ لو صاحبو عرب میں جو ندائے رسول کرتے ہیں اور جو ہند میں کرتے ہیں ان کا حال تم کو سنایا گیا ہے اب کہیئے اگر یہی شرک ہے تو یہ مفتی صاحب اپنے اعتقاد کے موافق یا مجبول وقت عین نماز میں مشرک بنتے ہوں گے

مؤلف کا فہم و استدلال خوب واضح ہوگیا مؤلف ایسے کلمات سے توبہ کرے اور کہیں رہ کر کچھ پڑھ لیوے فقط

تحقیق ندا بلفظ یا رسول اللہ **قولہ** حضرت فخر عالم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں الخ **اقول**، سائل کی مراد اس سے یہ تھی کہ ندا اور خطاب تو سب لغات میں حاضر موجود کے واسطے موضوع ہے سو اشعار مدح میں جو ندا و خطاب پڑھا جاتا ہے اگر ذات فخر عالم کو حاضر ناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو شرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت میں کہتا ہے یا بوجہ اس کے کہ اگرچہ مثل صلوٰۃ و سلام میں سے تو ملائک آپ تک پہنچا دیں گے اور جو بدون اس کے ہی وقت عرض اعمال کے پیش ہو جاوے گا تو جائز ہے مگر چونکہ اس مجمع میں جہال سفہا اور اہل بدعت کہ تمام اولیاء تک کی نسبت ان کا عقیدہ عالم بالذات ہونے اور متصرف بالذات ہونے کا ہے موجود ہوتے ہیں تو بصورت ندا و خطاب کے ان کے عقائد کا افساد اور ان کی بدعت و شرک کی تائید ہوتی ہے تو در صورتیکہ یہ امر مظنون بلکہ بحکم یقین ہے تو در صورت ثانیہ خطاب شرک نہیں مگر توہم شرک اور بسبب فتنۂ فساد کا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں اور اس امر کے ضم سے یہ مجلس کیا حکم رکھتی ہے یہ تھی مراد سائل کی تو مولف صاحب نے پہلی شق جس میں شرک لازم آتا تھا مطلقاً ذکر نہ فرمائی اس کو بالکل حذف فرمایا گویا یہ معنی خطاب و ندا کے سمجھتے ہی نہیں اور دوسری شق کو اپنی اصل پر رکھ کر فی حد ذاتہ اس کا جواب دیا کہ بالکل جائز ہے کون اس کو منع کرتا ہے اور پھر اس کے اثبات میں دلائل پیش کر دیں اب مؤلف صاحب سے کوئی پوچھے کہ جس شق کے اصل جواز کا آپ فتویٰ فرما رہے ہیں اور اس پر بڑی دھوم دھام سے مولانا محمد اسحاق صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب اور بزازیہ وغیرہ سے روایت کشی ہو رہی ہے اس کا سائل کب منکر ہوا اور وہ اس کو کہاں پوچھتا ہے تم کیوں سر پھولا کر تقریر طویل لاحاصل کر رہے ہو یا تو شقِ اول کا جواب لکھنا تھا کہ آیا وہ شرک ہے یا نہیں یا دوسری شق کی عارض پر بحث کرنی تھی

ئے جاہل کی جمع ۔ ۲ بیوقوف

اس لئے کہ التحیات میں پڑھتے ہیں السّلام علیک ایہا النبیؐ یعنی سلام ہو تم پر اے نبی تو دیکھو اسمیں ندائے رسول خدا موجود ہے اب کوئی دن میں مولوی صاحب نمازیوں کے حق میں بھی یہ شعر پڑھیں گے ؎ بہت ندائے رسول خدا میں شاغل ہیں ٭ یہ مشرکوں کی علامت ہے پنجگانہ نماز ٭ نعوذ باللہ من سوء الاعمال الاعتقاد اور واسطے بیان خطاب حاضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آیندہ زیادہ تر تحقیق

کہ باوصف اس مفسدہ کے بھی مجامع عام میں ایسے اشعار پڑھنے درست ہیں یا نہیں وہ کب کہتا ہے کہ فی حدہ یہ صورت ناجائز ہے اور مفتیوں کے مرشدوں دوستوں نے اگر ایسے اشعار کبھی پڑھے تو خود خلوت میں یا خواص میں تھے بازاریں اور نہ عوام جہلا میں اور طبع ہو کر ان کی تشہیر کا اگر قصور ہے تو دوسرے لوگوں کا ہے بس کیا عجب مؤلف کے فہم پر ہے کہ جس کو سائل پوچھتا ہے اس کا تو قلیل کثیر کچھ بھی جواب نہیں، اور ایک غیر مسئول امر پر زور وشور علم کا جتلایا جاتا ہے بس آپ کی سب روایات منقولہ مسلم ہیں مگر آپ کے فہم پر اور حسن جواب پر صد آفرین ہے، الغرض جواب آپ کی خوبی علم و فہم کا، اور اس تقریر طویل کا تو ہو چکا اب اگر تم ولو لاکھ اولیاء و علماء و صحابہ کے اس باب میں نقل کرو گے تو آپ کو ہرگز ذرہ بھر بھی مفید نہیں کیوں کہ سب کا یہی جواب ہے کہ ان کا عقیدہ ہرگز حضور و اثبات علم و غیب کا فخر عالم علیہ السلام کا نسبت نہیں اور یہ کلمات فرط محبت میں کہے اور خلوت یا جلوت خواص میں پڑھے، اب بولو کہ آپ کی اوراق نویسی اس ایک کلام سے رد ہو گئی یا نہیں بعد اس کے جو آپ نے مولوی محمد حسین فقیر پر ایک طعن کیا ہے محض بیجا ہے کیوں کہ اہل بدعت کا یہ عقیدہ علم غیب بالذات کا محقق و مشہور ہے سو انھوں نے ان کی ہی نسبت یہ شعر لکھا ہے؛ اور واضح ہے کہ اس عقیدہ سے خواہ ضمن صلوٰۃ وسلام میں خطاب ہو یا غیر صلوٰۃ وسلام میں بہر حال شرک ہے اور بدون اس عقیدہ کے خواہ صلوٰۃ و سلام ہو یا غیر اس کے جائز جبتک مجمع عوام و سفہا میں نہ ہو سو ان پر طعن بیمحل ہے اگر التحیات میں عقیدہ علم غیب کا ہوگا تو ان کو اس کے شرک ہونے سے کب انکار ہے وہ بھی شرک ہو جاوے گا اور التحیات میں یہ صیغہ یا محض نقل و ہدایت ہے اس واسطے درست ہوا یا بوجہ سلام کے کہ وعدہ ایصال ہو چکا ہے اور خلاف اس کے عقیدہ کرنے میں بھی وہی حکم ہے، پھر طعن کیسا بے موقع ہوا مگر مولوی محمد حسین صاحب تو آپ کے معاصر ہیں ان پر طعن کرنے سے کوئی آپ کو بڑائی حاصل نہیں ہوتی، البتہ بڑے بڑے علماء پر جیسے مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی محمد اسحاق صاحب ان پر اعتراض کرلے میں اور علماء و فقہاء متقدمین میں جو روشنی کثیر کو مکروہ فرماتے ہیں ان پر طعن علی سوایت کرنے سے جیسا روشنی کے مسئلہ میں گذرا اور خود حضرت عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ پر اسراف کی روشنی کرنے اور اس کی مدح کرنے پر کہ قرآن شریف کے حکم کے خلاف اسراف کیا آپ صراحتًا واشارۃً طعن کر چکے ہیں تو وہ البتہ موجب آپ کے تبحر علم کا عوام کالانعام کے نزدیک ہوتا ہے لو اس باب میں بھی ہم آپ کو بتلاتے ہیں کہ بخاری میں ہے کہ ابن مسعودؓ حیات فخر عالم السلام علیک ایہا النبی التحیات میں پڑھتے تھے اور بعد وفات آپؐ کے السلام علی النبی پڑھنے لگے تھے اب ان پر طعن فرمایئے تاکہ لوگوں کے نزدیک خوب عظیم شان آپ کی ہویدا ہو جاوے مولوی محمد حسین تو بڑوں کی تقلید سے بری ہو جاویں گے، ایسوں پر طعن فرمایئے تاکہ لوگوں کے نزدیک اب مؤلف صاحب غور فرماویں اور سب اہل علم نظر فرماویں کہ مؤلف صاحب نے شرح سوال کیا کی اپنی طرف سے ایک سوال نیا تصنیف فرمایا ہے سائل نے پانچ قید سوال میں لکھی تھی، امردان خوش لحن کا قصائد مدح پڑھنا زیب و زینت کا ہونا شیرینی کا ہونا روشنی کثیر کا ہونا فخر عالم کو خطاب و ندا سے یاد کرنا سو پانچوں قیود کی وہ شرح فرمائی

مشہور کرنا ہے جس کے بدلے میں سوال نہیں کیا گیا ؎ شاباشی کہ زیادتی محفل کہ ثابت ہے ہم زمانہ کے گمراہ عوام جانور کی طرح ہیں

نوبت بہ بارم میں آدے گی **قولہ** بحدیث نبوی جائز ہے یا نہیں ہوا تو جواب **اقول** سائل نے حصر کر دیا دین کو حدیث میں کہ حدیث سے جائز ہے یا نہیں، یوں پوچھنا چاہیئے تھا، کہ شرع شریف میں جائز ہے، یا نہیں، اس لئے کہ شرع شریف کے مسائل فقط حدیث ہی سے نہیں نکلتے، بلکہ اول دلیل شرع قرآن مجید ہے پھر حدیث شریف پھر اجماع امت پھر قیاس اس بات کا کہ ہم خاص ان ہی کے مجتہد مذاہب سے سنوائے دیتے ہیں، دیکھو مولوی اسماعیل صاحب تذکیر الاخوان میں در باب رد بدعت لکھتے ہیں، جو مسئلہ کہ قرآن میں مفصل مذکور نہیں، اس کا حال حدیث سے دریافت کرے اور جو حدیث میں بھی صریح بیان نہ ہو تو وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابوں سے دریافت کرکے اس اجماع کے موافق عمل کرے اس واسطے کہ حدیث کی رو سے صحابہؓ کے اجماع کی پیروی کرنے کا حکم ثابت ہے، پھر جو مسئلہ اجماع سے ثابت نہ ہو یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں ویسا واقع نہ ہوا جو اس پر وہ حکم مقرر کر اجماع کرتے تو ایسی بات پر مجتہدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے انتہیٰ، بلکہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے کلام سے تو مابعد مجتہدوں کی بات نکالی ہوئی بھی حق معلوم ہوتی ہے اس مقام میں بعد سیزدہ[۱] چودہ[۲] سطر کے فرماتے ہیں پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دیکر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانا، مگر ہاں اکثر عالم دیندار متقی پرہیزگار اس مسئلہ کو قبول کرلیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے، انتہیٰ۔ اب سائل کو معلوم کرنا چاہیئے کہ جب جواز امور کے واسطے بہت اصل ہوئے، یعنی قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس مجتہدین اور اتفاق اکثر علماء دیندار پس جب کوئی امر ان دلائل میں کسی ایک دلیل سے ثابت ہو جائے گا اس کو کہیں گے کہ یہ امر شرع میں جائز ہے یہ نہیں

کہے

کہ ہرگز سائل کے من میں بھی نہیں گذری ہے اپنی طرف سے خلاف مقصود سائل کے ایک شرح فرمائی اور پھر جو اب جو اس شرح کے لکھے وہ بھی اکثر جگہ اس شرح کے مطابق و مناسب نہیں چہ جائیکہ اصل مقصود سائل کی موافق ہوتی چنانچہ تحریر بالا سے ہویدا ہو گیا سوایسا جواب سوال اور ایسی شرح شاید کسی نے آنکھ کھول کر دیکھی ہو گی عجب تماشہ ہے اور پھر ان جوابات میں جن جن امور کی نسبت اوروں کو مطعون بناتے ہیں وہی امور خود اختیار فرماتے ہیں، سبحان اللہ کیا اعجوبہ ہے **قولہ** بحدیث نبوی الخ **اقول** آپکا اعتراض سائل پر ہے کہ فقط حدیث سے ہی کیوں کہ طلب جواب کیا قرآن و اجماع و اجتہاد بھی حجت شرعیہ ہے سو بجا ہے اول تو اس کا عذر قبول ہو کہ بیچارہ ناواقف ہے مگر خوب محقق ہو گیا کہ مؤلف کے نزدیک فقط حدیث سے مطالبہ کرنا کسی حکم کا معیوب و زبون ہے بلکہ حجج اربعہ میں سے کسی سے جواب دیدے تو کافی ہے اور اتباع امر معیوب کا بھی ناجائز ہے اگر کوئی مستفتی خواہ مخواہ جواب سوال کا حدیث سے ہی طلب کرے تو مفتی کو اس پر عمل کرنا جائز نہیں کیوں کہ اتباع نامہا کا بھی درست نہیں ہوتا سو مؤلف اس اپنے قاعدۂ مقررہ کو یاد رکھے کہ اس کے خلاف میں مؤلف مطعون ہووے گا اور جو اس بیچارہ کے کلام کی تاویل کرسکو تو کیوں اس پر غصہ ہوتے ہو قرآن کی حدیث تفسیر ہے اور حدیث بھی باطنی ہے سو قرآن و حدیث تو ایک ہی ہوئی معنیً و حکماً اور اجماع بلا سند نہیں ہوا کرتا سو سند قرآن کی آیت یا کوئی حدیث صراحتاً اشارۃً دلالۃً ہوتی ہے سو وہ بھی حکماً حدیث ہی ہوا اور قیاس خود مظہر حکم ہے مثبت حکم سو وہ بھی اگر اجماع سے ہے تو وہ معلوم ہوا کہ حدیث ہی ہے حکماً اور قرآن سے ہے تو وہ بھی معنیٰ حدیث سے متحد ہے پس اس کا کہنا بایں تاویل درست ہے پس مطالبہ حدیث میں اگر کوئی قول مجتہد کا پیش کردیوے یا جزئیہ علماء کا جو قاعدہ کلیہ مجتہد سے نکالا ہے پیش کر دیوے تو وہ جواب حدیث سے ہی ہووے گا صریح حدیث کی ضرورت نہیں بہرحال

لہ ظاہر ۲؎ برائے جیسے ۳؎ حجت کا معنی دلیل ۴؎ یعنی قیاس سے حکم ظاہر ہوتا ہے ۵؎ ثابت نہیں ہوتا۔

کہ جس کا نام فقط حدیث میں صریح آیا ہو وہ جائز ورنہ ناجائز یہ بات ہرگز محققین کامل کے نزدیک مسلم نہیں واضح کہ یہاں تک سوال فتویٰ انکاری کی شرح کی گئی اب انہی کے جوابات جو مفتی صاحبوں نے لکھے ہیں اس کی توضیح کرتا ہوں **نور دوم** جو لمعہ میں ہے **لمعہ اولیٰ** نقل جواب واضح ہو کہ اس سوال کا جواب اول دہلی میں لکھوا لیا گیا پھر اہل دیوبند نے اس پر مہریں لگائیں وہ یہ ہے **جواب فتویٰ انکاری** انعقاد محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرون ثلٰثہ سے ثابت نہیں ہوا پس یہ بدعت ہے اور علیٰ ہذا القیاس بروز عیدین وغیر عیدین وپنجشنبہ وغیرہ میں فاتحہ مرّوجہ ہا تھ اٹھا کر پایا نہیں گیا، البتہ نیابۃ عن المیّت بغیر تخصیص ان امور مرقومہ سوال کے للہ مساکین وفقرا کو دیکر ثواب پہنچانا اور دعا و استغفار کرنے میں امید منفعت ہے اور ایسا ہی حال دہم سوم چہلم وغیرہ اور چنے اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث اور کتب دینیہ سے خلاصہ یہ کہ بدعات مخترعات ناپسند شرعیہ میں انتہیٰ حرفاً حرفاً، اب مؤلف رسالہ ہذا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد پر بھروسہ کر کے بیان کرتا ہے ان امور ناصواب کو جو اس جواب میں ہیں واضح ہو کہ اس جواب پر دہلی کے تین صاحبوں کی مہر ہے، الٰہی بخش، حبیب اللہ، شریف حسین، یہ صاحب دہلی میں غیر مقلد ہیں سب ان کو جانتے ہیں ان کا یہ جواب لکھنا کچھ عجب نہ تھا لیکن اصحاب دیوبند اس فتویٰ میں ان کے تابع ہو گئے مدرسہ دیوبند کے طلبا اور مدرسین کی پانچ مہریں چند دستخط ہیں ایسے ایسے معنی کہ ان میں سے ایک صاحب کی عبارت یہ ہے، لہٰذا مسئلہ جواب صحیحہ حسن علی عفی اللہ عنہ، سبحان اللہ عبارت ان مفتی صاحب کی دیکھنے کے قابل ہے اور فصاحت و بلاغت تذکروں میں لکھنے کے قابل ہے لفظ ہذا کی تذکیر و تعریف مسئلہ کی تانیث و تنکیر، جواب کی تذکیر صحیحہ کی تانیث پھر مسئلہ یعنی سوال مبتدا اور جواب صحیحہ اس کی خبر سوال کی خبر جواب کیا کیا تماشے ہو رہے ہیں غیر ہم کو ان صاحبوں میں کسی سے کچھ تعارض نہیں، الا مولوی محمد یعقوب صاحب، کہ اس مدرسہ کے مدرس اول ہیں چونکہ انھوں نے غیر مقلدوں

پہ جملہ[1] موافقت کی ہے جس کو یاد رکھے، الحمد للہ برہان اوّل نے لمعہ نور اولیٰ سے ظلمات کو دور کیا کہ ظلمات جہل پر نور مثل لمعہ کے نمایاں کر کے اس کی ظلمات اصلیہ کو واضح طور پر نمایاں عیاناً کر دکھایا **قولہ نور دوم الخ اقول** مؤلف نے جواب بلفظ نقل کیا ہے بعد اس کے کچھ اپنے علم کے فخریہ کلمات لکھے ہیں کہ اس کے جواب کی ضرورت نہیں علم مؤلف کا لمعہ اول میں خوب معلوم ہو چکا، **قولہ** ان میں سے ایک صاحب کی عبارت یہ ہے الخ **اقول** حسن علی نام کوئی مدرس مدرسہ دیوبند میں نہیں ابتدائے بنا مدرسہ سے آج تک کی کیفیات موجود ہیں دیکھ لو مؤلف کو اگر دیوبند کے مدرسہ پر طعن کرنا مقصود ہے تو ایسی طرح طعن کرنا کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہ ہو شرم کی بات ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے ان بعض الظن اثم پھر خواہ مخواہ حسن علی کو دیوبند کا مدرس طالب علم قرار دیکر محض اپنی طرف سے یہ لکھنا کس قدر خلاف امر حق تعالیٰ کے ہے اور جو توہین مدرسہ کی غرض مؤلف کی ہے تو ایسے واہی مطاعن سے کچھ نہیں ہوتا اور مدرسہ دیوبند کا جو کچھ علم ہے اگر کچھ فہم خداداد مؤلف کو ہے تو آنکھ کھول کر دیکھے اس فقیر کے گمان میں یہ آتا ہے کہ مدرسہ دیوبند کی عظمت حق تعالیٰ کی درگاہ پاک میں بہت ہے کہ صدہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے اور خلق کثیر کو ظلمات ضلالت سے نکالا یہی سبب ہے کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی آپ تو عربی ہیں، فرمایا کہ جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی، سبحان اللہ اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا پس جس کا رتبہ عند اللہ زیادہ ہوگا، شیطان عدو مبین اس کی تخریب و توہین میں زیادہ

---

[1] رابع، [2] میت کی طرف سے قائم مقام [3] طعنے حسن کو طعنہ دیا جائے

کی تحریر پر مہر لگا دی اس لئے ہم کو ان سے چار شکایتیں ہیں **شکایت اولیٰ**۔ بقانون طریقت یعنی ان کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحبؒ ہم کو معظمہ میں ملے ان کا ہرگز یہ طریق متعصبانہ نہیں دیکھا بلکہ نہایت مستقیم و معتدل افراط و تفریط سے خالی پایا لوگوں نے مسئلہ قیام کا پوچھا حالاں کہ مانعین اس کو بڑا منکرات میں سمجھتے ہیں کفر و شرک تک نوبت پہنچاتے ہیں لیکن انھوں نے یہ جواب دیا کہ اگر اصحاب محفل کھڑے ہو جاویں کھڑے ہو جاؤ اگر بیٹھے رہیں تم بھی بیٹھے رہو۔ ایسی گفتگو مصلحت آمیز ہے کہ اس میں جنگ مقصود نہیں اور چند مسائل ان کے اسی طور دیکھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے سب مریدوں کو اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو منع فرمایا ہے کہ جو مسائل ہند کے علماء میں مختلف فیہ ہیں ان پر مہر مت کیجئے۔ پھر مولوی محمد یعقوب صاحب نے کیوں کسی کے کہنے سے اپنے مرشد ہادی کے خلاف طریق اور خلاف حکم پر مہر لگائی، **شکایت ثانیہ** یعنی کیوں دیدۂ تحقیق سے فکر کر کے کنہ مسئلہ کو نہ معلوم کیا مسئلہ میں

سرگرم ہوگا۔ پس مؤلف حالاں کہ علی مدرسہ دیوبند سے اس کو کوئی گزند نہیں پہنچا[1] اور اس کی بنا میں مدرسہ نے خلل نہیں ڈالا۔ البتہ اس کے بدعات کے ظلمات کا کاشف ہے لہٰذا مؤلف کو اس مدرسہ دیوبند سے عناد ہے اور اس مدرسہ کو اپنا دشمن جانتا ہے، مگر جس کا حامی حق تعالیٰ ہو اس کا کوئی کیا کر سکتا ہے، الغرض حسن علی نام کوئی مدرس نہیں۔ اور جب حسن علی کے دستخط ہیں خواہ مخواہ اس پر مطاعن لفظی کرنی بھی دور از دیانت ہے کیوں کہ مطبع کی غلطی کا احتمال قوی ہے چنانچہ اس فتوے میں بہت الفاظ غلط موجود ہیں سو حسن ظن کرنا اور کاتب کی یا صاحب مطبع کی غلطی پر حمل کرنا مناسب تھا مگر یہ تو جب ہوتا کہ مؤلف کو حسن ظن پر عمل کرنا منظور اور اندیشۂ آخرت ہوتا اور چوں کہ تخطیہ معنوی[2] کا تو مؤلف کو سلیقہ و ملکہ نہیں تخطیہ لفظی سے تسلی کر لیتا ہے خیر یہ تو سہل ہے، لیکن مشکوٰۃ اور قرآن شریف دہلی کے مطبع کے مثلاً مؤلف کو دیکھ کر جو اس میں غلطی کاتب ملاحظہ کرے گا تو مبادا حق تعالیٰ اور جناب فخر عالم پر مواخذہ نہ کرنے لگے کیوں کہ مؤلف کی عادت تو یہی ٹھہری کہ اصل مؤلف کو الزام لگاتا ہے کاتب کی خطا پر تو حمل کرتا ہی نہیں استغفر اللہ

رام پوری کی شکایت اربعہ جواب حضرت حاجیؒ کی اجازت قیام مولود نا واقفیت حال جہلاء پر........مبنی ہے	**قولہ** شکایت اولیٰ الخ **اقول**۔ جناب حاجی صاحب سلمہٗ کا جواب قیام میں اگر سچ ہے تو یہ وجہ ہے کہ ان کو جہلاء ہند کا حال معلوم نہیں

کہ کیا عقائد پیدا ہو گئے ہیں اور فتویٰ دینے میں مفتی کو حال اہل زمانہ کا دیکھنا ضرور ہے کہ اختلاف احوال سے جواب بدل جاتا ہے اور یہ تبدل مباح امور میں ہوتی ہے۔ پس اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کا حال ان کو معلوم نہیں اور بحسن ظن قیام کو مباح جان کر جائز رکھا اور مخالفت کو موجب فتنہ جان کر موافقت کا حکم دے دیا اس رائے کو مؤلف نے بھی پسند کیا لیکن اباحت پر اس قدر اصرار[3] فی نفسہٖ شرع میں درست نہیں اور یہ روایت کہ انہوں نے جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مرحومؒ اور جناب مولوی رشید احمد صاحبؒ کو مسائل مختلف فیہا پر مہر لگانے سے منع کیا تھا، خوب تحقیق ہوا کہ محض غلط ہے۔ کسی مفتری کا افترا ہے کہ اپنی بات بنانا مطلب ہے پس یہ شکایت بے اصل محض ہو گئی **قولہ** شکایت ثانیہ الخ **اقول** مؤلف کو کسطرح معلوم ہوا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب نے بدون فکر کے مہر لگا دی ہے اگر یہ وجہ ہے کہ مؤلف بحر العلوم کے فہم کے خلاف ہے اور جو امر خلاف ایسے بحر زخار کے ہوگا وہ غلط ہی ہوگا تو مؤلف صاحب اپنے منہ میاں مٹھو ہوتے ہیں، نور اول میں تو مؤلف کی فہم کی ظلمات ابھی واضح ہو چکی اگر نظر بریں کتاب یہ کہا جاوے تو لائق ہے کہ جو مطابق رائے مؤلف

---

[1] نقصان [2] معنوی غلطی نکالنا [3] اصرار [4] بہتان

تقلیدِ ایک جزئیٔ خاص کی بلا خوض و تفکر صحیح نہیں شکایت ثالثہ اگر مولوی شریف حسین وغیرہ یہ بات کہیں کہ قرونِ ثلثہ کے بعد جو حادث
ہو وہ ضلالت ہے تو کچھ ان سے بعید نہیں کیوں کہ غیر مقلد ہیں لیکن اصحابِ دیوبند جن کا مذہب تقلید ہو اور یہ کہتے ہوں کہ امام واحد
کی تقلید کل مسائل میں واجب ہے چنانچہ فتویٰ مولوی محمد قاسم صاحبؒ اور اظہار الحق صاحب سے یہ بات ظاہر ہے پھر یہ صاحب
کسطرح فرماتے ہیں کہ ایجاد بعد قرون ثلثہ کا بدعت ہے یہ اعتقاد وجوب تعیین تقلید شخصی کا تو قرون ثلثہ کے بعد حادث ہوا ہے اپنے
پیرانِ پیر شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کو دیکھیں کہ وہ لکھتے ہیں۔ اعلم ان الناس قبل المائۃ الرابعۃ لم یکونوا مجتمعین علی مذہب الواحد

کے ہوگا گو بظاہر درست ہو مگر باطن لاریب غلط ہوگا کیوں کہ اکثر جگہ یہی ظاہر ہوتا ہے پس مولوی صاحب کو ہرگز کہ جواب صحیح ہوا ٹھہر
لگا دی ورنہ مصداق اس حدیث کے ہوتے من سئل عن علم فکتمہ الجم بلجام النار۔ اور مخالف اگر صادق امر کہے اس کی تصدیق ضرور ہی
یہ بددینی ہے کہ کوئی بددین اگر دین کی بات کہے تو تکذیب کر دیوے کہ اس میں یہ خود مکذب بنتا ہے۔ فخر عالم علیہ السلام نے یہود کی بھی
سچی بات کی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ صحاح میں یہ روایت موجود ہے۔ پس یہ شکایت محض کم فہمی مؤلف کی ہے قولہ شکایت ثالثہ الخ
اقول مؤلف اپنے خوبیٔ فہم سے بلکہ اپنے اسلاف ہم مشرب کی تقلید سے معنی موجود ہونے کے قرون ثلثہ میں اور نہ موجود ہونے کے یہ سمجھ
رہا ہے کہ اگر قرونِ ثلثہ میں یہ جزئی خاص حادث ہو کر وجود خارجی میں آجاوے خواہ دلیل اس کے جواز کی ان قرون میں موجود ہو یا
نہ ہو تو وہ سنت ہے اور اگر ان جزئی خاص نے ان قرون میں وجود خارجی نہیں پایا اگرچہ جنس ان کی اس قرون میں موجود غیر منکوح
یا دلیل جواز کی موجود ہو وہ بدعت سیئہ ہے مگر یہ فہم بالکل غلط فاحش اور محض کور علمی ہے اور مؤلف کی فقط اسی کج فہمی پر تمام اس رسالہ
کی بنا ہے اور اس ہی کو نہ فہمی سے تمام مغالطات و قبائح کا مرتکب ہوا ہے مگر ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو شے
قرونِ ثلثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے اور جو بوجود شرعی موجود نہ ہو وہ بدعت ہے اب سنو کہ وجود شرعی اصطلاح اصول فقہ میں اس
کو کہتے ہیں جو بدون شارع کے بتلانے کے اور فرمانے کے معلوم نہ ہو سکے اور حس اور عقل کو اس میں دخل نہ ہو پس اس شے کا وجود شارع
کے ارشاد پر موقوف ہوا خواہ صراحتاً ارشاد ہو۔ یا اشارۃً و دلالۃً پس جب کسی نوع ارشاد سے حکم جواز کا ہو گیا تو وہ شیٔ وجود شرعی میں آگئی
اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو۔ اور معلوم رہے کہ سب احکام شرعیہ بوجود شرعیہ ہی ہیں کیوں کہ حکم حلت اور حرمت کا بدون
شارع کے ارشاد کے معلوم نہیں ہو سکتا پس جس جواز کا حکم کلیۃً ہو گیا وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہو گیا اور جس کے عدم جواز کا حکم ہو گیا تو
شرع میں اس کا عدم ثابت ہو گیا اور وجود اس کا مرتفع ہو گیا پس یہ حاصل ہوا جس کے جواز کی دلیل قرون ثلثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود
خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بوجود شرعی ان قرون
میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعت ضلالہ ہے اور یہ بھی
سنو کہ اس زمانہ کا شیوع بلا نکیر دلیل جواز کی ہے اور نکیر ہونا اس پر دلیل عدم جواز کی ہے علیٰ ہٰذا اس کی جنس پر نکیر ہونا دلیل اس
کے عدم جواز کی ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حکم کا اثبات قرآن و حدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس مظہر حکم کا ہے مثبت حکم کا
نہیں ہوتا پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی کتاب و سنت ہی سے ثابت ہوتا ہے اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا

لے یقیناً کہ جو تا بنانا سے مغالطہ کی جمع کہ نامخ

پس جب کہ چوتھی صدی تک تقلید شخصی پر مجتمع نہ تھے تو ظاہر ہوا کہ چوتھی صدی کے بھی بعد مسئلہ وجوب کا حادث ہوا اور خود چوتھی صدی قرون ثلثہ سے بہت بعد ہے تو مابعد چہارم تو نہایت البعد زمانہ ہوا اور تنویر الحق میں مولوی قطب الدین خاں صاحب نے قاضی ثناء اللہ کی تفسیر مظہری سے نقل کیا ہے أہل السنۃ والجماعۃ قد افترق بعد القرون الثلاثۃ او الاربعۃ علی اربعۃ مذاہب الخ یہ بات ہم کو مضر نہیں کیوں کہ ہم بعض بدعت حسنہ کو واجب بھی کہتے ہیں اور بدعت حسنہ کا وجود فقط قرون ثلثہ میں منحصر نہیں رکھتے لیکن ان اصحابوں پر مشکل ہوگا۔

شکایت رابعہ: آپ کے پیر مرشد جناب حاجی امداد اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ضیاء القلوب مطبع مجتبائی ہمارے پاس ہے۔ وہ کتاب واسطے دستور العمل ہونے اپنے مریدوں کے لکھی ہے، اس میں بہت باتیں اس طرح کی ہیں مثل فاتحہ بارواح مشائخ اور خطرات کو مشاہدۂ جمال مرشد سے دفع کرنا یعنی (تصور شیخ) اور عروج اور نزول کے طور پر ذکر کرنا۔ اور رگ کیماس کا دبانا۔ اور مونڈھے اور ناف اور گھٹنے وغیرہ کی طرف اشارات اثنائے ذکر میں کرنا اور اذکار کا عدد اور جلسہ کی ہیئت اور وضع اور وقت وغیرہ کی تعینات خاص کرنا اس قسم کی بہت سی چیزیں اس میں ہیں کہ قرون ثلثہ سے ہرگز ہرگز بایں ہیئت کذائی وہیں ہیئات مجموعی ثابت نہیں اور مولوی شریف حسین اور حفیظ اللہ صاحب واعظ کی تحریر اس فتویٰ انکاری میں یہ ثابت کر رہی ہے، کہ محفل مولد شریف اور فاتحہ اموات بدعت

ہے، مؤلف اور اس کے اشیاع نے اس کی جوابی نہیں سوجھی، اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہابذہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں کہ اپنے موافقین کو نفع ہو، اور مخالفین کو شاید ہدایت ہو۔ اگر اس کو خوب نگہداشت کیا جاوے تو تمام اس رسالہ اور دیگر رسائل مبتدعین کی خطا واضح ولائح ہے اور مؤلف تو کسی مطلب علمی کو کہیں بھی نہیں سمجھتا، اپنی فکر ناتمام سے ایک معنیٰ قرار دیکر بدون مغز کلام کے سوچے سمجھے جو منہ میں آیا نکال ڈالتا ہے ایسے علم وفہم پر افسوس آتا ہے

تقلید شخصی واجب ہے | پس بعد تمہید اس قاعدہ کی دیکھو کہ تقلید شخصی کی دلیل قرون ثلثہ میں موجود ہے گو وجود خارجی اس کا کبھی ہو اس سے ہم کو بحث نہیں، فاسئلوا أھل الذکر إن کنتم لا تعلمون الایۃ۔ اس میں وجوب تقلید کا حکم ہے اور باطلاقہ شخصی اور غیر شخصی دونوں کو محتوی ہے اور دونوں مامور علی التخییر ہیں اور آیہ ولا تفرقوا الخ وحدیث کونوا فی اللہ اخوانا الحدیث وغیرہ میں امر وجوب تقلید شخصی کا وقت افتراق اور اختلاف کی موجودہ ۔۔۔ ثابت ہے، کیوں کہ زمان جہل میں اور وقت اعجاب کل ذی رائے برایہ کی عدم تقلید شخصی میں فتنہ ہوتا ہے چنانچہ اب خود مشاہدہ ہے لہٰذا بالتعین وجود وجوب لغیرہ تقلید شخصی کا بعد زمانہ قرون ثلثہ کے ہوا اگرچہ وجود شرعی اس کا قرون ثلثہ میں ثابت تھا پس اس کو بدعت ضلالہ جاننا حسب مشہور محض جہل اور سوء فہم ہے کہ بعد اس شرح بسط کے کوئی عاقل جاہل بھی تردد نہ کرے گا، اگرچہ مؤلف سے توقع قبول کی نہیں،

اشغال مشائخ ہیں ثابت بالسنۃ! اور علیٰ ہذا القیاس اشغال مشائخ کا جواب ہے پس یہ دو شکایتیں مؤلف کی ثالثہ اور رابعہ محض مؤلف کے عدم علم و فہم سے ناشی ہوئے اور مؤلف نے باتباع بعض علماء کے اس کو بدعت حسنہ سے تعبیر کیا اور یہ فرق اصطلاحی اور لفظی تھا فی الواقع کوئی خلاف معنوی نہ تھا مطلب سب کا ایک تھا میاں مؤلف نہ سمجھے نہ پڑھے اس کو نزاع حقیقی سمجھ کر الغل مارنے لگے اور اپنی حقیقت سب پر ظاہر کر دی **قولہ** شکایت رابعہ الخ **اقول**، اس کا جواب بھی جواب شکایت ثالثہ سے واضح ہو گیا اور اس کے جواب میں طول وبسط

ل ثابت کرنے والا ۲ جماعت ۳ مشکل ۴ اختیار کے ساتھ ۵ ہر شخص اپنی رائے پر اعتماد ۶ مشہور تعریف کے مطابق ۷ ایجادات

عدم ثبوت قرون ثلثہ سے مخترعات ناپسند شرعیہ میں اور آپنے اس کی تصحیح پر مہر لگائی تو فی الحقیقت یہ مہر ہو گئی اس بات پر کہ جو چیز قرون ثلثہ سے
ثابت نہ ہو وہ مخترعات ناپسند شرعیہ سے ہے پس داخل ہو گئے اس میں سب اذکار و اشغال مرسومہ خاندان جناب ضیاء القلوب میں
مندرج ہیں کہ ہرگز ان کا ثبوت بہیئت کذائی و ہیئات مجموعی قرون ثلثہ سے نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان اور ہم کو یہ اعتراض کچھ مضر نہیں اس
لئے ہم اس کے قائل نہیں کہ جو بات قرون ثلثہ میں نہ ہو وہ ضلالت او سیئہ ہوتی ہے لمعہ ثانیہ رد جواب مانعین و تحقیق بدعت و
ثبوت بدعت حسنہ واضح ہو کہ اس فتویٰ انکاری میں کوئی منع کی دلیل نہیں سوا اس کے کہ یہ باتیں قرون ثلثہ میں نہ تھیں اور جو قرون

کہا گیا کہ یہ بہت کارآمد قاعدہ ہے اور تمام رسالہ کے قمع کو کافی ہے بغور ملاحظہ کرنا لازم ہے - - - - - - - - - - - -
بدعت حسنہ و سیئہ کی حقیقت قولہ لمعہ ثانیہ رد بدعت مانعین و تحقیق بدعت الخ اقول تحقیق معنی بدعت میں مؤلف نے نہایت اپنا جوہر
فہم دکھایا اور غایت مبلغ علم کا اظہار کر دیا اور اس تحقیق پر مؤلف کو نہایت فخر و ناز ہے پہلے جواب شکایت ثالثہ میں یہ عاجز حقیقت بدعت کو لکھ
چکا ہے اب یہاں پھر لکھتا ہوں سنو کہ تمام علماء اول سے آخر تک متفق ہیں اس بات پر کہ بدعت لغت میں امر جدید کو کہتے ہیں اور کتب
شریعت میں جو اطلاق اس لفظ کا ہوتا ہے تو کسی جگہ تو اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ جو امر بعد فخر عالم علیہ السلام کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود
ہو خواہ مذموم یعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو سو اس کی دو قسم کرتے ہیں قسم اول محمود کہ جس کی دلیل جواز کی شرع میں ہو
دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں پس قسم اول کی بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنت جانتے ہیں اور دوسری قسم بدعت
ضلالہ ہے پس یہ حدید بدعت کی عام کہلاتی ہے اور کسی جگہ معنی بدعت کے یہ ہوتے ہیں کہ جو امر حادث ہو خلاف طریقہ مرضیہ شارع علیہ السلام
کے یعنی اس کے جواز کی دلیل شریعت میں نہ ہو اور یہ معنی خاص ہیں اور کتب شرعیہ میں اس ہی کی بحث ہوتی ہے تو بدعت بایں معنی وہی نوع مذموم ہے
اور قسم محمود سنت میں داخل ہے پس یہ دونوں اطلاق درست ہیں اسمیں کسی کا خلاف نہیں فقط بیان کا فرق ہے اور بس اور اصل مراد میں سب متفق
ہیں سو جو بدعت کو مطلقاً مذموم کہتے ہیں وہ بدعت کے معنی خاص لیتے ہیں اور جو علماء تفریق حسنہ اور سیئہ کی کرتے ہیں وہ معنی عام لیتے ہیں اور
یہ جو اسے لکھا تمام کتب شرعیہ میں موجود ہے اور خود مؤلف بھی اس کو جانتا ہے خود اس رسالہ سے ظاہر ہے لہذا نقل روایات کی حاجت
نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو علماء رسوم جہلہ وغیرہ کو بدعت کہتے ہیں وہ بدعت کو بمعنی خاص لیتے ہیں اور مقام ذم میں ذکر کرنا اور حجت عدم
جواز کی ٹھہرانا دلیل ظاہر اس امر کی ہے ورنہ معنی عام کے ایک فرد اس کی محمود بھی ہے کس طرح مذموم مراد ہو سکتا ہے مطلقاً اور یہ امر جس کو
ادنیٰ سلیقہ ہوگا جان سکتا ہے مگر مؤلف کا سلیقہ علمی اور خوبی فہم قابل دید ہے کہ باوصف علم اس اصطلاح کے اور قرینہ بینہ کے جگہ جگہ اعتراضاً
لکھتا ہے کہ تمہارے نزدیک فلاں شے بدعت ہے اور ہمارے نزدیک کچھ حرج نہیں کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے اور اس کو نہایت الزام و اعتراض
سمجھ رہا ہے تو اس تحریر مؤلف سے معلوم ہوا کہ مؤلف کے نزدیک یہ نزاع حقیقی اور خلاف معنوی ہے فرق اصطلاحی نہیں ورنہ کیوں یہ
تو تو میں میں کرتا اور کس واسطے باوجود ضعف دماغ کے لاحاصل اس قدر تطویل کرتا کہ سب کا مآل و مقصود ایک ہوا اور پھر ایک کو صحیح
اور دوسرے کو غلط بتادے اور لاحاصل تحریر طویل لکھکر کاغذ سیاہ کرے پس اس سے بھی تبحر علم اور خوبی فہم مؤلف کا ہر شخص پر عیاں ہو گیا جیسا
پہلی شرح سوال میں ہر ہر معنی پر بھی فہم مؤلف کی ظاہر ہو چکی

له ایجابات ۲۵ مرد ہر ۳ہ جڑے اکھاڑ دینا ۲ پسندیدہ

نہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے سو یہ قاعدہ تحقیقی نہیں۔ کسی کسی کے اقوال مختلفہ کا ذکر کرنا اور بات ہے اور مذہب منصور اور قول جمہور جس پر
عمل امت ہو وہ اور بات ہے اختلاف اقوال کا یہ حال ہے کہ بدعت میں چند اقوال ہیں قول اوّل یہ ہے کہ مؤلف تذکیر الاخوان نے تو اپنے طائفہ
کا دستور العمل ٹھہرا دیا کہ جو بات قرون ثلٰثہ میں ایجاد کی گئی ہے اس کو سنت کہنا چاہیئے اور جو بعد میں ایجاد ہوئی اس کو بدعت قرار دینا
چاہیئے اور جو چیز بدعت ہو وہ کل ضلالت اور سیئہ ہے دوسرا قول یہ ہے کہ جو چیز بعد صحابہؓ اور تابعینؒ کے نکالی جاوے وہ بدعت
ہے اور نامشروع ہے مائۃ مسائل کے سوال چہلم و ہشتم میں لکھا ہے امر یکہ منقول نباشد از آں حضرت و صحابہؓ و تابعین غیر مشروع است
… بن قال قراءة الکافرون الی الاٰخر مع الجمع مکروھۃ لانھا بدعۃ لم ینقل ذلک من الصحابۃ والتابعین اب دیکھنا چاہیئے
… یہ تقریر ایک نمبر زیادہ ترجیح ہو لی ہے مولوی اسمٰعیل سے بھی کیوں کہ ان کی تقریر سے تو تبع تابعین بھی معتبر تھے اور اس تقریر سے تبع تابعین بالکل
مردود ہوئے تیسرا قول یہ ہے کہ صحابہؓ کا فعل تو سنت میں داخل ہے لیکن صحابہؓ کے بعد جو قول فعل حادث ہو وہ بدعت ہے اور ضلالت ہے
چنانچہ جلد اول مکتوبات مجددیہ کے مکتوب ایک سو چھیاسی میں ہے ہر چہ در دیں محدث و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفاء راشدین او نبود
علیہم الصلوٰت والتسلیمات اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ با او ہستند گرفتار عمل آں محدث مگرداناد اور
اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے فعلیکم بالاقتصار علی متابعت سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والاکتفاء علی اقتداء اصحابہ الکرام
اب دیکھو کہ اس کلام سے تبع تابعین تو کیا خود گروہ تابعین بھی اڑی ہوئی ہے پس اس قول کے موافق ان کا قول و فعل بھی بدعت کا جتنا ہے

بدعت کی حدود جو منقول ہیں متعارض نہیں محض اختلاف عنوان ہے الحاصل دونوں معنی بدعت کے ایک ہی مراد ہے اور پھر جو کتب میں
حدود بدعت ہیں الفاظ مختلف ہیں ان سب کا بھی حاصل ایک ہی ہے مگر مؤلف چوں کہ سلیقہ فہم مراد نہیں سب کو مختلف المراد جان رہا ہے
اس واسطے ان کو نقل کر کر مردود مثال بناتا ہے اور ایک معنی عام کو صحیح و معتبر ٹھہراتا ہے اور باہم سب کو مختلف جان کر غلطی میں پڑ رہا ہے سو
یہ بھی ضرور ہوا تاکہ کج فہمی مؤلف کی ظاہر ہو جاوے سو کہ تعریف بدعت شرعیہ کی بعض نے یہ لکھی ہے کہ بدعت وہ محدث فی الدین ہے
جو زمان فخر عالم علیہ السلام میں موجود نہ ہوا یعنی نہ تو قولاً نہ فعلاً نہ تقریراً اور نہ صراحتاً نہ اشارۃً یعنی یہی امر ہے کہ جب کسی طرح زمان فخر عالم میں
موجود نہیں اور معلوم ہو چکا کہ موجود ہونے سے وجود شرعی مراد ہے نہ وجود خارجی تو دلیل جواز کی اس کے لئے کوئی نہ ہووے گی وہ خلاف شرع
… ہونے کے ہو گا پس اس کے معنی بعینہ بلا تفاوت وہی ہوئے جو در مختار اور بحر الرائق اور ابن حجر وغیرہم لکھتے ہیں جس کو قول خاص کر کے
مؤلف صاحب نے لکھا ہے اور مسلم الثبوت اور قول جمہور معتبر ٹھہرایا ہے سر مو فرق دونوں میں نہیں پھر جو شئی زمان فخر عالم میں موجود نہ ہوئی
وجود شرعی تو صحابہؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعین کے زمانہ میں بھی موجود بوجہ خارجی نہ ہوگی۔ بایں معنی کہ نہ اس کا شیوع بلا نکیر ہو سکے اور
نہ اس کے جواز کی دلیل قولاً فعلاً تقریراً صراحتاً اشارۃً نکل سکے کیوں کہ وہ زمان خیریت ہے فخر عالم نے ان کی خیریت اور اتباع کا حکم
دیا ہے پس جو کچھ ان قرون ثلٰثہ میں موجود ہو گا خلاف قواعد شرعیہ کے نہ ہو گا اور جو موجود نہ ہو گا وہ بدعت ضلالہ ہووے گا۔ اور پھر
… تا ہونا کہ موجود ہونے سے سب جگہ مراد وجود شرعی ہے یہ معنی کہ دلیل جواز کی ہونا وجود شرعی ہے اور دلیل جواز کی نہ ہونا عدم وجود
… ہے پس بہر حال یہ دونوں تعریفیں کسی وجہ سے مخالف نہیں اور بعض نے اسی واسطے اس تعریف میں یہ زائد کر دیا ہے کہ زمان خلفاء راشدین

مسجد کے اندر نئی پیدا شدہ چیز ۔ مکہ بال کے برابر تک اشاعت تک اعتراض ۔ گمراہی

چوتھا قول یہ ہے کہ تابعین تو تابعین خود صحابہؓ کا کچھ اعتبار نہیں ہے ان کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں ان علماء کے نزدیک بدعت کے یہ معنی ہیں البدعۃ ما لم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت کے بعد اگر صحابہؓ بھی ایجاد کریں ان علماء کے نزدیک وہ بدعت ضلالہ ہے لامذہبوں غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفاء راشدین کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حضرت سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ لازم پکڑو سنت میری اور سنت خلفاء راشدین کی تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ہے کہ نہیں مراد سنت خلفاء راشدین سے مگر ایسا طریقہ کہ موافق طریقہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تھا اور معلوم ہے قواعد شریعت سے کہ کسی خلیفہ راشد کو نہیں پہنچتا کہ کوئی طریقہ سوائے اس طریقہ کے کہ اس پر حضرت تھے ... مشروع کرے انتہی ملخصاً اور کتاب مفاتیح الاسرار التراویح میں ہے کہ مراد سنت الخلفاء سے وہی سنت ان کی ہے جس میں وہ موافق اور متبع سنت نبوی ہیں نہ وہ جس کے وہ خود موجد ہیں الی آخرہ۔ پس ان بزرگواروں کے نزدیک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی کہ بعض امور انھوں نے ایجاد کئے ہیں بدعتی ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ یہ فرقہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے تین قدم اور بڑھ گیا وہ تو تبع تابعین تک کو مانتے تھے یہ خلف ان کے ایسے بڑھے کہ صحابہؓ تک کو بھی نہیں مانتے، کیوں نہ ہو جب تک اپنے بزرگوں سے چار قدم آگے نہ بڑھے تو پھر کیا فخر ہوا اب طالبان

میں بھی نہ پایا جاوے اور بعض نے عدم اور وجود نادر صحابہؓ کا ذکر کیا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو زمانہ فخر عالم علیہ السلام میں نہ ہوگا صحابہؓ کے قرن میں بھی نہ ہوگا جیسا ابھی گذرا، اور پھر ایک حدیث میں خود فخر عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین الخ[1] دوسری حدیث میں فرمایا ما انا علیہ واصحابی[2] اور ظاہر ہے کہ بعض امور زمانہ خلفاء میں اور صحابہؓ میں شائع اور ظاہر ہوئے کہ فخر عالم کے وقت میں ظہور ان کا نہ ہوا تھا اگرچہ اصل اور دلیل اس کی موجود تھی اور یہاں وجود شرعی ہی مراد ہے عام ہے کہ وجود خارجی میں آیا ہو یا نہ آیا ہو اور بعض نے ایک صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کے زمانہ میں نہ ہونا بھی اس حد بدعت میں زائد کیا جیسا عالمگیریہ نے محیط سے نقل کیا اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ زمان تابعین میں اجتہاد و قیاس ہوا اور قواعد و ضوابط بنائے گئے، اور جو کچھ زمانہ صحابہؓ میں مخفی تھا ظاہر ہو گیا تو یہ سب اسی کا ہی اظہار و ضبط تھا، جو پہلے موجود تھا کوئی امر جدید خلاف اس کے نہ تھا اور بعض علماء نے تبع تابعین کے قرن میں بھی نہ ہونے کو ذکر کیا اس سبب سے کہ حدیث خیر القرون قرنی میں تبع تابعین بھی ذکر فرمائے گئے ہیں اور فی الواقع اس قرن میں آئمہ مجتہدین نے بسط و تفصیل قواعد شرعیہ کی اور کلیات اجتہاد و قیاس کے ایسے کامل و منضبط کر دیئے کہ قیامت تک کو کافی ہو گئی۔[3] اور اختلاف امتی رحمۃ کا ظہور بوجہ اتم ہوا پس جس کی دلیل ان قرون ثلثہ میں نہیں وہ بدعت و ضلالت ہے اور جس کی اصل یہاں ہے وہ جائز و مقبول ہے الحاصل یہ ہر چہار قول حد بدعت کے جو مؤلف نے شاذ و غلط لکھے ہیں اور قول خامس جس کو قول جمہور و مشہور معتبر لکھا ہے سب ایک مطلب اور ایک معنی رکھتے ہیں سوائے اختلاف الفاظ کے کچھ تفاوت سر مو بھی نہیں علیٰ ہذا قول تعریف بدعت کا بھی بمعنی عام اور بمعنی خاص دونوں موافق ہیں سوائے خلاف بیان و اصطلاح کے کوئی تنزع و خلاف نہیں، پس اب ہم فہم رسا و قوت حد سے مؤلف صاحب کی ناظرین ملاحظہ کریں کہ اول تو معنی عام و خاص بدعت کو باہم مختلف معنوی و نزاع حقیقی سمجھ رہا ہے اور پھر ان حدود اربعہ کو قول خامس کے خلاف و معارض سمجھ رہا ہے اور اس غلطی فاحش پر ناز کر کے کس دعویٰ سے کہتا ہے کہ مانعین نے کوئی دلیل منع کی نہیں لکھی سوائے قرون ثلثہ میں موجود نہ ہونے کے

[1] وہ طریقہ جس پر کہ میں اور میرے صحابہ ہیں [3] میری امت کا اختلاف

حق غور سے سنیں یہ چاروں قول جو بیان کئے گئے یہ سب اقوال شاذہ متفرقہ بعض علماء کے آپس میں مختلف ہیں چوتھے قول کو تیسرا رد کرتا ہے اور تیسرے
قول کو دوسرا اور دوسرے کو اول باطل کرتا ہے اب قول اول جو صاحب تذکیر الاخوان کا ہے اس میں جو خلل ہے یہ عاجز بیان کرتا ہے
واضح ہو کہ متقدمین و متاخرین میں کسی نے سنت کی یہ تعریف نہیں لکھی کہ سنت وہ شئی ہے جو قرون ثلثہ میں پائی جاوے اور نہ کسی نے حدیث
یا قول صحابہؓ یا تابعینؒ یا تبع تابعینؒ سے یہ بات صراحتاً ثابت کی ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی کہ مہینہ دو مہینہ برس دو برس
میں کسی کتاب سے خود یا اپنے مددگاروں سے تلاش کرا کر ایسی حدیث معتبر ہم کو دو جس میں یہ خاص الفاظ ہوں کہ قرون ثلثہ کے بعد جو بات
نکلے گی وہ بدعت ہوگی یا خاص یہی الفاظ کسی جماعت اصحابؓ یا تابعینؒ یا تبع تابعینؒ کی زبانی ارشاد فرمائے ہوئے ہم کو دکھا دو معتبر
اسناد سے معتمد علیہ کتاب سے لیکن کوئی نہ لا سکا اور لاوے کہاں سے فقط ایک حدیث پڑھ دیتے ہیں خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم
ثم الذین یلونہم یعنی بہتر لوگوں میں میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے سو معنی اس حدیث کے بعضوں نے یہ

سبحان اللہ جب یہی دلیل منع کی نہیں تو پھر کون سی دلیل مؤلف کے نزدیک معتبر ہو وے گی کہ یہ دلیل حاوی جمیع دلائل کو ہے اور حج اربعہ
انہی میں حصر ہو گئے ہیں پس بعد حج اربعہ کے شاید توریت و انجیل سے حجت کی خواہش مؤلف ۔۔۔ رکھتا ہوگا معاذ اللہ فماذا بعد الحق الا الضلال
پھر وہی بات ہے کہ مؤلف نے اپنے فہم سے اس کلام کے معنی سمجھے اس وجہ سے تحریر لاطائل سے کاغذ سیاہ کیا اور غلط فہمی اس کی اب
بھی ظاہر ہو چکی واذ لم یہتدوا بہ فسیقولون ھذا افک قدیم
قرون ثلثہ میں جو چیز نکلی اس کے سنت ہونے کے معنی اور حدیث خیر القرون میں خیریت سے کونسی خیریت مراد ہے اب یہ امر کہ مسئلہ مبحوث عنہا کی دلیل جواز
قرون ثلثہ میں ہے یا نہیں بجائے خود مذکور ہو وے گی یہاں فقط اسی کا بیان ہے کہ مؤلف حدود بدعت کو نہیں سمجھا اور باہم سب کو متعارض
بتا دیا اور ائمہ مجتہدین پر مطاعن کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا کہ یہ کام علماء کا بلکہ عامی مسلمان کا بھی نہیں اور مورد من عادی ولیا فقد
آذنتہ بالحرب کا بنا معاذ اللہ اور وجہ یہ ہوئی کہ بعض مبتدعین نے اپنی کور فہمی سے رسائل سے لکھتے ہیں ان میں مطاعن مولوی محمد اسمٰعیل
صاحب اور مولوی محمد اسحاق صاحب کی اور حضرت مجدد صاحب اور دیگر اکابر کے مذکور ہیں مؤلف ان رسائل سے مستفید ہوا اور کینہ ان حضرات
سے اپنا سینہ سیاہ کر کے خیالات فاسدہ اپنے اس رسالہ میں تحریر کر دیئے الحاصل ان سب اقوال کا ایک حاصل ہے پھر نہایت جہل ہے کہ
چار قول کو غلط اور خامس کو صحیح کہا جاوے چنانچہ واضح ہو گیا اور مؤلف کی خیانت کا ذکر نوع چہارم کے لمعہ ثالثہ میں کیا جاوے گا کہ عبارت
تذکیر الاخوان میں تصرف کر کے نقل کیا ہے قولہ اب قول اول جو صاحب تذکیر الاخوان کا ہے اس میں جو خلل ہے الخ اقول تعریف تذکیر
الاخوان کی خوبی معلوم ہو چکی اور مؤلف کی کم فہمی واضح ہوئی اور علیٰ ہذا قول ثالث ..... اور رابع کی حقیقت محقق ہو چکی اور اعتراضات
مشوخ کلامی مؤلف کی مردود ہو گئی حاجت اعادہ کلام کی نہیں خلاصہ یہ کہ قرون ثلثہ میں موجود نہ ہونے کے معنی معلوم ہوئے کہ موجود
نہ ہونے سے دلیل جواز کی نہ ہونا مراد ہے آیۃ ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا الایۃ اور حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء
الراشدین المہدیین الحدیث اور حدیث ما انا علیہ واصحابی الحدیث اور حدیث خیر القرون قرنی الحدیث اور اقوال متقدمین
و متاخرین ان حدود کی مثبت ہیں اور سب متفق المعنی ہیں، چنانچہ ظاہر ہو گیا مگر مؤلف خود نہیں سمجھا اور مؤلف جو لکھتا ہے کہ ہم نے بارہا

اے وہ طریقہ جس پر میرے صحابہ ہیں سکے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے

یہ کہے ہیں کہ قرنی سے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ حیات مراد ہے اور ثم الذین یلونہم سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور کے جو لوگ تھے بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ لوگ مراد ہیں پھر دوسرے ثم الذین یلونہم سے دورہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آدمی مراد ہیں پس خوب خیریت سے اسلام میں موافقت اور نصرت اور ظہور شوکت۔ تین دور تک رہی جب یہ قرون ثلثہ گذر چکے قرن چوتھا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور ہوا اس وقت سے اہل اسلام میں خانہ جنگی شروع ہوگئی وہ خیریت قرون ثلثہ کی کم ہوگئی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری مرحوم جو علم حدیث میں مولوی محمد قاسم نانوتوی کے استاد تھے اور اس فتویٰ کے اکثر مفتیوں کے نزدیک ان کا علم وتفقہ مسلم تھا وہ فرماتے تھے کہ یہ معنی اس حدیث کے بہت موزوں اور چسپاں ہیں اور فرماتے تھے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ معنی اپنی بعض تصنیفات میں لکھے ہیں، پھر اگر حدیث سے یہی استدلال ہے کہ قرون ثلثہ کی چیز نکالی ہوئی سنت اور بعد کی بدعت ہے اور قرون ثلثہ منتہی حضرت عمرؓ ہیں اس تقریر مذکورہ کے موافق تو حضرت عثمانؓ کے وقت سے جو چیز ایجاد ہو وہ سب بدعت ہونی چاہیئے پھر تبع تابعین بیچارے کس شمار میں رہے یہاں تو صحابہؓ کے اقوال وافعال بھی بدعت ہو جاویں گے معاذ اللہ منہا، اور اگر معنی اس حدیث کے اس طرح پر رکھیں کہ قرنی سے مراد صحابہؓ ہیں اور ثم الذین یلونہم سے تابعین اور دوسرے ثم الذین یلونہم سے تبع تابعین تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اچھے لوگ صحابہؓ ہیں ان سے کم تابعین ان سے کم تبع تابعین انتہیٰ، پھر اچھے ہونے سے موافق بیان شارحین حدیث کی یہ مراد ہے کہ ان زمانوں میں خیر غالب ہوگی اور فساد کم، اس حدیث کے حرفوں کی ہرگز یہ معنی نہیں کہ جو بات یہ تینوں قرون والے نکالیں وہ سنت ہے اور جو ان کے بعد نکالیں وہ بدعت ہے معانی تو الفاظ سے نکلتے ہیں، اس حدیث میں لفظ بدعت اور سنت کے کہاں ہیں، کم سے کم پڑھا ہوا بھی جو حدیث کے لفظوں کو دیکھے گا وہ اس بات کو ٹھیک سمجھ لے گا، ہائے افسوس اس کم فہمی پر ہزار افسوس، کم فہمی تو اپنی پھر دوسروں کو گمراہ بتا دیں ہاں بھائی چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے، توضیح اس مقام کی یہ ہے کہ ان کی دلیل دو جملے ہیں ایک یہ کہ قرون ثلثہ میں جو چیز نکلے وہ سنت ہے دوسرا یہ کہ بعد قرون ثلثہ کے جو امر پیدا ہو وہ سب بدعت ہے ہم جز اولیٰ میں اول کلام کرتے ہیں اگر یہ لوگ استدلال کریں کہ خیر القرون میں لفظ خیر آیا ہے، پس یہ قرون ثلثہ جو ایجاد کریں وہ خیر ہوگا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ لفظ خیریت آخر زمانہ کی امت کے واسطے بھی وارد ہوا ہے روایت ہے کہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ جو عشرہ مبشرہ میں صحابی جلیل القدر ہیں انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ احد خیر منا اسلمنا وجاهدنا

اس مذہب والوں کو مہلت دی الخ بالکل کذب ہے، سو شاید اپنے احاطہ شیخ الہی بخش مرحوم میں کھڑے ہو کر پکار دیا ہو گیا ورنہ مؤلف کو فہمائش کر دیا جاتا، اب اس تحریر کو دیکھ کر تسکین خاطر کر لیوے اور سمجھ لیوے کہ کس قدر۔ تعریف درست اور صحیح ہے قولہ، اس حدیث کے معنی بعضوں نے یہ کہے ہیں الخ اقول، اس بحث سے کچھ حاصل نہیں ہم نہیں کہتے کہ مؤلف سچ کہتا ہے یا جھوٹ اور شاہ ولی اللہؒ نے یہ معنی لکھے ہیں یا نہیں خواہ کچھ ہو مگر سب حدود درست ہو گئیں اور حد جس میں مؤلف سرمارہا ہے قرآن و حدیث سے ثابت اور حد مسلم مؤلف کی سرائق ہولی اور اس کے جہل کی دلیل راسخ ہو چکی اب کیا ضرورت کسی اثبات کی ہے یہ سارا صفحہ جو مؤلف نے سیاہ کیا محل افسوس اس کے فہم کا ہے حرف حرف کا جواب فضول ہے، پہلے اس حدیث کے معنی بیان ہو چکے یہاں ضرورت اعادہ کی نہیں،
قولہ ہم جز اولیٰ میں کلام کرتے ہیں الخ اقول سبحان اللہ جز اولیٰ کو خوب سمجھے اور خوب معنی بیان کئے مؤلف کی بے علمی کا ثمرہ ہے سنو

معک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اچھا ہوگا ہم اسلام لائے اور آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کئے، آپ نے جواب دیا نعم قوم یکون من
بعدکم یومنون بی ولم یرونی. یعنی آپ نے فرمایا کہ ہاں تم سے اچھے تمہارے بعد وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر ایمان لا دیں گے بغیر دیکھے، یہ
حدیث مشکوٰۃ میں ہے روایت کیا اس کو احمد اور دارمی نے دیکھو اس میں لفظ خیر موجود ہے جس طرح خیر القرون میں، پس چاہیئے کہ بعد
کے آدمیوں کا فعل نکلا ہوا بھی سنت ہو بدعت نہ ہو اور ابی امامہ نے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طوبی لمن رآنی
وطوبی سبع مرات لمن لم یرنی وآمن بی یعنی خوشحالی ہو جیو اس کو جس نے مجھکو دیکھا اور سات مرتبہ خوشحالی ہو جیو اس کو جس نے مجھکو نہیں
دیکھا اور ایمان لایا یہ بھی مشکوٰۃ میں موجود ہے، غرضکہ اسی طرح بہت حدیثیں اس باب میں ہیں یعنی مومنین آخر زمانہ کی شان میں ارشاد
فرمائی ہیں کہ تطبیق دینی جمیع احادیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کو افضلیت چند وجوہ سے ہے تو بعض
معانی سے آخر کے آدمیوں میں بھی خیریت اور فضیلت ہے، علماء مشہورین مثل ابن عبد البر وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، پھر جب
خیریت کے الفاظ حدیث میں مابعد کے آدمیوں کے واسطے بھی آئے جس طرح خیر القرون کے حق میں آئے تو تم کو چاہیئے کہ ان کی
ایجادی باتوں کو بھی سنت مانو حالانکہ تم اس کو بدعت اور ضلالت کہتے ہو، اب دوسرے جملہ کا حال سننا چاہیئے یعنی قرون

کہ فضیلت کلیہ قرون اولیٰ میں ہے اور پچھلے قرون کی فضیلت جزئیہ اگرچہ ثابت ہے مگر مزاحم فضل کلی کو نہیں ہوتی دیکھو کہ فضیلت کلیہ
گھوڑے ہی میں ہے اور ایک فضل جزئی گدھے میں بھی ہے کہ اسپ میں وہ امر موجود نہیں، باربرداری مثلاً مگر یہ فضل بارکشی کا مزاحم فضل
کلی اسپ کی اور موجب تفضیل خر کا اسپ پر نہیں ہو سکتا، علیٰ ہذا پلاؤ قورمہ میں جو فضل کلی ہے اور پاخانہ میں کھاد زراعت کا ہونے کی
خوبی ہے کہ یہ کام پلاؤ قورمہ سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا کہ یہ فضل جزئی کھاد کا مقادم فضل کلی پلاؤ قورمہ کا ہو کر افضل نہیں ہو سکتا مؤلف
فضل کلی فضل جزئی کو جانتا ہی نہیں جو یہ توجیہات رکیکہ کرتا ہے اور دخل در معقولات علم اور علماء میں ٹانگ دیگر علماء میں دخیل ہوتا ہے
اندکچھ بھی سمجھتا تو ایسی بیہودہ تقریر تحریر نہ کرتا کہ اصحاب فضل کلی کی برابر فضل جزئی والے ہو کر مساوی ان کے ہو جاویں، مثلاً فضل کلی پلاؤ
میں ہے اور فضل جزئی پاخانہ میں، پس اگر کوئی بوجہ فضل جزئی کے بیان افضلیت میں پلاؤ اور پاخانہ کو مساوی بتانے لگے تو اس کی غایت
کم فہمی کہی جاوے گی، علیٰ ہذا خیریت قرون ثلثہ کی بوجہ علم نبوت اور تقرب الی اللہ کے ہے کہ فضل کلی ہے اور ایمان بالغیب فضل جزئی
قرون مابعد میں ہے تو یہ فضل جزئی کس طرح کار علم نبوت کا دے سکتا ہے اور یہ خیریت جزئیہ مساوی فضل کلی کے کیوں کر
ہو سکتی ہے اور ایمان بالغیب کے فضل سے کار علم نبوت کا اور تقرب احسان کا کسطرح یہ لوگ دے سکتے ہیں لہٰذا قرون ثلثہ کا امر موجود معنی
وجود شرعی معتبر و متعمد فی الدین اور پچھلوں کا ایجاد جو خلاف قرون ثلثہ کے ہو مردود ٹھہرا اگرچہ مؤلف جو ثابت کرتا ہے ہم کو مضر نہیں
عین مراد ہماری ہے مگر یہ تقریر و توجیہہ اس کی بالکل غلط ہے کہ اس کے علم کی قلعی کھولتی ہے پس نقل ان دو حدیث کا اس کو کچھ مفید
نہ ہوا، بلکہ اس کے مطلب کو منہدم کر دیا، اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا تو یہ مدعیٰ اپنا ان دو حدیث سے نکالکر دکھا دیتا اور وجہ مغالطہ مؤلف
کی یہ ہوئی کہ مؤلف نے لفظ خیر پر نظر کی اور معنی نہ سمجھا یہ جانا کہ جہاں لفظ خیر کا ہوگا یہی خیریت مراد ہوگی جو اس حدیث میں ہے
پس اس حدیث میں بھی لفظ خیر کا تھا، وہی معنی سمجھکر دونوں خیر کو اور ہر دو خیار کو مساوی سمجھ گیا اور خبط تقریر کرکے خواری اٹھائی

ے مقابل لہ بوجہ ڈھونا لہ گزیرہ لہ معقولات میں دخل دینا لہ بیکار لہ برابر لہ دکھا دینا،

ثلٰثہ کے بعد جو چیز حادث ہو وہ سب بدعت ہے میں کہتا ہوں یہ بھی غیر مسلم ہے اس لئے کہ یہ حدیث جس طرح کہ مشکوٰۃ میں صحیحین سے نقل کی ہے اس کے لفظ بعینہٖ یہ ہیں وعن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم ان بعدھم قوما یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولا یؤتمنون وینذرون ولا یوفون ویظھر فیھم السمن وفی روایۃ ویحلفون ولا یستحلفون متفق علیہ وفی روایۃ لمسلم عن ابی ھریرۃ ثم یخلف قوم یحبون السمانۃ۔ یعنی عمران بن حصین صحابی روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں اچھے میرے وقت کے آدمی ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے پھر ان تین قرن کے بعد وہ لوگ ہوں گے کہ وہ گواہی دیں گے حالاں کہ کوئی ان سے گواہی نہیں طلب کرے گا اور خیانت کریں گے کوئی ان کو امانت دار نہ جانے گا، عہد کریں گے وہ پورا نہیں کریں گے اور وہ موٹے ہو جاویں گے یعنی مال کھا کھا کر اور ایک روایت میں ہے کہ وہ قسم کھا دیں گے اور کوئی ان سے قسم کھانے کو نہیں کہے گا، اور ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ پھر پیدا ہوں گے ایسے آدمی جو پسند کریں گے خوب موٹا ہونا یعنی آرام چین سے خوب کھانا پینا کچھ غم دین کا ان کو نہ ہوگا، اب سب ارباب انصاف کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ حدیث پوری اول سے آخر تک پڑھ دی گئی، اس میں کہاں ہے کہ جو چیز قرون ثلٰثہ کے بعد نکلے گی وہ بدعت اور ضلالت ہوگی، البتہ نسائی کی حدیث میں جو یہ روایت مذکور ہے اس میں ایک لفظ آیا ہے ثم یظھر الکذب

سو ابھی کیا ہے حدیث میں تو اور جگہ بھی لفظ خیر کا وارد ہوا ہے قولہ علیہ السلام خیر الناس من ینفع الناس[1] پس اب جو لوگوں کو نفع رساں ہوگا اس کی ایجاد کو مؤلف سنت کہے گا دوسری حدیث میں ہے خیرکم خیرکم لاھلہ[2] پس اب جو اپنی زوجہ کے ساتھ حسن معاملہ کرتا ہوگا، اس کا ایجاد بھی سنت ہو جاوے گا بزعم مؤلف کیونکہ خیر کا لفظ یہاں بھی ہے اور دیگر ایسے محل اور بھی ہیں پس مؤلف کسقدر کم فہم ہے، اور کیا خوب جلد اولیٰ کی شرح لکھی ہے حق تعالیٰ اس کو حیا عطا فرما وے جو شعبہ ایمان کا ہے تو اس وقت اپنے اس کلام بے مغز خلاف شرع پر شاید شرما کر نادم ہو غرض ان دو حدیث سے یہ نکلتا ہے جو بندہ نے لکھا اور مؤلف نکالا چاہتا ہے وہ ہرگز نہیں نکلتا فافہم اس جملہ کا مطلب اور حدیث من بعدھم قوما یشھدون ولا یستشھدون قولہ دوسرے جملہ کا حال الخ اقول اس جملہ حدیث کو بھی مؤلف نہیں سمجھا مخبر عالم علیہ السلام نے قرون ثلٰثہ کے بعد کے لوگوں میں چار وصف فرمائے ہیں ایک یہ کہ کوئی ان کی گواہی نہ لے گا وہ گواہی دینا چاہیں گے اور یہ بوجہ ان کے کاذب لاابالی ہونے کے ہوگا، دوسری حدیث میں کہدیا کہ جھوٹی قسمیں کھا ویں گے سو بدعت کو کذب لازم ہے کہ بدعت خلاف دین حق کے ہوتی ہے اور بدعتی گویا کذب کی ہے سو چکر دیکھو دوسرے یہ کہ خائن ہوں گے سو بدعتی بھی خائن ہوتا ہے کہ منصب تشریع جو شارع کا ہے اپنے آپ کو ثابت کرکے خلاف شارع کے احکام بتاتا ہے خیانت بھی بدعت کو لازم ہے کہ بدعت فرد خیانت کی ہے تیسرے یہ امانت دار نہیں جانے جاویں گے بدعتی امانت دار نہیں ہوتا کہ دین اللہ جو امانت ہے اس میں تصرف کرتا ہے اور نذر کو وفا نہ کرے گا عہد اللہ بھی مثل نذر کے ہے جو عہد اقرار ربوبیت وعبودیت کا بدعتی نے کیا تھا اس کے خلاف خود دعویٰ شرکت کا کرتا ہے عدم وفاء عہد کی بھی بدعت ایک فرد ہے اور یہ داخل خیانت میں ہے چوتھے یہ کہ نفس پرور ہوں گے موٹے ہونے کو دوست رکھیں گے بدعتی بھی اپنے نفس کی پرورش میں ہوتا ہے کہ مال دنیا کی طلب اور وجاہت دنیا کی خواہش میں بدعات نکالتا ہے غرضیکہ

[1] لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کا بھلا کرے [2] تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

اور کسی روایت میں یہ بھی آیا ہے ثم یفشو الکذب معنیٰ دونوں کے ایک ہیں یعنی بعد قرون ثلثہ کے ظاہر ہوگا اور پھیلیگا وے گا جھوٹ
پس یہ لوگ اگر لفظ کذب سے جو ثم یظہر الکذب میں ہے مدعا اپنا ثابت کریں تو یہ بھی دلیل فاسد ہے اولاً یہ کہ مشکوٰۃ میں صحیحین کی حدیث
متفق علیہ موجود ہے اس میں لفظ کذب کا موجود نہیں چنانچہ ہم الفاظ اس کے بیان کر چکے حرفاً حرفاً اگر ہے تو نسائی کی روایت میں،
اور یہ محدثین میں قاعدہ ٹھہر چکا ہے کہ صحیحین کی حدیث نسائی وغیرہ کل محدثوں کی احادیث پر مقدم ہے کیونکہ اور دوں کی حدیث اگر
صحیح بھی ہوگی تو صحیحین اس سے صحیح اور قوی تر ہوگی ثانیاً یہ کہ اگر نسائی کی حدیث کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی مراد ان کی پوری نہیں ہوئی
اس لئے کہ کذب کے معنی جھوٹ کے ہیں اور بدعت کے معنی نئی بات پھر کہاں جھوٹ بولنا اور کہاں نئی بات ثالثاً پھر یہ کہ محدثوں میں یہ ٹھہرا
ہوا ہے کہ بعض حدیث شرح ہوتی ہے بعض حدیث کی پس روایت نسائی میں جو لفظ کذب کا واقع ہوا ہے کہ پھر ظاہر ہوگا جھوٹ تو
اس کی وہی شرح ہے جو صحیحین کی حدیث میں گذری کہ لوگ خیانت کریں گے بدعہدی کریں گے قسم کھانے کو تیار ہوں گے بغیر قسم
کھلائے اور گواہی دینے کو تیار ہوں گے بغیر گواہی دلائے انہیں یہ نہیں آیا کہ وہ نئی باتیں دین میں نکالا کریں گے پس معلوم ہوا کہ

فخر عالم علیہ السلام نے حدیث میں ہونا بدعت کا قرون مابعد میں بضمن دیگر عیوب کے صاف فرمایا ہے مگر مؤلف کو علم و فہم کی خبر نہیں
تو کہتا ہے اس میں بدعت کہاں مذکور ہے سبحان اللہ بایں جہل یہ دعویٰ اب مؤلف کو واضح ہوگیا کہ عام عیوب میں بدعت خاص
بھی آپ نے اس حدیث میں ثابت فرمادی ہے گو کوئی اپنی کم فہمی سے مطلع نہ ہو پس حاصل حدیث کا یہ ہوا کہ پھر بعد ان قرون کے
بدعت مع دیگر خرابیوں کے ظاہر ہووے گی اب یہ بھی واضح ہوگیا کہ حدیث صحیحین میں کذب بھی معنی مذکور ہے جس کا مؤلف صاحب
انکار کرتے ہیں اس فہم پر سخت تعجب ہے کہ مطلقاً مطلب نہیں سمجھا،
قولہ البتہ نسائی کی روایت میں الخ اقول صحیحین کی روایت مرجح دوسری روایت پر اس | صحیحین کی روایت غیر صحیحین پر کب راجح ہوتی ہے
وقت ہوتی ہے کہ باہم معارضہ ہو یہاں معارضہ ہی نہیں کیوں کہ نسائی میں یفشو کذب[1] کو لکھا ہے اور صحیحین میں بھی ضمن یشہدون
ولا یستشہدون میں کذب کو فرمادیا ہے معارضہ ہی کہاں ہے جو صحیحین کو ترجیح ہو آپ کو اصول حدیث بھی خوب معلوم ہے ماشاء اللہ
اور جو الفاظ کے خلاف کا نام معارضہ ہے تو یہ عجب العجاب[2] ہے اور جو آپ لا یشہدون میں کذب کو تسلیم نہ کریں تو جانے دو، یہ
دوسری روایت ہے کہ صحیحین اس زیادتہ سے ساکت ہے ایسی زیادۃ بھی مقبول ہے یہ بھی معارضہ نہیں ہوتا کیوں کہ صحیحین میں کچھ اس
کے خلاف مذکور نہیں تاکہ معارضہ ہو پس یہ قول مؤلف کا بالکل جہل صراحت سے ہے اگر آپ کے نزدیک ساکت اور ناطق میں معارضہ
ہے، تو تمام مذہب حنفیہ سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا مگر ہاں جناب کو مولود اور رسوم کا احیاء[3] رچاہیئے باقی مذہب رہے یا جاوے کیا کام ہے
قولہ ثانیاً الخ اقول معلوم ہوچکا کہ بدعت بھی جھوٹ میں داخل ہے کذب عام ہے اور بدعت خاص ایک فرد کذب کی ہے سو یہ قول
مؤلف کا محض جہل معنی حدیث سے ہے قولہ ثالثاً الخ اقول اولاً کہدیا گیا کہ لا یستشہدون میں کذب مذکور ہے اور جو نہیں مانتے
تو حدیث یظہر الکذب تفسیر یشہدون الخ کی کرتی ہے جس سے کذب کا ہونا ثابت ہوا اور بدعت کذب میں داخل ہے اور شہادت عام
ہے، کہ امور دنیا میں ہو یا دین میں ہو روایت میں ہو یا درروایت میں، لفظ عام کے معنی خاص لینے کا کوئی قاعدہ نہیں سو کذب کو خاص

---

[1] کذب کا عموم [2] بہت زیادہ تعجب خیز شے [3] زندہ کرنا،

سے یہی باتیں مراد رکھیں یہ بدعات رابعًا یہ کہ جس حدیث سے سند پکڑتے ہیں اس میں تو یہ ہے کہ تین قرن کے بعد جھوٹ پیدا ہوگا یعنی پہلے اس سے نہ ہوگا حالاں کہ بدعتوں کا وجود عین انھیں قرون میں ہولیے یعنی معتزلہ اور قدریہ اور خوارج جو بدعتی فرقے ہیں قبل گذرنے قرون ثلٰثہ کے پیدا ہوگئے تھے پھر اگر کذب سے بدعت مراد رکھیں تو بڑا اعتراض یہ پڑے گا کہ حدیث موافق واقع کے نہیں ہو سکتی خامسًا یہ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بعد قرون ثلٰثہ کے علم فلسفہ یونانیوں کا اہلِ اسلام میں رائج ہوا اس کے پڑھنے سے اور اس فکر کرنے سے مسلمانوں کے عقائد عقلی طور پر بدل گئے عقائد فلسفی لوگوں میں برخلاف اعتقاد سلف کے ٹھیر گئے، اور معتزلی وغیرہ بدعتوں کو علم فلسفی سے طاقت پیدا ہوئی اور مبتدعین اور اہلِ سنت میں عقائد کی مباحثے پھیل گئے، بھلا اگر کوئی لفظ حدیث سے کہ ثم یظہر الکذب ہے۔ یہ مراد رکھے تو صحیح ہو سکتا ہے کیوں کہ عقائد فلسفی جھوٹے ہیں لیکن کہاں فلسفی دلائل اور یونانیوں کے عقائد اور کجا محفل مولد شریف اور موتٰی کی فاتحہ درود کرنا، بھلا فلسفیوں کے عقائد کو ان اعمال سے کیا علاقہ سادسًا جو مطلب یہ لوگ ثابت کرتے ہیں یہ مطلب اس وقت ثابت ہوتا کہ حدیث کے لفظ یہ ہوتے ثم لا یظہر الا الکذب یعنی بعد قرون ثلٰثہ نہیں ظاہر ہونے کا سوائے جھوٹ کے یا یہ ہوتی ثم کل شیئ یظہر فیکون کذبا یعنی پھر جو کچھ ظاہر ہوگا وہ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا۔ لیکن یہ الفاظ تو حدیث میں نہیں نہ اس میں کوئی کلمہ مفید حصر ہے نہ مفید کلیت ہے تو معنی حدیث کے یہ ہوگئے ثم یظہر الکذب

آپکو مفید نہیں اور نہ کذب کو شہادت پر حمل کرنا مفید آپ بلا سمجھے جو چاہے لکھتے ہیں اور خندۂ صبیان ہوتے ہیں پس یہ کلام مؤلف کا بالکل نادانی ہے،

معنی حدیث ثم یفشو ویظہر الکذب | قولہ رابعًا یہ کہ جس حدیث سے الخ اقول۔ مؤلف ترجمہ غلط کرتا ہے یفشو اور یظہر فرمایا ہے اس کے معنی پیدا ہوگا نہیں ہوتے پھیلجاوے گا اور ظاہر ہو جاوے گا ظہور شئی کا غلبہ کے وقت ہوتا ہے تو یہ معنی کہ ان قرون میں کذب مخفی قلیل مغلوب ہووے گا اور کذب مغلوب[1] مضر نہیں نفاق وکفر و فرد کذب کی ہے اور کذب خود زمان فخر عالم علیہ السلام میں بھی تھا مگر مغلوب تھا ایسا ہی قرون ثلٰثہ میں رہے گا، بعد اس کے پھیلجاویگا خوب ظاہر ہو جاویگا ایسا ہی ہوا کہ قرون ثلٰثہ میں اگرچہ باطلہ ہوئی مگر ان کو غلبہ نہ ہوا ان کا دُور دان پر باظہور اس کا بعد میں ہوا اور مؤلف ازرائی خود ترجمہ تراشتا ہے کہ پیدا ہوگا کہ پہلے اس سے نہ ہوگا تو یہ مؤلف کا حدیث میں تصرف کرنا ہوا اور ترجمہ غلط بنانا سخت جہل و خیانت ہے مؤلف نے حدیث میں بھی اپنی عادت خراب کو ترک نہ کیا کہ خود ہی معنی تجویز کرلینا اس کا شیوۂ قدیم ہے جیسا سابق جا بجا مطلع کیا گیا ہے پس ارشادِ نبوی واقع کے مطابق ہوا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں مؤلف کے فہم ناتمام پر البتہ اعتراض ہے فقط،

معنی حدیث ثم یفشو ویظہر الکذب | قولہ خامسًا یہ کہ بعض علماء نے الخ اقول راست ہے کہ فرق ضالہ فلاسفہ کا شیوع بھی قرون مابعد میں ہوا وان کے عقائد بھی بدعت تھے اور خلاف قواعد مقررہ قرون ثلٰثہ کے مثل دیگر بدعات کے جو بعد قرون ثلٰثہ خلاف قواعد شرعیہ رائج ہوئیں سو بیشک یفشو الکذب میں یہ عقائد فلسفہ بھی داخل ہیں نہ یہ کہ کذب کا اس میں حصر ہو گیا ہے کیا خوب سمجھے پھر جہاں عقائد فلسفیہ بدعت ضلالہ میں ہیں ویسے ہی دیگر بدعات وکذب اور وہیں محفل مروجہ مولد اور ایصال ثواب کی بدعات ہوویں گی مؤلف کا مصداق کذب کو عقائد حکماء میں حصر کرنا نہایت خوبی علم و رسائی ذہن کی ہے سبحان اللہ فقط قولہ سادسًا جو مطلب یہ لوگ ثابت کرتے ہیں الخ اقول معلوم ہو چکا کہ ظہور غلبہ و وضوح کے

---

[1] کذب عام ہو جائے گا

یعنی پھر ظہور کذب ہوگا ظہور کذب کے صدق کو بعض افراد محدثات میں کذب کا ہونا بھی کافی ہے اس تقریر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ بعض چیزیں بعد قرون ثلثہ کہ جنکو عباد صالحین نکالیں گے وہ درست او حسن ہونگی اور بعض باتیں جو خلاف شرع ایجاد ہوں گی وہ گمراہی کا سبب اور قبیح ہونگی جسطرح خود بین قرون ثلثہ کی بعض بدعتیں نکلی ہوئیں مثل اعتزال اور مذہب قدریہ اور مرجیہ سب خراب اور ضلالت ہیں، قول جمہور اور مذہب منصور یہی ہے اور وہ قول جسپر مفتیان فتویٰ انکاری نے اعتماد کرکے ان سب امور خیر کو ضلالت قرار دیا تھا وہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ ایک قول ہے اقوال شاذہ متفرقہ مختلفہ بین العلماء سے اور نہیں ہے وہ قول معتمد علیہ اور مفتیٰ بہ بلکہ صحیح اور جسپر امت کا سلفًا اور خلفًا جاری رہا ہے وہ قول جمہور ہے پانچواں قول مذہب جمہور واضح ہو کہ کا ذ علماء اہل تحقیق کے نزدیک سیئہ اور حسنہ ہونے کی بنیاد زمانہ پر نہیں یعنی یہ بات نہیں کہ جو کچھ خیر و شر زمانہ قرون ثلثہ میں ہوگیا وہ سنت ہے اور مقبول ہے اور بعد زمانہ قرون کے جو کچھ بھلا یا برا ہو وہ سب برا ہے اور مردود ہے لیک ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں، قصہ اول حضرت امیر المومنین عمرؓ اور عبد اللہ رضی اللہ عنہما تیمم سے منع فرماتے تھے نہانے کی حاجت والیکو یہ حدیث صحیح مسلم مطبوعہ کی ۱۶۱ میں ہے اب دیکھئے یہ حکم صحابیؓ کا ہے اور صحابی بھی کیسے خلفاء راشدین میں لیکن اس قول کو کسی نے آئمہ مذاہب میں قبول نہیں کیا، دوسرا قصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے ان کا بیٹا یزید تابعی تھا طبقہ وسطیٰ تابعین میں یعنی جس طبقہ میں حسن بصریؒ اور ابن سیرین ہیں یہ اسی طبقہ میں تھا کذا فی التقریب اس تابعی نے جو خیر القرون میں تھا دیکھو کیسا کام سعادت مندی کا کیا کہ خدا کسیکو نصیب نہ کرے کہ مظلمہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا اس کی گردن پر ہے تیسرا قصہ یہ کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی تھے ان کا شاگرد واصل بن عطا تبع تابعین سے تھا وہ مذہب معتزلی کا موجد اور امام ہوا اس نے یہ مذہب نکالا کہ جو مسلمان گناہ کبیرہ کرتا ہے نہ اس کو مومن کہنا چاہیئے نہ کافر بلکہ ایک درجہ ہے درمیان دونوں کے یہ بالکل مخالف اہل سنت والجماعت کے اس نے اعتقاد کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دو قسم فرماتا ہے فمنکم کافر و منکم مومن قسم تیسری نہیں فرمائی پس جب واصل ابن عطا نے اپنا وہ عقیدہ بیان کیا تب ان کے استاد حضرت امام حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا فقد اعتزل عنا یعنی یہ مرد ک الگ ہوگیا ہم سے پس اسی وجہ سے اس فرقہ کا نام معتزلی ہوا اور وہ سخت بدعتی ہیں اور وہ اپنا نام کہتے ہیں اصحاب العدل والتوحید کذا فی الشرح العقائد وغیرہ یہ تین قصے قرون ثلثہ کے بیان کئے گئے اور ایسے بہت

ساتھ ہوتا ہے اور علےٰ ہذا فشو بھی ظہور کے معنے میں ہے اور وضاحت و غلبہ اس میں مرعیٰ ہیں، دوسری حدیث یفشو الکذب تفسیر اس کی کرتی ہے پس فقط وجود مراد نہیں ہو سکتا کہ وجود مطلق کذب کا تو فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں بھی تھا اور جیسا جو تھی شق میں اعتراض کا اندیشہ مؤلف کو تھا اس سادس شق میں کیوں ایسی توجیہ اختیار فرمائی جس سے حرب تھا اس کو ہی اختیار کرلیا کیا فہم عالی ہے، الحاصل آپ کی یہ توجیہات و تقریرات سب غلط لایعنی ہیں۔ ایک بھی علم کی اور فہم کی بات نہیں اور ہم کہہ چکے کہ جس مدعی کو تم ثابت کرتے ہو اس کو ہم خود اقرار کرتے ہیں مگر آپ خود گرداب ضلالت میں پڑے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہو بے سود اوراق سیاہ کرتے ہو حدود بدعت سب متفق المعنے ہیں قولہ پانچواں قول مذہب جمہور الخ اقول یہ قول خامس آپ کا قول منصور اور قول رابع بعینہ ایک ہیں کوئی فرق نہیں اس میں زمانہ پر بنیاد بدعت کی ہے نہ رابع میں علےٰ ہذا اول وثانی وثالث میں مجیب کی کوتہ فہمی سے تفرقہ تھا لیکن جہاں اپنی غلطی کو گوش ہوش سے ۔

ے ملحوظ سے چھپنی سے بے سنے سے بھنور،

تفصص ہیں غرضکہ ان امثال سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خواہ کوئی فعل ہو یا قول یا اعتقاد اس کا حسنہ اور سیئہ ہونا موقوف زمانہ پر نہیں بلکہ اس کا مدار مخالفت اور عدم مخالفت شرع پر ہے اس دعوی پر دو دلیل یعنی دو حدیث صحیح لکھے دیتے ہیں حدیث اوّل قال بنینا الامین ناھی علیہ علی آلہ الصلوۃ والسلام من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منہ فھو رد یہ صحیحین کی حدیث ہے یعنی جس نے نکالی ہمارے اس دین میں وہ بات جو دین کی قسم سے نہیں یعنی کتاب اور سنت کے مخالف ہے وہ بات اُس کی رد ہے شارحین حدیث نے لفظ لفظ ما لیس منہ کی شرح میں لکھا ہے فیہ اشارۃ الی ان احداث ما لاینازع الکتاب والسنۃ لیس بمذموم اور محدث دہلوی نے لکھا ہے لفظ ما لیس منہ کی شرح میں کہ مراد چیزے است کہ مخالف و مغیر دین باشد، اور نواب قطب الدین خاں صاحب نے ترجمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ لفظ ما لیس منہ اشارہ ہے اس کی طرف کہ نکالنا اس چیز کا کہ مخالف کتاب اور سنت کی نہ ہو برا نہیں انتہٰی اور شارح حدیث کو اس طرح معنی کرنے کی وجہ یہ پڑی کہ اس حدیث کو ابو داؤد نے ان الفاظ سے روایت کی ہے من صنع امرًا علی غیر امرنا فھو رد یعنی جس نے کیا کوئی کام ہمارے کام سے غیر طریقہ پر وہ رد ہے حضرت کا کام کتاب و سنت ہے کتاب و سنت کے غیر وہی طریقہ ہوگا جو بالکل اس کے مخالف اور اس کا مغیر یعنی بدل دینے والا ہوگا، الحاصل اس حدیث سے دو بات ثابت ہوئی ایک تو یہ کہ حضرت نے لفظ من ارشاد فرمایا یہ لفظ عرب میں عام ہے اس میں قید کسی قرن کی نہیں یعنی آپ نے یوں نہیں فرمایا جو کوئی نکالے نئی بات اول قرن میں دوسرے قرن میں یا بالکل آخری زمانہ میں بلکہ عام فرمایا کہ جب کبھی کوئی نکالے وہ رد ہے دوسری بات یہ کہ اس نئی بات نکالی ہوئی کا مردود ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مخالف ہو کتاب و سنت کے بس یہی ہم نے دعوی کیا تھا کہ حسنہ اور سیئہ ہونا امور محدثہ کا موقوف مخالفت اور عدم مخالفت کتاب و سنت پر ہے نہ زمانہ پر اور یہ مسئلہ اصول میں ٹھیر چکا ہے کہ جب کوئی حکم کسی امر مقید پر ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے اس حدیث میں فھو رد حکم ہے یہ اصل

قرون ثلٰثہ میں کسی امر کا بلا نکیر ہونا دلیل ہے نہ مطلق وجود!

اقول سن لو کہ پہلے واضح ہو چکا کہ قرون ثلٰثہ میں بلا نکیر ہونا مراد ہے اور یہ تفصص جو آپ نے ذکر فرمائے سب نکیر ان قرون میں ہوا ہے چنانچہ کتب صحاح مشحون ہے نفس وجود مراد نہیں بلکہ شیوع بلا نکیر مراد ہے اور یہ توجیہ کہ ان قرون میں جو کچھ ہو خیر ہو یا شر وہ سنت ہے اور بعد ان کے جو کچھ ہو خیر ہو یا شر وہ بدعت ہے یہ محض آپ ہی کا فہم عالی ہے کسی ایک عالم کا بھی یہ مذہب نہیں بہرحال کسی متنفس نے نہیں کہا کہ معنی خیر و شر کا زمانہ پر ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ تحدید قواعد شرعیہ کی قرون ثلٰثہ میں منحصر ہے جیسا گذرا، مگر یہ مؤلف کی عبث لغط ہے،،

حدیث من احدث میں ما لیس منہ کے معنیٰ

قولہ حدیث اوّل قال نبینا الخ اقول ما لیس منہ میں لفظ ما فرمایا ہے کہ عموم کا ہے پس محدث خواہ خود ذات شے ہو خواہ وصف و قید شے کا ہو خواہ احداث بلا واسطہ ہو خواہ بواسطہ سب مردود ہوگا اور یہ قاعدہ بھی محفوظ ہے کہ مرکب مجوز لا یجوز سے ناجائز ہی ہوتا ہے پس غیر منازع کتاب و سنت کا وہی ہوتا ہے کہ جس کی دلیل جواز کی کتاب و سنت میں موجود ہو علیٰ ہٰذا مخالفت و مغیر دین سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی وصف پیدا ہو جائے کہ جس سے تغیر حکم شرعی کی لازم آجاوے وہ بھی ما لیس منہ میں داخل ہے کوئی مباح کو سنت جانے یا سنت جیسا معاملہ کرے یا کسی مطلق کو مقید یا مقید کو مطلق کرے یا کسی غیر دین اسلام کے ساتھ تشبیہ لازم آوے کہ یہ سب ما لیس منہ میں داخل ہے اس امر کا لحاظ ضرور ہے کہ مؤلف اس سے بالکل غافل و جاہل ہے،،

مقید میں حکم قید کیطرف راجع ہوتا ہے اس قاعدہ کا مطلب الخ

قولہ، یہ مسئلہ اصول میں ٹھیر چکا ہے الخ اقول حکم قید پر لگتا بجا ہے مگر اس وقت مجموعہ

لے بیان کردہ،،

احداث پر راجع نہ ہوگا بلکہ اس کی قید جو ما لیس منہ ہے اس کی طرف راجع ہوگا یعنی جو نئی بات مخالف اور تغیر و تبدیل دین کی ہو وہ رد
ہے نہ یہ کہ جو کوئی بات عمدہ اور صالح اور نیک قرآن و حدیث سے ملتی ہوئی ہو وہ بھی رد ہے نعوذ باللہ من ہذا الفہم الردی۔ دیکھو اب قاعدہ عربی کے
طور پر معنی کرنے سے اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بدعت حسنہ یعنی اچھی بات کا ایجاد کرنا برا نہیں ورنہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم احداث کو
مقید لفظ ما لیس منہ کی ساتھ نہ فرماتے بلکہ یوں فرماتے من احدث فی امرنا فہو رد، کیا حاجت تھی لفظ ما لیس منہ بڑھانے کی اور شرح جوہرۃ

التوحید میں ہے ومن البدعۃ من یجعل کل امر لم یکن فی زمن الصحابۃ بدعۃ مذمومۃ وان لم یقم دلیل علی قبحہ تمسکا بقولہ صلے اللہ علیہ

وسلم ایاکم ومحدثات الامور ولا یعلمون المراد بذلک ان یجعل فی الدین ما ہو لیس منہ انتہٰی۔ بس ایسی تقریر سے جواب حاصل
ہو گیا ان لوگوں کا جو حدیثیں بغیر سمجھے بوجھے پڑھا کرتے ہیں کہ شر الامور محدثاتہا اور پڑھا کرتے ہیں وایاکم ومحدثات الامور وکل بدعۃ
وکل بدعۃ ضلالۃ وجہ حصول جواب یہ ہے کہ حدیثیں سب ارشاد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی تو باہم مختلف نہیں ہو سکتیں جب مقام مذمت
میں آپ احداث کو ما لیس منہ کے ساتھ مقید فرما چکے یعنی وہ محدث بات مردود ہے جو کسی غیر طریقہ اسلام پر ہو اور مخالف ہو۔ پس جسقدر
حدیثیں منع احداث اور بدعت میں ہوں گی وہ احداث اور بدعت مخالف اسلام کی طرف راجع ہوں گی۔ نہ احداث خیر اور بدعت حسنہ
کی طرف اور اس تقریر سے اس حدیث کے معنی بھی بلا تکلف صحیح ہو گئے۔ ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ اس لئے کہ جو بدعت
مخالف سنت کی ایجاد ہو گی ظاہر ہے کہ وہ سنت کو مٹا دے گی، چنانچہ مولوی قطب الدین خاں صاحب نے بھی مظاہر الحق میں اس حدیث کے
ترجمہ میں لکھا ہے، نہیں نکالی کسی قوم نے بدعت یعنی جو بدعت کہ مزاحم سنت کی ہو دیکھئے اس حدیث میں بھی ان لوگوں کے علماء مستندین نے خاص اسی
بدعت کی برائی ثابت ہوئی سو مخالف سنت ہو فیا اخی خذ ما اتیتک وکن من الشاکرین۔ دوسری حدیث من سن فی الاسلام سنۃ
حسنۃ فلہ اجرہا واجر من عمل بہا بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بہا ولا ینقص من اجورہم شیئ۔ یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں
لکھتا ہوں مجمع البحار اور شرح مسلم امام نووی یہ دونوں کتابیں ان لوگوں کے پیشواؤں کے نزدیک بھی نہایت معتبر اور مستند ہیں غرضکہ ان دونوں
کتابوں میں اس حدیث شریف کے معنی یہ لکھے ہیں کہ جس نے جاری کیا اسلام میں طریقہ نیک پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ پر عمل کیا گیا تو لکھا جاوے
گا اس شخص کے واسطے اس قدر اجر اور ثواب کہ جسقدر سب عمل کرنے والوں کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ
دیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے خزانہ لا انتہاری سے ثواب دے گا اور وہ طریقہ جو اس نے جاری کیا ہے خواہ وہ طریقہ ایسا ہو کہ اس سے پہلے

مقید کا بسبب قید کے غیر مشروع اور بدعت ہو جاتا ہے۔ اصل کی وجہ سے مشروع نہیں ہوتا بلکہ قید کے سبب بدعت ہو جاتا ہے بہرحال اس حدیث
کی شرح سے خلف ثابت ہو گیا کہ قول چوتھا بدعت کا نہایت مقبول اور موافق اس قول خامس کے ہے بلا تفاوت پھر اس کو اس کی مخالفت جاننا اور
شاذ کہنا نہایت کم فہمی ہے نعوذ باللہ من ہذا الفہم الردی۔
بدعت حسنہ اور سنت میں محض فرق اصطلاحی ہے نزاع حقیقی نہیں ہے۔ پس دیکھو کہ عربیت کے قاعدہ سے شرح کرنے سے لازم آگیا کہ بدعت
حسنہ وہ ملحق بالسنۃ ہی ہے۔ اور اس کی دلیل چونکہ کتاب وسنت میں موجود ہے تو وہ خلاف حکم شارع کے نہیں، اس کو بدعت حسنہ کہنا فقط
فرق بیانی واصطلاحی ہے نہ نزاع حقیقی جیسا مؤلف سمجھ گیا ہے باقی تقریر مؤلف کی ہم کو مضر نہیں لہٰذا اس کا جواب ضرور نہیں بلکہ وہ عین مدعی ہمارے
حدیث من سن سنۃ حسنۃ میں سیئۃ اور حسنہ سے کیا مراد ہے اور یہ حدیث و دیگر عبارات مثبتہ بدعت حسنہ مانعین کو مضر نہیں | قولہ دوسری حدیث من سن فی الاسلام

ایجاد کیا گیا تھا لیکن کسی سبب سے بند ہو گیا تھا اس نے پھر اس کو جاری کر دیا کہ پہلے اس سے وہ طریقہ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا اس نے خود اپنی طرف سے اس کو ایجاد اور جاری کیا اور وہ طریقہ خواہ تعلیم کسی علم کی ہو، یا عبادت ہو یا طریقہ ادب کا ہو مجمع البحار کی جلد دوم صفحہ ۱۴۴ اور شرح مسلم کی جلد ثانی صفحہ ۳۴۱ میں یہ مضمون مرقوم ہے دیکھئے جس کا دل چاہے اس حدیث کے لانے سے ہمارے دو مطلب ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ بدعت حسنہ کا بجا ہونا تو کیا بلکہ اور اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وعدہ ثواب کا دیا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جب وہ آدمی مر جائے گا اور اس کے بعد دوسری خلق اللہ اس پر عمل کریں گی تو بعد موت بھی ان سب کی برابر اس کو ثواب پہنچتا رہے گا یہی وجہ ہے کہ علماء شریعت نے طرح طرح کے اصول اور قواعد واسطے تہذیب علم ظاہر دین کے ایجاد کئے اور اولیاء طریقت نے قسم قسم کے مجاہدات اور اشغال بعد قرون ثلٰثہ واسطے تزئین اور تصفیہ قلب کے پیدا کئے رحمۃ اللہ علیہم وعلینا اجمعین اسی واسطے لکھا شامی شارح در مختار نے اوائل جلد اول میں کہ یہ حدیث قواعد اسلام سے ہے اور معنی اس حدیث کے ان الفاظ سے لکھے ہیں کل من ابتدع شیئا من الخیر کان لہ مثل اجر کل من یعمل بہ الی یوم القیمۃ، دوسرا مطلب اس حدیث سے یہ نکلا اس بدعت حسنہ کے ایجاد میں بھی وہی لفظ من جو عربی میں ایک عام لفظ ہے ارشاد فرمایا یہ نہ فرمایا، کہ جو قرون ثلٰثہ میں کوئی آدمی بدعت حسنہ جاری کرے گا اس کو ثواب ہوگا اور جو بعد میں کرے گا اس کو عذاب ہوگا اور وہ بدعتی ہوگا فی النار ہوگا نعوذ باللہ منہا، بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جب کبھی طریقہ نیک جاری کرے گا اس کو ثواب ہوگا چنانچہ علامہ شامی نے بھی من سن سنۃ حسنۃ کے معنی وہی کلی عام کئے ہیں یعنی اس نے لکھا ہے وکل من ابتدع شیئا الی اخرہ، اور یہی مولوی محمد اسحاق صاحب نے بھی مائۃ مسائل میں لکھا ہے، سوال بدعت حسنہ محدود است بوقت من الاوقات یا غیر محدود است الی یوم القیمۃ جواب غیر محدود است عند القائل بتقسیمہا لحدیث من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ الی اخرہ. دیکھو سائل نے سوال کیا تھا کہ بدعت حسنہ کی کوئی قید ہے وقت یا زمانہ کی کہ فلانے زمانہ تک تو ایجاد بدعت حسنہ کا جائز ہے اور فلانے زمانہ میں نہیں جائز یہ بات کہ کچھ قید نہیں بلکہ ایجاد اس کا جائز ہے، قیامت تک کہ کسی زمانہ میں ایجاد ہوا اور کوئی ایجاد کرے اس کا مولوی اسحاق صاحب نے جواب دیا کہ غیر محدود ہے یعنی زمانہ کی کچھ قید نہیں قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے باقی رہی یہ بات کہ عند القائل بتقسیمہا کی قید کیوں لگائی ہے یہ بات کچھ موجب وحشت نہیں تین وجہ سے ایک یہ کہ بدعت کی تقسیم نہیں کرتے وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں پس بدعت حسنہ کا لفظ وہی کہے گا جو قائل تقسیم بدعت ہوگا وہ بدعت حسنہ کو سنت کہے گا، دوسری وجہ یہ کہ جب ان کی سند میں صحیح حدیث لکھ دی تو وہ قائلین پایۂ اعتبار نہیں ٹھہر گئے اور صحت انکی قول کی مسلم ہو گئی، تیسری یہ کہ جب مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ جو قائل ہیں تقسیم بدعت کے ان کے نزدیک قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے اب ہم تم کو بتلا دیں گے بدعت حسنہ کو کس کس نے جائز کیا ہے، پس جان لیجو کہ ان سب مفتیان حنفیہ کے نزدیک تا قیامت بدعت حسنہ

اقول فی الحقیقت اصل اگر کتاب و سنت میں موجود ہے تو اس کا ایجاد کرنے والا بھی موجد ہے ورنہ وہ فی الواقع موجد نہیں بلکہ مظہر ہے کہ جو امر شرع میں وجود شرعی رکھتا تھا اس کا اظہار اس سے ہوا ہے پس یہ موجد نہیں مظہر ہے اس کو کون برا کہہ سکتا ہے چونکہ مؤلف وجود خارجی سمجھ رہا ہے اور وجود شرعی ہی سے واقف نہیں تو عبث کے کلمات اپنے زعم باطل پر لکھ رہا ہے مگر یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہید قواعد جواز و عدم جواز کی محدود و بزمان ہے بعد قرون ثلٰثہ کے جو کوئی قاعدہ تجویز ہو وہ بہر حال مردود ہوگا اور ان قواعد قرون ثلٰثہ کے موافق جو ہوگا وہ خود اس زمانہ میں موجود ہوگا تو یہ بھی نزع لفظی ہے کہ وہ وجود شرعی لیتے ہیں اور مؤلف وجود خارجی اور در واقع میں خلاف کچھ بھی نہیں۔۔۔

جائز ہے کچھ قرون ثلثہ پر حصر نہیں ہے اقوال فقہاء و محدثین اس باب میں کہ سیئہ اور ضلالت وہی بدعت ہے جو مخالف قرآن و حدیث و اجماع کے ہے اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے۔

سیر حلبی وغیرہ کتب مشہورہ و معتبرہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ما احدث وخالف کتابا او سنۃ او اجماعا او اثرا فھو البدعۃ الضلالۃ وما احدث من الخیر ولم یخالف من ذلک فھو البدعۃ المحمودۃ۔ اس روایت کو بیہقی نے بھی ساتھ اسناد اپنے کے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ بدعت دو طرح ہے مذمومہ اور غیر مذمومہ مولوی اسماعیل صاحب نے تقویۃ الایمان کے دوسرے حصہ مسمیٰ بہ تذکیر الاخوان میں فرمایا ہے جو مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے انتہی۔ پس یہ قول شافعی بالضرور مسلم ہونا چاہیئے کیونکہ یہ مجتہد ہیں اور مجتہد کا حکم نکالا ہوا سنت میں داخل ہے، بقول مولوی اسماعیل صاحب دوسرے یہ کہ خیر القرون میں ہیں تیسرے یہ کہ وہ خاص عربی میں عرب کے لغت اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے محاورات اور حدیث کی اصطلاحات کے جاننے والے ہیں بنا برعلیہ جسقدر حدیثیں بدعت کی مذمت میں آئیں اپنے موافق تفسیر امام شافعیؒ ان کو محمول انہیں بدعتوں پر کرنا چاہیئے جو خلاف کتاب و سنت ہیں اور محققین علماء محدثین و فقہائے دین نے اسی پر عمل کیا ہے اور تصریح کی دیا ہے از انجملہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کی جلد ثانی میں فرمایا ہے انما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ مامور بھا یعنی وہی بدعت منع ہے جو منافی ہو کسی ایسی سنت کو جس کے قائم رکھنے کا ہم کو حکم ہے اور جلد اول احیاء العلوم میں فرماتے ہیں ولا یمنع ذلک من کونہ محدثا فکم من محدث حسن یعنی یہ منع نہ کیا جائے گا بسبب نئی بات ہونے کے اسلئے کہ بہتری نئی باتیں نکلی ہوئی نیک ہیں اور کہا علامہ امام صدر الدین شافعی نے یحترز البدع اذا راغمت السنۃ اما اذا لم یراغمھا فلا یکرہ اور فتاویٰ عالمگیریؒ کی جلد خامس میں ہے وکم من شیء کان احداثا وھو بدعۃ حسنۃ اور شیخ عزالدین بن عبد السلام نے آخر کتاب القواعد میں فرمایا ہے البدعۃ اما واجبۃ کالاشتغال بعلم النحو واصول الفقہ والکلام فی الجرح والتعدیل واما محرمۃ کمذہب الجبریۃ والقدریۃ والمجسمۃ واما مندوبۃ کاحداث المدارس وکل احسان لم یکن فی العھد الاول واما مکروھۃ کزخرفۃ المساجد یعنی عند الشافعی واما عند الحنفیۃ فمباح واما مباحۃ کالتوسع فی لذیذ المآکل والمشارب اور یہ تقسیم بدعت کی کہ بعضی بدعتیں واجب ہیں اور بعضی حرام اور بعضی مستحب یعنی ثواب کی مستحق اور بعضی بدعتیں مکروہ ہیں اور بعضی مباح یعنی ان کے کرنے میں نہ ثواب نہ عذاب پس یہ بدعت پانچ قسم پر مسلم اور قائم رکھی ہے علامہ برکلی نے طریقہ محمدیہ میں اور مناوی نے شرح جامع الصغیر میں اور ملا علی قاری حنفی نے مرقات میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اور سید جمال الدین محدث نے حاشیہ مشکوٰۃ میں اور علامہ ابن حجرؒ نے فتح المبین میں اور علامہ ابن عابدین نے شرح در مختار کی بحث امامت میں، جب یہ قاعدہ مسلم ہو چکا اب ایک دو مسئلے جو اس قاعدہ پر متفرع ہیں لکھتا ہوں۔ علامہ شرنبلالی نے حاشیہ درر و غرر فقہ حنفی میں لکھا ہے

بہر کیف کا بعد نقل عبارت مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم کے اس شد و مد سے بدعت حسنہ کے اثبات میں ہم کو بھرنا محض تطویل ہے نہ فہم معترض کی اور یہ مانعین کو کچھ مضر نہیں محض مؤلف کی کوتاہ فہمی ہے قولہ اقوال فقہاء و محدثین الخ اقول یہ سب اقوال موافق رائے مانعین کے ہیں امام شافعی خود فرماتے ہیں خالف کتابا او سنۃ او اجماعا او اثرا یہ وہی تو ہو کہ قرون ثلثہ میں جو مقرر ہو گیا اور ٹھہر گیا جس کی شکایت ثالث عشر کے ریاستک لکھے چلے آتے ہیں اور مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم کا یہی مدعیٰ ہے الحاصل یہ سب اقوال اور احادیث اور اس قدر تحریر طویل فقط مؤلف کی کوتاہی فہم پر ہے کہ وجود شرعی کو وجود خارجی سمجھ گیا ورنہ کچھ ضرورت نہ ہوتی اور نیت کا

کہ نیت نماز کی اصل دل سے ہوتی ہے اور منہ سے ادا کرنا اس کا مستحب ہے عبارت اس کی یہ ہے والتلفظ بہا مستحب یعنے طریق حسن احیاء المشائخ لا انہ من السنۃ لانہ لم یثبت عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا عن احد من الصحابۃ والتابعین ولا عن احد من الائمۃ الاربعۃ بل المنقول انہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا قام الی الصلوٰۃ کبر فھذہ بدعۃ حسنۃ اب غور سے علامہ شرنبالی کی تقریر دیکھنی چاہیئے کہ یہ بات مان کر کہ نیت زبان سے کہیں حضرت سے اور صحابہؓ سے اور تابعینؒ سے اور مجتہدین سے ثابت نہیں باوجود اس کے حکم کیا کہ یہ بدعت حسنہ ہے مستحب ہے اور واضح ہو کہ ائمہ مجتہدین میں امام احمد بھی ہیں اور نہ وہ تابعی نہ تبع تابعی بلکہ تبع تابعین سے علم انہوں نے سیکھا ہے جب ان سے بھی یہ تلفظ بالنیت منقول نہیں تو ظاہر ہوا کہ قرون ثلٰثہ کے بعد اس کا ظہور ہوا اور دوسری دلیل اس کی ظہور بعد قرون پر یہ ہے کہ شرنبالی نے لکھا ہے تلفظ بالنیۃ کو احبہ المشائخ اور مشائخ ومتاخرین علماء ہیں جو امام اعظمؒ کے شاگردوں کا دورہ تمام ہونے کے بعد ہوئے اور درمختار میں لکھا ہے زبان سے نیت کرنے کو کہ یہ ہمارے علماء کی سنت ہے شامی نے لکھا کہ یہ طریقہ حسنہ ہمارے علماء کا ہے اس سے بھی ظہور تلفظ بعد قرون ظاہر ہوتا ہے اور فقیہ حلبی نے شرح کبیر منیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ ائمہ مجتہدین سے بھی ثابت نہیں اس کے بعد یہ لکھا ہے وھذہ البدعۃ لکن عدم النقل وکونہ بدعۃ لا ینافی کونہا حسنا یعنی اس کی بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نیک نہ ہو اب دیکھیئے علماء دین اس کو بدعت مان کر پھر بھی حسن اور نیک فرماتے ہیں اور اس کا حکم دے رہے ہیں اور یہ علماء فریقین کے مسلم الثبوت ہیں اور منیۃ المصلی میں لکھا ہے والمستحب ان ینوی ویتکلم باللسان اور شرح وقایہ میں ہے والقصد مع لفظا افضل اور ہدایہ میں ہے ویحسن ذلک لاجتماع العزیمۃ اور یہی کافی میں ہے اور درر شرح غرر میں ہے والتلفظ بہا مستحب یہ وہ کتابیں ہیں جو علماء حنفی کے نزدیک نہایت درجہ کی معتبر ہیں اب شافعی مذہب کو سننا چاہیئے، علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں شافعی مذہب بیان کرتے ہیں والذی استقر علیہ اصحابنا استحباب النطق بہا اور غنیۃ الطالبین حضرت غوث اعظم کی تالیف ہے وہ حنبلی تھے بیان وضو میں لکھتے ہیں ینوی بطہارۃ رفع الحدث ومحلہا القلب فان ذکر ذلک بلسانہ مع اعتقادہ بقلبہ کان قد اتی بالافضل، الحاصل یہ عمل یعنی نیت زبان سے کرنی اس قسم کی بات ہے کہ تمام ہندوستان اور فارس اور عرب وغیرہ میں جاری ہے علامہ شامی نے لکھا ہے قد استفاض ظہور العمل فی کثیر من الاعصار فی اعلمۃ الامصار اور چھٹی صدی کے اخیر جو محفل مولد شریف منعقد ہوئی اس کو اجلہ علماء اور اکابر فضلاء نے مستحسن سمجھا اور شریک ہوئے اور امام نووی استاد ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس محفل کو پسند کیا اور اسکو بدعت حسنہ قرار دیا اور یہ فرمایا ومن احسن ما ابتدع فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولدہ صلے اللہ علیہ وسلم من الصدقات واظہار الزینۃ والسرور الی آخرہ اور فرمایا ابن حجر محدث رحمۃ اللہ علیہ نے عمل المولد واجتماع الناس لہ کذلک بدعۃ حسنۃ کذا فی السیرۃ الحلبیۃ اور آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں جو تسلیم بعد اذان

لفظ جو بدعت نہ ہوا تو اس کی دلیل جواز کی موجود ہے کہ حج میں تلفظ لسانی حدیث میں وارد ہوا ہے اور نیت قلبی کو کہ فرض ہے اس کو قوت بلکہ بعض وقت بدون اس کے حاصل ہی نہیں ہوتی لہٰذا الحق بالسنۃ ہو گئی اب بعد ان سب اقوال کے اپنے اصل مطلب پر مؤلف صاحب آئے کہ چھٹی صدی کے آخر میں محفل میلاد منعقد ہوئی سو اول محقق ہو چکا ہے کہ جس محدث کی دلیل جواز قرون ثلٰثہ میں موجود ہو وہی جائز ہوتا ہے ورنہ بدعت ہوگا تو یہاں اس کو محل استدلال میں لانا حالانکہ یہ امر متنازع فیہ ہے دور کہلاتا ہے اور یہ قبیح امر ہے یہ وہ مدعی ہے کہ جس کا اثبات

لہ زبان سے لفظ کی ادائے گی کہ مختلف فیہ

حوادث کی گئی اس کو درمختار میں لکھا ہے التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبعمائۃ واحدی وثمانین وھو بدعۃ حسنۃ۔ یعنی۔
سلام پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد اذان سات سو اکیاسی سنہ ہجری میں ایجاد کیا گیا اور بدعت حسنہ ہوا انتہیٰ اور اسی طرح درمختار
کے شارح شامی نے بھی اس کو مسلم رکھا اور نہر الفائق شرح کنز اور قول بدیع سے یہ نقل کیا والصواب انہا بدعۃ حسنۃ یعنی ٹھیک یہی بات ہے
کہ سلام بعد اذان بدعت حسنہ ہے دیکھئے آٹھویں صدی تو قرون ثلثہ کے بہت بعد ہے اس وقت کی نکالی ہوئی چیز کو بھی فقہاء نے بدعت
حسنہ کہا ہے اب دیکھنا چاہیئے اول فقہاء کو امام شافعیؒ کے قول سے یہاں تک یہ سب علماء تقسیم ہونا بدعت کا طرف حسنہ اور سیئہ کے مانتے
ہیں اور بدعت حسنہ کو خواہ وہ قرون ثلثہ میں نکلی ہو، یا بعد قرون سب کو مستحب اور حسن فرماتے ہیں، پس مولوی اسحاق صاحب کے فرمانے کے
موافق ان سب فقہاء کے نزدیک بدعت حسنہ کا ایجاد تا یوم القیامۃ ثابت ہوا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں غیر مردود است عند القائل بتقسیمہا
و خود مولوی اسحاق صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب کے بزرگ بھی تقسیم بدعت مانتے ہیں شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سوالات
عشرہ محرم کے جواب سوال اول میں لکھتے ہیں ساختن ضرائح وصورت قبور و علم وغیرہ اینہمہ بدعت است و ظاہر ست کہ ایں بدعت حسنہ کہ در آں
ثواب نباشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است و حال بدعت سیئہ ایں است کہ در حدیث شریف وارد است شر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ
ضلالۃ انتہی۔ اور شاہ صاحب موصوف کے بیان سے تحفہ میں بھی بدعت حسنہ کا وجود پایا جاتا ہے اب تیرہویں صدی میں وہ مولوی اسمٰعیل
صاحب کہ جن کا کلام تذکیر الاخوان میں یہ تھا کہ جو کوئی دین کے عقیدے اور عبادت اور رسم میں وقت یا جگہ یا وضع یا ہیئت کی قید اپنی طرف سے
مقرر کرے سو وہ بدعت اور باطل اور مردود ہے انتہی کلامہ بشکر خدا کہ یہ قاعدہ جنگی توجدلی کا جس سے ایک عالم میں جنگ باہمی پیدا ہوا ایجاد
کرکے آخر توبہ کی اس راہ سے خود مخالفت اختیار کی اور توبہ کی وجہ ثبوت یہ ہے کہ ان کی صراط مستقیم میں لکھا ہے اشغال مناسبہ ہر وقت و ریاضت
ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشد لہذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا
کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت است تعیین کردہ شود۔ اس عبارت میں قرون ثلثہ کی کچھ قید
نہیں لگائی بلکہ ہر قرن میں ایجاد اشغال اور تعینات مشائخ کو مسلم رکھا اور بذات خود اپنی تیرہویں صدی کے واسطے اشغال جدیدہ ایک باب

میں مؤلف نے اس قدر تطویل بے سود کی پھر قبل ثبوت اس کے اس کو بعض دلائل جواز میں ذکر کرتا ہے لہذا اعتوزا اس طرف سے بھی اشارہ ہے
کہ خود قرنؔ صحابہؓ میں بھی اگر کوئی امر ہوا اور اس پر انکار کیا گیا تو وہ جائز و حجت نہیں ہوتا چہ جائیکہ بعد چھ سو سال کے ہو جب اس پر
وقت حدوث اس کے فاکہانی وغیرہ علماء عصر نے انکار کیا تو وہ جائز نہیں ہو سکتا معہذا ہم کہتے ہیں کہ اس وقت میں فقط ذکر خیر خیر البشر
کا بلا قیود اور بلا تداعی و اہتمام تھا لہذا اس وقت علماء کو اس پر نکیر نہ ہوا اب جو قیود غیر مشروع اس پر اضافہ ہوئیں تو نا جائز ہو گیا اصل ذکر
ولادت کو تو کوئی بھی منع نہیں کرتا جو کچھ تکرار و انکار ہے وہ قیود ہی سے ہے کیا مؤلف دیکھتا نہیں کہ سوال میں کس شے سے سوال ہے اور
قیود خمسہ کیوں لگا کر سوال کیا گیا ہے غرض یہ نظیر محض خوش فہمی مؤلف کی ہے ابن حجر ہیتمی اور ابو شامہ کے قول کو اگر تسلیم بھی کیا جاوے
تو کیا مفید مؤلف کو ہوگا کہ کلام ہیئت کذائیہ مندرجہ سوال میں ہے نہ نفس ذکر مولود میں ورنہ اس اصول کے ہوتے قول علماء کا جو خلاف
سمجھا جو مسلم نہیں ہوتا اور بیان تنویب میں ایک طول ہے ترک کیا گیا اور اصل مطلب جس کو مؤلف ثابت کرتا ہے ہمارے ہرگز مخالف نہیں

ل صحابہؓ کا زمانہ ۔ ملہ ثواب ۔

ہم لکھے اس باب میں دیکھو ذکر اللہ اور عبادت الٰہی میں کیا کچھ وقت اور وضع اور ہیئات اور عدد کی قیدیں ہیں اور صراط مستقیم کے آخر ورق میں۔۔ لکھا ہے تجدید اشغالیکہ ایں کتاب محتوی برآں است فرمودند یعنی مرشد صاحب نے نئے اشغال نکالے اور ظاہر ہے کہ تجدید میں احداث ہے پس معلوم ہوا کہ انجام کاران کو بھی یہی حق معلوم ہوا کہ ایجاد بدعت حسنہ الیٰ یوم القیٰمۃ جائز است خیر صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے اللہ تعالیٰ ان کے مقلدوں کو بھی ہدایت نصیب کرے اور اگر ان کی قسمت میں ہدایت نہیں تو ہم لوگوں سے جنگ اور بے ہودہ تقریریں تو نہ کریں کہ وہی نقشہ ہو جاتا ہے ع مغز ما خورد و حلق خود درید۔ اب اہل سنت والجماعت خوب غور اور فکر سے ملاحظہ فرما دیں کہ یہ جو فتویٰ انکاری میں مولد شریف اور فاتحہ اموات کو پنجشنبہ[1] وعیدین وغیرہ میں منع لکھا تھا۔ اس کی بنیاد اسی ایک دلیل پر تھی کہ جو کام قرون ثلٰثہ کے بعد ہوتا ہے وہ بدعت سیئہ ہوتا ہے اور سنا چکے ہم تم کو حال اس دلیل کا کہ یہ دلیل نہایت ذلیل اور سخیف درکیک ہے اور جب ٹوٹ گئی دلیل انکی، قول ارباب تحقیق واصحاب تدقیق سے تو شکست فاش کھا گیا ان کا فتویٰ اور قائم رہ گئے وہ سب امور صالحہ اپنی اباحت اور استحسان پر۔ الآن کما کان پس مذہب صحیح اور مشرب اہل تنقیح یہی ہے جو علامہ حلبیؒ نے جلد اول انسان العیون میں لکھا ہے وقد قال ابن الحجر الهيتمي ان البدعة الحسنة متفق على ندبها کہا حافظ ابن حجر فقیہ محدثؒ نے کہ بدعت حسنہ کی مندوب اور مستحسن ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے یعنی فقہاء و محدثین میں جو محققین ہیں وہ سب بالاتفاق بدعت حسنہ کو جائز و درست فرماتے ہیں اور اس کی طرف رغبت دلاتے ہیں پس سب امور مندرجہ فتویٰ بالاتفاق وباجماع اہل تحقیق طائفہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے مستحسن ٹھہرے نہ سیئہ واللہ یهدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ لمعہ ثالثہ میں نقل ہے عبارت مولوی عبدالخالق صاحب واعظ دیوبندی کی جو منع مولد شریف وفاتحہ وغیرہ کیلئے فتویٰ انکاری مذکور پر لکھی ہے قولہ، جوابات سب صحیح ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار کتبہ فقیر محمد عبدالخالق دیوبندی عفی عنہ اقول ہم ناصحانہ در د اسلامی سے کہتے ہیں کہ آدمی کو امور علمیہ میں ایسا نہ ہونا چاہیئے جیسے طوطا تمام عمر رٹا کیا میاں مٹھو میاں مٹھو لیکن اس کو یہ خبر نہیں کہ میاں کسکو اور مٹھو کس کو کہتے ہیں مولوی عبدالخالق صاحب نے تمام عمر وعظ فرمانے میں گذاری کسی سے یہ تحقیق نہ فرمایا کہ کل بدعة ضلالة سے مراد کیا ہے کاش مشکوٰۃ کا ترجمہ ہندی نواب قطب الدین خاں صاحب کا دیکھ لیتے کہ مطبوعہ سیرٹھ[2] میں اس حدیث کے معنیٰ لکھتے ہیں عبارت ان کی یہ ہے کل بدعة ضلالة کے معنی یہ ہیں کہ جو بدعت

اور صاحب تذکیر الاخوان کا مذہب و مطلب بارہا واضح ہو لیا کہ یہی ہے اب یہ طوفان بے تمیزی کی تقریر گستاخ جو کچھ ہے سب کو معلوم ہے اس کے جواب سے زبان قلم ملوث کرنا کیا فائدہ ہے غرض تذکیر الاخوان کا یہ کہنا کہ قید اپنی طرف سے مقرر کرے ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ایسی قید جس کی دلیل قرون ثلٰثہ میں نہ ہوا اور صراط مستقیم میں وہ ہیئت تجدید کی مراد ہے کہ حسب قواعد شرع کے ہو سو۔ جو وہاں تھا وہی یہاں ہے مگر دیدۂ بصیرت چاہیئے ومن کان فی هذه اعمٰی فهو فی الاٰخرة اعمٰی اور اس قاعدہ پر جو مؤلف سمجھے بیٹھا ہے بنیاد میلاد اور رسوم کے بدعت ہونے کی نہ تھی بلکہ اُس ہی مراد پر ہے جس کو مؤلف عرقریزی کر کے ثابت کر رہا ہے کہ بجائے خود کھلنے لگا، اور یہ اس قدر تطویل لمعہ ثانیہ کی شرح کی ہم کو بھی اسی واسطے کرنی پڑی کہ مؤلف کے حسن فہم ومبلغ علم کا حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ کسقدر غلط بیانی اور کم فہمی کی تقریر ہے کہ گویا علوم سے مساس ہی نہیں ورنہ اصل مدعیٰ تو عین مدعیٰ ہمارا ہے اور سب علما

[1] آلودہ [2] محنت

سیئہ ہے وہ سب گمراہی کی ہے انتہیٰ کلامہ، یا یہ کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے سوالات عشرہ کا جواب اردو ترجمہ ہو کر مطبع ناصری
میں چھپا ہے وہی ترجمہ دیکھ لیتے اس میں لکھا ہے بدعت حسنہ تو اس کو کہتے ہیں کہ کرنے والا اس کا ماخوذ نہ ہو اور بدعت سیئہ کا
حال یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کل بدعۃ ضلالۃ انتہیٰ کلامہ پس جب ان کے پیشوا سب اس حدیث کو بدعت سیئہ کیساتھ
خاص کرتے ہیں اور بدعت حسنہ کو اس میں شامل نہیں کرتے پھر ان کا منصب تھا کہ بلا تقسیم بدعت اور بلا اثبات دلائل سیئہ
ہونے اعمال مندرجہ سوال کے کلیہ طور پر پڑھ دیں کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار دوسری نصیحت یہ کہ لیک آفاق
سے روپیہ مانگ کر جو جامع مسجد دیوبند میں بنوائی ہے اور کثرت سے برج مثل مندر قوم ہنود کے بنوا دیئے ہیں کیا قرون ثلثہ
میں بھی اتنے برجوں کی مسجد بنتی تھی؟ اگر بنتی تھی تو ہم کو حوالہ دو کہ کس قرن میں اور کس نے بنائی، اور کس حدیث کی کتاب میں یہ فعل
قرون ثلثہ سے ثابت ہوا ہے اور اگر نہ ثابت ہو یہ ہیئت مجموعی مسجد کی تو منصفی یہ ہے کہ اپنے اوپر بھی یہ حدیث رواں کرو کل بدعۃ
ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار تیسری نصیحت یہ ہے کہ خدا کا خوف کیا ہوتا تم نے اہل اسلام نے جو روپیہ چندہ کا دیا تھا تو مقصد
تھا کہ تعمیر میں بقاعدہ شرعی صرف ہو پھر یہ فرمایئے کہ کثرت بروج میں جو مال صرف ہوا نہ وہ استحکام تعمیر میں داخل نہ کسی مصالح
و مقاصد صلوٰۃ کو شامل اس کا مظلمہ کس کی گردن پر ہوگا، کتب فقہ سے اس کا عدم جواز مستفاد ہوتا ہے قاضیخاں میں ہے رجل دفع
شیئی بعمارۃ المسجد فی ای شیئی یصرف ذلک المال قال ابو القاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ یصرف فیما کان من البناء دون التزئین اور بعد تین
سطر کے لکھا ہے، لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارۃ المسجد شرفا ولینقش المسجد من ذلک ولو فعل یکون ضامنا،

وہی مطلب و مراد ہے فقط قولہ ہم نا صحانہ الخ اقول مولوی عبدالخالق صاحبؒ نے ٹھیک سمجھ کر لکھا ہے بدعت حسنہ اور سیئہ کی تفریق کا حال
و کل بدعۃ ضلالۃ کے معنی بھی واضح ہو چکے اب یہ حال خود مؤلف صاحب کا ہے کہ بزعم خود فاضل اجل ہیں اور ہنوز معنی بدعت حدود کے
بھی نہیں سمجھتے اور نزاع لفظی و حقیقی کو بھی نہیں جانا جو کچھ مولوی عبدالخالق صاحب پر طعن ہے اس تحریر سے واضح ہو گیا کہ وہ آپ کا ہی
حصہ ہے اور باوجود ترجمہ مشکوٰۃ کے مطالعہ کے کچھ بھی نہیں سمجھے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم فقط قولہ دوسری نصیحت
۔۔ اقول آپ کے نزدیک جس وجہ سے برج و منارہ مسجد کے جائز ہیں جس کا نام آپ نے بدعت حسنہ رکھا ہے اسی وجہ سے مولوی
عبدالخالق نے بھی یہ بنوائے ہیں، کیونکہ وہ مدعیٰ آپ کا اور مولوی عبدالخالق کا ایک ہی ہے گو آپ کو خبر نہیں طوطی کے بول بولتے ہو
۔ یہ تعریض بے معنی ہے فقط تیسری نصیحت الخ اقول المعروف کالمشروط قاعدہ فقہ کا ہے ہرگاہ کہ سب چندہ دہندہ برج منارہ وغیرہ
۔۔ صرف کرنے سے دلالۃً راضی ہیں تو اسمیں صرف کرنا درست ہے اور دوسری روایت قاضیخاں کی تو آپ نے دونوں آنکھیں بند
۔ کر کے ہی لکھدی ہے مال وقف کا مسئلہ مال مملوک معطی پر جاری فرمایا ہے ہو خوب روایت فقہ کی سمجھے ماشاء اللہ اور پہلی روایت
۔ وصیت کی بھی مطابق اس واقعہ کے نہیں کیوں کہ موصی ایک امر مبہم کہہ مرا ہے اس کا حمل ایسی شئے پر ہونا چاہیے کہ نافع ہووے
۔ موصی زندہ ہوتا، اور اجازت تزئین میں صرف ۔۔ کی دے دیتا تو جائز تھا یہاں تو دینے والے زندہ ہیں اور ان کی دلالۃً رضا
صریح ہوتا ہے کاش اگر مؤلف فقہ کی کتاب کسی معلم سے پڑھ لیتا تو ایسی غلطی فاحش میں نہ پڑتا، فقط،

۔۔۔ بدعت گمراہی ہے ۔ اپنے گمان میں تھ ۔ نصیحت کرنے والا

اب فرمایئے یہ اسراف اور تبذیر کر کے آپ مستظر اپنی مدح اور اجر کے بیٹھے ہیں یہ کیسا ظلم ہے قرآن میں آیت تبذیر پڑھکر کچھ تو گریبان
میں منہ ڈالئے گا چوتھی نصیحت مولوی صاحب کو یہ ہے کہ آپ کی معاش وعظ پر ٹھیری اس کو بھی کبھی سوچا ہوتا کہ آیا یہ کمائی رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم یا خلفاء راشدین یا تابعین یا تبع تابعین قرون ثلٰثہ کی یہی تھی کہ وعظ فرماکر کھاتے پھرتے تھے یا یہ نہ تھی اور اپنے پیشواؤں کا خیال کرتے
کہ ہمارے عالموں نے اس کے حق میں کیا لکھا ہے خیر اگر تم کو تلاش نہیں ہم بلا تلاش تم کو بتاتے ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر پارہ الم میں
تحت آیۃ ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا کے لکھتے ہیں، فرقہ پنجم معلمان دنیا طلب و اعظان طمع کہ بر تعلیم احکام الٰہی و تبلیغ مواعظ و پندار
متاع دنیا درخواست نمایند و نزدیک توقع منفعت متوجہ بحال سائل شوند در صورت بے توقع خشونت و درشت خوئی نمایند، اس کے
بعد شاہ صاحب نے حال امامت و مؤذن وغیرہ کا بیان فرمایا اور کلام اس پر تمام کیا کہ رفتہ رفتہ ایں صیغہا صیغۂ معاش و اجورہ قرار
گرفت در ایں زماں حال ایں وجہ معاش مشکوک بلکہ قریب بحرمت است حتی المقدور ازاں احتراز لازم است انتہیٰ، اور مولوی اسحاق صاحب
نے مایۂ مسائل میں اجرت جمیع طاعات پر یعنی ناجائز لکھی ہے اور یہ لکھا ہے، از حدیث شریف صریح معلوم می شود کہ بقرارت قرآن
شریف چیزے نگیرد و نخورد عام است کہ مقرر کند یا نہ کند انتہیٰ، اس سے وہ بات بھی رد ہو گئی سو شاید کوئی یہ حیلہ کرنے لگے، کہ ہم لوگوں
کو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اس کا ترجمہ بتاتے ہیں ہم اجرت نہیں ٹھیراتے اور نہیں مانگتے، مولوی اسحاق صاحب کے کلام سے وہ بھی
منع ثابت ہوا اور یہی فقہا کا قاعدہ مسلم الثبوت ہے المعروف کالمشروط جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مولوی صاحب کا قاعدہ یہی ہے
اس قاعدہ کے موافق دیتے ہیں، سائل کی صورت خود سوال ہے پھر منہ سے مانگیں یا نہ مانگیں، افسوس ہزار افسوس اے میرے دینی
بھائیو! تم کیوں اپنی روح کو آلائشوں خبیثہ سے پاک نہیں کرتے ہو دوسرے کو ناری اور جہنمی بنانے کو تیار ہوتے ہو اور اپنا خیال نہیں
کرتے کہ تم بھی کسی گوشہ میں دوزخ کے جاتے ہو اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون لمعہ سابعہ
نقل ہے عبارت عبدالجبار عمرپوری کی جو در باب منع مولد شریف فتویٰ انکاری کے ذیل میں لکھی ہے قولہ حضرت کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ
جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں شرک ہے ہر جگہ موجود خدا تعالیٰ ہے اللہ سبحانہ نے اپنی صفت دوسرے کو
عنایت نہیں فرمائی انتہیٰ ملخصاً عبدالجبار عمرپوری عفی عنہ اقول ایک تو کم نصیبی اس مفتی کی یہ کہ حضرت کا ذکر کیا اور صلے اللہ علیہ وسلم نہ کہا اتباع سنت

قولہ چوتھی نصیحت الخ اقول، آپ کا منہ اور یہ بات آپ تو مدت ہوئی کہ فتویٰ جواز اجرت تعلیم قرآن کا لکھ کر طبع کرا چکے ہو اگر اب غصہ میں آکر
اس سے رجوع فرمائی ہے تو وہ روایات متاخرین فقہا کی تو کہیں نہیں چلی گئیں کہ جن روایت سو بضرورت ضروریہ کہ اس زمانہ جہل میں موجود
ہے جواز اجرت کا وعظ کا حال مفصل معلوم ہو سکتا ہے پھر آپ کس منہ سے طعن کریں گے یہ مفتی جواز دہی آپ کے معتمد پیشوا ہیں اور یہ
بدگمانی کرنا کہ مولوی عبدالخالق صاحب کی نیت طمع دنیا کی ہے، کسی مسلمان کو لائق نہیں پھر ہزار افسوس کہ تم تو اپنی زبان کو سلف خلف
مشایخ اولیاء اور علماء کے طعن سے بھی پاک کر دو اور مولوی عبدالخالق کو حدیث کے صحیح مضمون لکھنے پر بزعم خود غلط سمجھکر نصیحت فرماؤ
بڑی شرم کی بات ہے دیکھو مصداق آیہ اتامرون الناس کا کون ہے اور آلائش خبیثہ کا ملوث کون فقط قولہ لمعہ رابعہ الخ اقول لاریب
کام کم نصیبی کا ہے مگر اس کم نصیبی کا حصہ تو فقط مؤلف صاحب کے نصیب میں بھی کامل ہیں کہ اس کتاب میں اکثر جگہ درود نہیں لکھتے صفحہ
اول خطبہ کتاب کی آخر سطر میں اور دوسرے صفحہ میں تین جگہ آپ کا اسم گرامی بے درود لکھا ہوا ہے علیٰ ہذا اور جو عذر ہے کہ مطبع کا

لمہ بری باتیں،،

کا دعویٰ اس قدر اور صاحب سنت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھی ندارد دوسری کم فہمی اس درجہ کی کہ سائل کا سوال جو ہم اول
نقل کر چکے ہیں اس میں یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں یہ سوال نہیں کہ مجلس میں حاضر ہونیکا اعتقاد
ہو اور ظاہر ہے کہ اشعار میں مخاطب حاضر ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ شعر ایسے پڑھیں جسمیں ضمیریں مخاطب حاضر کی ہوں سو اس کا حال ہم نور
دل کے لمعہ ثانیہ میں لکھ چکے اور آئندہ بھی تحقیق آوے گی لیکن مفتی صاحب نے سوال دیگر جواب دیگر جو چاہا کہنا شروع کیا یہ جواب دیا، قولہ
حضرت کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں یہ شرک ہے ہر جگہ موجود خدا تعالیٰ ہے اقول سبحان
اللہ قربان جائیے اس قیاس اور استدلال کے اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی اعتقاد ہوتا کہ وہ مولود خوانی میں حاضر ہوتا ہے نہ اور
کسی جگہ اس وقت تو برابری اور مشارکت صفت الٰہی میں لازم آتی اور خدا تعالیٰ کو بہت مواضع اور مواقع میں حاضر مان رکھا ہے علاوہ
مجلس مولود خوانی کے تفصیل اسکی یہ ہے کہ تم عظمت اور وسعت عرش عظیم کی اور فراخی اور توسع کرسی کی خیال کرو کہ ان کے آگے سات
آسمانوں کی کیا حقیقت ہے پھر کرۂ ناری اور ہوائی اور مائی کو خیال کرو کہ آسمانوں کے آگے انکی وسعت ہے پھر ان کرات کے آگے زمین کو دیکھو
کہ اس کی وسعت کو کرات سے کیا نسبت ہے پھر زمین کے چوتھائی حصہ کو دیکھو جو زمین سے باہر نکلا ہوا ہے پھر اس باہر نکلے ہوئے میں جنگل اور
پہاڑ اور دریا اور ریگستان کسقدر ہیں اور آدمیوں سے آباد کسقدر ہیں اور اُس آبادی میں کفار کس قدر ہیں اور مسلمان کسقدر اور
مسلمانوں میں مولد شریف کرنیوالے ہیں اور نہ کرنے والے کس قدر ہیں ان سب مراتب کے خیال اور فکر کرنے سے فرق معلوم ہو جاوے
گا، مگر مصنف کو کہ اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا تو اسقدر تسلیم ہے کہ عرش و کرسی آسمان لوح و قلم ساتوں زمین اور جمیع جبال و بحار و ویران عمارات
وغیرہ اور ہر زمان اور ہر آن میں وہ حاضر ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس نے یہ اعتقاد کیا کہ وہ مواقع مولود خوانی

تصور ہے تو مولوی عبدالجبار کا بھی یہی عذر قبول کرنا تھا، غرض یہ تو مؤلف صاحب کی عادت فاشیہ ہے کہ جو کچھ کسیکو کہتا ہے
تم میں خود ملوث ہوتا ہے نہ معلوم کہ اسقدر اپنے حال سے کیوں غفلت ہے قولہ کم فہمی اس درجہ الخ اقول رد شرح سوال میں مذکور
ہو چکا کہ صیغہ کتاب کا حاضر موجود کے واسطے ہی وضع ہوا ہے لہٰذا اگر کہیں صیغہ کتاب کا بولا جاوے گا تو بوجہ اصل وحقیقی ہونے
سے حضور مخاطب کا مفہوم کلام سے ہو دے گا لہٰذا مولوی عبدالجبار نے اس سوال کا ہی تو جواب دیا ہے کہ یہ اشعار خطاب اگر اس
معتقد سے ہیں تو شرک ہیں اور دوسرے معنیٰ مجازی کی شق کو بیان نہیں کیا مگر خدا تعالیٰ جانے کہ مؤلف کی کیا فہم ہے کہ اس کو سوال
مخلوف اور غیر جانتا ہے، لازم و ملزوم وضعی کو غیر جاننا اور مقصود کلام وضعی کو کلام سے منفک سمجھنا مؤلف ہی کا فہم ہے نواطل
تم بھی ایسا کچھ مؤلف نے کہا ہے اور اس کا جواب کچھ وہاں پر ہو لیا، قولہ سبحان اللہ الخ اقول تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب
فخر عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلادیا اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک
ہے سب کتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ھو الایہ
شرکت کا اعتقاد شرک ہی نہیں بلکہ نفس شرکت کا اعتقاد بھی شرک ہے،، اور یہ مسئلہ مشہور بحر الرائق اور عالمگیریہ درمختار وغیرہ میں ہے کہ اگر
نکاح کرے بشہادت حق تعالیٰ اور فخر عالم علیہ السلام کے کافر ہو جاتا ہے بسبب اعتقاد علم غیب کے فخر عالم کی نسبت پس فقط مجلس
کے اعتقاد علم میں کافر لکھا ہے یہ کسی نے نہیں لکھا کہ اگر اس کا اعتقاد کیا کہ مساوات علم الٰہی تعالیٰ شانہ کا ہے تو کافر ہو گیا ورنہ

علیحدہ کے ہمراعتبار ہے۔

میں تشریف لاتے ہیں تو یہ مواقع بہ نسبت ان تمام ازمنہ اور مقامات مذکورۂ بالا کے کس شمار اور کس حصہ میں داخل ہیں کہ بس ان مواقع میں تشریف لانے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری لازم آگئی اور شرک ہوگیا نعوذ باللہ من ہٰذہ الخرافات اب آگے آپ ارشاد فرماتے ہیں قولہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔ اقول عقیدہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسی طرح اور حقیقت سے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو دوسرے میں نہیں ہوتی اور خصوصیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ اور روئے زمین پر کل جگہ موجود ہو جانا تو کچھ خاص مخصوص خدا کے ساتھ نہیں تفسیر معالم التنزیل اور رسالہ برزخ جلال الدین سیوطی اور شرح مواہب علامہ زرقانیؒ میں ہے کہ ملک الموت قابض ہے جمیع ارواح جن وانس وبہائم وجمیع مخلوقات کا اور اللہ تعالیٰ نے کردیا ہے دنیا کو اس کے آگے مثل چھوٹے خوان کے اور ایک روایت میں آیا ہے مثل طشت کے فیقبض من ھھنا وھھنا یعنی ادھر سے لیتا ہے جان کو اور ادھر سے اب خیال کرو کہ ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کسقدر چیونٹی مچھر کیڑے مکوڑے اور چرند پرند درند

نہیں۔ مگر مؤلف کی تحریرات اس کا عقیدہ یہی مفہوم ہوتا ہے کیوں کہ وہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ تو عرش سے سرتحتیٰ تک جانتا ہے اور حاضر ہے اور فخر عالم فقط مجالس مولود میں حاضر ہوئے تو کہاں مساوات اور شرک ہوا پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قدر علم غیب کو وہ شرک نہیں جانتا حالاں کہ جملہ کتب میں فقط مجلس نکاح کے حضور کو ہی شرک لکھدیا ہے اور مؤلف کو اس قدر بھی خبر نہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا مساوی ہونا ضروری نہیں نفس وجہ شبہ کافی ہوتی ہے لہٰذا یہاں نفس علم غیب میں برابری شرک ہوا اور اگر مؤلف کا یہی عقیدہ کہ حق تعالیٰ کی کوئی صفت دوسرے کو اگر کما و کیفا مساوی ثابت کرے گا تو شرک ہوگا ورنہ نہیں تو لازم ہے کہ مؤلف کے نزدیک مشرکین عرب کہ جن کے مشرک ہونے میں نصوص قطعیہ موجود ہیں ہرگز بھی مشرک نہ ہوں کیوں کہ وہ تصرف اور علم اپنے معبودان باطلہ کا محدود جانتے تھے۔ کہ ہر نواح و دیار کا جدا معبود تھا ایک کے ملک میں دوسرے کا تصرف ہونا عقیدہ نہیں رکھتے تھے چنانچہ کتب حدیث اس کی گواہ ہیں، پس اب مؤلف کے عقائد تو خود خراب تھے ہی تمام دنیا کو مشرک بنا دیگا کیوں کہ جب عوام جہال اولیاء کی نسبت ایسا ہی محدود تصرف و علم یقین کرتے ہیں پس مؤلف نے سب کی تائید و تصدیق ان کے عقیدہ کی کرکے خلق کو ضال بنادیا خدا تعالیٰ اس کو ہدایت دیوے کہ کیا فتنہ برپا کرتا ہے باقی اس کی مثال واہی اور حروف بے معنیٰ کا کیا جواب دیکر زبان قلم کو ملوث کروں یہ مؤلف نے اس قدر جہل کی بات لکھی ہے کہ تمام دنیا کے خلاف ہے فقط،

بحث علم غیب | قولہ عقیدہ اہل سنت وجماعت کا یہ ہے کہ الخ۔ اقول عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کوئی صفت صفات حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں، سمع و بصر و علم و تصرف حق تعالیٰ کا حقیقی ہے اور مخلوق کا مجازی لیس کمثلہ شیئ الآیہ پھر جس کو جسقدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرمادیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا شیطان کو جس قدر وسعت دی اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جسقدر وسیع بنایا ہے اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں اور زیادہ کوئی ان سے کام نہیں نکلتا اور نہ اس کثرت و قلت پر فضل کی کمی زیادتی موقوف ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بہت اعلیٰ و افضل ہیں مفید اعلم کا مکاشفہ ان کا حضرت خضر سے بہت کم تھا اور پھر جسقدر

زمین کے نیچے ہیں تعداد کیفیت کے اعتبار سے آلودہ،،

اور آدمی مرتے ہیں ہر جگہ ملک الموت موجود ہے اور مشکوٰۃ میں ہے کہ ملک الموت وقت موت میت کے سرہانے ہوتا ہے مومن کے بھی اور کافر کے
بھی یہ حدیث طویل ہے اور قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتیٰ میں نقل کیا ہے ایک حدیث کو طبرانی اور ابن مندہ سے اس میں یہ بھی ہے کہ ملک الموت نے
رسول اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ ایسا کوئی گھر نہیں نیک یا بد آدمیوں کا جس کی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو رات اور دن دیکھتا رہتا ہوں اور
ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اس قدر نہیں پہچانتے، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے بھلا
ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے، دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے، درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولاد آدم
کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام
بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا بعد اس کے لکھا ہے فاقدرہ علی ذلک کما اقدر ملک الموت علی نظیر ذلک
یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دیدی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا انتہیٰ کلامہ،
اب عالم اجسام محسوسہ میں اس کی مثال سنیئے، کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادی دنیا کی سیر کرے جہاں جاوے گا چاند کو موجود
پاوے گا اور سورج کو بھی پاوے گا پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود تمہارے قاعدہ سے
چاہیئے وہ کافر ہو جاوے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر خاصہ مسلمان ہے پس اسی

حضرت خضر کو ملا اس سے زیادہ پر قادر نہ تھے اور حضرت موسیٰ کو باوجود افضلیت کے نہ ملا تو وہ حضرت خضر مفضول کی برابر اس علم
مکاشفہ کو پیدا کر سکے پس آفتاب و ماہتاب کو جو اس ہیئت و سعت نور پر بنایا اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی
اس کا حال مشاہدہ کے علاوہ نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت
کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں اور عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں بلکہ قطعی ہیں قطعیات نصوص سے
ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں لہٰذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت
کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ مغلق کا اگر فاسد کیا جاوے تو کب قابل التفات ہو گا دوسرے قرآن و
حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہو گا خود فخر عالم
علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم الحدیث اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھکو دیوار کے پیچھے کا بھی علم
نہیں اور مجلس نکاح کا مسئلہ بھی بحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا تیسرے اگر افضلیت ہی موجب اس کی ہے تو تمام مسلمان اگرچہ فاسق
ہوں اور خود مؤلف بھی شیطان سے افضل ہیں تو مؤلف سب عوام میں بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کی برابر علم
محیط بزعم خود ثابت کر دیوے اور مؤلف خود اپنے زعم سے بہت بڑا اکمل الایمان ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعلم من
شیطان ہو گا معاذ اللہ، مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکالنا کس قدر
دور از علم و عقل ہے، الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھکر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے
بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت
ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے اور خاصہ کی تعریف تہذیب

۔ محمد کو فضیلت حاصل ہوئے صریح دلائل سے ایمان کے اعتبار سے بہت کامل ہے شیطان سے بڑا عالم

طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے روح نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے۔ اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل بین پر یا زمین کے چند موضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف مثل شعاع شمس کے طلوع جاوے کیا محال ہے اور کیا بعید ہے علامہ زرقانی نے ابوالطیب کا شعر شرح مواہب لدنیہ کی فصل زیارت قبر شریف میں نقل کیا ہے کالشمس فی وسط السماء ونورھا یغشی البلاد مشارقا ومغاربا: کالبدر من حیث التفت رأیتہ : یھدی الی عینیک نورا ثاقبا۔ یعنی جس طرح سورج آسمان کے بیچ میں ہے اور روشنی اس کی پھیلی ہوئی ہے مشرق سے مغرب تک اور جس طرح چاند جہاں سے تو اس کو دیکھے، اسی جگہ سے نور تیری آنکھوں میں بخشے گا، انتہیٰ کلامہ، پس فرق یہ ہے کہ سورج اور چاند کے دیکھنے کی آنکھ اللہ تعالیٰ نے ۔ ۔ کھول رکھی ہے اس کے ذریعہ سے بینا آدمی دیکھکر چاند کہدیتا ہے چاند ہر جگہ موجود ہے اندھا مادرزاد یوں کہے گا کہ چاند کہیں نہیں، پس اسی طرح روح نبوی کا دیکھنا موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت پر اگر وہ آنکھ باطنی کھولدے اور پردہ اٹھائے ہر جگہ انسان جلوۂ احمدی دیکھ سکتا ہے، امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے قد بلغنا عن ابی الحسن الشاذلی وتلمیذہ ابی العباس المرسی وغیرھما انھم کانوا یقولون لو حجبت رویۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طرفۃ عین ما اعددنا انفسنا من جملۃ المسلمین،، دیکھئے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیاء فرماتے ہیں، کہ اگر ایک پل جھپکنے کی برابر بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم سے چھپ جاویں تو ہم اپنے تیئں مسلمان نہ جانیں، انتہیٰ، اب دیکھئے یہ اولیاء اللہ مفتی صاحبان صافی عقیدت کے نزدیک کس فتوےٰ اور کس حکم میں داخل ہوں گے اور ہونا روح انبیاء علیہم السلام کا علیین میں ساتویں آسمان پر جو ہم نے بیان کیا یہ تفسیر عزیزی کے بیان علیین میں دیکھو، لیکن باوجود ہونے علیین میں آپ کی روح کو قبر شریف سے بھی اتصال قوی ہے ہر زائر کو جانتے ہیں کون زیارت کو آیا سب کو سلام کا جواب دیتے ہیں قبر میں جسم مبارک زندہ ہے زرقانی نے لکھا ہے ان نبینا لما (؟) الرفیق الاعلےٰ وبدنہ فی قبرہ یرد السلام علی من یسلم علیہ اس مقام کی تحقیق زیادہ اس سے مقام۔ اثبات مولود شریف میں بیان کریں گے، اب فکر کرنا چاہیے جب چاند سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی اور تماشہ یہ کہ اصحاب محفل میلاد

منطق پڑھ کر مؤلف نے یاد کر کے بے تہذیبی عقیدہ کی اختیار کی مگر فہم سے ماشاءاللہ ہنوز بہت دور ہیں خاصہ حق تعالیٰ کے علم کا یہی ہے کہ اس کا علم ذاتی حقیقی ہے کہ جس کا لازم احاطہ کل شئی[1] کا ہے اور تمام مخلوق کا علم مجازی ظلی کہ قدر عطا کی حق تعالیٰ کی طرف سے مستفاد ہو پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کی برابر ہو چہ جائیکہ زیادہ، چنانچہ وجہ اسکی اوپر ذکر ہوئی اور قیاس سے اس کا اثبات[2] جہل ہے کہ شائبہ علم کا بھی اس کا مجوز نہیں الغرض یہ تحقیق واہی مؤلف کی محض جہل ہے وہ آپ شاید شرک میں مبتلا نہ ہو مگر ایک عالم کا راہ ماردیا بعد اس کے جو حکایات اولیاء اللہ کی مؤلف نے لکھی ہیں تو اول تو یہ حکایات تحت شرعیہ مثبت حکم کی نہیں خصوصًا باب عقائد میں پس ان حکایات کو قبول کر کے نصوص کا رد کرنا کسی جاہل سے بھی متوقع نہیں چہ جائیکہ عالم سے اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہو کہ ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا، اگر اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ اس سے زیادہ عطا فرماوے ممکن ہے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہو کس نص[3] سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کیا جاوے اس امر کا محض امکان سے تو کام نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہیے اور ثبوت

[1] ہر شئے کو گھیر لینا [2] فائدہ حاصل کیا [3] ثابت کرنا [4] کم زور

تو زمین کی تمام جگہ پاک و ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوی کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے کہ تمہارے استدلال کے موافق تو چاہیئے یہ سب محدث اور فقہا باعث اعتقاد حضور ہر جائے ملک الموت اور ابلیس کے بانیان محفل مولد شریف کی بہ نسبت زیادہ تر مشرک ٹھیریں معاذ اللہ ع برین عقل و دانش بباید گریست اہل حق پر واضح ہو کہ ہمارا یہ دعوی نہیں، کہ ہر محفل میں روح مبارک آتی ہے ہاں یہ دعوی ہے کہ اگر کسی کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ مشرک نہیں لمعہ خامسہ نقل کلام مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ قولہ ”ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے اور خطاب جناب فخر عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے ایسی محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور رسوم بھی کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہے البتہ ثواب بھیجنا اموات کو بلا قید روا ہے اس کا مضائقہ نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

اقول۔ اس عبارت کی رکاکت معانی و سخافت معانی دل میں شبہ ڈالتی ہے کہ یہ کلام مولوی رشید احمد صاحب کا نہ ہوگا، اول یہ کہ جواب مطابق سوال چاہیئے، سائل پوچھتا ہے کہ یہ امور بحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے کہ نہیں آپ نے جواب میں ایک حدیث بھی نہیں لکھی نفیاً و اثباتاً دوسری یہ بات کہ وہ پوچھتا ہے اگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں یوں نہیں

ہو جانا نص سے واجب ہو مگر سوء فہم مؤلف کا قابل تماشہ ہے کچھ نہیں سمجھتا اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے اگر یہ جانے حق تعالیٰ اطلاع دیکر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے اب ظاہر ہو گیا کہ کوئی محدث و فقیہ وصوفی و متقی مشرک نہیں مگر جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے موافق ہو گا البتہ وہ مشرک ہے اور ان عبارات اور روایات سے حجت اپنے دعویٰ بے سر و پا کی لانا محض کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے ورنہ سمجھ کر بھی دلیل مدعی مؤلف پر نہیں کما لا یخفی قولہ اہل حق پر واضح ہوا۔ اقول۔ اگر دعویٰ مؤلف کا حاصل غلط اور ان دلائل سے کچھ ثبوت مدعی مؤلف کا نہیں ہوا مگر مؤلف اپنے زعم فاسد میں اس دعویٰ کو ثابت جانتا ہو پھر اس پر عقیدہ نہ کرنا تعجب ہے بلکہ بدیہی ہے کہ جس امر کو حق جانے اور دلائل سے ثابت سمجھے اور خلق کو اس پر دعوت اور فرار دیوے پھر آپ کیوں اس کا دعویٰ نہ کرے اور عقیدہ نہ ٹھیرا دے شاید مؤلف کو بھی ہنوز اس امر میں تردد ہے اور محض نفسانیت سے اپنا لا علم و لا فہم ہونا ظاہر کر دینا مد نظر تھا گو خلق گمراہ ہو تو کیا حرج ہے معاذ اللہ“

<u>حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے جواب کے رد کا رد</u> قولہ لمعہ خامسہ نقل کلام مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی قولہ اس عبارت کی رکاکت

اقول خود مؤلف لمعہ ثانیہ شرح سوال میں لکھ چکا ہے کہ سائل نے حصر کر دیا دین کو حدیث میں یوں پوچھنا چاہیئے کہ شرع میں جائز ہے یا نہیں نہ یہ کہ فقط حدیث سے جواب طلب کرنا مؤلف کے نزدیک معیوب ہے تو اب یہاں حدیث سے طالب جواب کو حدیث سے جواب دینے میں طعن کیوں کیا جاتا ہے؟ مؤلف صاحب کس قدر خواب خرگوش میں ہیں کہ سائل پر تو یہ طعن تھا کہ تو نے یہ بیجا کلام کیوں کیا کہ یہ لکھا کہ جواب حدیث سے لکھو، حجت شرعیہ حدیث میں حصر نہیں اور مجیب نے جو اس کی اس قید کو لغو جان کر جواب حجت شرعیہ سے دیا اور حدیث کی قید کا التفات نہ کیا، تو عیب پر طعن ہے، مؤلف کو اپنا مقولہ بھی یاد نہیں رہتا تو کسی کا قول و روایت کیا یاد رہے گی معہذا سائل یہ کہتا ہے کہ حدیث سے جواب دو یہ نہیں کہتا

ل بے علم و بے فہم کے غفلت

پوچھا . کہ مجلس میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جان کر اشعار پڑھیں ، اب دیکھیے اصل سوال کا جواب ندارد اور اپنی طرف سے ایک شاخ لگا کر یہ جواب دیا کہ خطاب فخرِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اگر حاضر ناظر جان کر کرے دیکھیے سوال دیگر اور جواب دیگر مفتی صاحب کی تحریر سے یہ بات تو اشارۃً معلوم ہوئی ، کہ اگر کوئی آدمی حاضر و ناظر نہ جانتا ہو فقط شوق و محبت میں مخاطبانہ اشعار پڑھتا ہو وہ کفر نہیں لیکن پھر یہ بات کہ یہ خطاب حرام یا مکروہ یا مباح یا مستحب ہے کس حکم میں وہ مخاطبانہ اشعار داخل ہیں اور جائز ہے یا نہیں یہ اس کا اصل سوال تھا اس کا جواب مفتی صاحب کے پیٹ میں رہ گیا یہ فتویٰ نویسی کیا ہوئی حکم افتاء چاہیے کہ تشریح و توضیح سے ہووے نہ یہ کہ اصل مدعا سائل بھی مفتی کی دلیل[1] نوک زبان تک نہ آوے نفسو سچی بات . کہ سائل نے فاتحہ اموات کو بھی مع تعینات پوچھا تھا اور محفلِ مولود و مدح خوانی کو بھی مع تعینات مفتی صاحب نے فاتحہ کی تعینات کو خلاف سنت فرما کر اس کو تو لکھدیا البتہ ثواب بھیجنا اموات کو بلا قید ہوا ہے اور محفل مدح خوانی سے ایسا نفرت کہ اس کو کرنا گناہ ، اور اس میں شریک ہو جانا بھی گناہ بلکہ اپنی طرف سے ایک شاخ حاضر و ناظر کی لگا کر کفر تک نوبت پہنچانے اور یہ سب مذمت کر کے اس قدر منہ سے نہ نکلا کہ مدح خوانی رسول اللہ علیہ وسلم بغیر ان قیود کے درست ہے جس طرح اموات کے واسطے لکھا تھا کہ بلا قید روا ہے آدمی مسلمان ہو کر اگر اپنے شفیع محشر کی نعت اور مدح خوانی کو بلا قید بھی مباح نہ جانے پھر اس کے ایمان کا کیا ٹھکانہ ادھر : ملا مفتی ہو کر فتویٰ

کہ جواب میں حدیث کی عبارت بھی نقل کریں پس اس کی خواہش کے موافق جواب سوال کا حدیث سے ہی دیا گیا کہ مجیب کا مستخرج احادیث سے ہی تو ہے جس سے سائل کی تسکین ہو گئی اگر مؤلف کو کچھ تامل و تردد ہے تو اس سالہ براہین قاطعہ سے اب دریافت ہو جائے گا کہ مجیب کا جواب کیسا عمدہ و جیسے مستخرج احادیث صحاح سے ہے اب نمبر چہارم میں واضح ہو جاتا ہے فقط قولہ دوسری یہ بات کہ وہ پوچھتا ہے الخ اقول پہلے گذر چکا ہے کہ خطاب گاہ بوجہ حاضر جاننے کے ہوتا ہے گاہ بغیر اس کے اور خطاب کا موضوع لہ[2] حاضر ہی ہے گو مجازاً دوسرے معنی بھی ہوں میزان پڑھنے والا بھی جانتا ہے اور یہ بھی گذر چکا کہ سائل عوام جہال کے عقیدہ کو جانتا ہے کہ حضور کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اصل سوال اس کا یہ ہے اور دوسری شق مقصد اصلی نہیں لہٰذا شق اول کی پہلی صراحت ضرور ہونی چاہیئے تھی اور دوسری شق مجیب صاحب کے نزدیک مراد سائل کی نہ تھی ، لہٰذا جواب میں صراحت نہ کی مگر مؤلف صاحب کے عجیب ہے کہ ندا میں ان کے نزدیک بھی دو احتمال ہیں خود مؤلف نے شرح سوال میں خطاب و ندا حاضر جان کر کرنے کے جواب میں اپنا پیٹ بھرا اور جواب کو دل سے نوک زبان پر نہ لائے یہاں سے معلوم ہوا کہ مؤلف صاحب کی ایک شق حضور کا جواب مضمر کرنے کی یہ وجہ تھی کہ مقصود سائل کا دوسری شق سمجھ گئے تھے ، پھر اب مولوی صاحب پر کیا وجہ اعتراض کی ہے مولوی صاحب نے تو لفظ اگر لگا کر مفہوم سے دوسری شق کا شریک ہونا ملا بھی دیا آپ نے تو مطلقاً جائز لکھدیا اور شرک کا حصہ شکم میں رکھ لیا مگر ہاں درست ہے آپ تو حضور کو واقعی اور جائز ہی جانتے ہیں قریب ہی ذکر ہو چکا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کیا عجب اعتراض ہے کہ اپنے گھر کی خبر نہیں دوسروں پر اعتراض فقط . قولہ تیسرے یہ الخ اقول یہ اعتراض محض کم فہمی مؤلف سے پیدا ہوا سنو کہ سائل کا سوال مجلس مولود ہیئت کذائیہ کا اور ایصال ثواب ہیئتہ کذائیہ ہی کا تھا جیسا کہ مؤلف بھی معترف ہے سو جواب دونوں سوالوں کا تمام ہو گیا مگر چونکہ مجیب کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر کوئی کم فہم مطلب سمجھ کر ایصال ثواب کو مطلقاً منع جان جاوے گا تو خیر کثیر مقصود شارع کا بند ہو جاوے گا لہٰذا اصل ایصال ثواب کے جواز کی تصریح کر دی اور مولود کی مجلس بند ہونے میں کوئی حرج نہیں ، جیسے چھ سو برس تک نہ تھی تو کوئی حرج و نقصان فی الدین نہ تھا اگر اب بھی بند ہو جاوے تو کیا حرج ہے اور ایسی مزید اور بدعت منع کرنے سے نبی موقوف نہیں ہو[3] تی لہٰذا اس کو اگر ذکر نہ کیا جاوے تو مناسب ہے بخلاف صدقہ کے اموال کی

---

[1] دلیل ... [2] جاہل کی جمع [3] موجودہ حال ،،

کی عبارتیں لکھیں اور اتنے حرف لکھنے میں کہ مدح خوانی فی نفسہ مباح ہے، کوتاہ قلمی کریں یہ کیا دیانت اور انصاف ہی چوتھے، یہ کہ سائل نے پوچھا تھا کہ محفلِ میلاد اور فاتحہ اموات اور رسوم میں قرآن اور کلمہ طیبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اس کا جواب یہ لکھا کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہے بھلا کون بے وقوف کہدے گا کہ محفل مولد شریف اور قرآن اور فاتحہ اور کلمہ پڑھنا ہندوؤں کی رسم ہے ہاں بعضے کم فہم اس طرح تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ رسوم رسوم میں مشابہت ہنود کی لازم آتی ہے حالاں کہ وہ بھی باطل ہے چنانچہ ہم لمعات اور انوار آئندہ میں تحقیق کریں گے **پانچویں** یہ بات کہ انہوں نے جو یہ جملہ لکھا ہے کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہے اس کی ترکیب از روئے قاعدہ یہ ہوئی کہ لفظ یہ سب مبتدا اور ہنود کی رسوم خبر اور ہے حرف ربط، اب دیکھیے مبتدا میں معنی جمع کے موجود یعنی یہ سب اور لفظ رسوم خود جمع رسم کی پس مبتدا بھی جمع اور خبر بھی جمع حرف ربط یعنی لفظ ہے واحد کیوں ہے۔ قاعدہ کی رو سے یہ چاہئے تھا، کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہیں **چھٹی** بات یہ کہ جب ان کے مرشد برحق جناب حاجی امداد اللہ صاحب نے مسائل اختلافی میں مہر لگانے سے منع کردیا، جیسا کہ نور دوم کے لمعہ اولیٰ میں گذرا پھر کس طرح خیال میں آسکے کہ وہ شیخ کی حکم عدولی کریں۔ اور اگر کوئی یہ لکھنے لگے کہ یہ مسائل اختلافی نہیں بلکہ یہ تو بالاتفاق ممنوع ہیں۔ تو ہم اس آدمی کو نہایت درجہ کا بے حیا زبان زور جانیں گے اس لئے کہ فاتحہ اموات اور محفل میلاد شریف مع قیود شیرینی وقیام و مدح و سلام وغیرہ جس طرح کہ اب رائج ہیں، اسی ہیئت کے جواز میں

محبت خود مانع ہوتی ہے وہاں تصریح کرنا مناسب تھا اگر کوئی حدیث وفقہ کو جانتا ہے وہ معلوم کرے گا کہ شارع علیہ السلام اور فقہاء اور ان کی اتباع جس امر میں شائبہ[1] لذت دیکھتے ہیں ان کو سرے سے بند کرتے ہیں ورنہ قید کے ساتھ منع کرتے ہیں، اگر مؤلف صاحب کو کچھ مضمون تفقہ[2] ہوتا تو شاید اس نکتہ کو سمجھتے، مگر جس کے دل میں فہم کی رغبت وحصہ ہی نہ ہو محض نقل الفاظ سے ہی کام ہو وہ معذور ہے قولہ چوتھے یہ الخ اقول یہ مؤلف کے کمال فہم کی دلیل ہے کیوں کہ جواب محفل مولود کا تمام ہو چکا پھر دوسرے سوال کا جواب شروع کیا بقولہ اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور سوئم[3] بھی، سو اس فاتحہ اور سوم کی نسبت لکھا ہے، کہ رسم ہنود[4] ہے کیوں کہ تیسرے دن کا اجتماع اور کھانا برہمن کے سامنے رکھ کر اشلوک گوانے ان کا ہی دستور ہے، پس کون بیوقوف کہہ سکے گا کہ یہ جواب محفل میلاد کا ہے اور کون احمق سمجھے گا کہ مولوی صاحب نے قرآن وکلمہ کو رسم ہنود کہا ہے بلکہ اس اجتماع روز سوم اور کھانا آگے رکھ کر ہاتھ اٹھانے کی ہیئت[5] کو لکھا ہے باقی مشابہت کا جواب ہم بھی آپ کی تحریر کے وقت لکھیں گے، اور آپ کی کم فہمی ظاہر کردیں گے فقط قولہ پانچویں الخ اقول یہ مؤلف صاحب کا کمال علم رکاکت[6] لفظی کا اظہار ہے قطع نظر اس کے کہ یہ ترکیب درست ہے، ایسے فضول مواخذہ کا جواب بھی فضول ہے یہ محض عناد وکینہ ہے کیونکہ اس طبع میں چند غلطی کاتب کی موجود ہیں اس سے زیادہ کہ ناظر پر کچھ مخفی نہیں پھر اس کو تحریر فرمانا کمال ہی کینہ کی وجہ ہے، جواب اس کا پہلے بھی حسن عسلی کے اعتراض میں گذر چکا پھر بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ اب مؤلف صاحب تمام مصنفین ہدایہ شرح وقایہ کنز اور مشکوٰۃ بخاری وغیرہ کتب حدیث اور خود قرآن شریف پر بھی اعتراض غلطی عبارت اور رکاکت لفظی کا فرمادیں تو مناسب ہے ہمیں غلغلہ بلاغت مؤلف صاحب کا ثابت ہو جاوے گا فقط قولہ چھٹے الخ اقول یہ محض افترا ہے ان کے حضرت مرشد سلمہ نے ہرگز ان کو اس امر سے منع نہیں کیا، اس کا جواب شکایت مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم میں گذرا مگر ہاں مؤلف بھی مریدان کے مرشد کا ہے۔ اور اس کو ان کی مخالفت سے ان کے مرشد نے منع فرمایا تھا چوں کہ وہ سراسر خلاف امر اپنے مرشد کے کرتا ہے دوسروں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتا ہے، ایک تو یہ کہ کمال کذب دوسرے مؤلف اپنے مرشد کو اس سارکیں

۱ شبہ ۲ قدردانی ۳ رسم کی جمع ۴ ہندو کی جمع ۵ حالت ۶ کمزوری

دھلی اور بداؤں اور الہ آباد اور کلکتہ اور حرمین شریفین وغیرہ عالموں کے فتاوٰی موجود ہیں بالاتفاق ممنوع ہونے کے کیا معنے، ساتویں بات یہ کہ مولوی رشید احمد صاحب کے استاد شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی ربیع الاول میں مولد شریف کرنے کی بابت رسالہ شفاء السائل میں لکھتے ہیں،، وحق آنست کہ نفس ذکر ولادت صلے اللہ علیہ وسلم و سرور فاتحہ نمودن یعنی ایصال ثواب بروح پر فتوح سید الثقلین از کمال سعادت انسان است چنانچہ شیخ ابن حجر مکی و شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہا تصریح نمودانداگر چیزہا دیگر گر مقترن شوند کہ خلاف شرع ہستند پس البتہ ممنوع خواہد بود مثل مرائی و سرود خوانی الیٰ آخرہ . اب دیکھنا چاہیئے کہ ان کے استاد مرثیہ اور سرود خوانی کو تو منع فرماتے ہیں، لیکن شیخ عبدالحق اور ابن حجر کے تابع اور موافق ہو کر محفل مولد شریف اور تقسیم شیرینی وغیرہ بقصد ایصال ثواب روح مبارک اور اظہار سرور کرنا موجب سعادت انسان لکھتے ہیں اب خیال فرمایئے کہ یہ کیا سعادت مندی ہوئی . کہ استاد تو اس کو موجب سعادت اعتقاد فرما دیں اور شاگرد رشید اس کو گناہ قرار دیں اور خواہی نخواہی اس کی شاخیں نکالکر کشاں کشاں کفر تک بھی نوبت پہنچا دیں،، آٹھویں بات یہ کہ جب سائل نے استفتاء میں یہ سوال درج کیا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم

لکھتا ہے کہ ہم بھی ان سے ملے ہیں . چنانچہ شکایت اولیٰ مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم میں لکھا ہے اور یہ لفظ سعادتمندی کا ہے کتب فقہ میں ہے کہ جس نے اپنے باپ کو قریب کہا وہ عاق[1] ہے . پس استاد پیر کی نسبت ایسی کلام کس درجہ میں شمار ہو دیگی ہر عاقل جانتا ہے، اور مؤلف نے جو کچھ اپنے استادوں کی شان میں اس رسالہ میں لکھا ہے وہ سب لوگ ملاحظہ فرماویں قولہ ساتویں الخ اقول استاد کی تقلید کا حکم مولوی رشید احمد صاحب مدظلہ کو تو اس زور و شور سے دیا جاتا ہے گویا فرض ہے اور مؤلف خود اپنے استادوں کا معتقد مخالف کہ اتباع کیا سب و شتم ان کے عقیدہ پر کرتا ہے مگر خیر مؤلف کا تو مثل روافض کے قدیم مذہب ہے کہ کرنا کچھ اور کہنا کچھ مؤلف کو مبارک رہے مگر فرض کیا کہ شاہ عبدالغنی صاحب کی رائے مؤلف کے موافق تھی اور مجیب نے مخالفت اس مسئلہ میں اپنے استاد کی کی ، مگر مخالفت علماء کی اپنے استاد سے کسی جزئی مسئلہ میں کوئی امر جدید نہیں جو مؤلف کو محل نقصان ہو امام ابویوسف اور امام محمد امام ابو حنیفہ کی بہت جزئیات میں خلاف پر ہیں . اور آج تک یہ امر جاری ہے پھر یہاں اس قدر غیظ مؤلف کا محض سینہ کا کینہ ظاہر کرنا ہے ورنہ ان مقتدایان پر بھی اعتراض کرنا لازم والا جو وہاں تاویل کرتے ہو یہاں بھی کرنا تھا بعد اس کے سنو کہ اس وقت کی مجالس مولود میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہوتا تھا، اور نفس ذکر ولادت کو مجیب اور کوئی عالم منع نہیں کرتا ، اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح التزامی تھا ، اس پر تاکد کا گمان نہ تھا، اب جو قلوب عوام میں تاکد وجوب راسخ ہوا تو مکروہ ہو گیا گاہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اس وقت اباحت موجودہ کا خیال ہوتا ہے ، اور کمال علم کا ان مفسدہ پر دھیان نہیں ہوتا تو اس وقت جواز کا فتوی دیتے ہیں اور پھر آخر بعد اس میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت ممنوع ہو جاتا ہے پس تعامل ان لوگوں کا سبب جواز نہیں ہوتا البتہ قرون ثلثہ کا تعامل ہو جاتا ہو معہذا خود امر منصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب اس تاکد کے مکروہ ہو جاتا ہے جیسے صلوٰۃ ضحیٰ[2] کہ تداعی و اہتمام سے مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃ ضحیٰ مستحب کو حضرت ابن عمر نے بدعت فرمایا تو پس شیخ عبدالحق اور ابن حجر کی تحریر سے اس حالت موجودہ میں یہ محفل مروجہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتی گو اس وقت بھی مباح تھی اور شاہ صاحب کا بھی یہی منشاء اور مراد ہے اگر مؤلف کو فہم ہوتا تو سمجھتا، پس مخالفت شاہ صاحب کی ہرگز نہیں ہوئی ، اگرچہ مؤلف فہم سے عاری مخالفت جانتا ہے قولہ آٹھویں الخ اقول پہلے بھی گذرا اب پھر لکھتا ہوں کہ یہ عقیدہ علم غیب تو خواہ کوئی ایسے اشعار پڑھے شرک ہے

[1] نافرمان حقوق ولدیت سے محروم [2] پیروی [3] مضبوط [4] انجام کار [5] عمل کرنا [6] چاشت کی نماز .

اشعار میں مخاطب حاضر ہوں تو مولوی رشید احمد صاحبؒ اس میں فکر کرتے کہ ایسے اشعار جس میں یا رسول اللہؐ یا نبی اللہؐ خطاب حاضرانہ موجود ہو، ہمارے بزرگوں نے تصنیف کئے ہیں یا نہیں پھر ایک مرشد کا قصیدہ اور مولوی محمد قاسم صاحبؒ کا قصیدہ یاد کرکے بیشک لکھدیتے کہ ایسے اشعار جائز ہیں اس وقت ہم کو لازم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے مرشد برحق جناب حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا قصیدہ پڑھ کر سنا دیں قصیدہ ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہؐ ۔ مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہؐ کرو روشن تو مونہہ سے میری آنکھوں کو نورانی ۔ مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہؐ اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں ۔ بس اب چاہو ہنساؤ یا رلاؤ یا رسول اللہؐ ۔ پھنسا ہوں طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہؐ ۔ اگرچہ ہوں ناقابل پہ ہاں پر امید ہوں تم سے ۔ کہ پھر مدینہ میں بلاؤ --- یا رسول اللہؐ جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں ۔ بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہؐ ۔ پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو

بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہؐ

یہ قصیدہ جس وقت حاجی صاحبؒ حج کرکے ہندوستان میں تشریف لائے تھے تب اشتیاق میں فرمایا تھا چنانچہ یہ مضمون ایک مصرع کا صاف ہے ع کہ پھر مجکو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہؐ ۔ غرضکہ یہ ندائی یا رسول اللہؐ اور یہ مدد مانگنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو اس قصیدہ میں ہے یہ سب ملک ہندوستان سے خطاب و استمداد کیا گیا ہے اور مقبول بھی ہوا چنانچہ پھر حاجی صاحبؒ بلوائے گئے اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوئے اور تعریف جناب حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی محتاج بیان نہیں، مختصر بات یہ ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی جو ضلع سہارنپور میں مشہور و معروف ہیں، جناب حاجی امداد اللہ صاحب ممدوح کی اس طرح تعریف لکھتے ہیں۔ اشعار بجن مقتدائے عشق بازاں ۔ رئیس و پیشوائے جاں نگاراں ۔ امام و ماسے بازاں شیخ عالم ۔ ولی خاص صدیق معظم ۔ دستہ والا گہر امداد اللہ ۔ کہ بہر عالم است امداد اللہ ۔ یہ اشعار مولوی محمد قاسم صاحبؒ شجرہ منظومہ صابریہ میں لکھے ہیں جو قصائد قاسمی کے آخری اوراق مطبع مین الاخبار مراد آباد میں مطبوع ہوئے ہیں، بھلا یہ بات کیونکر ممکن ہو اور کس طرح خیال میں آوے کہ مولوی رشید احمد صاحب ایسے اشعار کا پڑھنا کفر قرار دیں اور خود ان کے مرشد شیخ عالم صدیق معظم عین حالت غیوبت میں خطاب حاضر یا رسول اللہؐ اور ندائی یا رسول اللہؐ شوق میں پکار کر پڑھیں اور دعا چاہیں اور ان کے پیر بھائی مولوی محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی بھی خطاب حاضر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کریں اور مدد مانگیں چنانچہ شعر ان کا قصائد قاسمی مطبوعہ مراد آباد کے صفحہ میں یہ ہے تیرے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرہ طاعت ۔ گناہ قاسم برگشتہ بخت بداطوار ۔ اور صفحہ ۸ میں ہے ع اگر جواب دیا ہے کسو نکو تو نبی، وکوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار ۔ کروڑوں جرم کے آگے یہ نام اسلام ۔ کرے گا یا نبی اللہ کیا مرے یہ پکار ۔ بہت دنوں سے تمنا ہے کیجے عرض حال ۔ اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار ۔ مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار ۔ اب دیکھئے جناب حاجی صاحبؒ اور مولوی محمد قاسم صاحبؒ یہ سب یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ رہے ہیں ان صاحبوں کو تو خطاب حاضر کرنا جائز ہو اور دوسرے

اور شوق و محبت میں جائز اور سب مسلمان صلحاء و علماء پر گمان صالح ہے مگر خلوت میں یا مجمع خواص میں ایسے اشعار اگر ہوں تو اندیشہ نہیں اور جب مجمع محافل[۱] و جہلاء و مبتدعین بد عقیدہ میں پڑھے جاویں گے تو عوام کو ان سب سخت ضرر ہوگا، لہٰذا ایسے وہ منع اور مکروہ ہوا ہے اور یہی جواب کو معلوم ہوتا ہوگا سو اس کی نظیر لانا اور استدلال میں ذکر کرنا محض کم فہمی ہے اور مؤلف صاحب پر پہلے ہرگز گمان علم حضور کا کسی کو نہ تھا، فقط بوجہ بد خرابی کے منع کیا جاتا تھا، مگر اب تو مؤلف خود کھیل کھیلا اور اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا اب کیوں گردن پھیرتا ہے شیطان کے علم کی

[۱] فاجر کی جمع

اگر اس طرح کہیں تو وہ کافر ہو جاویں یہ کیسی بے انصافی ہے۔ یہ کہاں دونوں صاحبوں کو یہ خیال کرنا کہ یہ تو حاضر نہیں جانتے اور دوسرے کو یہ گمان کرنا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جانتے ہیں اور یہ دونوں صاحب تو غلبۂ شوق میں خطاب کرتے ہیں۔ دوسرے آدمی یوں ہی بے ہودہ بکتے ہیں، یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے **نویں:۔** یہ بات کہ بہت مشایخ عظام ایسے گزرے کہ ان کو حضوری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہوئی تھی بعضوں کو ہر دم ہر گھڑی جیسا کہ ہم لمعہ رابعہ میں حال ابوالعباس مرسی وغیرہ کا لکھ چکے ہیں اور آئندہ نور چہارم میں بھی بیان کریں گے اور بعضوں کو ہر دم نہیں ہوئی گاہے گاہے حضوری ہوتی ہے۔ پس ایسے لوگ یعنی جن کو حضوری میسر ہے وہ تو بیشک حاضر ناظر جان کر خطاب کریں گے حاضر کے معنی موجود جب حضوری ہوئی تو موجود ہوئے اور جب موجود ہوئے تو ناظر بھی ہوئے ناظر کے معنی دیکھنے والا بھلا مفتی صاحب نے جو علی العموم بلا تخصیص استغفار لکھدیا کہ خطاب فخر عالم علیہ السلام کو جو حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے، یہ کیسا ستم کیا ہے۔ الاماں الاماں۔ **دسویں** بات یہ کہ اس فتویٰ کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب محفل مولد شریف میں شامل ہونا گناہ فرماتے ہیں حالاں کہ وہ بذاتِ خود شریک محفلِ میلاد ہوئے، اور نیز ان کے مشایخ طریقت، تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب ڈپٹی عبدالحق رام پوری مولوی رشید احمد صاحب کو اپنے ساتھ مکہ معظمہ لے گئے، وہاں یہ مولوی صاحب مع اپنے برادر طریقت حکیم ضیاءالدین صاحب محفل مولد شریف میں شریک ہوئے اور پیر مرشد ان کے جناب حاجی امداد اللہ صاحب ایام غدر سے مکہ معظمہ میں مقیم ہیں تو وہ بارہا محافل میلاد شریف میں شریک ہوئے اور اب بھی ہوتے ہیں لیکن اب کم اس لئے کہ شدتِ ضعف پیری سے زیادہ بیٹھنا زیادہ کھڑا ہونا موجب تکلیف ہے اس سبب سے اگر خود حاضر نہیں ہوتے تو اور مرید طالب لوگوں کو اور اپنی عوض خاص اپنے برادر زادہ حافظ احمد حسین صاحب کو ارشاد فرمادیتے ہیں تم جاؤ اور میر سید احمد صاحب پیر مولوی اسماعیل صاحب کے اور پیران پیر مولوی رشید احمد صاحب کے جب مکہ معظمہ جاتے تھے جہاں کا ناخدا سید عبدالرحمٰن حضرت مولیٰ تھا، اور معلم ان کا داؤد تھا جب جہاز ان کا قلعہ العفاریت یعنی لنکا سے کہ ایک مقام سخت تھا نکلا محفل مولد شریف ہوئی اور بعد اختتام شیرنی تقسیم ہوئی، کتاب مخزن احمدی جو مناقب سید احمد صاحب میں تصنیف ہو کر مطبع مفید عام آگرہ میں مطبوع ہوئی یہ کیفیت صفحہ ۸۵ میں مرقوم ہے اب سید احمد صاحب کے پیر مرشد

دلیل سے مؤلف نے یہ عقیدہ پیدا کیا ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم اور حاجی امداد اللہ سلمہ کے اشعار کے ذکر سے مؤلف کو کچھ امداد نہیں بلکہ لاحاصل ان کا ذکر کرتا ہے اور وجہ اس کی پہلے لکھی گئی۔ مگر مؤلف کی کم فہمی پر ہزار افسوس **قولہ** نویں الخ **اقول** ہر عاقل جانتا ہے کہ کلام غائب کو حاضر جاننے میں ہو نہ حاضر کا خطاب حاضر کا کرنے میں سو یہ کلام مؤلف کا محض سفسطہ ہے قرینہ سیاق سباق کا اور دلالۃ الحال کلام میں ضروری ہوئی ہو اگر مؤلف اصول شاشی ... بھی پڑھا ہوا ہوتا تو ایسی بات منہ سے نہ نکالتا **قولہ** دسویں الخ **اقول** یہ کہانی محض غلط ہے اور اگر ہو تو ایسے قصص قابلِ احتجاج نہیں ہوتے اور جناب حاجی صاحب کا جانا بھی غلط ہے اگر وہ تشریف لے گئے ہوں تو وہ ایسی محفل ہوگی کہ شرعاً مباح ہو خالی از منکرات مثلاً ہٰذا سید صاحب مرحوم کا قصہ بھی ایسا ہی قصہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قصہ صاحب تحفہ میں اوہام شیعہ فرماتے ہیں کہ یوم موت یا یوم ولادت کو حزن وسرور کا دن ٹھیرانا او ہام شیعہ سے ہے مؤلف صاحب ملاحظہ فرماویں اور شاہ ولی اللہ صاحب قول جمیل میں لکھتے ہیں کربلا اور وفات وغیرہ کا قصہ موسم میں بیان کرنا بھی آفات واعظین سے ہے پھر شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف یہ قصہ نسبت کرنا کسقدر بہتان ہے، حکایت کا مآل ایسا ہی ہوتا ہے کہ بے اصل خبار شہرت

لے ممنوعات سے وہم کی جمع۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دھلوی کا حال سنیئے کہ کتاب ہادی المضلین اور نور العین وغیرہ سے لکھا جاتا ہے علیٰ ہٰذا محمد خاں صاحب رئیس مراد آباد نے ان سے محرم میں بیان شہادت کرنیکا حال پوچھا تھا تو اس کا جواب بطور خلاصہ لکھتا ہوں شاہ صاحب نے جواب دیا کہ میں اس فقیر کے مکان پر سال بھر میں دو مجلسیں ہوتی ہیں، محرم کے دسویں دن یا ایک دو دن پہلے قریب ہزار آدمی کم وبیش آتے ہیں، فضائل حسنینؓ بیان کرتا ہوں بعد ختم کے پنج آیہ پڑھ کے جو کچھ پاس موجود ہوتا ہے اس پر فاتحہ کر کے تقسیم کر دیا جاتا ہے اور بارھویں تاریخ ربیع الاول کے اسیقدر آدمی ہوتے ہیں حال ولادت شریف ورضاع وحلیہ بیان کر کے جو کچھ کھانا یا شیرینی ہوتی ہے اس پر فاتحہ دیکر تقسیم کر دیجاتی ہے، انتہیٰ کلامہ، اب شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے استاد اور مرشد اور والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا حال سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں موافق تاریخ روز ولادت یعنی بارھویں ربیع الاول کو مولد شریف تھا حضرت کے آثار اور عجائب معاملات کا جو وقت ولادت شریف ظاہر ہوئی تھی بیان ہو رہا تھا میں اس میں شریک ہوا اسمیں جو دیکھا تو انوار رحمت تھی اور انوار ملائکہ تھی، یعنی وہ ملائکہ جوایسی مجالس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھے ہیں، اب شاہ ولی اللہ کے پیران پیر جو چھٹے طبقہ میں شیخ المشائخ ان کے ہیں، یعنی مولانا جلال الدین سیوطی جو مجدد ابن صدی کے تھے وہ خود فرماتے ہیں یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہٖ علیہ السلام بالاجتماع والاطعام ونحو ذٰلک یہ عبارت سیرت شامی اور روح البیان وغیرہ میں مرقوم ہے، اب جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پیر کے پیر شیخ ابن جزری مؤلف حصن حصین کا حال سنیئے وہ بھی محافل مولود شریف میں شریک ہوتے تھے اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں ان کا کلام درباب ترغیب محفل مولد شریف منقول ہے ان کا خود یہ بیان کہ وہ بادشاہ مصر کی محفل مولد شریف میں شریک ہوئے اور خوش ہوئے حالانکہ اسمیں روشنی اور خوش الحان پڑھنے والے اور زیب و زینت وغیرہ قیود جو مفتیان فتویٰ انکاری کے نزدیک ناجائز ہیں وہ سب موجود تھیں، نور اول کے لمعہ ثانیہ میں ہم حال ان کا ملا علی قاری سے نقل کر چکے ہیں بھلا یہ بات کس طرح جائز ہو کہ مولوی رشید احمد صاحب کے مشائخ طریقت جن محفلوں میں شریک ہوں ان کو یہ خود گناہ اور کفر اور بدعت قرار دیں استغفر اللہ، ہم تو ایسا گمان ان پر نہیں لیجاتے ظنوا المؤمنین خیرًا اور یہ جو کوئی نہ خواہی اس عبارت کو ان کے ذمہ لگاوے اور نشانہ اعتراض کا . . . . اس کو بتادے اس کو اختیار ہے نابری مما تعملون، لمعہ سادسہ نقل عبارت مولوی امیر باز خاں واعظ جامع مسجد سہارنپور بعد حمد والصلوٰۃ کے

جاتی ہیں اکثر وقائع شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور دیگر بزرگان کے ایسے ہی ہیں پس ایسی حکایات واہیہ قابل احتجاج اہل علم کی نہیں ہوتی نہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا روز وفات کے مولد النبی میں جانا جو کچھ لکھا ہے وہاں سے مولد سے مکان ولادت مراد ہے فیوض الحرمین کی عبارت جو شاہد ہے نہ مجلس مولود مگر سلیقہ علمی مؤلف میں مفقود اور فہم مراد معدوم جو جابالصدریا اور علیٰ ہٰذا جلال الدین نے جو اظہار شکر قراۃ قرآن وذکر ولادت واطعام طعام کو جائز فرمایا اس وقت میں کوئی محذور اس میں خلط نہ ہوا تھا نہ تشبہ کا خدشہ نہ تقیید اطلاق کا اندیشہ نہ وجوب مباح کا تردد تھا لہٰذا جائز فرمایا اب سب اباحت بکراہت متبدل ہوئی اور نوبت بہ بدعت پہنچی مجلس مروجہ بدعت ہوگئی حکم مباحات کا بتبدل زمان متبدل ہو جاتا ہے علیٰ ہٰذا جو ابن جزری سے منقول ہے اس پر حسن ظن ہی کیا جاتا ہے کوئی امر غیر مشروع اس میں نہ تھا اگر مؤلف نہ مانے اور اسراف کے درجہ کی روشنی وغیرہ کا اقرار کرتا ہو تو ابن جزری کے فعل سے ممنوع منصوص جائز نہیں ہو سکتا نہ نصوص کے مقابلہ میں کسی کا قول اعتبار والتفات کے نہیں ہوتا پس شمار اسمار علماء کا کرنا محض لاحاصل ہے قولہ لمعہ سادسہ نقل عبارت

ممنوع نے واقعہ کی جمع سے بدلجانا نے بے کار،

ہویدا ہو کہ التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیودات لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں وعلیٰ ہٰذا القیاس سوم و فاتحہ برطعام کہ قرون ثلثہ میں نہیں پائی گئی چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں، قال الطیبی فیہ من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر وھٰذا محل تذکر الذین یصرون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت ویرونہ ارجح من الحضور للجماعۃ وغیرہا پس ایسے مقامات میں العیاذ کیا عوام مومنین کو بھی شامل ہونا جائز نہیں ہے، ان امور کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں | محمد امیر باز خاں | قولہ بعد حمد والصلوٰۃ کے اقول سبحان اللہ دیکھنا آپ کی فصاحت کلام جب بعد الحمد والصلوٰۃ میں دونوں الفاظ ترکیب عربی سے معرف باللام کئے گئے اضافت عربی پیدا ہو چکی اب لفظ کے کا لانا جو ہندی میں اضافت کے لئے آتا ہے کیا ضرور تھا ایک کلام مرکب میں دونوں اضافتیں عربی و ہندی کا جمع کر دینا آپ ہی کا کمال ہے یہ تو آغاز و ابتدا ہے ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا لیکن آپ ایک اس کا جواب معقول رکھتے ہیں کیونکہ آپ جامع مسجد کے واعظ ہیں فرماویں گے کہ مسجد کے ملا کو حسن ترکیب الفاظ سے کیا علاقہ قولہ التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیودات لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں اقول ارباب تعیین کا اس عبارت سے مقصد حاصل ہوا اس لئے کہ جب بلا ان قیود کے ضلالت سے خالی نہ ہو تو مع ان سب قیود کے ضلالت سے خالی ہوگا پس چاہیئے کہ التزام اس مجلس کا مع القیود کیا کریں تاکہ ضلالت سے خالی ہووے لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپکا مطلب دل تو یہ نہیں کیا کیجئے، عبارت کا بنانا نہ آیا مشکل یہ ہے کہ اردو عبارت کے لئے بھی متانت اور مادۂ علمی چاہیئے اگر آپ کو اپنے مطلب کے موافق عبارت بنانے کی طاقت ہوتی تو لفظ بھی بعد لفظ قیود لایعنی کی اضافہ کرتے یعنی التزام اس مجلس کا بلا قیود بھی ضلالت سے خالی نہیں خطا لفظی اگرچہ گناہ شرعی نہیں ہے لیکن اسلئے نصیحت کی گئی، کہ جب ہندوستانی ہو کر اپنی زبان میں بھی صحیح تکلم کی قدرت نہیں ہوائی، تو مبادا عام آدمیوں کو اعتقاد علمیت کا بھی اٹھ جاوے یا کوئی تمسخر کرے تو یہ شان علما کے خلاف ہوگا پس یہ خطا لفظی ہم آگاہ کر دینا مبنی دین پر سمجھو اب ہم خطا معنی پر مؤاخذہ کرتے ہیں، آپ کا جو یہ مدعا دلی ہے کہ یہ مجلس بلا قیود بھی ضلالت سے خالی نہیں، اپنی برادری کا اجماع بھی آپنے توڑ دیا، آپکے سب ہم مشرب تصریح کرتے ہیں، کہ حضرت کا تذکرہ بلا قیود ۔ عبادت میں داخل ہے، آپ نے یہ قیاس کیا ہوگا، چونکہ میرا نام امیر باز ہے تو مجھکو لازم ملبند پرواز ہے وہ بات کہوں کسی نے نہ کہی ہو تو حضرت امور دنیا میں بلند پروازی اگر کرتے ہو کرو

مولوی امیر باز خاں الی قولہ اقول سبحان اللہ دیکھنا آپ کی فصاحت کلام الخ اقول مؤلف کا غایت علم سو اخذات الفاظ ہے اور محققین کے نزدیک یہ امر فضول ہے بھلا اگر متکلم اضافت کو اپنے کلام میں اعتبار نہ کرے تو کسی کو یہ جبر کرنا کہ یہاں اضافت ہو کس قدر لغو حرکت ہے مؤلف کو اپنے خطاہائے معنوی کی بھی خبر نہیں اور دل پر حرف لفظی کی وارد گیر ہے قولہ اقول۔ ارباب تعیین اس عبارت الخ اقول مؤلف دلالۃ النص اور مفہوم موافق بالتعیین کو تو ہرگز جانتا ہی نہیں کہ کیا چیز ہوتا ہے ورنہ یہ اعتراض نہ کرتا کاش شافی ہی پڑھ لیتا پہلے بھی اشارہ اس کا کیا ہے اب پھر لکھتا ہوں کس عجیب کہتا ہے کہ ہرگاہ کہ بدون قیام و روشنی و شیرینی یہ محفل جائز نہیں تو دلالۃً واضح ہوگیا کہ ان قیود کے ساتھ بطریق اولیٰ درست نہ ہوگی پس لفظ بھی کی کچھ ضرورت نہیں مگر مؤلف علم سے بہرہ نہیں کھتا تعظیم اور خطبہ بد نظمی سے اپنا فخر ظاہر کرنا اور نصیحت کا کاذب بہانہ اگر نفع منظور ہوتی تو بذریعہ خط دوستانہ خفیہ مطلع کرتا غرض مؤلف کی سب باتیں خلاف ہی خلاف ہیں قولہ اپنی برادری کا اجماع بھی الخ اقول عجیب کہ برادران ذکر مولود کو مندوب کہتے ہیں بشرطیکہ تداعی و اہتمام سے بھی خالی ہو ورنہ کراہت کے منکر ہیں مؤلف کے فہم پر افسوس ہے کہ سب

ف ذیل کرنا یہ خلل ہے نا سے نصیحت کی جمع ہے اقرار کرنے والے۔

دین میں فتنہ پردازی نہ چاہیئے، کہ اجماع کے خلاف چلنا گویا دوزخ میں جلنا ہے کما مثل مَن شذ شذ فی النار باقی رہی یہ بات اگر آپ التزام کو منع فرماویں سو ہر خیر کا التزام یعنی بطور دوام کرنا شرع میں مطلوب ہے تحقیق اس کی قریب آتی ہے قولہ چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں اقول آپ نے تین امر یعنی مجلس میلاد و فاتحات و سیوم کی برائی بیان کر کے فرمایا چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں یہ آپ نے عوام کو سخت دھوکا دیا کیوں کہ عوام یوں جانیں گے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے ان تینوں کی مذمت کی ہے حالاں کہ ملا علی قاری مورد الروی میں محفل مولود شریف کی تعریف کرتے ہیں مع تعیین بعینہ ربیع الاول اور التزام دائمی کی عبارت ان کی شروع دیباچہ میں یہ ہے مع نقل الشہر فی الاسلام لطفل ؛ وفضلت نفوق علی الشہور ؛ ربیع فی ربیع فی ربیع ؛ ونور فوق نور فوق نور ؛ اس سے فضیلت ربیع الاول کی ثابت ہوئی جس کو آپ قیودات لایعنی سمجھے ہوئے ہیں اور وہی ملا علی قاری بعد دو تین ورق کے فرماتے ہیں، لا زال اہل الاسلام یحتفلون فی کل سنۃ جدیدۃ ویعتنون بقراءۃ مولدہ الکریم ویظہر علیہم من برکات کل فضل عمیم انتہی کلامہ تلخیصا، یعنی ہمیشہ سے اہل اسلام محفلیں کرتے ہیں ہر سال اور پڑھتے ہیں مولد شریف اور ظاہر ہوتے ہیں مولد شریف کی برکات سے ان محفل والوں پر فضل عام اللہ تعالیٰ کے انتہی، دیکھو التزام دائمی ہر سال کا اور باوجود مقید بقیود ہونے مولد شریف کے پھر بھی برکات اور فضل الٰہی کا ظاہر ہونا کلام ملا علی قاری سے ثابت ہے اور شیخ محمد طاہر محدث مجمع البحار کے تکملہ اخیر میں ماہ ربیع الاول

کے کلام کو ناتمام ہی سمجھتا ہے پس مجیب شامل اپنی برادری کا ہے اور حق یہ ہے کہ شذوذ کا مضمون تو مؤلف ہی میں ہے کہ جمہور صحابہ رض و تابعین و تبع تابعین کے خلاف ہے۔ قولہ آپ نے تین امر الخ اقول ملی قاری اور طیبی کے قول میں یہ ہر سہ امور اور جملہ امور جو اس کلیہ میں درج ہیں مفہوم ہیں اور عوام و خواص سب اس کو جانتے ہیں مگر جس کے دیدہ بصیرت نہیں البتہ وہ نہیں جانتا، اب رہا مورد الروی میں علیؒ کا مدح کرنا مولود کا اگر امور مباحہ بطور اتفاقی اس محفل ممدوح میں ہیں اور اگر ذہن میں یا واقعی اس وقت عوام کو کچھ ضرر اس میں نہ تھا اور اصرار کا درجہ نہیں تھا تو یہ مدح خلاف مجیب کے نہیں اور کلیہ سے خارج ہے کیوں کہ مجیب نے التزام و دوامی کو بدعت کہا ہے اور ان قیود کو بشرط اصرار یا ضرر عوام کے بدعت لکھا ہے لہٰذا یہ قول قاری کا سند مؤلف کی نہیں ہو سکتا اور اگر حسب زعم مؤلف کے ایسا ہی تھا تو قول و فعل علی قاری کا خلاف قواعد مسلمہ شرع کے قابل تاویل نہیں البتہ یہ قول کلیہ ان کا معتبر اور موافق قواعد شرع کے ہے اور اس کا خلاف مردود ہو جاوے گا معہذا افضل ربیع الاول سے مجلس مروجہ کا اس ماہ میں ہونا کہاں سے لازم آگیا یہ فہم مجیب مؤلف کا ہو بلکہ مجلس مروجہ ربیع الاول میں اشد کراہت ہونی چاہیئے، دیگر شہور کی مجالس سے کیوں کہ زمانہ فضل میں معصیت شدید ہو جاتی ہے جیسا رمضان میں مثلاً جمعہ اور شب جمعہ افضل ہے مگر سوائے ان عبادات کے جو شارع نے اس میں مقرر کردی دوسری عبادت افضل نہیں بلکہ مکروہ ہے پس افضل ربیع الاول سے مجلس مروجہ کا اس میں کرنا کس طرح جائز ہو گیا غرض مؤلف کے فہم پر آفریں ہے اور کیا کہوں دوسری عبارت علی قاری کی بقولہ لا زال اہل الاسلام الخ میں دوام کی صورت ہے نہ التزام اصرار کو اور تاکد کو اور دوام عام ہے التزام سے اور وجود عام کا بدون وجود خاص کے ہو سکتا ہے مثلاً حیوان بدون انسان کے اس کو ہر عاقل جانتا ہے پس اس سے التزام اصرار سمجھنا ہرگز عقل کی بات نہیں پس مؤلف کے فہم پر عجب ہے اگر ایسا عربی بھی پڑھ لیتا تو یہ نہ لکھتا اور یحتفلون کے لفظ سے قیود مروجہ کا نکالنا بھی مؤلف کے ذہن کی خوبی ہے ایسے مجمع میں مولود کا پڑھنا نکلا اور سب باقی امور مؤلف اپنے ذہن ناقص سے تراش کر لاتا ہے اس عبارت میں ہرگز کچھ مذکور نہیں

یعنی بے معنی شرائط و قیود کے جملیوں سے منعقد ۔

کی تعریف لکھتے ہیں فانہ شہر امرنا باظہار الحبور فیہ حل عام یعنی ربیع الاول ایسا مہینہ ہے کہ ہم حکم کئے گئے ہیں اس بات کا کہ خوشی اور اکرام ظاہر کیا کریں اسمیں ہر برس یعنی مولد شریف سال بسال کیا کریں اس سے بھی التزام دائمی ثابت ہے قولہ قال الطیبی الی قولہ دا منکرا اقول یہ قول طیبی کا بھی مولد شریف اور سیوم اور فاتحہ وغیرہ کی بابت ہرگز نہیں بلکہ مشکوٰۃ شریف میں عبد اللہ بن مسعود صحابیؓ کا یہ قول ہے انہوں نے فرمایا نہ کرے کوئی تم میں سے اپنی نماز میں حصہ شیطان کا کہ اعتقاد کرے نماز میں یہ بھی واجب ہے کہ بعد سلام پھیر دیوے کہ نہ پھیرے مگر داہنے ہاتھ کی طرف سے اس واسطے کہ میں نے دیکھا ہے بہت دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہ سلام پھیر کر پھر جاتے تھے اپنی بائیں طرف سے پس اس قول صحابی کی شرح میں طیبی نے ایک حکم اپنی عقل سے نکالا کہ جسکو امیر باز خاں نقل فرماتے ہیں فیہ من اصر علی مندوب الی آخرہ اس کلام طیبی کے معنے یہ ہیں کہ اس صحابیؓ کے قول میں دلیل ہے اس پر جو کوئی اڑ کر بیٹھ رہا ایک امر مستحب پر اور جان لیا اس کو واجب لازم اور نہ عمل کیا رخصت پر پس تحقیق پہنچا اس کام میں شیطان پھر کیا حال ہے اس کا کہ اصرار کرے بدعت اور خلاف شرع کام پر انتہیٰ کلام طیبی، اب اہل اسلام کو فکر کرنا چاہیئے، کہ کہاں کا ذکر کہاں کی بات کیا دعویٰ کیا دلیل، اب ہم سے تحقیق اس کی سنو نماز کے بعد داہنی طرف

سبحان اللہ کیا فہم صائب ہے قولہ مجمع البحار کے صفحہ میں الخ اقول ۔ اظہار الحبور کا ترجمہ کر کے مؤلف کہتا ہے یعنی مولود سال بسال کیا کریں، شرم نہیں کرتا اظہار سرور سے مولود کس طرح نکلا شاید جیو کا یہ ترجمہ کسی خانگی لغت کی کتاب میں مؤلف نے دیکھا ہوگا ورنہ ایسے معنی لا یعنی کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا اظہار کے معنی سرور کا ظاہر کرنا ہے جس کا شارح نے امر فرمایا نہ امور غیر مشروع کا کرنا اس عبارت سے کل کو راگ ناچ بھی مؤلف نکال سکتا ہے کیونکہ وہ بھی عرف نساق میں وقت سرور کے ہوا کرتا ہے معاذ اللہ اگر کوئی مؤلف سے پوچھے کہ صاحب مجمع البحار کا یہ قول امرنا بالحبور کس نص سے ثابت ہے اور کون سی نص سے امر حبور کا ہے تو مؤلف کو اس کا اثبات بھی مشکل پڑ جاوے گا یہ دوسری کم فہمی مؤلف کی سنو کہ لفظ کل عام سے دوام ثابت ہوا نہ التزام اصرار تو خوش ہو کر مؤلف کا کہنا اس سے بھی التزام دائمی ثابت ہے محض کم فہمی ہے،

مولوی امیر باز خاں کے جواب کے رد کا رد | قولہ قال الطیبی الی قولہ او منکرا اقول یہ قول طیبی کا بھی مولود شریف الخ اقول یہ کمال نادانی مؤلف کی ہے اسی واسطے کہ قرآن و حدیث و قول صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی ہو فقہا کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے صدہا مسائل جزئیہ جملہ ابواب فقہ کے ثابت کرتے ہیں اسکا ہی نام تفقہ ہے، سب ادنیٰ اعلیٰ اہل علم اس کو جانتے ہیں تمام بخاری وغیرہ کتب کے ابواب اس کے شاہد ہیں ایسا ہی طیبی نے اس قول حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے کلیہ پیدا کیا اور پھر وہ کلیہ سب ابواب میں مفید حکم ہوا عبادات و معاملات میں اور خلاصہ کلیہ کا یہ ہے کہ حکم شارع کا اپنا محل و مورد پر قصر کرے اس کے درجہ سے تعدی نہ کرے اگر کرے گا تو تغیر حکم شرعی کا ہو جاوے گا اور تغیر حکم شرعی کو ہی بدعت کہتے ہیں پس مؤلف کا فہم عالی کہ یہ کلیہ صلوٰۃ کا ہے کہاں مولود اور کہاں صلوٰۃ سبحان اللہ ایسے فہم پر تحریر کتاب ہے یہ نہیں جانتا کہ تعدی حد اللہ اور تغیر حکم شرع اس سے ثابت ہوا اور تعدی تبدیل الحکم سب جگہ بدعت ہے اور طرفہ یہ ہے کہ خود ہی تعدی کو اور تغیر کو ثابت بھی کرتا ہے کہ بدعت ہے مؤلف کی نہایت عجب العجاب عقل ہے قولہ اب ہم سے تحقیق اس کی سنو الخ اقول مؤلف اس تحریر میں صاف اقرار کرتا ہے کہ داہنی طرف پھرنا سنت ہے اگر اس کو کوئی واجب اعتقاد کرے گا تو حکم شرعی بدلے گا یہ پہلی بات مؤلف کی ہے اور دوسری یہ کہ بائیں طرف پھرنا بھی سنت ہے تو دہنی کو تعین کرنے میں کراہت جانب چپ کی لازم ہو وے گی تو سنت کراہت سے مبدل ہوئی یہ تبدیل حکم شرع کی ہوئی بہر حال تبدیل حکم شرع کی بدعت ہو گئی تو طیبی نے یہ قاعدہ نکال لیا کہ کسی حکم شرع کو تبدیل نہ کرنا چاہیئے، خواہ وہ حکم کسی باب فقہ

ملہ گھر بلو ۲ ناسمجھوں کی اصطلاح ۳ فقہ دانی ۴ تجاوز ۵ بہت زیادہ قابل تعجب ۶ بائیں جانب

پھر جانے سے جو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا اس میں دو باتیں خلافِ شرع تھیں، ایک تو یہ کہ داہنی طرف سے پھرنا سنت ہے اگر اس کو کوئی واجب اعتقاد کرے گا تو ظاہر ہے کہ بدل دے گا حکم شرع کو دیکھو تمہارے عالم مسلم الثبوت مولوی قطب الدین خاں صاحب اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں، سنت میں اعتقاد واجب ہونے کا نہ کرے انتہیٰ کلامہ، دوسرے یہ کہ جب عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں نے بہت دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف سے پھر جانا بھی سنت ہے حالاں کہ جو شخص داہنی طرف سے پھر جانا واجب اعتقاد کرے گا اس کے نزدیک بائیں طرف سے پھرنا موافق قانون شرع کے مکروہ تحریمی ٹھیرے گا کیوں کہ واجب کا ترک عمداً مکروہ تحریمہ ہوتا ہے پس اس کے اعتقاد کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یعنی بائیں طرف سے پھرنا جو کہ سنت تھا وہ مکروہ تحریمہ ٹھیرتا تھا، ان دو قباحتوں پر صحابی موصوف نے منع فرمایا تھا کہ تم ایسے اعتقاد کرکے شیطان کا حصہ مت کرو اپنے دین میں پیدا مت کرو ایسی تحقیق پر طیبی نے کلام صحابی سے یہ بات عقل سے پیدا کی کہ جب مستحب کام کو واجب اعتقاد کرنے سے شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے تو بدعت اور خلاف شرع کو واجب مؤکد جاننے اور اس پر دوامی عمل کرنے سے کیوں شیطان کا دخل ہوگا پس طیبی نے بدعت اور خلافِ شرع امر کے واجب جان کر عمل کرنے پر انکار کیا ہے یہ تو نہیں لکھا کہ مولود شریف اور فاتحہ بدعت ہے اور خلافِ شرع ہے تم نے اس کو آپ ہی آپ خیالی پلاؤ پکا کر بدعت اور خلافِ شرع تجویز کرلیا پھر اس کو طیبی کے کلام میں درج کرلیا، اللہ تعالیٰ ایسے مغالطات سے پناہ دے اب بگوش ہوش سننا چاہیئے کہ جو التزام امر مستحب کو کلام طیبی سے ضلالت میں داخل کرتے ہو یہ امر بالکل لغو و خلافِ حق ہے ہم خاص خیر القرون کے لوگوں میں اور نیز مابعد ان کے محدثین فقہا و مشایخ اولیاء میں بہت امور مستحب اور مستحسن پر التزام ثابت کریں گے لیکن اس کی قصص نگاری میں طول ہے اس لئے ہم فقط رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد پر ختم کرتے ہیں بخاری اور مسلم میں حدیث متفق علیہ ہے

ہو عبادات عادات اخلاق و معاملات کوئی ہو اب نہایت تعجب ہے کہ مؤلف خود یہ کہہ رہا ہے اور پھر کہتا ہے کہ طیبی نے یہ تو نہیں کہا کہ مولود فاتحہ بدعت ہے اور خلافِ شرع ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ارے کور فہم جب اس نے تغیر حکم شرع کو بالکل بدعت کہہ دیا تو فاتحہ مروجہ جو ایک ہیئت کا ضرور جانتا ہے مباح سنت یا واجب ہی تو جانتا ہے اور علی ہذا مولود کی ہیئت جو مکروہ ہے یا بدعت موجب ثواب اور مستحب جاننا خود تغیر حکم شرع کا اس میں بھی موجود ہے پھر خاص نام مولود اور فاتحہ کا اس میں لینا کیا حاجت ہوئی، اور کلیہ میں کسی جزئیہ کا نام کہیں ہوتا ہے جو یہاں نہ ہوا کس قدر بلادت ہے۔ العظمۃ للہ! لسان کلی پر حکم صلوٰۃ و صوم وغیرہما کا ہے۔ عبدالسمیع کا نام آپ کہاں ہے کہ کو انکار از بعضہ عادات کردیا کہ میرا نام اس میں کہاں ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، سچ ہے ایسی مغالطات سے حق تعالیٰ پناہ دیوے اسمیں تو تمام دین ہی برہم ہو جاوے گا۔ الحاصل کیا عجب معاملہ ہے کہ خود مؤلف تغیر حکم شرع کو ثابت کر رہا ہے اور آپ ہی اس قاعدہ کو بلا وجہ باب صلوٰۃ میں منحصر کرتا ہے اور تغیر حکم شرع کی نفی میں بحث کر رہا ہے سبحان اللہ دعویٰ اور دلیل اور تقریر مؤلف کی عجائب خانہ میں پیش کرنے کے قابل ہے قولہ اب بگوش ہوش الخ اقول مؤلف کو تو کچھ خبر ہی نہیں کیا کہتا ہوں اس سب اس کی | و التزام بدعت ہے اور کون جائز و مستحب ہے | دوسرے استحباب کا دوام نکلتا ہے اور پہلے معلوم ہو چکا کہ دوام اور التزام اصرار میں فرق ہے جو بدعت ہے وہ التزام بمعنی اصرار ہے اور جو مستحب ہے وہ دوام بلا التزام ہے مگر مؤلف نے ایک مقدمہ اپنے ذہن سے تراش لیا کہ التزام بحوث عنہ اور دوام دونوں ایک شے ہیں پس دلیل کو مدعی سمجھ لیا پھر گوش ہوش سے سنئے کہ التزام جس کو بدعت کہتے ہیں وہ ہے کہ مباح یا مستحب کو واجب یا سنت مؤکدہ اعتقاد کرکے

ے و متصل رسالہ کم فہمی کے موضوع بحث ہ

کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احب الاعمال الی اللہ ادومها یعنی اللہ کو وہی عمل سب سے پیارا ہے جو سدا کو ہووے اور کبھی چھوٹنے نہیں تبہائے نواب قطب الدین خاں صاحب اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سبب اس حدیث کے برا جانتے ہیں اہل تصوف ترک اوراد کو جیساکہ برا جانتے ہیں ترک فرائض کو اور ظاہر تر یہ ہے کہ یہ ترک اولیٰ ہو الی آخرہ۔ اب دلیل کا تفاوت دیکھو کہ تم کلام طیبی سے التزام امر مستحب کو ضلالت ثابت کرتے ہو اور ہم مداومت اور التزام کو محبوب عند اللہ و عند الرسول ہونا خود صحیح حدیث رسول سے ثابت کرتے ہیں

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور کاش تم غور سے دیکھو تو معلوم کرو کہ طیبی کا کلام خلاف حدیث نہیں کیونکہ طیبی کی مراد یہ ہے کہ اس امر مستحب کو واجب من عند اللہ اعتقاد کرکے التزام کرے تو وہ باطل ہے اور اس بات پر یہ دلیل نہایت قوی ہے کہ جس قول صحابی سے طیبی نے استنباط کیا ہے اس قول میں خود شارحین وجوب اعتقاد مراد لیتے ہیں بنا بر علیہ واجب ہے کہ کلام طیبی میں بھی وجوب اعتقاد مراد لیں یعنی جو کوئی مستحب کو واجب اعتقاد کرکے مداومت مثل واجب کرے گا وہ ضلالت ہے اور جبکہ اس فعل کو واجب نہیں بلکہ ایک امر حسن اور مستحب سمجھ کر مداومت کرے تو وہ نہایت محمود اور مقبول ہے، کما فی الحدیث۔ اس بنا پر سمجھ لو جو لوگ محفل میلاد شریف یا ایصال ثواب رسانی کو فرض واجب اعتقاد نہ کریں بلکہ ایک امر خیر سمجھکر تمام عمر کرتے رہیں اور کبھی نہ چھوڑیں شریعت میں وہ اور ان کا کام محمود اور محبوب عند اللہ ہو گا رسول نے سچے نے فرمادیا احب الاعمال الی اللہ ادومها بلکہ اگر چھوڑ دیں گے تو وہ محل عتاب ہوں گے کہ تارک الورد ملعون یعنی جس نے ایک امر خیر اپنا ورد کیا پھر وہ اس کو چھوڑ دے تو وہ ملعون یعنی اللہ کی رحمت سے بعید ہوتا ہے قولہ ھذا المحل تذکرۃ الذین الی آخرہم اقول۔ اسکو آپ نے ظاہر نہ فرمایا کس کا کلام ہے طیبی کا کلام تو علیٰ بدعۃ اور منکر پر تمام ہو چکا جیساکہ مولوی اسحاق صاحب نے اس

یا مثل مؤکدات[1] کے عملدرآمد کرے اور دلیل اس معاملہ کی یہ ہے کہ تارک پر اس کی مثل تارک واجب کے ملامت و شناعت ہو چنانچہ اب ترک مولود فاتحہ پر مشہور ہے اور اہتمام اس کے فعل کا واجبات جیسا ہو چنانچہ ظاہر و موجود ہے بعد اس کے جو طیبی کے قول کو مؤلف حدیث سے موافق کرتا ہے وہ خود لغو کلام ہو گئی اپنے فہم پر گفتگو کرتا ہے اور بس مگر یہاں مؤلف نے اقرار کر لیا کہ مؤلف کو واجب اعتقاد کرکے مداومت[2] کرے گا تو ضلالت ہے، اور یہی مدعا طیبی کا تھا، مگر مؤلف مطلب نہیں سمجھا، دھوکے میں بول اٹھا ہے واجب جیسا معاملہ کرنا بھی واجب جاننا ہی ہوتا ہے

تارک الورد ملعون و صاحب الورد ملعون | قولہ اگر چھوڑ دیں گے تو محل عتاب ہوں گے، الخ اقول دمعلوم کہ تارک الورد ملعون کونسی حدیث اور کس کتاب کی حدیث ہے معاذ اللہ مؤلف کے استدلالات کس قدر پُر زور و بے معنی ہیں یہ اہل تصوف کا مقولہ صاحب الورد ملعون و تارک الورد ملعون اور اسکے معنے مصطلحہ ان کے ہیں کاش کے بیان میں طول اور کلام خارج بحث ہے مؤلف اس کو استدلال میں ذکر کرکے اپنا جہل ثابت کرتا ہے بھلا کہیں شرع میں وارد ہوا ہے کہ تارک مستحب کا ملعون ہو استغفر اللہ مؤلف کو کچھ آگے پیچھے کی خبر نہیں رہی اب تمام دنیا کو ملعون بنایا اور ترک مستحب کو حرام ٹھیرایا کیونکہ لعنت حرام کام پر ہی ہوتی ہے تبدیل حکم شرعی کا کرکے خود مبدلین[3] میں داخل ہوا اپنی تبدیل حکم کو حرام ثابت کیا ہے پھر جس کا انکار تھا، اس کا اول اثبات کیا اور پھر اس کو اپنا ہی عقیدہ بنالیا، الٰہی توبہ یہ ہذیان کہیں کسی سے نہ سنا ہوگا مگر ہاں اس قول کا دوسرا فقرہ کہ صاحب الورد ملعون جو ہے اس کے سبب فعل مستحسن کرنے والوں کو اور فعل مولود کرنے والوں کو بھی مؤلف محل عتاب بنا دے تو شایاں اس کے علم و عقل کے ہے معاذ اللہ تعالیٰ کیسی کج فہمی ہے قولہ اقول اس کو ظاہر نہ فرمایا الخ اقول یہ فقرہ خواہ کسی کا ہو مطلب بعینہٖ تو علیٰ بدعۃ او منکر تک کی عبارت سے واضح ہو لیا تھا کیونکہ انکار طیبی

[1] امور تاکیدی [2] ہمیشگی [3] تبدیل کرنے والے

قدر عبارت طیبی کی لکھ کر کے لکھدیا ہو انتہی، اور ان کے شاگرد مولوی قطب الدین خاں صاحب نے بھی ترجمہ مشکوٰۃ میں اسی قدر بیان کیا ہے اب یہ قول جو چلا کہ هذا المحل تتحت الذين يصرون الى آخره خود معلوم نہ ہوا کس کا ہو بہر کیف یہ قول اگر آپکا ضمیمہ الحاقی ہے یا کلام قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے یا طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا ہم کو کچھ مضر نہیں اس لئے کہ وہ انکار فرماتے ہیں ان لوگوں پر جو سیوم کے کرنیکو جمعہ اور عیدین اور فرائض پنجگانہ کی جماعت میں حاضر ہونے سے زیادہ تر ہو کر اعتقاد کریں چنانچہ ان کی یہ عبارت آپ ہی نقل فرماتے ہیں یرونہ ادجح من الحضور للجماعۃ افسوس عبارت نقل کریں اور معنی نہ سمجھیں اور حضرت اسمیں کسکو کلام ہے کہ ایک امر خیر اور کار ثواب ہو کہ مستحب ہو جو کوئی اس کو واجب یا واجب سے بھی زیادہ اعتقاد کرے گا، لابد اس کے حق میں منع کیا جاوے گا کیونکہ اس نے قاعدۂ دین بدل دیا کہ مستحب کو واجب اعتقاد کر لیا لیکن یہ بات تو اس عبارت منقولہ جناب سے سمجھی گئی کہ جو لوگ اس اجتماع سیوم کو جماعت کی نماز پڑھنے سے زیادہ تر موجب اجر نہیں سمجھتے وہ اس قاعدۂ منع میں داخل نہیں ہیں پھر کیوں آپ حکم مناہی کا علی العموم دیتے ہیں قولہ پس ایسے مقامات میں اتقیا تو کیا عوام مومنین کو بھی شامل ہونا جائز نہیں الی آخرہ اقول فاسق آدمی اور مبتدع لوگوں پر کتب فقہ و عقائد میں اطلاق لفظ مومن کا آیا ہے کافر ان کو کوئی نہیں کہتے پس وہ سب اگرچہ متبع سنت اور متقی نہ ہوں لیکن عوام مومنین میں عند الشرع داخل ہیں، جب ان عوام مومنین کو بھی مجلس مدح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور محفل قرآن خوانی لا الہ الا اللہ پڑھنے میں شامل ہونا جائز نہ ہوا۔ تو شاید مولوی صاحب کے نزدیک یہ باتیں کفار کو جائز ہونگی جس طرح مولوی رشید احمد صاحب کے فتوے میں لکھا ہوا ہو کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہیں سبحان اللہ شرع مطہر تسنے نئے ہیں مسلمان نئے نئے، اور اسی طرح مسئلہ سماع میں بھی فتوی انکاری کے ص۸۵ میں آپنے (یعنی مولوی امیر باز خاں صاحب) بلند پردازی باقتضائے آسمی فرمائی ہے آپ مکتوبات مجدد الف ثانی سے سند لاتے ہیں حکی عن ابی نصر الدبوسی عن القاضی ظہیر الدین الخوارزمی من سمع الغناء من المغنی وغیرہ او یری فعلاً من الحرام فیحسن ذلک باعتقاد او بغیر اعتقاد یصیر مرتداً فی الحال، الی آخرہ اب دیکھئے اس روایت میں چار تعمیم ہیں، ایک تو جملہ من سمع الغناء میں لفظ من عام ہے یعنی جس کسی نے سنا غناء واضح ہو کہ فارسی میں سرود اور عربی میں غناء اور سماع ایک معنی میں مستعمل ہیں اس اعتبار سے کہ گانیوالے کی منہ سے نکلتی ہے اس کو غناء کہتے ہیں اور چونکہ سنتے ہیں اس کو سننے والا اس اعتبار سے اس کو سماع کہتے ہیں خلاصہ یہ کہ وہ غناء خواہ دنیادار مبتلائے نفس و ہوا بطریق لہو و لعب سنے، یا کوئی اہل غلبہ سکر و ہیجان عشق الٰہی میں سنے آپ کی اس روایت میں دونوں کا حکم ایک ہی ناجائز اور حرام کچھ فرق نہیں حالاں کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں و فقیہ شامی نے شرح در مختار میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں اور شرح سفر السعادۃ میں اور ملا جیون نے تفسیر احمدی میں فرق بیان کیا ہے بطریق لہو ممنوع اور اہل دل کے حق میں سکوت اور قاضی صدر الدین رشید تبریزی نے دستور القضات فتاوی فقہ حنفی میں جسے مولوی اسحاق صاحب بھی اپنی تصنیفات میں سند پکڑتے ہیں سماع کے حق میں یہ لکھا ہے، ولا تنکرونہ فان لہ اربابا والسماع لا یصح

مرر کا ان لوگو پر ہے کہ ان رسوم کو مثل جمعہ اور جماعت و عیدین کے اہتمام و ملامت طلب بتاتے ہیں اور وہ لوگ جملہ عوام اور مؤلف کے ہمدم خواص میں باقی غلط بہانے خلاف بیانی ہے اور لفظ لفظ کا جواب دینا کیا ضرور ہو مطلب واضح ہو چکا کم فہمی مؤلف کی روشن ہو ہر گاہ کہ تارک و بد ملعون عقیدہ مؤلف کا ہے تو واجب ہونے میں کیا کوتاہی رہی مگر مؤلف کو حواس نہیں فقط قولہ اقول فاسق آدمی و مبتدع اقول مؤلف کے فہم پر صد آفریں عجیب ہے جو ان مواقع میں حاضر ہونے کو منع کیا ہے تو بوجہ حضور فساق و بدعات کے منع کیا ہے

ے یعنی ان ممنوعات سے مسی کہ بدعت کی جمع،

الا لمن هان تلہ جیادنفسہٗ ومیتًا دوسری تغیم لفظ غنا کی ہو قاموس میں لکھا ہے الغناء ککساء من الصوت ماطرب بہ اور منتخب میں غنا کے معنیٰ سرود لکھے ہیں اور برہان قاطع میں سرود کے معنیٰ لکھے ہیں خواندگی وگویندگی مرغان وآدمیان اور مجمع البحار میں ہر رفع صوت ورفع نغمہٗ وعند العرب غرضیکہ محاورہ عرب میں معنیٰ لفظ غنا ر میں مزامیر کا ہونا داخل نہیں البتہ اشعار جائزہ ہوں یا فاحشہ سب کو غنا ر کہتے ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے الغناء کما یطلق علی المعروف ویطلق علی غیرہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یتغن بالقرآن لیس منا پس حدیث شریف میں لفظ غنا ر کا قرآن شریف کی نسبت بھی واقع ہے اور اشعار مدح وحکمت ونعت وحمد کو جو شخص خوش آوازی سے پڑھے اس کو بھی فقہا غنا ر کہتے ہیں اور اس غنا ر کو جائز لکھتے ہیں آپ کی روایت میں غنا ر عام ہے اور کل نا جائز اور اس کو اچھا سمجھنے والا مرتد نعوذ باللہ منہا تیسری تعمیم من المغنی وغیرہ یعنی خواہ مغنی ہو سنے جو قواعد موسیقی کے موافق تطریب وتمطیط وتشویق سے گاتا ہے یا غیر مغنی سے سنے جسکو کچھ بھی قاعدہ معلوم نہیں جس طرح دو لڑکیاں حضرت عائشہؓ کے پاس گانا گاتی تھیں بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے لیستا مغنیتین یعنی وہ دونوں لڑکیاں قواعد گانیکے بطور موسیقی کے جاننے والیاں نہ تھیں ، اب آپ کی روایت کی تعمیم نعوذ باللہ منہا دیکھئے کہاں کہاں تک جائے گی جو تھی تعمیم فیحسن ذالک باعتقاد وبغیر اعتقاد یعنی اس غنا ر کو اور حرام کام کو اچھا کہے اعتقاد سے یا بغیر اعتقاد مرتد ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہا انتہیٰ ، ان چاروں تعمیمات کی جمیع شقوق کو تشریح کرنے سے دنیا میں کوئی شخص مرتد ہونے سے نہیں بچے گا مگر وہ شخص جو قرآن کو بھی صوت حسن اور لہجۂ پاکیزہ سے سنکر اپنی زبان کو دبائے رکھے یہ منہ سے نہ نکالے کہ اچھا پڑھا کیونکہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کو بھی حدیث اور فقہ میں غنا فرمایا ہے کمافی البخاری وخزانۃ الروایات وغیرہا اور آپ کی روایت منقولہ میں ہے جو کوئی غنا کو سن کر اچھا کہدے وہ مرتد ہو جاتا ہے افسوس صد افسوس کہ واعظ بن گئے مفتی بن گئے شروط افتاء کی خبر بھی نہیں کہ فتوی کتب فتاوی سے لکھا کرتے ہیں یا مکتوبات سے اور پھر یہ بات کہ فتاوی میں بھی اقوال متعارضہ ہیں ان میں سے وہ قول جن کا ماخذ صحیح اور قواعد اصول کے مطابق ہو اس کو اختیار کرتے ہیں دوسرے کو نہیں اور جس قول کے اختیار کرنے میں ایک جہان کی تفسیق وتذلیل یا کسی مرد مسلمان کی تکفیر لازم آوے اس سے احتراز کیا کرتے ہیں اور اس پر بھی نظر کیا کرتے ہیں کہ یہ حرام لعینہٖ ہے یا لغیرہ اور حرام لغیرہ کو حلال کہنے والا کافر نہیں ہوا کرتا یہ مسئلہ فتاوی عالمگیری وغیرہ میں مصرح ہے اور آپنے جو روایت نقل کی تو کیا نقل کی حکی عن ابی نصر الدبوسی لفظ حکی خود مانی مجہول ہے اس کا حکایت کرنیوالا معلوم نہیں پھر ایسی مجہول روایتوں کو مقام افتاء میں لینا کس قدر رسم المفتی سے جہالت ہے اب التماس یہ ہے کہ جس طرح آپ اس روایت کو فتوی انکاری میں اس عزیب پر رواں کر چکے اور یہ لکھا ہے کہ اس کے ایمان ہی میں خلل ہے پھر نماز اس کے پیچھے کیسے جائز ہوگی ، اب اسی طرح صاحب مکتوبات مجددیہ پر بھی اس روایت مکتوبات مجددیہ کو متوجہ فرمایئے ، اور ان کا ایمان اپنے فہم ردی کے موافق خلل سے سنبھالیئے جلد اول مکتوب دوسو بست وہشتاد وپنجم میں لکھتے ہیں ، سماع ووجد جماعہ را نافع است کہ بتقلیب احوال متصف اند پھر سات سطر کے بعد لکھتے ہیں ، قسمی از منتہیان اند کہ سماع با وجود استمرار وقت ایشاں را نیز نافع است پھر انیس سطر کے بعد لکھتے ، باوجود بردید میل عروج دارند دریں صورت سماع ایشاں را سود مند است حرارت عشق ہر زماں بمدد سماع ایشاں را عروج بمنازل قریب میسر میشود الی آخرہ

که کوئی مومن نہ جاوے کسی کو جانا درست نہیں نہ بوجہ ذکر فخر عالم اور کلمہ طیبہ اور قرآن کے سبحان اللہ حق تعالیٰ نے فرمایا فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین الآیۃ ۔ جہاں کوئی منکر ہو اگرچہ مخلوط بذکر مستحب ہو وہاں جانا منع ہے اور قاعدہ مقررہ فقہ کا ہے اذا جتمع الحلال والحرام

لہ موسیقی کے اصول وقواعد ۔ کہ فاسق اور گمراہ بنانا ۔ سہ یعنی وہاں پر امر مستحب اور امر ممنوع دونوں کا اختلاط ہو رہا ہو

اچھا کہنا سماع و غنا کا کیا ہوگا کہ اس سے عروج منازل قرب الٰہی ثابت کرتے ہیں اور اگر یہ کہو کہ یہاں حضرت مجدد تعریف
دوسری جگہ برائی سماع کی لکھتے ہیں تو اعتقاد ان کا برائی پر ہے نہ تحسین پر جواب اس کا یہ ہے کہ دوسری جگہ برا کہنا ہرگز نفع نہ
ہم ان سے نقل کر چکے کہ جو آدمی اچھا کہے سماع غنا کو اعتقاد سے یا بغیر اعتقاد فوراً مرتد ہو جاتا ہے افسوس ہے کہ اس وقت کے
محفل سماع کو اچھا کہا اس معنی کر کہ وہ اہل تصوف سے ہے حرارت آواز نغمات سے اس کی روح ایمانی کو ترقی ہو کر اس
روح انسانی متاثر ہوتی ہے اس پر آپ حکم مرتد ہونیکا لگا دیں اور اس کے ایمان میں خلل بتا دیں اور مجدد صاحب بھی
نفع ہونا سماع کا اور عروج منازل قرب الٰہی حاصل ہونا بیان کیا ان کو آپ لکھتے ہیں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور ترجمہ ان
لکھتے ہیں۔ انتہیٰ ترجمہ کلام امام ربانی یہ کیا بے انصافی ہے ایک تو تعریف سماع کر کے مرتد ہو گیا ایک امام ربانی علیہ الرحمۃ
کو چھوڑ کر اب اپنے مجتہد مولوی اسماعیل صاحب کا بیان سنیے صراط مستقیم میں جو محرکات عشق الٰہی کو بیان فرماتے
جملہ موکدات آن استماع الحان خوش آواز دلکش و قصص شوق آمیز اشعار عشق انگیز است۔ اب دیکھیے معنی غنا کے
لکھ چکے پھر اشعار عشق انگیز کو جب اصوات دلکش اور الحان خوش میں پڑھیں گے یہ سننا ہو گیا مولوی اسمٰعیل
اپنے پیر سید احمد کے اس غنا کو موکدات عشق الٰہی میں شمار کرتے ہیں یہ غنا کی تعریف ہو گئی پھر ان آوازوں کو خوش
یہ بھی تعریف ہے اب مولوی اسماعیل صاحب کہیں دوسری جگہ برائی سماع و غنا کی لکھ دیں تو مفید نہ ہوگی یہاں تو تعریف
کی روایت فیحسن ذلک باعتقاد و بغیر اعتقاد بالضرور ان پر چلجا دے گی اب مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ
علیہ کے کلام کو ملاحظہ کیجیے کہ وہ سماع اور غنا کو درست فرماتے ہیں وسیلۃ النجات یعنی دس سوالات مسئولہ شاہ بخارا کے
جواب سوال ثامن آنکہ تداعی التشریح والیوم والسماع فی اوقات السرور تاکید للسرور مباح ان کان ذلک السرور حقا
فی العرس وفی وقت مجی الغائب ووقت الولیمۃ والعقیقۃ وعند الولادۃ والختانۃ وحفظ القرآن انتہیٰ کلام شاہ
جواز سماع و غنا صاف ظاہر ہے اب فقہاء رحمہم اللہ کی خبر لو در مختار کی کتاب الشہادہ میں مسئلہ غنا اس طرح لکھا
مطلقا ومنہم من کرہ مطلقا یعنی علماء اہل سنت میں بعضوں نے غنا کو مباح رکھا مطلقا اور بعضوں نے مکروہ
میں کہ وہ علامہ عینی کا قول در مختار میں اباحت کے لئے منقول ہے کیا وہ مرتد تھے نعوذ باللہ منہا اور مجدد الدین صاحب قاموس
میں لکھا ہے در باب ذم سماع حدیث صحیح وارد نشدہ۔ انتہیٰ۔ اب ان فقہاء کرام کو کیا کہو گے دستور القضات میں ہے من انکر
سبعین صدیقا اور صاحب قاموس بالکل سماع کی مذمت یعنی کراہت تک ثابت نہیں کرتا اور ابو محمد بن حزم متاخر
فاضل محدث گذرا ہے وہ صاحب قاموس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ مزامیر تک کو اس نے مباح اور جائز قرار دیا پھر بھی
کو مرتد اور کافر نہیں کہتے امام نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں اس قدر اس کو لکھا ہے حبیب ابو محمد ابن حزم
سطر کے بعد لکھا وھذا اخطاء من ابن حزم یعنی ابو محمد لکھتا ہے جو مزامیر ملاہی کو علی الاعلان مباح کہتا ہے یہ اس کی رائے

دعوت مسنونہ کا حضور منکر کے سبب کتب میں لکھا ہے پہلے اس کا حال لکھا گیا بس اب مؤلف اعتراض حق تعالیٰ
سب فقہاء پر کرے کہ جب مسلمان ضیافت مسنونہ میں نہ جاویں تو کیا کافر جا کر سنت ادا کریں گے معاذ اللہ

صواب نہیں یہ خطا ہوئی ابن حزم سے پس اس کی خطا کو تو قائل ہوئے لیکن اس کو کافر مرتد فاسق فاجر لکھا پہلے صلحا تو اس قدر زبان کو سنبھالیں تم ایسے بیساختہ لوگوں کو ایمان کی گھاس کی طرح کاٹتے چلے جاتے ہو بیشک سچ فرمایا ہمارے نبی کریم مخبر صادق و مصدوق نے علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں علم سینہ علماء دین سے نہ کھینچے گا بلکہ علما کاملین حق شناس مر جائینگے تب آدمی اپنا سردار جاہلوں کو بنالیں گے ان سے مسئلہ پوچھیں گے فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا یعنی وہ جاہل مفتی فتویٰ دیں گے بغیر علم اور بغیر دریافت کئے پس خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کرینگے۔ روایت کی یہ مسلم اور بخاری نے اے بھائی اگر مفتی بننا چاہتے ہو تو شرطیں افتار کی پیدا کرو رسم المفتی سے آگاہ ہو اور احکام کے ماخذ پہچانو اور خدا کا خوف دل میں رکھو یہ نہیں کہ خلقت کو مرتد بناؤ اور آپ بڑے مصلح بن بیٹھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقٰی اور اسی طرح آپ حقہ کے مسئلہ میں حقہ کی برائی کرنے کے لئے معنی قرآن کے ایجاد کرکے خود مستحق عذاب ہو گئے کیونکہ آپ رسالہ انکار القلیان مطبوعہ ہاشمی کے صفحہ ۲ میں لکھتے ہیں یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناس یعنی لاویگا آسمان دھواں ظاہر ہے کہ آسمان سے مینہ برسے گا اور اس سے ایک درخت پیدا ہوگا کہ وہ لوگوں کو حاوی ہوگا یعنی بہت سے لوگ حقہ نوشی کے وقت میں اس کو اندر کھینچیں گے فرمایا ھٰذا عذاب الیم یہ عذاب درد دینے والا ہے کہ مزہ اس کا کڑوا ہے اور آخرت میں باعث ماخوذگی کا ہے الی آخرہ اب خیال کرنا چاہیئے کہ اس وقت ہماری نظر میں تفسیر کبیر اور کشاف روح البیان وغیرہ چند تفسیریں پہلی اور پچھلی ہیں کسی نے یہ معنی نہیں لکھے بلکہ مفسر دو طرف گئے ہیں، بعض کہتے ہیں قرب قیامت میں ایک دھواں آوے گا، وہ تمام دنیا میں بھر جاوے گا اور چالیس روز رہے گا یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن کا ہے اور ابن عباس کا قول مشہور یہی ہے اور بعضے اس طرف گئے ہیں کہ جب قریش تکذیب کرنے لگے تب ان پر آں حضرت صلعم نے دعا فرمائی تب یہ دخان نظر آیا یعنی قحط سالی شدید طاری ہوئی اور کافروں نے مردار اور کھال اور ہڈیاں اور بال اور چیتھڑ اور بکریوں کے اور خون وغیرہ کھایا تب زمین و آسمان کے بیچ میں ان کی آنکھوں کے آگے دھواں نظر آتا تھا یہ قول ابن مسعودؓ اور مقاتل اور مجاہد وغیرہ کا ہے جس کا جی چاہے تفسیریں زبان عربی و فارسی و ہندی اردو کی نکال کر دیکھے کسی نے حقہ مراد نہیں لیا پھر اس شخص نے جو معنی قرآن کے بگاڑ دیئے تو کچھ کسی کا نقصان نہیں کیا اپنا ہی ٹھکانہ دوزخ میں کیا حدیث میں ہے کہ من قال فی القرآن برایہ فلیتبوء مقعدہ من النار جو کوئی قرآن میں اپنی رائے سے معنی نکالے اس کو چاہیئے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں کرے بھلا یہ صاحب خدا کا خوف تو کیا کرتے خدا سے بڑے دیندار ڈرا کرتے ہیں انھوں نے آدمیوں کی شرم بھی نہ کی کہ کوئی مجھکو کیا کہے گا کہ آیت میں ھٰذا عذاب الیم کا یہ ترجمہ لکھا ہے کہ مزہ اس کا کڑوا ہے اے باشعور بہتیری چیزیں دوا اور غذا میں کڑوی ہیں، مثلاً کریلا، شاہترہ، چرائتہ، رسوت ایلوہ، ان چیزوں کے کھانے والے سب عذاب الیم میں گرفتار ہیں پھر اس کے بعد یہ شرم نہ آئی جب قرآن پڑھنے والا اس آیت کو پڑھ کر آگے پڑھے گا ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون۔ یعنی اے پروردگار کھول دے ہم سے اس عذاب کو ہم اب ایمان لاتے ہیں دیکھو مفسرین نے جو بیان کیا ہے اس سے تو اس دعا کو مناسبت ہے کیونکہ جب وہ قحط پڑا تھا تب ابو سفیان نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی تھی کہ خدا اس دخان کو دفع کردے اور جو لوگ قرب قیامت کا دھواں مراد لیتے ہیں اس قول پر بھی یہ دعا صحیح ہے کہ آدمی اس دن گھبرا کر دعا کرنے لگیں گے کہ اے پروردگار کھول دے ہم سے یہ عذاب دخان کا لیکن یہ جو تم نے معنی کئے ہیں کہ دخان سے مراد آیت میں حقہ کا دھواں ہے اول تو پینے

اور سابق گذر چکا کہ حضرت فخر عالم حضرت فاطمہؓ کے گھر سے ترک دعوت کرکے لوٹ گئے اور ابو الدرداءؓ نے رد دعوت کر دیا اور فقہا کی

والوں کو دخان حقہ سے ہرگز تکلیف نہیں پہونچتی جو اس سے گھبرا کر بول اٹھیں ھذا عذاب الیم یعنی یہ ہم کو عذاب درد دینے والا ہے ان کو تو تخفیف ریاح اور قبض کشائی کا فائدہ دیتا ہے جو درد شکم کو زائل کرنے اس کو کس طرح کہنے لگیں کہ یہ درد پیدا کرتا ہے دوسرے یہ کہ حقہ پینے والا مسلمان ہندو مجوس یہود و نصاریٰ ہر قوم کے آدمی موجود ہیں کوئی بھی یہ دعا نہیں مانگتا ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون یعنی اے رب کھول دے ہم سے یہ عذاب دخان اب ہم ایمان لاتے ہیں پھر کیا سمجھکر یہ آیت حقہ کی شان میں بیان کی پھر ۲؎ میں دوسری آیت کے معنے بدل دیئے جہاں یہ لکھا ہے کہ حقہ نوشی سے دل سیاہ ہو جاتا ہے کیونکہ جب دھواں تابہ اور کڑاہی پر لگجاتا ہے تو وہ سیاہ ہوجاتی ہے جب یہ دھواں حلق اور جگر اور دل اور انتڑیوں پر پہنچا تو وہ کیسے سیاہ نہ ہو جاویگی کی دلنعم ما قیل ہے کہ حقہ نوش را قلب سیاہ است ؏ اگر باور نداری نے گواہ است ؏ اسی کا اشارہ فرمایا حکیم علی الاطلاق نے کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون۔ ایسا نہیں جو یہ کہتے ہیں بلکہ زنگ لگادیا یعنی سیاہی جمادی ان کے دلوں پر اس چیز نے کہ دور کرتے مثل حقہ نوشی اور دھواں کشی کے الی آخرہ میں کہتا ہوں کیا عمدہ شعر آپ سند میں لائے ہے کہ حقہ نوش را قلب سیاہ است، کوئی پوچھے یہ کاف کیسا اور حقہ نوش کیا لفظ ہے محاورۂ ایران و توران میں تو قلیان کشیدن ہے حقہ نوشیدن ایک لفظ ہندیوں کا گھڑا ہوا ہے فارسی بولنے کو دل چاہا ان کی بولی سے خبر بھی نہیں قطع نظر اس سے لفظ حقہ نوش کے آگے جو لفظ را آیا ہے یہ علامت اضافت ہے کیونکہ قلب مضاف مؤخر اور حقہ نوش مضاف الیہ مقدم ہے اور لفظ سیاہ خبر اور است حرف ربط یعنی حقہ نوش کا دل سیاہ ہے خیال کرنا چاہئے جب را علامت اضافت آچکی تو پھر لفظ قلب پر کسرہ بقاعدہ کیوں ہے اور اگر کسرہ نہ پڑھو گے قاعدہ کے پابند ہو کر تو وزن شعر صحیح نہ ہوگا سبحان اللہ کیا کیا خوبیاں بھری ہوئی ہیں پھر قیاس کیا عمدہ ہے اگر باور نداری نے گواہ است نیچہ کی سیاہی سے دل کی سیاہی ثابت کرنا کمال قوت فطری کی دلیل ہے اسی طرح آپنے بھی دل کو توے اور کڑاہی سے نظیر دی ہے اے حضرت دل ایک ٹکڑا گوشت کا ہے تر و تازہ اس کو توے کڑاہی اور نیچہ سے کیا نسبت ہاں مناسب یہ ہے کہ حقہ نوشوں کے لب اور زبان تالو اور کوا اور گلا دیکھا جاوے کیونکہ اعضاء گوشت کے ٹکڑے ہیں تر و تازہ مثل قلب کے اور اول دھواں لب و زبان و دندان کو لگتا ہے پیچھے دل کو جب یہ اعضاء حقہ نوشوں کے سیاہ نہ ہوئے بلکہ اسی طرح شاداب اور پر رونق ہیں جس طرح اور سب آدمیوں کو تو معلوم ہوا کہ دل بھی ان کا ویسا ہوگا جیسا سب کا دل ہے یہ تو آپکی دلیل عقلی کا حال ہے اب دلیل نقلی کا حال سنیئے حقہ کی مذمت میں آیت لائے کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون۔ جو کوئی کچھ بھی عربی پڑھا ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ قلوبہم میں ہم کی ضمیر راجع ما سبق کی طرف ہے اور وہ ذکر ان لوگوں کا ہے الذین یکذبون بیوم الدین۔ یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن کی آیتوں کو کہتے ہیں اساطیر الاولین یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں اور قصے بنائے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے کلا یعنی یوں نہیں جو یہ سمجھتے ہیں بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون بلکہ زنگ پکڑ لیا ان کے دلوں پر وہ جو کماتے ہیں یعنی اعمال و عقائد اب یہاں آپ نے دو خطائیں عظیم کی ہیں ایک تو یہ کہ کفار میں حقہ نوشوں کو داخل کیا، اور داخل بھی کیسا کہ حصر کر دیا، آپنے یہ لفظ لکھے ہیں کہ اسی کا اشارہ

جات خود مشہور ہیں اور نوافل میں جو ابتدائی جماعت ہو اسمیں شرکت کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے یہ سب واضح ہے مگر مؤلف پر سوء فہم ختم ہو لیا تو یہ تہمت مولوی رشید احمد صاحب نے جو رسم ہنود کہا ہے تو تعیین اجتماع برادری روز سیوم کو اور طعام سامنے رکھکر ہاتھ اٹھانے کو کہ یہ رسم سیوم ہے نہ قرآن اور کلمہ پڑھنے کو چنانچہ اس کی کلام مابعد میں موجود ہے کہ لکھتے ہیں البتہ ثواب پہنچانا بلا قیود روا ہے مگر مؤلف اپنے فہم سے تو کیا ہے، لہٰذا اگر ایسے کلام خبط سے مرفوع القلم کیا جاوے تو بجا ہے باقی کلام تشبہ کی نور سوم میں آتی ہے بعد اس کے جو کلام سماع اور حقہ

۱؎ جائز ۲؎ مجبور ۳؎ غیر مکلف

فرمایا ہے حکیم علی الاطلاق نے کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون. واضح ہو کہ ہماری زبان میں لفظ اس اور اسی میں فرق ہے اس کا لفظ حصر
کے واسطے نہیں، اور اسی کا واسطے حصر کے ہے تو مطلب حسب تحریر آپ کے یہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ اس آیت میں کسی کفر اور فسق کی طرف نہیں
اللہ تعالیٰ نے آیت میں بس اسی کا اشارہ کیا ہے کہ حقہ نوشوں کے دل پر دھوئیں کی سیاہی جم گئی، دوسری غلطی یہ کہ وہ جو کفار کے دل پر زنگ جم جاتا ہے جس کا
ذکر اس آیت اور احادیث میں بھی آیا ہے وہ زنگ اور وہ سیاہی محسوس ظاہری نہیں ہوتی وہ ظلمت معنوی ہوتی ہے اور قلب کے دو معنی ہیں ایک تو
یہ ٹکڑا گوشت کا صنوبری شکل غنچہ اور دوسرے معنے یہ کہ قلب ایک لطیفہ ہے عالم امر سے قلب حقیقی وہی ہے افعال نیک و بد کی تاثیر اسی میں ہوتی ہے
نہ قلب پارہ گوشت میں جب یہ معلوم ہو چکا تو شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت تفسیر عزیزی میں دیکھنی چاہیئے کہ اس آیت کی شرح میں لکھتے
ہیں ہر فعل بد ہیئتی ظلمانیہ در لطیفہ قلب احداث می کنند نہ آنکہ برین مضغہ صنوبری رنگے محسوس نمودار می شود زیرا کہ این مضغہ صنوبری قلب
حقیقی نیست. انتہیٰ. اب دیکھئے مفسرین تو اس آیت میں زنگ سے ظلمت معنوی مراد لیتے ہیں اور آپ ہی خان تمباکو کی چنانچہ آپ انکار
القلیان کے ص۶ میں لکھتے ہیں اس دھوئیں کا داغ دل پر سے نہیں جاتا سوائے توبہ کے اور نیز مفسرین دل سے مراد وہ دل لیتے ہیں جو ایک
لطیفۂ غیبی ہے اور آپ دل سے مراد یہی گوشت کا ٹکڑا لیتے ہیں عبارت آپ کی یہ ہے جب دھواں حلق اور جگر اور دل اور انتڑیوں تک پہنچا تو وہ کیسے سیاہ
نہ ہو جائیں گی. انتہیٰ. اب حقہ کا مسئلہ سنیئے کہ حقہ کی حرمت تو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ توڑ چکے فرمایا کہ حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں، اب دو
قول باقی رہ گئے، شاہ صاحب مکروہ ہونے کے قائل ہوئے. اور بہتیرے علماء مثل بحر العلوم و علامہ شامی وغیرہ اس کے مباح ہونے پر فتویٰ دیتے
ہیں، بھلا حقہ نوشوں کے لئے تو اباحت تک کے بھی اقوال موجود ہیں تم نے جو قرآن میں معنی عقلی بے محل مراد الٰہی کے برخلاف اور عقل و نقل کے خلاف
تجویز کئے یہ تو حضرت بغیر دوزخ کی آغوش دکھائے آپ کو نہ چھوڑیں گے اگر آپ نے اس سے توبہ نہ کی ہم حدیث نقل کر چکے من قال فی القرآن
برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار اور تماشہ یہ کہ آپ واعظ نے مثنوی بنہ مفسرین شاب عزیت میں بھی ملا کر اسی رسالہ کے آخر میں لکھا قصیدہ
حقہ کی مذمت میں لکھا جس کا مقطع یہ ہے ع اب تم بھی ابو اسحاق سب بالاتفاق سے یہ ہم بھی کہیں گے اب تو کہ حقہ حرام ہے؛ اس کا قافیہ صحیح نہ وزن
صحیح نہ محاورہ نہ ترکیب ذرا ذرا سے بچے بھی اس قصیدہ کو پڑھ کر قہقہہ مارتے ہیں اور یوں کہتے ہیں ع تال کی نہ سم کی نہ سر کی نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی۔
سنی جو کتاب اس لا ترکی: لکھ لکھ واہی تباہی پر کی؛ خیر یہ دو تحریریں بابت سماع اور اباحت حقہ کے استطراداً مولوی امیر باز خان صاحب کے
ذیل میں آ گئیں اب ہم اس نہی عن المنکر سے عند اللہ بری الذمہ ہو کر اصل مسائل مبحوث عنہا کی طرف رجوع کرتے ہیں، تنبیہ، یہ سب صاحبوں کو
اعلان دیا جاتا ہے یہ جو خیرات مبرات اور باقیات صالحات یعنی محفل میلاد سرور کائنات اور فاتحات اموات سلف صالحین سے اس وقت
تک جاری ہیں اگر حضرات مانعین ان امور کی تشنیع و تقبیح میں ہیں جرگہ مخصوص کی مہروں سے فتوی پے در پے چھاپ کر اس خیرات و حسنات
کو لوگوں سے چھڑوانا چاہیں تو یہ خیال خام اور سودائے نافرجام دل و دماغ سے دور رکھیں یہ نہ ہو گا کہ تمہارے رسائل لاطائل کا کوئی جواب
نہ دے ورنہ یہ ہو گا کہ ان امور صالحہ متوارثہ کو تمہاری ژاژ خائی سے کوئی چھوڑ دے علی الخصوص محفل میلاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

میں مؤلف نے کی ہے یہ بحث خارج از مبحث ہے اس میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں، معہذا اپنے مشرب کے بھی یہ تحریر خلاف ہے
فقط الحمد للہ کہ برہان دوم نے نور ثاقب کے لمعات باطلات کو مطموس کر دیا اور ظلمات تحقی اس کی مبرہن ہو گئی فللہ الحمد قولہ نور سوم الخ اقول

لہ ضمناً. ٹہ بے ہودہ گوئی سے. ٹہ بجھا دینا. کہ مدلل..

مومنین نے کب چھوٹ سکتی ہے دیکھو کافروں نے چاہا تھا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ساحر و مجنون کہہ کر آپکا دین اور آپکا نام دنیا میں نہ چلنے دیں اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواههم واللہ متم نوره ولو کره الکفرون یعنی چاہتے ہیں کافر کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو منہ سے کچھ بک بک کر حالانکہ یہ ہے کہ اللہ تو پورا کرنیوالا ہے اپنے نور کو گو برا مانا کریں کافر پس اسی بنا پر جائے دل میں تصدیق ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر اور نام اور دین کو سدا جاری رکھے گا۔ واضح ہو کہ یہاں تک جو کچھ مفتیان فتوی انکاری کے خلل دل تھے بیان کئے گئے اب بیان کیا جاتا ہے کہ سلف صالحین ان امور صالحہ کو کیوں جاری کیا تھا تو رسوم میں چھ لمعہ ہیں لمعہ اولیٰ

بیان جواز فاتحہ بر طعام و شیرینی ۔ جو عبادت زبان یا جوارح وارکان انسان سے صادر ہو اس کو عبادت بدنی کہتے ہیں جیسے قرآن تسبیح و تہلیل وغیرہ پڑھنا۔ اور جس عبادت میں مالیت صرف ہو اس کو عبادت مالی کہتے ہیں جیسے روٹی گوشت روپیہ پیسہ کپڑا وغیرہ راہ خدا میں خرچ کرنا اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے کہ دونوں طرح کی عبادت کا ثواب اگر کسیکو بخشنا چاہیں تو پہنچتا ہے کتاب ہدایہ میں ہے: ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة او صوما او صدقة وغیرها عند اهل السنة والجماعة یہ ہدایہ علم فقہ میں نہایت معتبر اور مشہور کتاب ہے اور شرح عقائد نسفی میں ہے وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتهم عنهم نفع لهم خلافا للمعتزلة یہ کتاب عقائد کی کتابوں میں مشہور درسی معتبر کتاب ہے اور یہ مسئلہ بہت حدیثوں سے ثابت ہے تذکرۃ الموتیٰ میں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں "لہذا جمہور فقہا حکم کردہ اند کہ ثواب ہر عبادت بمیت می رسد" اور لکھا ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں واسطے عبادت بدنی کے، فقد ذهب ابوحنیفة واحمد وجمهور السلف الی وصولها الی آخره پس اس بنا پر یہ عادت اکثر اہل اسلام کی ہے کہ جب کسی میت کو کچھ کھانا یا شیرینی دینا چاہتے ہیں تو الحمد اور درود شریف پڑھ کر دعا اس میت کیلئے کرتے ہیں اور خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ جو کچھ پڑھا اور یہ جو کچھ خیرات دیجاتی ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچے، عوام میں اس کا نام فاتحہ ہے یوں کہا کرتے ہیں کہ آج فلاں میت یا بزرگ کی فاتحہ ہے اصل میں فاتحہ نام ہے الحمد شریف کا چونکہ الحمد اس وقت پڑھی جاتی ہے اس لئے کل عمل کا نام فاتحہ قرار پایا یا تسمیۃ الکل باسم الجزء اور منکرین نے اس کا نام فاتحہ مرسومہ رکھا ہے اب اس فاتحہ میں دیکھنا چاہیئے کہ جو کچھ درود و دعا الحمد پڑھی گئی یہ عبادت بدنی ہے وہ ثابت ہے جو کچھ کھانا یا شیرینی اس وقت دی گئی یا دیجاوے گی وہ عبادت مالی ہے وہ بھی فقہ حدیث عقائد سے ثابت ہے ان دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے پھر منکرین کا یہ انکار کہ اس کی کچھ اصل نہیں اس کے کیا معنیٰ اگر یہ کہو کہ عبادت بدنی جدا کرو اور عبادت مالی جدا لیکن

ہر کی عبادت کا ثواب حنفیہ اور حنبلیہ کے نزدیک پہنچتا ہے، مگر شافعی و مالک بدنی کے وصول ثواب کے منکر ہیں پس اس کے منکر کو عموما معتزلہ کہنا متصدی ہے اس ہی واسطے شرح ہدایہ اس تعمیم ظاہری ہدایہ میں تاویل کرتے ہیں **قولہ** پس اس بنا پر الخ عرف میں بطور مجاز متعارف فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہوگیا ہے اگرچہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے اور خالص مال کا ہی ثواب ہو **قولہ** پھر منکرین کا یہ انکار کہ اس کی کچھ اصل نہیں الخ اقول مؤلف معنے سے بیخبر ہے اس کو بتلانا چاہیئے کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ طعام کو روبرو رکھا جاوے اور اس کو رکھ کر قرآن پڑھا جاوے اور ملاں اس سے ثواب پہنچاوے اور بدون اس کے ایصال ثواب طعام کا نہ ہو یہ ہیئت کہیں قرون ثلثہ میں ثابت نہیں بدعت ہے یہ معنی ہیں پھر مصنف نے خود اپنے ذہن میں معنی تجویز کئے کہ مرکب کرنا مالی بدنی کا مراد ہے سو یہ غلط ہے بلکہ یہ ہیئت حاصلہ مراد ہے نہ نفس ترکیب

مجاز ... لفظ کو معنے غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا

دونوں کا جمع ثابت نہیں تو یہ وہی مثال ٹھہرے گی کہ جب کوئی مدعی شریعت حکم دے کہ بریانی کھانا جائز ہے اس لئے کہ اسمیں گوشت ہے گوشت حلال چیز ہے اور برنج ہے وہ بھی حلال اور رنگت زعفران کی جو بعض برنج پر ہے وہ بھی حلال پس مجموعہ ان مباحات کا مباح ہے تو اس کے جواب میں کوئی بے ہودہ سر پھوڑنے کو تیار ہو جاوے کہ صاحب یہ سب جدا جدا تو بیشک ثابت ہے، لیکن ہم تو جب مانیں کہ اس مجموعہ کا ذکر قرآن یا حدیث میں دکھاؤ یہ حرف کہاں لکھے ہیں کہ بریانی کھانا درست ہے پس جس طرح اس بے ہودہ کو سب عقلا سخیف العقل اور قابل مضحکہ جانیں گے اسی درجہ میں ان صاحبوں کی یہ بات ہے علاوہ بریں جس طرح اثبات جمع کو موقوف رکھتے ہو وجود روایت پر اسی طرح چاہیئے منع کو بھی موقوف رکھو، وجود روایت پر یعنی اگر عبادت مالی و بدنی جمع کرنے میں کوئی حدیث یا آیت ممانعت میں آئی ہو تو منع کرو ورنہ تم کو سکوت چاہیئے حالاں کہ ہم دعوی کرتے ہیں کوئی حدیث یا آیت ممانعت میں جمع بین العبادتین میں نہیں آئی اگر آئی ہے پیش کرو هاتوا برهانکم ان کنتم صٰدقین ہم تو جمع بین العبادتین کیلئے قواعد عقلی اور نقلی شرع شریعت سے پیدا کردیں گے ایک تو یہی کہ جب ممانعت ثابت نہیں تو اصل اباحت ہے دوسرے یہ کہ سعادت عبد عبادت معبود میں ہے ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور عبادت بعضی زبان سے ہے بعضی اور اعضاء بدن سے بعضی مال سے پس جو کوئی ہر قسم کی عبادت کرے گا اتنا افضل ہوگا ایک عبادت والے سے شب معراج میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تحفہ جناب باری میں گذرانا یہ لفظ تھے، التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات مفسرین اور محدثین نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں، کہ اللہ کے واسطے ہیں سب تعریفیں جو زبان سے ادا ہوں اور جو عبادت بدنی ہیں اور جو عبادتیں مالی ہیں، پس جب کہ تینوں قسم کی عبادتیں اللہ کے واسطے خاص ہوئیں تو زہے قسمت اس شخص کی کہ ان تینوں کو ادا کرے فاتحہ مرسومہ میں یہ بات حاصل ہے جب کہا الحمد للہ رب العلمین، الرحمن الرحیم، ملک یوم الدین یہ تحیت اور ثنا اور شکر زبانی اللہ تعالی کا اور جب کہا اهدنا الصراط المستقیم

کہ ہیئت حاصلہ میں تشبہ ہنود کا بھی ہے اور تقلید مطلق کی بھی ہے چنانچہ واضح ہو جاوے گا،

مرکب کی ہیئت ترکیبیہ حرام ہوگی تو مرکب کا حکم بدلجاوے گا اگرچہ تمام اجزاء مباح ہوں ۱۲ اور پھر مؤلف نے مثال بریانی کی لکھی کہ سب اجزاء اگر مباح ہیں تو مرکب بھی مباح ہوگا اور یہ مثال خود مخدوش ہو کیوں کہ اگر سب اجزاء مباح سے ترکیب ہو اور پھر ہیئت حاصلہ بھی مباح ہو اس وقت اباحت ہوتی ہے، اور اگر ہیئت میں کراہت یا حرمت آجاویگی تو مرکب کا حکم بدلجاوے گا جیسا بریانی کہ بعد ترکیب مباحات کی ہیئت بھی مباح حاصل ہوئی ہے اگر اس ترکیب میں زعفران کا سکر ظاہر ہو جاوے تو بسبب مسکر ہونے کے حرام ہو جاوے گی حالاں کہ اجزاء سب مباح تھے، تمر اور پانی دونوں کا نبیذ بنایا جاوے بعد کف دینے کے جو ہیئت حاصل ہوئی حرام ہو گیا، علی ہذا فاتحہ میں طعام وقرآن کی ہیئت میں جو تشبہ حاصل ہوا اور تقلید مطلق کو یا بدعت و مکروہ ہو گیا اگر مؤلف کو فہم نہ تھا تو کسی سے پوچھ لیتا مگر اس کو تو خود رائی خود پسندی نے ذلیل کرایا خود سخیف العقل قابل مضحکہ بات کرتا ہے اور منع ہونے پر اس ہیئت ترکیب فاتحہ کی نص جو طلب کی تو سنو ایا کم ومحدثات الامور الحدیث. من تشبہ بقوم فھو منھم الحدیث. اس سے چشم روشن کرو اور شرح آگے آتی ہے اطلاقا اس دعوی کو کہ کوئی ممانعت جمع بین العبادتین کی نص نہیں محض کم فہمی سمجھو کہ کلام اس ہیئت مخصوصہ میں ہے کہ اس کا کوئی امر غیر مشروع پیدا ہو جاوے نہ مطلق ترکیب میں جو آدمی کلام کو سمجھے پھر بولے ورنہ خوار ہوتا ہے قولہ ہم تو جمع بین العبادتین الخ اقول اباحت اصلیہ اس وقت میں ہوتی ہے کہ نص موجود نہ ہو یہاں ممانعت کی نص موجود ہے اور ابھی پڑھ سنائی ہے تو یہ دلیل اول مؤلف کی لغو ہوئی دوسری عقلی دلیل کہ التحیات کی تفسیر

لہ یعنی اگر کہو اور بیہودہ باتوں سے کہ جس نے مشابہت کی کسی فرقہ کے ساتھ وہ انہیں میں سے ہے ۱۲

لہ کم عقل کے نشہ آور سکہ مجبور کے جاگ۔

الیٰ آخرہ اور نیز سورہ پڑھنا اور عاجز ذلیل بنکر اپنے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھانا اور موتیٰ کیلئے دعاء مغفرت کرنا یہ بھی عبادت
بدنی اور لسانی ہوئی اور جو کچھ شیرینی یا کھانا لِلّٰہ دے گا وہ عبادت مالی ہوگی، پس یہ جو پانچوں وقت نمازی نماز میں کہتا ہے التحیات لِلّٰہ
والصلوات والطیبات اس کا مجموعہ فاتحہ میں موجود ہے نہ بے قسمت میت کی جو اس کو یہ عطر مجموعہ پہنچے، اور جب ان سب باتوں کو ترک کردیا
و بدعت کہہ کر چھوڑ دیا، جس طرح اب فرقۂ منکرین چھوڑے بیٹھے ہیں تو وہی مثل عوام کے کہنے میں آوے گی، مر گئے مردود فاتحہ نہ درود،
دوسری بات یہ ہے کہ غور سے دیکھنا چاہیئے کہ شرع شریف میں زکوٰۃ ایک عمل جداگانہ ہے اور نماز کا پڑھنا ایک عمل جداگانہ ہر ایک عبادت
مالی ہے ایک بدنی ایک کے اوقات اور ہیں ایک کے اور لیکن جس کسی نے ان کو جمع کردیا اپنی خوشی سے بغیر حکم رسول کے وہ مستحق تعریف ہوا
ہے مستحق ملامت نہیں ہوا، مثال اس کی یہ ہے کہ تفسیر کبیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ ظہر کے وقت ایک آدمی نے سوال کیا مسجد میں کسی نے
کچھ نہ دیا سائل نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا یا اللہ تو گواہ رہیو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سوال کیا کسی نے مجھکو کچھ نہ
دیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت رکوع میں تھے آپ نے انگلی سے جس میں انگشتری تھی اشارہ کیا سائل بڑھا اس نے وہ انگوٹھی رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے لی، الیٰ آخرہ، یہ قصہ تفسیر معالم اور مدارک وغیرہ میں مختصراً مذکور ہے، خلاصہ یہ جب حالت رکوع
میں یہ خیرات حضرت علیؓ نے کی حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ فرمایا تھا بلکہ اپنی خوشی انہوں نے دونوں عبادتیں خیرات
صلوات ایک زمانہ میں جمع کردیں تو اب اس باب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں آیت نازل فرمائی جو سورہ مائدہ میں ہے الذین

وہ عبادت کا کرنا بندہ کی سعادت ہے یہ سب مؤلف کے جہل کا ثمرہ ہے عبادت اس وقت موجب سعادت اور معتبر ہوتی ہے کہ حسب
حدود شرعیہ کے ہو اگر خلاف اس کے ہووے گی خواہ فرادیٰ فرادیٰ ہو خواہ بترکیب ہو وہ موجب شقاوت اور مردود ہوتی ہے اور معلوم ہو لیا
یہ مجموعہ مرکبہ فاتحہ مروجہ میں مخالفت شارع علیہ السلام کی موجود ہے مگر یہ خبر اس کو ہو کہ علم رکھتا ہو مؤلف کہ اپنی عقل کی سخافت کو
ترتیب دے رہا ہے کیا مطلع ہووے اس کی دلیل تو بس مثل عوام کے ہی ہے جو خود نقل کرتا ہے اس کو علم شرع سے کیا مناسبت ہو
سو اس کی تقریر بے ہودہ کو رد کرنا ضروری نہیں کہ خود ہی رد ہوگئی، **قولہ** دوسری بات یہ ہے کہ غور سے الخ **اقول** مؤلف نے اس روایت
ضعیف کو نقل کرکے کیوں اپنے دماغ ماؤف کو تکلیف دی اور لا جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں خود مؤلف کی یہ وجہ تراشیدہ ہے
در جمع میں انکار ہو کہ اس سے ہیئت منکرہ پیدا ہو جاوے سو اس قصہ میں کوئی ہیئت منکرہ پیدا نہیں ہوئی خلاف فاتحہ مروجہ کے
نہ مخفی نہ رہے ثانیاً اس قدر حرکت بھی نماز میں مکروہ تنزیہی ہے جیسا فقہ میں مبیّن ہے مؤلف منیہ کو مطالعہ کرلیوے مگر یہ حرکت حضرت
رضی اللہ عنہ کی اس وجہ سے ہوئی کہ اگر اس حالت میں نہ دیتے تو اس سائل کے مایوس ہو کر چلے جانے کا خدشہ تھا اس کی تحصیل کو
سے کراہت تنزیہیہ کو اختیار کیا ورنہ یہ فعل بھی مکروہ تھا، فاتحہ مروجہ میں کوئی امر مہتم بالشان فوت ہوتا ہے جو اس تشبہ بدعت
سے کیا گیا مگر مؤلف کو فہم نہیں، بناچاری ایسے کلام کرتا ہے، تیسرے وہ امر اتفاقاً ہو گیا اب اگر کوئی التزام کرے کہ حالت
رکوع میں بالضرور ہر روز ایسا ہی کیا کرے تو مؤلف ہی فتویٰ لکھے کہ اس کا کیا حکم ہے، احقر تو کہتا ہے کہ بیشک مکروہ اور بدعت ہوگا
سبب مؤلف کے فہم پر کہ حق تو اس کے ذہن میں عبور کرتا ہی نہیں، رابعاً اس قصہ کی تقریر تو نص سے معلوم ہوگئی مگر فاتحہ کی تقریر کس

تنہا تنہا، سے بے ہودگی سے بجو اس سے ممنوع ۱۲

يقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكوٰة وهم راكعون پس جبکہ حضرت علیؓ بلا تفریع ارشاد شارع کے جمع بین العبادتین کرکے مستحق ثنا ہوئے اسی طرح فاتحہ میں بھی جمع بین العبادتین کرنے والے عند اللہ ماجور ہوں گے اور یہ دعویٰ ان صاحبوں کا جو بعض رسائل میں ہے کہ کبھی حضرتؐ سے یہ نہیں پایا گیا کہ کھانا سامنے رکھا ہوا ہو اور کچھ بھی آپ نے اس پر پڑھا ہو یہ نہایت غلط ہے، چند حدیثیں مشکوٰۃ کی باب المعجزات میں موجود ہیں ازانجملہ حدیث ام سلیمؓ کی بروایت مسلم و بخاری موجود ہے کہ حضرتؐ کی گرسنگی کا حال معلوم کرکے اس نے چند روٹیاں جو کی پکا کر دوپٹہ کے پلہ میں باندھیں یہ قصہ طویل ہے آخر یہ کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان روٹیوں کو تڑوایا ملیدہ کی طرح جو کچھ اس کے برتن میں گھی لگا ہوا تھا وہ یا اس میں ٹپکا دیا پھر حضرتؐ نے الفاظ قسم دعا سے اس پر پڑھے پھر دس دس آدمیوں کو بلا کر .. کھلانا شروع کیا اسی آدمیوں کو پیٹ بھر بھر کھلایا پھر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اور ام سلیمؓ کے گھر بھر کے آدمیوں نے کھایا اور پھر بھی بچ رہا، یہ دیکھئے اس میں کھانا سامنے اور اس پر دعا اور جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاہا اس کا پڑھنا ہے ازانجملہ انسؓ کی حدیث بروایت مسلم و بخاری کہ انسؓ فرماتے ہیں میری والدہ نے ایک بادیہ میں کھانا کھجور اور گھی اور دہی کا مرکب بنا یا ہوا بھیجا، آپ نے اس پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا پھر حضرتؐ دس دس آدمیوں کو بلاتے گئے اور کھلاتے گئے، قریب تین سو آدمیوں کو کھلا دیا پھر مجکو فرمایا اٹھا لے اے انسؓ اپنا بادیہ میں نے جب اٹھایا حیرت میں رہ گیا،

کس نص سے مؤلف نے ثابت کی ہے اگر قیاس مؤلف کا ہے تو وہ تو اب ہی باطل کیا گیا اور نص ممانعت کی سنا دی گئی اب کوئی نص مؤلف اپنے شکم سے نکالے، خامسًا حضرت علیؓ کو پہلے سے بدلالۃ النص معلوم تھا کہ اس قدر حرکت اور ایصال نفع صلوٰۃ میں درست ہے خود فخر عالمؐ نے امامہ بنت ابی العاص کو حالت صلوٰۃ میں کندھے پر چڑھا لیا تھا اس کی راحت کے واسطے اور رونے کے خدشہ سے اور حضرت عائشہؓ کیواسطے بحالت صلوٰۃ زنجیر کھول دی تھی، علیٰ ہذا دیگر مثل اس امور کے بہت وقائع تھے جس سے معلوم ہو گیا کہ اس قدر حرکت نفع رسانی کو درست ہے مگر مؤلف کو کون سی ولادت اشارۃً ملی ہے جس سے یہ بدعت کو حسنہ بتاتا ہے یہاں تو نص بھی موجود ہے **قولہ** اور یہ دعویٰ ان صاحبوں کا کبھی حضرتؐ سے الخ **اقول** یہ دعویٰ کوئی عالم نہیں کرتا جو مؤلف سمجھا بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ اس طرح ایصال ثواب کبھی نہیں کیا ورنہ آپ علیہ السلام تو ہر دم ذاکر تھے جب طعام آپؐ کے روبرو رکھا جاتا تھا قبل شروع کچھ پڑھتے ہوتے تھے اور بسم اللہ کرکے کھاتے تھے سو یہ فہم ناتمام مؤلف کے کمالات ہیں کہ مراد مانعین کی نہیں سمجھا۔ پس اب یہ چند دلیل حیثیت منقولہ کی اسکو کچھ بھی نافع نہیں ذرا ہوش کرکے دیکھئے،

قولہ ازانجملہ حدیث ام سلیمؓ الخ **اقول** مؤلف نے تین حدیث فاتحہ مروجہ کو طعام سامنے رکھکر دعا زیادہ فرمانے پر قیاس نہیں کرسکتے کہ فرق موجود ہے نقل کی کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ فخر عالم علیہ السلام نے طعام پر دعا زیادہ ہو جانے اس طعام کی فرمائی اور حدیث میں ہے قال فيها ما شاء الله ان يقول سو ہو سکتا ہے کہ کچھ پڑھا ہو کہ جس سے اضافہ قدر طعام کا ہو گیا مگر تیسری حدیث میں دعا بالبرکۃ وارد ہوا ہے لہٰذا ان دو حدیث کو بھی اس پر ہی حمل کیا جاوے بہر حال طعام قلیل پر زیادہ ہو جانے طعام کی دعا فرمائی، اب غور فرمایئے اس طعام کی زیادتی آپؐ کی دعا پر موقوف تھی اگر آپؐ دعا نہ فرماتے تو زیادہ حاصل ہوتی اور جس شے پر دعا زیادہ کریں اس کا روبرو ہونا مناسب ہے، پس یہ آپ کا دعا کرنا ضرورت کے واسطے تھا، بدون اس کے حاصل نہیں ہو سکتی تھی، پس یہ فعل نظیر فاتحہ مروجہ کی ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں اگر دعا ایصال ثواب کی ہے تو بالکل لغو حرکت ہے وہ طعام جب بنیت ایصال ثواب کے پکایا یا بنیت اکل کے سامنے رکھا تو وہ نیت صاحب طعام سے قابل وصول ہو چکا

لہ یعنی کھانے پر آپؐ نے جو کچھ خدا تعالیٰ نے چاہا پڑھا ۲ یعنی دعا مانگی کہ کھانے میں برکت ہو ۳ کھانے والا۔

کہ جب میں لایا تھا اس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا اب زیادہ پہلے سے موجود ہے از اں جملہ حدیث غزوہ تبوک کی مشکوٰۃ میں بروایت مسلم مذکور
ہے جب لوگ گرسنہ ہو گئے حضرت عمرؓ نے دعا مانگنی چاہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تب آپؐ نے دسترخوان بچھوایا اور فرمایا لے آؤ جو کچھ کسی کے
پاس کھانا بچا ہوا ہو تب کسی نے مٹھی جوار کسی نے مٹھی کھجور کسی نے ٹکڑا روٹی کا جس کے پاس جو کچھ بچا ہوا تھا لاکر ڈالا بہت ہی تھوڑا سا ذخیرہ جمع ہوا
پھر آپؐ نے اس پر دعا فرمائی اور فرمایا بھر لو اپنے برتن پھر جس قدر لشکر تھا سب نے اپنے تمام برتن جوان کے پاس تھے بھر لئے اور خوب کھایا اور پھر
بھی کھانا بچ رہا، شارحین لکھتے ہیں، کہ اس وقت لشکر میں لاکھ آدمی موجود تھے پس معلوم ہوا کہ لاکھ آدمی اس بات کے گواہ ہونے کہ کھانا سامنے
رکھے ہونے پر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی، باقی رہی یہ بات کہ حضرتؐ نے وہ دعا مانگی جو آپؐ کو ضرورت تھی صاحب فاتحہ وہ دعا کرتا ہے
جس کی اس کو ضرورت اس وقت ہو، پس دعا ہونے میں دونوں برابر ہیں، یعنی دعا کے معنی شرع میں ہیں السؤال من اللہ الکریم یہ دونوں جگہ
یکساں ہیں اب اہل انصاف کو چاہیئے کہ سخن پروری کو چھوڑ کر ان دلائل میں خوب تامل فرمادیں اتباع حق کریں ورنہ ایسا تو کریں کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو

بالکل بے ہودہ کیا دعا کرتا ہے فضول حرکت ہے اور جو دعا مغفرت میت کی کرتا ہے تو اس کا وقت دوسرا ہے بعد حضور طعام کے یہ اس کا
محل نہیں. جیسا اب آتا ہے بہرحال فخر عالمؐ کا فعل تو ضرور ہے، اور یہ قول آکلین صدقہ کا لغو سو قیاس خود لغو ٹھیر اکہ مع الفارق ہے دوسرے
یہ کہ دعا فخر عالمؐ کی زیادہ ہو جانے کی اور ازالہ نقصان قدر طعام کی تھی اور یہ دعا مثل اصلاح ظاہر کے ہے کہ ہم لوگ ہاتھ سے اصلاح ظاہر اور
ازالہ فساد و نقصان کرتے ہیں اور فخر عالمؐ نے اصلاح و نقصان ذاتی طعام کی اپنے کلام سے فرمائی تھی یہ فعل مزیل نقصان تھا اور فاتحہ میں افساد
طعام ہے کہ ٹھنڈا ہو تا ہے اور آکلین اور قاری دونوں کی شہوۃ متعلق طعام سے ہے تو گویا افساد خلوص اور نیت آکلین کا بھی ہے لہٰذا فعل مصلح
کو مقیس علیہ فعل مفسد کا بنانا فہم مؤلف کا ہی ہے اور کوئی اہل علم ایسی لغویات نہ کہے گا تیسرے فخر عالم علیہ السلام نے دعا برکت فرمائی یہاں
قرآن پڑھتے ہیں قرآن عبادت ہے کہ طعام کے آنے کے بعد مکروہ ہے عبادت کا خشوع جاتا رہتا ہے اور طعام کا نقصان اور تعظیم طعام
کے یہ امر خلاف ہے مسلم نے روایت کیا لاصلوۃ بحضرۃ الطعام - الحدیث، اور ادب طعام میں ہے کہ بعد روٹی آنے کے انتظار سالن
کا بھی نہ کرے، چنانچہ احیاء العلوم وغیرہ میں مذکور ہے، چوتھے یہ کہ وہ طعام کھانے کے واسطے نہیں تھا بلکہ بڑھانے کے واسطے تھا تو اب تک
اس کے کھانے کا وقت نہ آیا تھا جب آپؐ دعا کرکے فارغ ہوئے، تو وقت کھانے کا ہوا اور بعض معجزات میں محض زیادہ ہونے کے بعد اٹھا
رکھنا منظور تھا خلاف فاتحہ کے کہ اس وقت کھانے کا ہے اب دوسرے کام میں لگنا مناسب نہیں پس فاتحہ کو قیاس مع الفارق ان احادیث پر
کرنا محض فہم وعلم سے عاری ہے ایصال ثواب کا اثبات تھا، زیادہ طعام کا مسئلہ پیش کیا پھر سب کے بعد یہ فعل مباح ہوا مگر فعل مباح
میں بھی جب مشابہت عارض ہو جاتی ہے یا تعین و تاکد کی بدعت حادثہ ہو جاتی ہے کہ وہ مندوب نہیں رہتا غیر مشروع ہو جاتا ہے
تو جب کہ یہاں یہ امور غیر مشروع موجود ہیں تو باوصف تسلیم مذہب کے بھی مؤلف کو سم قاتل ہو جاوے گا، غرض فہم کلام سے مؤلف کو
مناسبت کم ہے ہاں اگر قبل طعام کے آنے کے یا کھانے کے بعد کوئی بخوشی ثواب میت کو پڑھکر پہنچا دیوے بشرطیکہ اس میں تاکد نہ ہو تو کوئی منع
نہیں کرتا یہ کیوں کیا جاوے کہ طعام سامنے رکھکر قراۃ و دعا مشروع اور مجیب اور جملہ مانعین بدعت لکھتے ہیں کہ ثواب ایصال ذکر و طعام
مستحسن ہے اور مؤلف کا غزوہ تبوک کے واقعہ میں کہ اس پر لاکھ آدمی گواہ ہیں یہ ہذیان غیر مفید ہے کیوں کہ اگر کروڑ آدمی کے روبرو یہ قصہ ہوا
مگر پھر راوی واحد نے بیان کیا جب بھی خبر واحد ہی رہے گی متواتر نہ ہو وے گی سو یہ گواہی مؤلف کی کیا مفید ہوئی اور جو لاکھ کی گواہی تبع

- صدقہ کھانے والے - نقصان کو ختم کرنیوالا بخلاف اس - جسکا بیان کرنیوالے کی تعداد اتنی ہو کہ ان کے جھوٹ پر متفق ہونیکا خیال پیدا ہو سکے

یعنی جب کھانا سامنے آجائے تو اس وقت نماز نہ پڑھے

صلوات نہ سنا کیں ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں تنبیہ ۔ ہاں اگر کوئی کم فہم عوام میں ایسا ہو کہ ثواب عبادت مالی کو بدوں بے بغیر
فاتحہ پڑھے نہیں پہنچے گا اس عقیدہ کو بد کہنا چاہیئے، اور اس کو زجر و توبیخ کرنا چاہیئے کیوں کہ اس نے حکم اطلاق نصوص فرمان مصطفیٰ
علیہ افضل التحیۃ والسلام مقید کردیا لیکن برتاؤ آمد لوگوں کا دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ان کا نہیں اس لئے کہ جب میت کی طرف
سے کچھ کپڑا یا روپیہ مسجد یا مدرسہ میں دیتے ہیں تو فاتحہ پڑھ کر نہیں دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ انکا یہ ہر گز ثواب عبادت مالی کا بدون فاتحہ
کے پہنچ جاتا ہے اس طرح جب ختم قرآن شریف یا قل ہو اللہ وغیرہ پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں، یا قبرستان میں جاکر اس پر فاتحہ پڑھتے ہیں
اس صورت میں یہ لازم نہیں پکڑتے، کہ اس وقت میں کچھ صدقہ بھی ضرور چاہیئے ۔اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ثواب عبادت بدنی
کا بدون عبادت مالی کے پہنچ جاتا ہے جب عقیدہ یہ ٹھیرا تو ان کے حق میں کچھ مضر نہیں فاتحہ پڑھنا، بعض سور مثل طعام طعام و تقسیم شیرینی

تک تواتراً ثابت ہو جاوے تو بھی اسی قدر مضمون مذہب کا رہیگا جو قطعی الثبوت ہو گیا ۔۔۔۔۔۔ سو اس سے بھی جواز فاتحہ کا
ثابت نہ ہوگا ہاں فعل فخر عالم علیہ السلام کا قطعی الثبوت ہو جاوے گا جس کا حاصل ندب ہے مگر مؤلف کی قسمت میں وہی کم فہمی سے حرماں،
ثبوت اس کے مدعا کا حاصل ہیگا اب یہ بھی یاد رہے کہ مؤلف اقط ترجمہ وہی کرتا ہے اگرچہ خطائیں اس کی بہت ہیں مگر ترجمہ حدیث
کی خطا بتانی ضروری ہے، اقط پنیر کو کہتے ہیں نہ دہی کو اور پر سے معلوم ہوا کہ دعا فخر عالم علیہ السلام کی ضروری تھی اور فاتحہ کی دعا لغو اور
لغو کا ترک مناسب ہے والذین ہم عن اللغو معرضون۔ حق تعالیٰ مدح میں فرماتا ہے پس قول مؤلف کا کہ ہمارے واسطے جو دعا ضروری
ہے، طعام پر دہ کرتے ہیں بالکل لغو ہو گیا محض بے معنے ہیں قولہ تنبیہ الخ اقول الحمد للہ کہ مؤلف کو بہت کچھ اپنا وقت ضائع کر کے
اور کشف اپنی حقیقت علمی کا کرا کے تنبہ ہوا کہ اطلاق نصوص کا مقید کرنا ضلالت ہے اور اس عقیدہ پر عوام کو زجر و توبیخ لازم ہے اس سے
معلوم ہوا کہ یہ امر بدعت ضلالہ ہے مگر اپنی عادت سے مجبور پھر انحراف کیا کہ عوام کا یہ عقیدہ معلوم نہیں ہوتا، بہر حال اصل مسئلہ میں
تو مؤلف موافق مانعین کا ہو گیا اب خلاف عقیدہ عوام میں رہا کیہ ہے یا نہیں اس فقرہ نے ساری تحریر مؤلف کی بیہودہ بنادی کیوں
کہ مؤلف کا جب یہ عقیدہ ہے کہ تقلید مطلق کی بدعت ضلالہ ہے اور یہی مانعین کا عقیدہ ہے تو بس اس کا اثبات کرنا تھا کہ لوگوں کا یہ عقیدہ
نہیں، اس قدر درد سری بیہودہ سے کیا حاصل کیا بس خیر گذشتہ را صلواۃ: اب مؤلف پر اس کا قول صادق آگیا کہ مخبر کا بھولا شام
کو آیا الخ اب کلام عوام کے عقیدہ میں ہی مانعین کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ ہے اور یہ امر بدعی ہے مؤلف تجربہ کر لیوے بلکہ خواص کالانعام کا
گو عقیدہ یہ نہیں، مگر علمدرآمد ان کا بھی مثل عوام کے ہے قولہ اس لئے کہ جب کپڑا الخ اقول یہ دلیل بالکل ناتمام سوء فہم سے ناشی ہے اس
واسطے کہ قرآن کو موقوف علیہ طعام کا کوئی نہیں جانتا قرآن کا ثواب عوام کے نزدیک مطلق ہے تو اس میں کلام بھی نہیں اور طعام کا ثواب
موقوف کلام پر جانتے ہیں علیٰ ہٰذا نقد یا رچہ کو بھی مطلق جانتے ہیں، پس جسقدر کو عوام نے مقید کیا اس کو ہی بدعت کہا گیا اور جس کو اپنے
اطلاق پر رکھا اس کو بدعت نہیں کہتے مگر یہ دلیل تو اس وقت مفید ہوتی کہ کسی نے تلازم[1] مالی و بدنی کا جمیع صور میں دعوی کیا ہوتا یہ
تلازم خود ہی مؤلف کے شکم سے نکلا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہنود کے یہاں فقط کھانے پر بید پڑھتے ہیں اور کپڑے و نقد وغیرہ
پر نہیں پڑھتے اس سبب سے عوام جہال نے بھی طعام پر کچھ پڑھنا مقرر کیا نہ ہر شے پر، غرض مؤلف کی یہ دلیل کہ جو ثواب قرات کا موقوف
طعام پر عوام کے نزدیک نہیں، تو اس کا قلب بھی نہیں ہو سکتا کیا عمدہ دلیل ہے حاجت بیان نہیں مؤلف کی منطق خوانی کا نتیجہ ہی ایسا

[1] محرومی ت ذات ذیت سے پیدائے لازم ہونا۔

وغیرہ میں اسی واسطے بزرگان دین کا اس طریقہ پر عمل رہا ہے عنقریب ہم نقل کریں گے. باقی رہی یہ بات کہ بعضے آدمی جو زیادہ احتیاط کرتے ہیں کہ رو بقبلہ بیٹھتے ہیں اور مکان پاکیزہ وصاف میں پڑھتے ہیں، سو یہ بات کچھ فرض نہیں بلکہ قسم آداب سے ہے آپ کے مسلم الثبوت علماء کے کلام میں موجود ہے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تعزیہ کے پاس درود فاتحہ پڑھنے کیلئے سوالات عشرہ محرم میں نقل فرماتے ہیں، فاتحہ درود فی نفسہ درست است لیکن دریں قسم جائے نوعے بے ادبی می شود زیرا کہ نجاست معنوی دارد فاتحہ و درود جائے باید خواند کہ محل پاک باشد از نجاست ظاہری وباطنی انتہیٰ، اس کلام سے صاف ثابت ہوا کہ فاتحہ پاکیزہ جگہ میں پڑھنی چاہیئے، اور مولوی اسماعیل صاحب صراط مستقیم میں موافق تعلیم اپنے مرشد سید احمد صاحب کے لکھتے ہیں، اول طالب را باید کہ با وضو دو زانو بطور نماز نشیند و فاتحہ بنام اکابر ایں طریقہ یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگان نماید الیٰ آخرہ. مکان پاک میں روبقبلہ ہوکر فاتحہ پڑھنا، آداب کے ساتھ ان بزرگوں کے کلام سے جن کو تم مستند جانتے ہو ثابت ہوگیا اگر کوئی یہ کہے کہ فاتحہ یعنی الحمد کو مقامات ایصال ثواب میں کیوں اختیار کیا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ الحمد کو فضیلت بڑی ہے کل سورتوں پر سیرت حلبی اور تفسیر عزیزی میں ہے کہ اگر فاتحہ کو ایک پلہ ترازو میں رکھیں اور تمام قرآن دوسرے پلہ میں تو فاتحہ یعنی الحمد غالب آوے گی سات حصہ، اور تفسیر روح البیان میں ہے جس نے پڑھی الحمد دیگا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب گویا کل قرآن پڑھا، اور گویا اس نے صدقہ کیا کل مومنین اور مومنات پر انتہیٰ، اس لئے اہل اسلام میں یہ رسم پڑگئی کہ جب کوئی اپنی میت کیلئے کچھ کھانا یا شیرینی دیتا ہے تو الحمد پڑھ دیتا ہے اس کے پڑھنے سے یہ اجر ہوتا ہے گویا جمیع مومنین و مومنات پر صدقہ دیا خدا کی قدرت ہے اصحاب فاتحہ تو کس کس درجات کو پہنچ رہے ہیں، اور منکرین اس فعل پر غیظ کھا کر کیا کیا خاک اڑا رہے

نحو میں پڑھا تھا کہ مقدمہ کا عکس لازم ہوتا ہے مؤلف نے اس قاعدہ کو ثواب عبادت ومالی وبدنی کا مقدمہ بنا کر اس پر جاری کردیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس تقریر پر لڑکے بھی ہنستے ہیں، اور بزرگان دین کا یہ طریقہ نہیں، ہاں مؤلف کے بزرگان مبتدعین کا ہوگا **قولہ** باقی رہی بات کہ بعض جو زیادہ الخ **اقول**، ہر گاہ کہ یہ فاتحہ خوانی سرے سے بدعت ہوگئی تو بحث توجہ قبلہ اور نظافت مکان کی محض لغو ہوگئی اور مسلمان ہر حال توجہ قبلہ ونظافت مستحسن ہے اس کے جواب کی حاجت نہیں اور مؤلف کے مدعا کو ہرگز مفید نہیں کہ کلام اس میں ہے کہ طعام کا ..ب روبرو رکھ کر مروجہ قرارۃ جس ہیئت کا سوال سائل کرتا ہے، کیسا ہے سو ثابت ہوگیا کہ مکروہ بدعت ہے اور شاہ عبدالعزیز کے ..الات عشرہ کو اگر تسلیم کیا جاوے کہ ان کے ہی ہیں تو وہ فاتحہ درود کو فی نفسہ درست لکھتے ہیں نہ طعام آگے رکھ کر کہ جس کی بحث ہے اور ..است معنوی بدعت کی جگہ پڑھنے کو بے ادبی فرماتے ہیں، اور بے ادبی قرآن کی حرام ہے اس سے ثابت ہوا کہ بدعت کے محل پر قرآن پڑھنا ..ہے، یہاں فاتحہ مروجہ میں بھی باعتراف مؤلف بدعت موجود ہے کہ تقیید مطلق نص کا یہاں موجود ہے اور تشبہ ہنود کا بھی ظاہر ..سب قیاس اس کلام کا حرمۃ اس فعل کو تقاضہ کرتا ہے مگر مؤلف بے خبر ہے علیٰ ہذا صراط مستقیم میں ذکر تقرب الی اللہ کا ہے اسمیں ..نت ضروری ہے اور فاتحہ سے مراد ایصال ثواب بروح صاحب طریقت ہے اور یہ دونوں امر نظافت طلب ہیں مگر طعام سامنے ..فاتحہ پڑھنا کہ بدعت ہے اور نجاست معنوی ہے اس کو اس سے کچھ مناسبت نہیں یہ محض کم فہمی مؤلف کی ہے، علیٰ ہذا تعیین قرارۃ ..کہ ایصال ثواب مکروہ ہے ہر چند کسی نے بہ نیت غرض مذکور مؤلف کی فاتحہ کو اختیار کیا ہو مگر اب اسی وجہ سے زجر و توبیخ لازم ہے

..کی لئے ایصال ثواب کیلئے قرارۃ فاتحہ کی تعیین لئے اللہ تعالیٰ کا قرب لئے اسی غرض سے۔

ہیں ع ہر کس بدانچہ نصیبش نوشتہ اند ۱۱ اب رہا مسئلہ ہاتھ اٹھانے کا سو جواب اس کا یہ ہے کہ فاتحہ میں دعا بھی کیجاتی ہے اور خود الحمد شریف بھی من وجہٍ دعا ہے، اس کی تعریف میں لکھتے ہیں ھی دعاء وقرآن وصلوٰۃ جب یہ الحمد من وجہٍ دعا ہوئی اور اس کے سوا اور بھی دعا اس وقت کیجاتی ہے اور وقت دعا جو کہ خارج نماز سے کیجاتی ہے اسمیں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے حصن حصین میں ہے ادب الدعاء بسط الیدین ت مس درفعهما یعنی دعا کے آداب میں یہ ہے پھیلانا دونوں ہاتھوں کا روایت کیا یہ ترمذی اور حاکم نے اور اٹھانا دونوں ہاتھوں کا روایت کی یہ چھوں محدثوں مصنف صحاح ستہ کے نے اور مشکوٰۃ میں حکم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا مرقوم ہے اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم اور نیز مشکوٰۃ میں حدیث رسول ہے صلے اللہ علیہ وسلم ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردہما صفرا، پس چوں کہ فاتحہ میت کی امداد ہے اس لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بموجب مضمون حدیث شریف کے ان ہاتھوں کو خالی نہ پھیرے بلکہ مراد سے بھر دے اور مسائل اربعین میں مولوی اسحاق صاحب نے مسئلہ سی وددم کے جواب میں کہ تعزیت میت میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا

جس کو مؤلف اپنے منہ سے بول اٹھا ہے دھفی المؤمنین القتال اور یہ ایک دلیل بدعت ہونے فاتحہ مرسومہ اور سیوم وچہلم وغیرہ کی ہے کہ مؤلف مقرّ ہے یاد رکھنا اس کا ضرور ہے **قولہ** اب رہا مسئلہ ہاتھ اٹھانے کا الخ **اقول** . پہلے بھی لکھا گیا کہ مؤلف کو کہیں فہم مطلب نصیب نہیں اپنی تقریر ہانکنے سے کام ہے فرادیٰ فرادیٰ امور میں کلام کرتا ہے اس غرض سے کہ اگر اجزاء جائز ہو دیں گے تو مجموعہ بھی درست ہو جاوے گا اور یہ امر باطل ہو چکا ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ یہ محل دعا کا نہیں طعام سامنے رکھ کر دعاء ایصال ثواب لغو ہے : در دعا مغفرت کا موقع نہیں کہ خلاف ادب طعام کے ہے اور خشوع کھانیوالوں کا رفع ہوتا ہے اور پھر سائل فاتحہ خوانی میں ہاتھ اٹھانے کو پوچھتا ہے . پس اگر فاتحہ بہ نیت قرآن ایصال ثواب کیواسطے پڑھتے ہیں تو قرآن کو ہاتھ اٹھا کر پڑھنا کہیں شرع میں وارد نہیں رکوع وسجود میں قرآن کو پڑھنا مکروہ لکھا ہے کہ نہانی ان اقرء راکعا او ساجدا الحدیث . پس چوں کہ رکوع وسجود حالت ذلت وعجز بندہ کی ہے اس وقت میں قرآن مکروہ ہوا، لنظر بر آں اگر حالت دست برداشتن میں بھی مکروہ ہو تو لایق ہے کہ حالت ذلت ہے ، قطع نظر اس کے ورود شرع کا اس طرح نہیں، لہٰذا بدعت ہے اور اگر فاتحہ بہ نیت دعا پڑھی جاتی ہے تو قرآن نہیں اسی واسطے جنب کو بہ نیت دعا فاتحہ پڑھنا فقہ میں درست لکھا ہے اور فاتحہ میں جو دعا ہے وہ پڑھنے والے کے حق میں ہے نہ میت کے حق میں سبحان اللہ دعا تو میت کے واسطے کرتا تھا اپنے واسطے کرنے لگا . یہ خبط عقل نہ معلوم کسکی ہوئی . مانگنے والے کی یا مؤلف کی دعویٰ تو یہ کہ مردہ کے واسطے دعا کرتے ہیں اور اثبات یہ کہ کھانیوالا اپنے واسطے ہدایت راہ مستقیم کی مانگتا ہے سبحان اللہ ، اور اول میں یہ لکھ آیا کہ فاتحہ درود پڑھ کر دعا ایصال ثواب مانگتے ہیں غرض اس خبط کلام کو دیکھنا لازم ہے سب کے بعد یہ کہ سب جگہ ہاتھ اٹھانے دعا میں بھی مستحب نہیں ، جیسا مؤلف لکھتا ہے بلکہ جہاں ہاتھ اٹھانے ثابت ہوئے وہاں مستحب ہے اور جہاں کچھ ثابت نہ ہوا وہاں بھی مستحب اور جس جگہ عدم رفع ثابت ہوا وہاں مکروہ . علی قاری شرح حصن حصین میں لکھتے ہیں کہ یہ رفع وہاں مستحب ہے کہ فخر عالم علیہ السلام سے وہاں رفع ثابت ہوا ہو ورنہ مکروہ ہوگا اور شرح مناسک میں لکھتے ہیں کہ لا یرفع یدیہ عند رؤیۃ البیت ای وقت حال دعائہ لعدم ذکرہ فی المشاہیر وکلام الطحاوی صریح فی انہ یکرہ الرفع عند علمائنا الثلثۃ ونقل عن جابر انہ فعل الیہود انتہی پھر بعد نقل قول اس کے کہ جس نے یہاں رفع یدین کو مستحب کہا ہے لکھتے ہیں کانہما اعتمدا علی مطلق آداب الدعاء لکن السنۃ متبعۃ فی الاحوال المختلفۃ اما تری انہ علیہ السلام دعی فی الطواف ولم یرفع یدیہ انتہی ، پس یہ کلیہ مؤلف کا تو باطل ہو گیا پس استحباب رفع یدین وہیں ہے جہاں فخر

لے انتظار کرنے والا ۱۱

جائز ہے بانہیں رحم فرمایا ہو، اما دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہرا جواز است زیراکہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس در یوقت ہم مضائقہ ندارد ولیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست انتہی، دیکھئے یہ بات تسلیم کرکے کہ اس سیت خاص ہو منقول نہیں یہی حکم دیا تھا کہ ہاتھ اٹھانا کچھ مضائقہ نہیں، کیوں کہ مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ خاص وقت دعہ سیت کی اگرچہ کوئی روایت ماثور نہ ہو لیکن جب حدیثوں میں مطلق دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا آیا ہے تو اس فاتحہ میں بھی ثابت ہو گیا کیوں کہ یہ بھی ہے اب دیکھئے مفتیانِ فتویٰ انکاری کوئی اس فاتحہ مذکورہ کو کہتا ہے کہ مخترعات ناپسند شرعیہ سے ہے اور کوئی رسم ہنود لکھتا ہو افسوس موس جس چیز کے اصول احادیث شرعیہ سے نکلتے ہوں اس کو حرام یا رسم ہنود یا ضلالت کہنا ان ہی با انصاف آدمیوں کا کام ہو پہلے صلحاء و علماء ت کو مسلم کہتے آئے ہیں مولانا عبداللہ گجراتی جو بڑے عالم صالح متقی ہم عصر شیخ عبدالحق دہلوی کے تھے، وصیت نامہ میں لکھتے ہیں

ہم علیہ السلام سے ثابت ہو گیا پس وہ تین حدیث مؤلف کی منقولہ طعام پر دعا کرنے کے باب میں دیکھو اس میں رفع یدین . . . . . .

. . . . . . پس مؤلف کو لازم ہے کہ یہاں بھی رفع یدین کو مکروہ خلاف سنت جانے کہ یہ محل دعا کا ہی نہیں چہ جائیکہ رفع ہے دعا دخول خانہ میں اور لباس پہننے میں اور خروج خلا اور نوم کی حالت میں اور دیگر بہت مواقع ہیں کہ رفع یدین وہاں ثابت نہیں عوات کا پڑھنا ثابت ہو تو سب جگہ یہاں رفع یدین مکروہ ہوگا۔ مگر مؤلف کو ابھی خبر نہیں ہوئی پڑھ کر خبردار ہو دیں گے پس آپ کی کسر وایات ن حصین و مشکوٰۃ کچھ مفید نہیں یہ ادب محل رفع میں ہو نہ غیر اس محل میں، اور یہ آزوایات کلیہ قطعیہ جلی، مگر مؤلف کو فہم پر پردہ ہو، علی ہذا روایت ت کی کیوں کہ اسمیں بھی وقت دعا کے رفع مطلقاً ذکر کیا ہے نہ ہر جگہ اور پھر تخصیص کو دعا تعزیت میں غیر ماثور رکھدیا ہے۔ پس مؤلف کا کیا . . ت سے نکلتا ہو کہ یہاں تخصیص بھی ہو اور عدم رفع بھی یہاں ثابت ہے اور خود خبط العشواء بھی مؤلف کا موجود ہے کہ کہیں فاتحہ میں ہ ٹھانا کہتا ہے کہیں بعد فاتحہ کے کہیں کچھ عقل قائم نہیں رد محتار میں ہو دعاء الحنفیۃ مایفعلہ فی نفسہ قال شارح المنیۃ لیس فیہا ے لان فیہا رفع الاعناء انتہی۔ اور یہاں دعا ایصال ثواب میں دعا حقیقۃً ہی کہ دل میں غرض ایصال ثواب کی ہو یعنی اگر فقیر مدعو آگے یا ے عوض کے فاتحہ یا درود شریف پڑھ کر ثواب میت کو پہنچائے تو دل سے نیت ایصال ثواب کی کرے اور طعام کو ایصال کی نیت بھی نفع ہو کیوں کہ اس . یت صاحب طعام کر چکا ہو یہ کون ہو بس دعویٰ کلیہ رفع یدین کا مؤلف کا باطل ہوا اور اس محل میں رفع یدین کا نہ ہونا ثابت ہو گیا! اور ایصال کو اس ت عبد کرنا حق، پس حسب اعتراض مؤلف کی بدعت ضالہ ہوا اور تشبہ ہنود کا بھی اس میں مقرر ہو کیوں کہ تمام ہنود میں رسم ہو اور ان کا یہ شعار ے نہ عوام پر وید پڑھواتے ہیں جس کا دل چاہے ہنود سے تحقیق کر لیوے مولوی عبداللہ اپنے تحفۃ الہنود میں لکھتے ہیں کہ ہر سال جس تاریخ میں کوئی ـ بی تاریخ ثواب پہنچاتے ہیں اور اس کو ضرور جانتے ہیں اور پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے انتہی،،

. نہ بات مؤلف موسومہ جواز فاتحہ مروجہ کسی سے فاتحہ مروجہ ثابت نہیں ہوئی پس اب بدعت ہونا اور مکروہ ہونا اس فاتحہ مروجہ کا ثابت بنصوص ـ ت مفتیان دیندار اگر اس کو مخترع ناپسندیدہ شرعیہ کہیں، یا رسم ہنود کہیں بہت بجا اور حق ہو کہ اصول نصوص سے اس کی مذمت ثابت ـ قوم مولوی عبداللہ گجراتی الخ اقول، بعد ثبوت منع کے کلیات نصوص سے اگر مولوی عبداللہ گجراتی اور جامع الاوراد اس کو جائز لکھیں ـ قابل اعتبار نہیں اور ہم کو ان کے قول کی توضیح کی حاجت نہیں معہذا یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ یہ تخصیصات و تعینیات رسوم صالحہ اس وقت ـ ـ ـ تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلوب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو، کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کریں کیوں کہ جب مستحب

ـ یقینی کے غیر منقول کے ہلکی آواز سے ـ روزوں کی اٹھانا ـ ایجاد کردہ کے اعتقاد کرنا

تخصیصات دراوضاع تراکیب ماکولات وتعنیات در مفردات بفاتحہ و نیاز ہائے بزرگان از رسوم صالحہ مستحسن است۔ اور جامع الاوراد میں ہے، اگر بر طعام فاتحہ کردہ بفقرار وہد البتہ ثواب می رسد، اور اسی جامع الاوراد میں ہے، چوں قرآن ختم کنند اول پنج آیت خوانندہ دست برائے فاتحہ بردارد وثواب ختم بارواح ہر کہ خواہد بطفیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخشد، یہ وصیت نامہ اور جامع الاوراد کی عبارتیں صمصام قادری میں ہیں۔ اور زبدۃ النصائح مطبوعہ مطبع محمدی جو ۱۲۶۷ھ کی مطبوعہ ہے اس میں مولانا برہان الدین مرحوم کی یہ عبارت ص۵۶ پر موجود ہے، ہمیں است مضمون فاتحہ مرسومہ پس ثواب درود الحمد وقل ہو اللہ ہم ثواب بذل طعام مقصود بروح آں جناب خواہد رسید، اب اس فرقہ کے بزرگواروں کا احوال سنیئے مجموعہ زبدۃ النصائح میں ص۱۳۲ پر استفسار شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مرقوم ہے سائل نے سوال کیا تھا کہ کسی کے نام کا مرغا یا بکرا ذبح کیا ہوا درست ہے یا نہیں اور ملیدہ یا شیر برنج وغیرہ نیاز اولیاء کا درست ہے یا نہیں، شاہ ولی صاحبؒ نے اس کے جواب میں ذبیحہ کو حرام فرمایا، اور ملیدہ شیر برنج کی نسبت یہ الفاظ لکھے، اگر ملیدہ وشیر برنج بنابر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند وبخورانند مضائقہ نیست وطعام نذر اللہ، اغنیاء را خوردن حلال نیست واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء را ہم خوردن جائز است انتہی کلامہ دیکھئے کھانے پر فاتحہ دینا خاص فتوی شاہ ولی اللہ سے ثابت ہے اور نیز شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں، پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند وبر قدرے شیرینی وفاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند وحاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند الی آخرہ۔ جائز اور مباح ہونا کیا در بات ہے یہاں تو امر فرما رہے ہیں کہ اس طرح پڑھیں اور اس سے زیادہ کیا سند ہوگی، اور شاہ عبد العزیز صاحب سوالات عشرہ محرم کے جواب سوال نہم میں کہ کھانا ان چیزوں کا

بھی ان وجوہ سے مکروہ ہوجاتا ہے تو رسوم صالحہ مردم کی بطریق اولیٰ مکروہ ہوجاویں گی، پس مؤلف کو اس سے کوئی مدد نہیں ملتی شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی عبارت سے بدعت ہونا فاتحہ کا ثابت ہوتا ہے الخ۔ جامع الاوراد کا کہنا اگر بر طعام فاتحہ کردہ الخ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر چہ یہ طریقہ ایصال کا بدعت ہو مگر بشرط نیت صالحہ کے ثواب پہنچ جاتا ہے اگر چہ اس فعل کی معصیت بھی ہوتی ہو دوسری روایت جامع الاوراد کی میں یہ وضع بوجہ اباحت کے لکھی ہوگی اور ہر گاہ کہ عوام اس کو مستحب جاننے لگیں، چہ جائیکہ مؤکد اس وقت بدعت ہوجاوے بہر حال مؤلف کسی وجہ سے معین نہیں، اولاً ثبوت میں ان روایت کے کلام ہے کہ غلط ہے یا صحیح، دوسرے نصوص کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں، تیسرے تاویل کی گنجائش ہے کہ مدعی مؤلف میں ظاہر ونص نہیں، پس ایسی روایات سے کیا فائدہ ہوتا ہے صحاح ظواہر کو چھوڑ کر متہ غیر معتبرات پر ہاتھ ڈالنا نہایت عجز اور بد دیانتی کی بات ہے، مؤلف مولوی امیر باز خاں کو رسم مفتی تلقین کرتا تھا آپ اس پر عمل نہیں کرتا کہ ایسے تار عنکبوت سے پناہ پکڑتا ہے بہر حال مؤلف کا فقط کاغذ سیاہ کرنے کے کچھ نفع نہیں ہوا اور مانعین کو ان عبارات سے کچھ حرج نہیں ہے۔ وہ اس عمل کے بدعت ہونے کے قائل ہیں نہ کہ ایسی صورت میں منکر وصول ثواب کے مگر مؤلف کو کچھ خبر نہیں کہ کیا ہے مؤلف قائل ہو چکا ہے کہ حکم مقید کا قید پر راجع ہوتا ہے، پس اصل ایصال درست اور قیود وبدعت علیٰ ہذا مولوی برہان الدین کا قول اگر بمقابلہ نصوص مؤلف کے نزدیک معتبر ہے تو اسمیں وصول ثواب کا اثبات ہے نہ رفع بدعت کا اور شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں یہ فقرہ اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد، خود معلوم ہو لیا کہ فاتحہ دادن کے معنی ایصال ثواب کے ہوتے ہیں مجاز متعارف کے طور پر یا عرف عام کی وضع پر علیٰ ہذا عبارت انتباہ میں مگر مؤلف پر آفت یہ ہے کہ ان عبارات میں کہیں بھی طعام روبرو رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ کا پڑھنا نہیں نکلتا ہے، فقط مؤلف

لہ تاکید شدہ، ۔ لہ کمزوری ۔ لہ فقط کو معنی غیر موضوع میں استعمال کرنا ۔ لہ تمام اصطلاح ۱۲

جو نذر و نیاز تعزیہ کے سامنے رکھکر فاتحہ پڑھتے ہیں کیسا ہے. لکھتے ہیں، طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند برآں فاتحہ و قل
ند دو خوانند تبرک میشود خوردن آں بسیار خوب است. لیکن بہ سبب بردن طعام پیش تعزیہ یا دنہادن آں طعام پیش تعزیہ یا تمام شب تشبہ
بکفار و بت پرستاں می شود پس از یں جہت کراہت پیدا می کند واللہ اعلم. دیکھئے کھانے کے اوپر فاتحہ کا پڑھنا شاہ صاحب کے کلام میں صاف
ہو گیا ہے. واضح ہو کہ سب سے زیادہ فاتحہ وغیرہ منع کرنے میں مولوی اسماعیل صاحب شہید میں حال ان کا یہ ہے کہ وہ تاریخ اور دن کی پابندی کو منع
کرتے ہیں اور اس پر بھی کبھی آیت یا حدیث سے ممانعت نہیں کرتے فقط بعض مصلحتیں بیان کرتے ہیں چنانچہ مقالات تعین تاریخ بستم چہلم وغیرہ
تک ہم ان کی عبارت لکھیں گے لیکن کھانے کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کرتے، صراط مستقیم میں لکھتے ہیں. و پنداند کہ نفع رسانیدن
اموات با طعام و فاتحہ خوانی خوب نیست، چہ ایں معنی بہتر و افضل است الی آخرہ. ان عبارات منقولہ بزرگان سے اثبات فاتحہ مرسومہ کا اہل عقل
و انصاف کے نزدیک صاف ثابت ہو گیا. اب اگر بعضے صاحب منکرین میں سو زبردستی التزام دیں فاتحہ کرنیوالوں کو کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہی ہے کہ
ب کھانے بے فاتحہ نہیں پہنچتا. اور فاتحہ اور پنج آیت وغیرہ پڑھنے کو یہ لوگ یوں نہیں جانتے کہ یہ امر خیر ہے اور ثواب کی بات ہے. بلکہ اس کو

ت میں ایک نقشہ جم رہا ہے اپنے خیال کی لوح سے نقل کرتا ہے اور فرماتے ہیں بدعت ہے سو یہ چشم عبرت ہے نہ حیا و تنبہ. اگر فاتحہ کا پڑھنا بھی مسلم ہوتا
مہ رفع یدین و طعام کا سامنے رکھکر پڑھنا جس کو کہ امر میں سرگردانی ہو رہی ہو ہرگز بھی نہیں نکلتا جس کو سائل پوچھتا ہے اور مفتی بدعت کہتا ہے
اس کے اثبات سنت میں مؤلف کمر باندھے ہوئے ہے ڈھیلے پتھر جمع کر باہر، دعویٰ کچھ، دلیل کچھ. شرم نداند، اور سوالات عشرہ کے جواب شاہ
عبد العزیز کی طرف سے ہونے میں کلام ہے. اگر ان کے ہی ہیں تو یہ تصرف ہوا ہے کہ طعام نیاز کل فاتحہ پڑھنے سے تصرف ہو جاتا ہے، یہ قول ہرگز
صحیح نہیں. زکوٰۃ کہ اعلیٰ درجہ کا صدقہ فرض ہے وہ بھی تبرک نہیں ہوتا. اور کوئی صدقہ تبرک نہیں بنتا بس نیاز امامین کہ وہ بھی صدقہ ہے کس طرح
بنگیا. بلکہ سب صدقات کو اوساخ الناس حدیث میں فرمایا ہے کہ بنی ہاشم کو منع ہوئی. اور جو قرآن پڑھے جانے سے تبرک ہوا ہے تو چاہیئے
جس گھر میں کوئی قرآن پڑھے، سارے گھر کا طعام تبرک ہو جایا کرے، بہر حال یہ بہتان شاہ عبد العزیز صاحب پر ہے، اور خلاف حدیث و
نہ ہرگز صحیح نہیں، مؤلف کو تنگی ہو رہی ہے. کہ ایسی ایسی روایات سے اثبات مدعا ہے. سبحان اللہ، مگر درست ہو. اس کا مبلغ علم اتنا ہی ہے
مشہور ہے کہ الغریق یتعلق بکل حشیش. علی ہذا صراط مستقیم میں نفع رسانی اموات با طعام و فاتحہ خوانی ہے، اس سے جمع کرنا دونوں کا ایک
وقت میں یا طعام روبرو ہونا قرأت کی حالت میں کہاں سے مفہوم ہے واؤ مطلق کے واسطے ہوتا ہے اور رفع یدین کس لفظ سے پیدا ہوا ہو صراط
مستقیم میں اول اس ہیئت کو بدعت فرما کر منع کیا تھا. آخر میں فرمایا، کہ ہماری اس منع سے ایصال ثواب کا منع کوئی نہ سمجھ لیوے تو اس کو تصریح
کہ اصل ایصال مالی بدنی سب جائز ہے، بدعات سے منع کرنا ہے. اب قول مؤلف کا کہ اثبات فاتحہ مرسومہ کا اہل عقل انصاف کے
ہو گیا. کمال شوخی ہے یا بلادت ہے کیا کہا جاوے. قولہ اگر بعض صاحب زبردستی الخ اقول زبردستی کوئی نہیں کرتا، عوام کا اعتقاد تجربہ
ہو اور خواص کا معاملہ مثل واجب کے التزام سے اور ملامت تارک سے مشاہد ہے آنکھ کھول کر مؤلف ہی دیکھ لیوے اور افترا ہر روز
کرتا ہے، مؤلف بھی مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی رشید احمد صاحب پر افترا کر چکا ہے اور اگر فرض کیا جاوے کہ عقیدہ وجوب کا
نہیں مگر بدعت و قبیح ہے اور شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر ما اہل بہ میں لکھتے ہیں. و درست آنست کہ نزد عوام طریق ذبح جانور ہرگز

ہاتھ ملنے کا سہارا لیتا ہے نہ علم کی انتہا کہ جھوٹا الزام ہ

فرض و واجب جانتے ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ منکر لوگ ایسے ایسے زبردستی افترا باندھا کرتے ہیں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو ہر سال اپنے باپ کا عرس کرتے تھے ان پر مولوی عبدالحکیم پنجابی نے یہ اعتراض لکھا ہے، کہ تم نے عرس کو فرض سمجھ رکھا ہے، سال بسال کرتے ہو اس کا جواب شاہ صاحب موصوف نے لکھا ہے، زبدۃ النصائح مطبوعہ ۱۳۲۹ھ صفحہ ۲۱ میں ہے، ایں طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیراکہ غیر فرائض شرعیہ معترہ را ہیچکس فرض نمی داند آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں با ہداء ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آن است کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب بعد اس عبارت کے شاہ صاحب نے عرس کی اصلیت احادیث سے ثابت فرمائی ہے درمنثور اور تفسیر کبیر وغیرہ سے عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشہداء علے راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون

کہ مقرر است متعین است برائے رسانیدن جان جانور برائے ہر کسے کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ و قل و درود خواندن طریق متعین است برائے رسانیدن ماکولات و مشروبات بارواح الخ، اس کو یہ صاف ظاہر ہے کہ عوام کے نزدیک یہ طریق ایصال کا متعین ہے، سو تقید مطلق سے بدعۃ ضلالۃ ہوا بقول مؤلف بھی، اور جب کوئی طریق نہیں سوائے اس کے یہ طریق واجب ہوا، مگر یہ بھی اس کو واضح ہوا کہ شاہ عبدالعزیز کے نزدیک یہ طریق ایصال کا بدعت و ناجائز بھی ہے، بس سوالات عشرہ کی تکذیب ظاہر ہو گئی کہ اس میں جواز و تبرک لکھا۔ تھا حالاں کہ یہاں نجاست معنوی بدعت کی باعتراف موجود ہے مؤلف غور سے مطالعہ فرماوے تاکہ اس کی آنکھ کھل جاوے الحاصل عوام کے نزدیک تعین طریق ایصال ہونا بفاتحہ مروجہ شاہ صاحبؒ کی تحقیق سے معلوم ہوا اور حسب اقرار مؤلف یہ قابل زجر و توبیخ کے اور بدعت ضلالہ ہوا اب خواص کو بھی اس کا کام کرنا جس کو عوام کو خرابی ہووے ممنوع ہوا کہ جب موضوع اضلال عوام کا ہوا وہی مدعا مانعین کا تھا، اور مولوی عبدالحکیم صاحب نے شاہ صاحبؒ پر اعتقاد فرضیۃ عرس کا اعتراض کیا تھا، شاہ صاحبؒ نے اس کا انکار کیا اور ایصال ثواب زیارت قبور کو مستحسن فرمایا، سو اس میں کسی کو انکار نہیں مگر عوام کو توبری نہیں کیا بلکہ عوام کا یہ عقیدہ تفسیر عزیزی میں خود فرما دیا، اور بطور التزام کے تعین یوم زیارۃ کو دعاءً لکھ کر ایک حدیث لکھدی ہے، گو وہ ضعیف ہو نہ بطور احتجاج و تصحیح اس حدیثؒ و عمل کی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عجالہ نافعہ میں خود شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی حدیث پر اعتقادیات اور عملیات میں دونوں عمل کرنا درست نہیں بس اس روایت درمنثور وغیرہ پر کہ طبقہ رابعہ سے ہیں کس طرح عمل درست ہو سکتا ہے، حالاں کہ صحیح حدیث لا تتخذوا قبری عیدا، اس کی معاند موجود ہے اور مانع عرس کی ہے قال صاحب المجمع لا تجعلوا قبری عیدا ای زیارۃ قبری عیدا او قبری مظہر عید ای لا تجمعوا الزیارۃ اجتماعکم للعید فانہ یوم لھو و سرور و حال الزیارۃ بخلافہ و کان داب اھل الکتاب فاورثھم القسوۃ و من تعظیم عیدۃ الاوثان حتی عبدوا الاموات انتہی، اب دیکھو کہ عرس کو صحیحین نے بالکل حرام کر دیا اور مؤلف بھول گیا کہ صحیحین کے مقابلہ میں نسائی کی روایت کو بحث بدعت میں قابل عمل نہیں کہتا تھا حالاں کہ ــــ وہ حدیث صحیح تھی اور معارض بھی نہیں تھی اب اس حدیث شیخین کو مقابلہ میں ضعیف روایت کہ قابل احتجاج بھی ہرگز نہیں کس طرح درست ہو گئی، مؤلف کو واجب ہے کہ اس کو حسب اپنے قاعدے کے رد کر دیوے معہذا حدیثؒ مجمل ہے کہ راس حول سے نہ معلوم کیا مراد ہو آیا محرم ہے کہ قدیم عرب میں راس حول تھا، یا ربیع الاول کہ راس سال ہجرت ہو یا شہادت کہ شوال تھا بس مجمل پر عمل درست نہیں، بہرحال شاہ صاحب نے التزاماً یہ روایت نقل کر دی ہے ورنہ ہرگز قابل احتجاج کے نہیں بس اصلیت عرس کی ہرگز

ــ اضطرارت قبر کے نئے عید کی طرح جمع ہونا اہل کتاب کی عادت تھی سو اس نے ان کے دل کو سخت کر دیا اور بت پرستوں کی عادت تھی یہاں تک کہ اب مردوں کو پوجنے لگے ۱۲

منتہی: اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عرس کی اصلیت حدیث سے بہچانی یعنی ابن منذر ابن مردویہ ابن جریر کی روایتیں جو در منثور اور تفسیر کبیر سے نقل فرمائی ہیں ان میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سال بسال شہداء احد کی قبور پر ہر برس کے سرے پر تشریف لاتے تھے اور اسی طرح بعد آپ کے خلفاء اربعہ کرتے رہے غرضکہ اصلیت عرس کی ثابت ہوگئی اب جو کوئی شاہ صاحبؒ موصوف کے خاندان سے ہو کر اپنے بزرگان کا کلام رد کرے اس کو زیبا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ قبور صالحین کی زیارت موجب برکت ہے تیسری یہ کہ قدیم سے حاسد لوگ بزرگوں پر ہمیشہ طعنے دیا کرتے ہیں۔ ! واقعہ اربابِ طعن کہا کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس کام کو فرض واجب جان رکھا ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ شاکی ہیں اور فرماتے ہیں این طعن مبنی است بر جہالت الخ۔ بس اسی طرح جو لوگ فاتحہ کرنے والوں پر اور محفل مولد شریف کرنیوالوں اور قیام کرنیوالوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں کو فرض واجب جانتے ہیں اس کا وہی جواب ہے جو شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے چوتھی۔ یہ کہ نتوی نثاری میں مولوی امیر باز خان التزام امر مستحب کو حصہ شیطان کا ثابت کرتے ہیں تو کلام شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور ان کے معمول دائمی سے معلوم ہو گیا کہ مستحب کا نباہ دائمی کرنا مستحب ہے۔ پانچویں یہ کہ ایک وقت میں جمع بین العبادتین یعنی قرآن اور دعا اور تقسیم شیرینی و طعام کرنا برا نہیں بلکہ مستحسن اور خوب ہے اور خوب بھی کیسا کہ باجماع علماء اب کہیے اجماع علماء اور اتفاق صلحاء کے آگے تم بے پیروں کے اختلاف اور جھوٹ کو کون سنے۔ تتمہ۔ مولوی یعقوب علی مدرس مدرسہ نظامیہ نے اپنے تمام پیشوایان متقدمین اور متاخرین کے رسائل سے دلائل انتخاب کر کے فاتحہ وغیرہ کی مذمت میں ایک رسالہ لکھا جس کا باعث اول ایک شخص خیر اللہ ہوا تھا اور وہ رسالہ علی مطبع فلدوتی میں چھپا اس رسالہ کی تعریف صفحہ اول میں یہ لکھی ہے۔ ایسا یہ مسئلہ مدلل اور محقق ہوا کہ آج تک کہیں نہیں چھپا تھا اور نہ دیکھنے میں آیا ہے نام اس کا سیف السنۃ رکھا انتہی کلامہ چونکہ تعریف اس رسالہ کی بقول شخصے اپنے منہ میاں مٹھو بہت کچھ لکھی ہے اس میں اندیشہ ابتلائے عوام کا ہے اس لئے میں محرر انوار ساطعہ کا چاہتا ہوں کہ اس سیف السنۃ کے دلائل کا کند ہونا اور بد دیانتی کا زنگ لگا ہونا جو ہر ...ت نہیں جیسا مؤلف اپنے حکم میں بنائے بیٹھا ہے۔ پس قول اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں الخ اقول سب لغو ہے کیونکہ اصلیت وس کی اس حدیث سے جب ثابت ہوتی کہ یہ حدیث مفسر صحیح ہوتی اور اس کی معارض حدیث نص و صحیح نہ ہوتی اور قبور صالحین کی زیارت ...س وقت موجب برکت و جائز ہے کہ کوئی محذور شرعی لازم نہ آوے اور التزام مستحب کا بھی بدعت ہے بسبب تقیید اطلاق کے بقول مؤلف پس یوم ...وس اگر متعین ہوگا وہی محذور اور بدعت لازم آوے گا اور جمع بین العبادتین درست ہے بشرطیکہ اس کی ترکیب سے کوئی ہیئت غیر مشروع نہ پیدا ہو جاوے۔ باقی ہزلیات مؤلف کا جواب محقق پہلے ہو چکا ہے ضرورت اعادہ کی نہیں۔ اب جو بے پیر اور بے راہ ہے خود معلوم ہو گیا کہ احادیث صحاح کا مخالف اور اپنے قول کا عامل خلاف مجتہدین کے ہو کر جو ہوگا وہی بے پیر بلکہ بے دین ہے فقط قولہ تتمہ الخ اقول۔ مولوی یعقوبؒ علی کے پیشوایان کا جواب آج تک کسی اہل بدعت نے نہیں دیا۔ مگر مؤلف کی طرح سب و شتم کہ جہلا کا طریق ہے کرتے رہے ہیں اب مؤلف نے تمام اپنے پیشوایان کی ساری عمر کی تحقیقات و تحریرات کا انتخاب کر کے یہ انوار ساطعہ لکھا ہے اور تیس سال کی عمر اپنی سعی کا خلاصہ اس میں درج کیا ہے۔ سو واضح ہو گیا کہ جہل مرکب ہے بس فقط ردی رد ہے۔ نہ سوال کو سمجھے نہ جواب کو بوجھے دعویٰ کچھ، دلیل کچھ، نتیجہ کچھ اور دلائل ایسے جن پر سوائے علم پر ناز اور مولوی یعقوبؒ علی پر اعتراض مؤلف کی یہ بے شرمی کا کام ہے اور بس قولہ مولوی مذکور نے بیچ سیف السنۃ کے لکھتے ہیں الخ اقول مؤلف ذرا تو شرم کرے اور سوچے اور معنی شرح منیہ کے سمجھے شرح منیہ کے یہ معنی ہیں کہ قرآن پڑھنے کو مبتدعہ کی ...طے

ممنوع ہے کال گلو ہے ہے رد عبادتوں کو جمع کرنا ہے بیکار ہے۔

شناسوں کو دکھلادوں مولوی مذکور صلّا سیف السنۃ میں لکھتے ہیں، یہ جو کھانا سامنے رکھکر یا ہاتھ اٹھاکر یا بلا اٹھائے کچھ کلام اللہ بطور فاتحہ
پڑھتے ہیں تو یہ بدعت مکروہ لکھا ہے شرح کبیری میں ہے ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن یکرہ یعنی رکھنا کھانے کو وقت قرارۃ
کے مکروہ ہے انتہیٰ کلامہ۔ اب اس مقام پر چند باتیں قابل خیال کے ہیں، ایک تو یہ کہ جاہلوں کے بہکانے کے واسطے اتخاذ الطعام کے معنے
لکھے رکھنا کھانے کا یہ خلاف لغت عرب کے ہے، رکھنے کو عربی میں وضع کہتے ہیں اور سبحان اللہ تطبیق دلیل مدعا پر دیکھئے کیا خوب ہے
دعویٰ کرتے ہیں کہ سامنے کھانا رکھکر کلام اللہ پڑھنا منع ہے اور دلیل یہ لائے کہ جس وقت قرآن پڑھتے ہوں اس وقت کھانا رکھنا منع ہے
دیکھئے دلیل تو فی نفسہٖ مسلم ہے یعنی جس وقت آدمی قرآن پڑھتے ہوں، عین حالتِ قرارت میں ان کے سامنے کھانا لانا اور ان کا دل اس

لوگ جمع ہوں اور ان کے واسطے طعام تیار کرایا جاوے تو یہ مکروہ ہے بس سنو کہ ہر گاہ عوام کے نزدیک مقرر ہولیا کہ ضیافت میت میں لوگ
اگر قل پنج آیت پڑھتے ہیں اور یہاں بھی اگر پڑھیں گے اور ہونا اس کا ضروری جانتے ہیں تو بداہتہً اہل میت کی نیت طعام کے ساتھ قرآن پڑھنے
کی ہوئی اور طعام خوار بھی جانتے ہیں کہ ہم کو وہاں جاکر قرآن پڑھنا ضروری۔ تو اجابت دعوت کے ساتھ قرآن پڑھنے کی نیت مقرر ہوتی ہے پس
طرفین میں ضیافت کا ہونا اور قرارۃ قرآن کا ہونا محقق ہوچکا اب میت کے واسطے قرآن خوانی کو بلانا اور جانا اس ضیافت پر صادق آگیا
بداہتہً پس اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن یہاں موجود ہے بداہتہً اگرچہ قلیل ہی ہوں سارا قرآن نہ ہو کیونکہ کثرت قلت کا فرق تو مؤلف نے
ساقط کردیا ہے ایک لڈو کو ضیافت کا حکم دیچکا ہے اور فقط فاتحہ کو قرآن کا حکم دیدیا اور درست ہے پس قرآن خوانی کے واسطے اتخاذ طعام ہوگیا
. . . . اگر تھوڑی سی عقل بھی ہو تو واضح ہے البتہ یہاں دوسری شق بھی شرح منیہ کی موجود ہے اعنی وان اتخذ وا للفقراء
کان حسنًا۔ بہرحال یہ ضیافت مروجہ مرکب ہوئی دونوں شق سے کہ للفقراء بھی ہے اور لقرارۃ القرآن بھی ہے پس مرکب مباح مکروہ سے مکروہ
ہی ہوتا ہے یہ قاعدہ مشہور ہے پس موافق قواعد فقہ کے اور روایت شرح منیہ کے یہ اتخاذ طعام مکروہ ہوگیا مؤلف خوب سمجھکر غور کرلیوے۔ اب
مولوی یعقوب علی کا استدلال سنو کہ ان کی مراد رکھنے سے تیار کرنا اور ٹھیرانا ہے یعنی پکوانا اور یہ محاورہ ہند کا ہے جیسا اتخاذ الجمعہ جو باب ترمذی
وغیرہ میں آیا ہے اس کا ترجمہ بال رکھنے کرتے ہیں بہرحال مراد ان کی سامنے آگل کے رکھنا نہ تھی کہ کوئی لفظ ایسا ترجمہ میں نہیں ہے مؤلف نے
زبردستی رکھنے کو سامنے رکھنا سمجھ کر اعتراض کیا ہے خوامخواہ پس یہ کم فہمی مؤلف کی ہے اور اعتراض ہرگز نہیں مؤلف غلط کرنیکا دعویٰ کرتا ہے
اور خود اپنی خبر نہیں کہ کسقدر غلط تراجم اور خیانت نقل عبارات میں کرتا ہے ہم نے خطا ہائے لفظی اس کی نہیں لکھی، بطور الزام کے ایک غلط
ترجمہ مؤلف کا بتاتا ہوں کہ صفحہ تیسرے کی پہلی سطر میں الست کاحدکم کا ترجمہ مؤلف نے لکھا ہے بقولہٖ یعنی ایک تم میں میری طرح نہیں۔ اور
حالانکہ یہ ترجمہ ہدایت النحو پڑھنے والا بھی نہیں کرسکتا اس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ میں نہیں ہوں مثل کسی ایک تمہارے کے۔ پس اپنی خبر نہیں دوسروں کو
خواہ مخواہ طعن کرتا ہے اور جو تسلیم کیا جاوے کہ سامنے ہی رکھنا ان کی مراد ہے تو بھی استدلال درست ہے اس واسطے کہ درصورتیکہ قرآن
خوانوں کو کھانا کھلانا بعد قرارت یا قبل قرارت کے اور ان کے واسطے کھانا پکانا مکروہ ہوا تو عین قرارۃ میں سامنے رکھا ہونا اور اس کو ہی واسطے کھانا
پکانا بطرق اولیٰ مکروہ ہوگا۔ بدلالۃ نص پس یہ روایت کھانا رکھکر قرآن پڑھنے پر صاف دلالت کرتی ہے مگر مؤلف کو فہم مطلب سے غرض نہیں،
دوسرے یہ کہ جب قرآن پڑھتے ہوئے کھانا لاکر رکھنا مکروہ ہے جس کو مؤلف خود تسلیم کرتا ہے اور اس کی دلیل کو بھی مسلم رکھتا ہے تو بعینہٖ اسی
دلیل سے قبل قرارۃ بھی رکھنا مکروہ ہوگا اس واسطے کہ خشوع کا جانا جیسا وقت قرارۃ کے طعام رکھنے میں ہے قبل قرارۃ رکھنے میں بھی موجود ہے

لہ جانوری ۲لہ مطابقت۔

مشغول کرنا مکروہ ہے لیکن ان کا دعویٰ اس سے ثابت نہیں ہوتا اور تماشہ یہ کہ دروغ گو را حافظہ نباشد، اتخاذ الطعام کے معنی یہاں سامنے رکھنے کے کرکے پھر تیسری سطر میں جو رسم تیجے دسویں وغیرہ کو رد کرتے ہیں اتخاذ الطعام کے معنی مقرر کر لینا کھانیکا اور اس سے زیادہ بد دیانتی یہ کہ شرح کبیری سے یہ تو فقرہ نقل کر دیا۔ لیکن صاحب کبیری نے جو اس پر اعتراض کیا ہے دوسری سطر میں وہ نقل نہ کیا وہ یہ ہے ولا یخلو عن نظر لانہ دلیل علی الکراھۃ الی آخرہ یعنی وہی صاحب کبیری شارح منیہ لکھتے ہیں کہ یہ مکروہ کہنا اس کھانیکو بحث سے خالی نہیں اس واسطے کہ کوئی دلیل کراہت پر نہیں آتی الی آخرہ۔ اس سے ... زیادہ خیانت اور ابلہ فریبی یہ کہ اسی سطر میں شرح کبیری میں لکھا ہے وان اتخذ واطعاما للفقراء کان حسنا یعنی اگر تیار کریں کھانا غریبوں کے واسطے اچھی بات ہے صاحب سیف السنۃ نے ایسی سیف اپنی گردن دیانت پر پھیری کہ اس فقرہ کا نام بھی نہیں لیا اور ایسے ہی ص۱۰ میں مولوی عبد الحکیم صاحب پر بڑی افترا کیا ہے کہ انہوں نے تفسیر کے صفحہ ۵ میں لکھا ہے کہ غزوہ تبوک میں حضرت نے کھانا اور فاتحہ پڑھی ہے حالاں کہ یہ سخت بہتان ہے ان کی تفسیر فاتحۃ العلیم کا صفحہ ۵ دیکھئے جس کا جی چاہے کہ غزوہ تبوک میں انہوں نے فاتحہ کا نام بھی نہیں لیا فقط یہ لکھا ہے کہ دعا پڑھی، افسوس ہزار افسوس کہ اس سیف السنۃ میں دو مقام پر مولوی عبد الحکیم صاحب کی نسبت الفاظ بد لکھے حاشیہ ص۱ میں لکھا ہے کہ اس کی کل تصنیفات دغابازی اور بے ایمانی سے خالی نہیں اور حاشیہ صفحہ ۱۱ میں بھی خراب لفظ لکھے اب سب ارباب انصاف نظر فرما دیں کہ ان کی دغابازی تو ایک بھی ثابت نہیں صرف دعویٰ بے دلیل ہے اور حضرت سیف السنۃ کو ایک

[illegible] دری کا دل مشغول ہونا دونوں صورت میں موجود ہے بلکہ پہلے سے رکھنے میں زیادہ دیر تک مشغولی ہے سو وہ بالطریق الاولیٰ مکروہ ہوگا پس مدعا [illegible] حل تو مطابق نہ ہے، مگر مؤلف کے فہم میں کوتاہی اور مخالفت ہے اور یہ دوسری دلیل کراہت فاتحہ مروجہ کی مؤلف کے اقرار سے ثابت ہوگئی کہ دل [illegible] قی کا اور جملہ آکلین کا کھانے میں مشغول ہے اور قرآن کا پڑھنا اور سننا کہ دونوں عبادت ہیں ہو رہا ہے قال المؤلف دلیل تو فی نفسہ مسلم ہے [illegible] دمی قرآن پڑھتے ہوں عین حالت قرارت میں ان کے سامنے کھانا لانا اور ان کا دل اسمیں مشغول کرنا مکروہ ہے، اب دو دلیل کراہت فاتحہ [illegible] وجہ کی مؤلف نے اپنے منہ سے بولدی مگر ہاں پڑھنے میں طعام رکھنے سے دل مشغول ہو اور پہلے سے رکھکر پڑھنا شروع کرنے میں نہ مشغولی ہو یہ [illegible] عاقل نہیں کہہ سکتا، الغرض یہ ترجمہ آپکا مسلم کر کے بھی استدلال میں کوئی عیب و نقصان نہیں مگر ہاں مؤلف کے فہم میں بیشک نقصان ہے یہ طعن بیہودہ خندہ مؤلف کا اس پر ہی منقلب ہوا اور لغت دانی اور علم و فہم مؤلف کا سب پر واضح ہو گیا، مگر خدشہ لا یخلو عن نظر باقی ہے وہ بھی سنو کہ بظاہر یہ خیانت مؤلف کی ہے کیوں کہ مؤلف کو اس مقام رد المحتار پر نظر ہے چنانچہ اسی ذیل کی روایت مؤلف اس جزو رسالہ میں نقل کرتا ہے [illegible] محشی بعد نقل روایت شرح منیہ کی اور اس کے قول لا یخلو عن نظر کے لکھتا ہے فیہ نظر فانہ واقعۃ حال لا عموم لہا مع احتمال سبب خاص بخلاف [illegible] فی حدیث جریر علی انہ بحث فی المنقول فی مذہبنا ومذہب غیرنا کالشافعیۃ والحنابلۃ استدلالا بحدیث جریر المذکور علی الکراھۃ الخ [illegible] مرادہ مؤلف کو اس نظر شرح منیہ کا منظور ہونا معلوم تھا پھر بھی دیدہ و دانستہ نقل نہ کیا یہ عین خیانت اور حق پوشی اور خلاف دیانت کی ہے اور چوں کہ نظر [illegible] شرح منیہ کی لا یعبأ بہ ہوئی تو روایت بزازیہ کی سالم و معتبر رہی مولوی یعقوب علی نے اصل روایت کو نقل کیا اور نظر پر کچھ نظر نہ کی کہ خود منظور [illegible] تھی یہ عین دیانت و علم ہے کہ معتبر روایت کو نقل کرے اور منظور فیہ پر التفات نظر نہ کیا کرے مگر مؤلف اپنے خیالات کو عین دیانت جانتا ہے اور دیانت [illegible] نت کو بھی خیانت سے تعبیر کرتا ہے معاذ اللہ قولہ پھر ایسے ہی ص۱۰ میں الخ اقول مؤلف اس کو افترا کیوں کہتا ہے فاتحہ کو من وجہ دعا مؤلف بھی کہتا ہے سو بطور عطف تفسیر کے انھوں نے لکھدیا ہے کوئی توحش کی بات نہیں اور شکوہ بدزبانی کا بھی مناسب نہیں مؤلف نے اپنے استاد

۔ صفحہ ۱ ... زباندانی ... نظر ... نہیں ... اعتراض ... غیر معتبر ... گھبرانا۔

ہی فقرہ میں کتنی بددیانتی اور خیانت بھری ہوئی ہے، اسی طرح اگر کوئی دانشور اس کو دیکھے گا بہت خرابیاں اس میں پا دیگا میں نے اس کا انداز اور چال چلن ایک فقرہ لکھ کر ظاہر کر دیا ہے مشتے نمونہ خروارے، مجکو بزرگانِ سلف کی دانشمندی اور سچی کلام فرمانے کا کمال ذعان ہو صحیح اعتقاد اور صحیح تجربہ سے کہتا ہوں کہ یہ بات بزرگوں کی نہایت صحیح ہے المرء یقیس علیٰ نفسہ یعنی آدمی سب کو اپنا سا خیال کرتا ہے پس اسی طرح مولوی یعقوب علی مذکور نے مولوی عبد الحکیم صاحب کو خطاب اپنے القاب کے موافق دیا ہے اس کا کچھ گلہ نہیں، اب آپ کے تبحر علمی کا حال سنئے، کہ غزوۂ تبوک کی حدیث جسمیں کثرت سے صحابہؓ تھے آپ صفحہ ۱۱ سیف السنۃ میں اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں، اگر کثرت صحابہؓ تھا تو کیوں یہ حدیث متروک ہوئی بابا اس عاجز نے کتب صحاح ستہ وغیرہ کا درس دیا ہے اس کا پتہ بھی نہ پایا انتہیٰ کلامہ۔ آپ عالم اور محدث ہونیکا دعویٰ فرماتے ہیں کہ صحاح ستہ اور اس کے ساتھ وغیرہ بھی پھر وہ بھی بار بار درس دینے کا اظہار اور میاں کو غزوۂ تبوک کی بھی خبر نہیں، اگر کوئی مشکوٰۃ کا ترجمہ بھی دیکھا ہوا ہوتا تو مان لیتا، بیشک باب المعجزات یہ حدیث بروایت مسلم موجود ہے، اب حال خوش فہمی اور ترتیب دلائل اور تحصیل نتائج کا دیکھیے، رد فاتحہ مرسومہ کی بڑی عمدہ دلیل صفحہ ۹ کی آخر سطروں میں لکھتے ہیں، جب آپکے سامنے طعام تناول کے لئے آتا، آپ سالن کی انتظاری نہ فرماتے اگر کسی نے کہا یا رسولؐ اللہ سالن آنے دیجئے، آپ فرماتے کہ سالن کو روٹی پر فوق دیتے ہو انتہیٰ کلامہ، سبحان اللہ کیا محکم دلیل آپنے رد فاتحہ کیلئے تجویز فرمائی ہے قیاس مع الفارق اول تو یہ کہ وہ کھانا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خود نوش جان فرمانے کا ہوتا تھا محتاجوں کو بقصد ثواب رسانی کھلانے کا نہ ہوتا تھا جب وہ کھانا اور طرح کا ہوا اور یہ اور طرح کا، تو ایکدوسرے پر قیاس کرنا نہ چاہیئے دہی مثال ہوئی جیسا آپ نے

دین کو اور بڑے بڑے جلیل القدر علماء اتقیاء متاخرین و متقدمین کو نہیں چھوڑا اگر مولوی یعقوب علیؒ نے مولوی عبد الحکیم کو کچھ لکھدیا تو کیا شکوہ ہے مؤلف کا تو یہ عین مذہب ہی ہوا اگر یہ کوئی بڑی بات ہو تو اول خود عمل کرے پھر دوسرے کو نصیحت زیادہ اس سے ہم سبکو کا جواب نہیں دیتے کہ علم کی بات نہیں قولہ اب حال خوش فہمی الخ اقول خوش فہمی مؤلف کی تو اول رسالہ سے یہاں تک دیکھتے چلے آئے ہیں پچھلے قول میں مولوی یعقوب علی کی تخطیہ میں بھی مؤلف کی خوش فہمی ظاہر ہو چکی بندہ نے سیف السنۃ کبھی نہیں دیکھی سنی، اس رسالہ ہی سے یہ عبارات اسکی معلوم ہوئی ہیں مگر خوش فہمی مؤلف کی یہاں بھی واضح ہے یہ روایت عدم انتظار سالن کی تو مؤلف قبول ہی کرتا ہے خواہ کیسی ہی ہو، لہٰذا اسمیں کلام فضول ہو البتہ مؤلف نے مابہ الافتراق پیدا کر کے اعتراض کیا ہے کہ طعام اپنے کھانے اور صدقہ کے طعام میں فرق ہے اپنے کھانے کے طعام کا تو ادب ہو کہ انتظار سالن کا بھی نہ ہوا اور صدقہ کا طعام ہو گیا تو ادب نہ رہا کہ بڑا ر کھا ہے حالانکہ طعام دونوں ظاہراً ادب میں برابر ہیں گو وساخ معنوی سے صدقہ ملوث ہو کر دنی نفس کو مکروہ ہوا مگر ادب طعام میں کچھ فرق نہ آیا پس مولوی یعقوب علی کی غرض یہ تھی کہ طعام کا ہر حال ادب ہے اگرچہ صدقہ کا ہو پس طعام رکھنے کے دوسرے کام میں نہ لگے بلکہ مشغول بالکل ہو جاوے جیسا فخر عالم علیہ السلام نے کیا مگر مؤلف نہ سمجھا تو بولا یہ طعام صدقہ کا ہے پس اگر یہ فارق ہے تو مؤلف اپنے دعویٰ کو کسی ایسی دلیل سے درست کرے کہ طعام صدقہ میں ادب نہیں ہوتا ورنہ کلام مؤلف کا لغو بےہودہ رہیگی۔ الحاصل طعام نعمت الٰہی ہو اگرچہ طعام صدقہ کا ہو، حدیث میں ہو کہ اکرموا الخبز اور بھی اکرام ہے کہ بعد طعام آنے کے دوسرے کام میں مشغول نہ ہو متوجہ بالکل طعام ہو جاوے اگرچہ عبادت نفل ہی کیوں نہ ہو چنانچہ حدیث مسلم گذری لا صلوٰۃ بحضرۃ الطعام اور احیاء العلوم میں بھی حضرت علیہ السلام کا فعل نقل کیا ہے کہ انتظار سالن کا بھی نہ کرتے تھے، پس طعام سب برابر ہیں پس قرآن خوانی طعام رکھ کر خود منسوخ ہو گئی اور صدقہ کا فرق محض دعویٰ مردود ہے نقل سو یہ ادب طعام صدقہ میں رفع ہونا مؤلف اگر ثابت کر دیوے تو جانیں

اے وجہ فرق ۲ گندگی ۳ روٹی کی تعظیم کرو ۴ کھانے کی موجودگی میں نماز نہ پڑھو۔

صفحہ ۴ میں لکھا ہے پس آپ اپنی اس مثال کو دیکھیے گا اور گریبان میں منہ ڈالئے گا دوسرا نقصان دلیل یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
سالن کی استطابی میں جو یہ فرمایا کہ سالن کو فوقیت دیتے ہو روٹی پر یہ بات اور ہے اور جو شخص فاتحہ یا قل پڑھتا ہے اور اس سبب تو روٹی
کھانے میں کچھ دیر ہوتی ہے اس کو تو نہیں کہہ سکتے کہ کیا اللہ کے کلام کو فوقیت دیتے ہو روٹی پر پس یہ سمجھ لو کہ یہ دلیلیں تمہاری خود ذلیل
اور تم کو ذلیل کرنے والی ہیں یہ کتاب سیف السنۃ اس معنی کر صحیح ہے کہ سیف قطع کیا کرتی ہے سیف السنۃ بمعنی قاطع سنت یعنی یہ
کتاب سنت کو کاٹنے والی ہے اس لئے کہ تم نے اسکی دلائل میں خیانتیں کی ہیں اور خیانت خلاف سنت ہے اور مولوی عبدالحکیم صاحب
دہلوی کی نسبت جو لفظ بے ایمان اور دغا بازی وغیرہ لکھے ہیں وہ بھی از روئے سنت ممنوع ہیں پس لابد تمہاری سیف سنت کی کاٹنے
والی تلوار ہے چاہیئے کہ ہماری اس تحریر کا نتیجہ ظاہر ہو کر پھر تم کسی کو کلمات شنعیہ نہ کہو اور نیز دین میں مغالطہ اندازی اور فتنہ پردازی کبھی نہ
کرو لمعہ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے، ودر بعض روایات آمدہ کہ روح میت می
آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از روی یا نہ اور خزانۃ الروایات میں ہے عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تتخلص
لیلۃ الجمعۃ وتنتشر فیجاؤا الی مقابرھم ثم جاؤا فی بیوتھم اور صدر بن رشید تبریزی نے دستور القضات میں لکھا ہے من الفتاوی النسفیۃ ان
ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی واولادی واقربائی
اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی غربتنا قد کان ھذا المال الذی فی ایدیکم فی ایدینا فیرجعون منھم باکیا
حزینا ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین اللھم قنطھم من الرحمۃ کما قنطونا من الدعاء والصدقۃ انتہی اس فرقہ کا قاعدہ ہے
جس کتاب میں ان کے خلاف عقائد بیان ہوتے ہیں اس کو کہدیا کرتے ہیں یہ معتبر نہیں اس کی ضعیف روایتیں ہیں اس لئے خبردار کرتا ہوں کہ

التفات ہے وہ خود مردود ہے سبحان اللہ مؤلف کی خوش فہمی ظاہر ہو چکی باقی ان کی کلام مضحکہ صبیان ہے قابل جواب علمی کے نہیں اب
ہی مؤلف سفر ہو چکا ہے کہ طعام کا رکھنا حالت قرآن پڑھنے میں بسبب مشغولی قلب کے مکروہ ہے علیٰ ہذا قرآن پڑھنا طعام رکھی حالت میں مکروہ
ہے بسبب مشغولی قلب کے بلا قباحت مگر مؤلف کے ہوش درست نہیں
جمعرات کی فاتحہ کو یوں منع کرتے ہیں قولہ لمعہ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ الخ اقول سائل نے جمعرات وغیرہ کی فاتحہ مروجہ وغیرہ کو پوچھا تھا
مجیبوں نے اس ہیئت وتقیید کی بدعت ہونے کا فتویٰ دیا تو حسب قاعدہ مسلمہ مؤلف کے یہ بدعت ہونا قید کی طرف راجع ہوا یعنی ہیئت
اور تقیید زمان کی طرف سو وہ ثابت ہو گیا اور کوئی مفتی ایصال ثواب کا منکر نہیں جب کبھی اور جس وقت ہو بلا قید کی جائز ہے البتہ تخصیص
بلا نص کے منکر ہیں، خصوصیت کسی دن کی اگر ... نص سے ثابت ہو جائے تو اعتبار کرتے ہیں ورنہ سب ایام برابر جانتے ہیں اور اس یہ
تخصیص کرنے کو بدعت کہتے ہیں اب مؤلف جمعرات کی تخصیص کے اثبات میں تین روایات لایا ہے بلا سند مگر اس کو خدشہ ہوا کہ اہل سنت
نقص ضعف یا وضع کا کر کے اڑا دیں گے لہٰذا اس کی تدبیر کرتا ہے قولہ اس فرقہ کا قاعدہ ہے کہ اپنے عقیدہ کے خلاف کو غیر معتبر کہتے ہیں الخ
اقول یہ نقص اہل سنت محدثین وفقہاء کا یہی معمول ہے کہ حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اگر صحیح ہوئی تو قابل احتجاج جانتے ہیں ورنہ رد کرتے ہیں
بقولہ علیہ السلام یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الحدیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباءکم فایاکم وایاھم ولا یضلونکم
ولا یفتنونکم الحدیث، پس اس کو محل طعن بنانا کسی عالم کا کام نہیں کہ یہ امر فخر عالم کا ارشاد ہے البتہ فرقہ مبتدعہ اپنی ہوا کی اخبار

لے بجول

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ ہو مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل پر چند مقام پر سند پکڑی اور کتاب خزانۃ الروایات سے بھی انھوں نے سند پکڑی ہے مائۃ مسائل کے مسئلہ ہشتاد و سوم میں اور مسائل اربعین کے مسئلہ سی و پنجم میں و مسئلہ بست و سوم میں اور دستور القضات کی بھی سند پکڑی ہو مسئلہ سیزدہم مائۃ مسائل میں پس یہ کتابیں ان کے بزرگوں کی مسلم الثبوت ہیں غرضکہ ان کتابوں کی روایت کیموافق معلوم ہوا کہ جو لوگ کچھ خیر خیرات اور دعا و درود وغیرہ نہیں کرتے ان کے گھر سے روحیں مولٰی کی غمگین نا امید ہو کر ان کو کوستی بددعا دیتی نکلتی ہیں بنا؎ علیہ سلف میں دستور تھا کہ جمعرات کو صدقہ دیتے تھے، لیکن آخری صدی کے علماء نے چھوڑ دیا مولوی اسماعیل صاحب کے تابعین کہتے

ہیں روایت موضوعہ متروکہ سے استدلال لاتے ہیں؛ اور جملہ محدثین ضعیف حدیث پر جرح کرتے ہیں، دیکھو صحاح ستہ اس سے پر ہیں مگر مولف نے یہ قاعدہ نیا ایجاد کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کتاب سے کوئی روایت نقل کی تو وہ تمام کتب ناقل کے نزدیک معتبر ہو جاوے یہ آج تک کسی نے نہیں لکھا مثلاً ہدایہ شرح وقایہ وغیرہ کتب سے استدلال لاتے ہیں معہذا اس کی ضعیف روایت پر جرح کر کے ترک کر دیتے ہیں ترمذی ابو داؤد وغیرہا کتب سے سند لاتے ہیں معہذا جس روایت میں اس کے ضعف ہو اس کو ترک کرتے ہیں یہ کوادنٰی طالب علم بھی جانتا ہے مگر مؤلف کہتا ہو کہ مولوی اسحاق صاحب نے شیخ عبدالحق اور خزانہ اور دستور القضاۃ سے روایت نقل کی ہیں تو بس سب مرویات منقولات ان کی ان کے نزدیک معتبر اور واجب القول ہو گئیں یہ عجب العجائب استدلال ہو اور خود مؤلف اس کیخلاف عمل کرتا ہے کہ نسائی جو معتبر کتاب ہو اس کی یادہ تم یغشو الکذب کو بزعم خود خلاف مخنین کی روایت سمجھ کر ضعیف متروک بنا چکا ہو حالاں کہ نسائی کو وہ معتبر جانتا ہو پس دوسروں کو کیوں ایسا جان لیا کہ وہ جو روایت نقل کرنے سے سب کے سب معتبر جان لیتے ہیں اگر مؤلف کو مخالفت حدیث صحیح کا عذر ہے تو دیگر علماء بھی یہی عذر رکھتے ہیں غرض مؤلف کی کوئی ہوش کی بات نہیں، اب سنو کہ اول تو ان روایات کی توثیق خود کتاب والوں نے نہیں کی کہ ان کے نزدیک یہ روایات صحاح ہیں یا نہیں اور بدون توثیق کے نفس نقل سے تصحیح نہیں ہوتی، پھر دوسرے ان کی سند بیان نہیں کی جس پر اعتماد ہو تیسرے شیخ نے تو فقط یہ لفظ لکھا کہ در بعض روایات آمدہ، نہ معلوم کہ وہ مرفوع ہو یا کسی عالم کا قول ہو اور خزانہ بعض علماء محققین سے ہی نقل کرتا ہو نہ معلوم کہ کون ہیں اور کیسے ہیں ایسی بھی روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہوتی اور بظاہر قول کسی عالم کا ہو اور دستور القضاۃ میں فتاوٰی نسفیہ سے نقل کیا ہو کہ نہ رفع کا حال معلوم ہو نہ کچھ غرض توثیق ہو نہ سند ہو نہ یہ معلوم کہ کسکا قول ہو اور نفس نقل سے توثیق نہیں ہو سکتی نہ از طرف ناقل نہ از غیر پس ایسی روایت کا اعتبار کس عاقل کا کام ہو بعد اس کے یہ خلاف قواعد شرعیہ کے اور معارض احادیث صحاح کے ہے اس واسطے کہ ایصال ثواب کا ورثا پر حق واجب نہیں باتفاق امت بلکہ مستحب اور احسان محض ہو کسی ایک عالم نے بھی نہیں کہا کہ زندہ پر مردہ کا حق واجب ہے یا حق تعالیٰ نے ایصال کو واجب کیا ہے، پس اگر کسی نے احسان کیا مستوجب ثواب اور مدح کا ہوا اور نہ کیا تو قابل اور سرزنش کے نہیں ہے ۔

— — — — — — — — لہٰذا اگر جمعرات کو زندہ نے مردہ کو ثواب نہ پہنچایا تو کوئی ظلم اس نے میت پر شرعاً نہیں کیا، ہاں احسان بھی نہیں کیا، تو احسان نہ کرنے پر بددعا کا کرنا شرعاً حرام ہے اور قابل سزا اور سرزنش کے ہے کیونکہ یہ بھی ظلم ہے، پس میت مسلم باوجودیکہ ظلمت نفس و شیطان سے چھوٹا حقیقۃ الامر خیر و شر اس کو واضح ہو گئی وہ اب بھی بزعم مؤلف گرفتار معصیت و مرتکب منکرات ہے کہ دیدہ و دانستہ ناحق بددعا کرتا ہے بعد ابتان یقین و کشف آخرت کے بھی وہ شر نفس میں مبتلی ہے اور کسب معاصی میں گرفتار ہے معاذاللہ یہ روایت قطعاً متہم متروک ہو اور خلاف نصوص صحاح کے ہے

لے نقدرہ تعجب خیز سے یہ کذب ظاہر ہو جائے گا کہ اعتماد کرنا ہے مخالف کے تنبیہ

اگر وہ میت بہشتی ہے تو روح اس کی بہشت کو چھوڑ کر کیوں آتی ہوگی اور اگر کافر دوزخی ہے تو دوزخ سے نہیں چھوٹتی، ہم کہتے ہیں
دوزخ کہنے کا ہم کو حکم نہیں مردہ مسلمان کو ہم مسلمان کہیں گے اور مسلمان جانیں گے اسی واسطے شرعاً ہر مسلمان کی نماز پڑھنی اور
مقابر مسلمین میں دفن کرنے کا حکم دیا جاتا ہے یہ نہیں کہ شبہ نکالیں کہ عندالموت ایمان سلب ہو گیا ہوگا پس جبکہ ان کو مسلمان جانا اور مسلمانوں
کی طرح نماز ان کی پڑھی مسلمانوں میں دفن کیا اب کیا نا مناسب ہے کہ موقع فاتحہ میں شک کریں کہ کیا جانیں وہ دوزخ میں ہیں یا بہشت
میں اس موقع پر بھی مسلمان جاننا چاہیئے اور ارواح مومنین کا حال یہ ہے کہ اگرچہ ان کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھل جاوے جس طرح حدیث

ارواح کو عالم برزخ میں سیئات کے ظلمات و قبح اور حسنات کے انوار حسن
مشاہدہ ہو جاتا ہے، پس ان سے بعد مشاہدہ کے نافرمانی حق تعالیٰ کی ممکن نہیں مؤلف نے اپنے اوپر ارواح برزخ کو قیاس کیا ہے
کہ قرآن کا ترجمہ پڑھتا اور دیکھتا ہے اور پھر عقاب آخرت کا خیال سوائے نفسانی کچھ نہیں کرتا پھر یہ کہ جب یہ ایسا امر تھا کہ واجب ضرور
ہے اور نہ عمل کرنے سے بددعا ارواح کا محل ہوتا تھا تو ایسے شائع امر کا کسی صحیح روایت مرفوع یا موقوف سے ثبوت نہ ہو اور نہ اہل صحاح اس
کو روایت کریں حالاں کہ کثرت عمل کرنے سے چاہیئے کہ بشہرت منقول ہوتا۔ مگر ایک بھی روایت نہ ہو اس کو کون عاقل قبول کرسکتا ہے
ایسی روایت حسب قاعدہ اصول معتبر نہیں ہوتی سو حال تو دستور القضات کی روایت کا ہو رہی نہ حدیث باقی سوان میں بددعا کا ذکر نہیں
البتہ آنے کا ذکر ہے پس ہر سہ روایت آنے ارواح بھی مخالف صحاح کی ہیں کیوں کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور احمد سے منقول ہے کہ جب میت کی روح
برزخ میں جاتی ہے تو ارواح جمع ہو کر اپنے اقارب کا حال پوچھتے ہیں تو وہ جو پہلے مر لیا تھا اس کو کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر لیا تھا، اگر یہ
ہر ہفتہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں تو ان کو کیا حاجت استفسار کی ہے اپنی آنکھ سے تو سب حال دیکھ آتے ہیں اور سوائے اس کے اور احادیث میں
میں اس قسم کی دلالات موجود ہیں کہ ان روایات کو رد کرتی ہیں، پس یہ ہرگز قابل اعتبار نہیں اور نہ اس پر عمل سلف کا ہوا یوم جمعہ میں استحباب
صدقہ کا وارد ہوا ہے۔ مگر لیلۃ الجمعہ یا یوم الجمعہ میں استحباب ایصال ثواب کا کسی روایت معتبرہ میں وارد نہیں اور بعد ان سب امور کے یہ تو
کہ یہ اعتقادیات میں داخل ہے کہ ارواح کا شب جمعہ کو گھر آنا اعتقاد کرے اور اعتقادیات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے نہ ظنیات صحاح کا چہ جائیکہ
ضعاف اور موضوعات کا بس قصہ طے ہو گیا اور فیصلہ ہو گیا اگر علم بھی اور دین بھی ہو اور مؤلف دوزخی ارواح کفار تو مقر ہیں کہ نہیں آسکتی
علیٰ ہذا ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ فساق کہ عذاب قبر میں مبتلا ہیں ان کا بھی آنا مؤلف کے نزدیک درست نہیں، کیوں کہ ملائکہ عذاب اور عذاب
مسلط قبر سے کس طرح نکل سکتا ہے مگر ارواح صلحا میں مؤلف کو البتہ ادعا ہے کہ بیشک آتی ہیں کیوں کہ حدیث متواتر قطعی قابل عقیدہ مؤلف کی
دستور القضاۃ وغیرہ کتب میں موجود ہے لہٰذا جب اتباع مولوی اسماعیل صاحب نے یہ کہا کہ ارواح جنتی جنت کو چھوڑ کر دنیا میں کیوں آتی ہوں گی تو مؤلف
نے بڑی تحقیق و تدقیق سے جواب دیا کہ جنتی ارواح اگرچہ دنیا میں آویں جنتی ہی کہلاتی ہیں، اور جنتی ہونے سے نہیں نکل جاتی اور ساکن دہلی کی نظیر لکھی،
سبحان اللہ کیا فہم عالی مؤلف کا ہے اتباع سنت تو یہ کہتے ہیں کہ ارواح جنتی کے کہ جن کے واسطے دریچہ جنت کھلا ہوا ہے اور روح و ریحان برابر
چلا آتا ہے اور چھوڑ دو سرور اور نم کنومۃ العروس اور سیر جنت ان کو حاصل ہے پھر وہ دنیا دار الکدر میں کہ تمام دنیا کی ایک ذرہ بھر بھی اس کو نہیں
کیوں آتے ہوں گے ایسی راحت چھوڑ کر اس ظلمت کدہ میں آویں باوجود ان نعماء کے جو حدیث سے معلوم ہوتی ہیں تو مؤلف خوش فہم سمجھ گئے کہ
ان کے نزدیک ارواح جنتی نہیں رہتی جنت سے خارج ہو کر دنیا ہی ہو گئی اور آپ کی تحقیق میں خوب نظیر مثال سے جواب یا لاحول ولا قوۃ الا باللہ

-- ۔ ۔ ۔ جمعہ اور شب جمعہ کی رات سے جن کے بارے میں بعض گمان ہو کہ انتظار کرنے ملاقات خوشی سے سجا دلہن کی طرح سے نعمت کی جگہ

صحاح ستہ میں وارد ہوا ہے، اور اگرچہ اس کو بہشت کی ناز و نعمت استراحت ہو لیکن یا مہر دنیا کی بھی سیر کرے تو وہ اہلِ بہشت ہونے سے خارج نہیں ہوا تخت گاہ دہلی کا بسنے والا اگر شاہدرہ اور لونی وغیرہ مواضع کی سیر کرنے پھر دہلی کو پھر جاوے کیا یہ بات اس کو ساکن دہلی کہنے سے روک دیگی حاشا وکلا وہ کہیں پھر پھرا کر آ جاوے وہ اہلِ دہلی کہلاوے گا، اسی طرح بہشتی روح دنیا میں کسی مواضع اور مواقع کی سیر کرے تب بھی وہ ساکن بہشتی کہلاوے گی الحاصل ارواح کی جنبش اور چلنا پھرنا ثابت ہے حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب عوارف کے باب تعیین[1] میں یہ حدیث نقل کی ہے روی سعید بن المسیب عن سلمان قال ارواح المومنین تذھب فی برزخ من الارض حیث شاءت بین السماء والارض حتی یردھا الی جسدھا، اور قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتیٰ میں لکھا ہے ابن ابی الدنیا ابی مالک روایت کردکہ ارواح مومنین ہرجاکہ خواہند می روند الی آخرہ ان حدیثوں سے ارواح کی سیر دنیا میں کرنی ثابت ہوئی، اور ظاہر ہے کہ دنیا اپنا گھر سب کو مالوف

حدیث بخاری کی ہے، کہ جسکو جنت ملگئی اگر دنیا و ما فیہا اس کو دیویں تو دنیا میں آنا قبول نہ کرے، مگر شہید دوبارہ فی سبیل اللہ جان دینے کو آنا چاہتا ہے الحدیث، اس حدیث اور دیگر احادیث کی وجہ سے اہلِ سنت کو تامل ارواحِ مومنین کے آنے میں تھا ہرچند مراد حدیث میں زندہ ہو کر آنا ہے مگر نعماءِ آخرت کو اور اکدار دنیا کو مقابلہ کرکے بے حقیقت ہونا دنیا کا بھی اس سے روشن ہے اس واسطے یہ تامل تھا تو مولف خوب سمجھے، اور خوب جواب پایا کہ مولف ہی کے موافق ہے اگر مولف یہ جواب دیتا کہ اموات کا عمل منقطع ہو گیا ہے اور ثواب کی حرص بسبب کشفِ حقیقت ثواب کے بڑھ گئی ہے تو ثواب حاصل کرنے کو ارواح مومنین آتی ہیں تو یہ بات کچھ معقول بھی تھی مگر ایسا جرلوز جواب کہ خلاف سوال کے ہے جہان کا حوصلہ ہے، وہی جواب دیا اب جواب اس تقریر کا یہ ہے کہ طمع ثواب کے واسطے دنیا میں آنا اور ان راحتوں کو ترک کرکے چلا آنا کیا ضرور ہے، ارواح اپنے مقر میں متوقع ثواب رہتی ہیں، جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے تو اگر تاویل ان ضعاف روایات کی بھی یہی کیجاوے تو لائق ہے نہ کہ ان کی وجہ سے صحاح کو ترک کریں اب سنو کہ جیسا ارواح کفار اور فساق گرفتار عذاب کا یہاں آنا ممنوع ہے اور ملائکہ کے ہاتھ سے چھوٹ آنا مکروہ ہے لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون ایسا ارواح انبیا و صدیقین و شہداء و اولیاء کا بھی آنا خلاف ہے کہ ایسی حالت ذلت کا اختیار فرماویں اب عامہ مومنین باقی رہ گئی سو اگر تخصیص ہو ہوا کرے اگر صحیح بھی ہوں اور کوئی حدیث صحیح معارض بھی نہ ہو فرضاً تاہم قیاس اس کا مخصص ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ایک دو فرد اس میں رہ جاوے جیسا قاعدہ عموم اصول میں مبرہن ہے پھر یوں بھی یہ روایات خارج از اعتبار ہو گئیں، اگر علم و فہم ہو تو سب کچھ ہے ورنہ ایمان کا خدا تعالیٰ ہی حافظ ہے جو لکھا دیکھا اس پر ہی ایمان لے آئے سچ ہے نیم ملا خطرہ ایمان قولہ الحاصل ارواح کی جنبش الخ اقول کلام تو دنیا میں اپنے گھروں پر آنے میں ہے اگر دنیا میں آنا مطلقاً ثابت ہو جب بھی مولف کا کام نہیں نکلتا چہ جائیکہ مطلق حرکت و جنبش ثابت ہو پس روایت عوارف سے برزخ میں چلنا پھرنا ثابت ہوا برزخ لغت میں دو شئے کے حاجز کو کہتے ہیں اور شرع میں دنیا و آخرت کی درمیان کی حالت کو کہتے ہیں، پس عالم برزخ کی حرکت ارواح کی تو صحاح حدیث میں بھی موجود ہے مگر اس سے بحث نہیں عوارف سے بھی وہی نکلا مگر مدعا مولف کا دنیا کے گھر میں آنے کا تھا اور دلیل برزخ میں حرکت کرنے کی اس فہم پر آفرین ہے مولف زمین آسمان کے لفظ سے شبہ میں پڑا ہوا ہے سو یہاں زمین آسمان برزخ کا مراد ہے علی ہذا تذکرۃ الموتیٰ کی روایت میں ہرجاکہ خواہند روند برزخ مراد ہے اور جو کوئی بخاطر مرعی عموم کو قبول کرے تو اس روایت سے اختیار سیر کا ثابت ہے نہ آنا کہ آیا کرتے ہیں آگے قیاس سے اثبات ہوگا اور امور آخرت اعتقادیات میں عقل و قیاس کو دخل نہیں مگر مولف محض لا یعلم ہے اب مولف کا کہنا کہ ان حدیثوں سے سیر دنیا کی

[1] دنیا کی کدورتیں سے روح کی جمعیت آڑ سکے جس جگہ چاہتے ہیں جاتے ہیں ۱۲

ہوتا ہے پھر اپنے گھر کی طرف روح کیوں نہ آتی ہوگی اور اس فرقہ کی بڑی بے منصفی ہے کہ اپنے پیر مرشد قبلہ کے منہ سے جو بات نکلے وہ تو پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے اور جو دوسرا کوئی احادیث سے بھی ثابت کرے تو اس پر ایمان نہیں لاتے اب دیکھئے اسی مسئلہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب نے صراط مستقیم کے آخر ورق میں اپنے پیر و مرشد کی تعریف میں لکھا ہے کہ حضرت غوث الثقلین اور خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحیں ان کی طرف متوجہ ہوگئیں اور ایک مہینہ تک ان میں چھینا جھپٹی رہی یعنی ایک کہتی تھی کہ ہم سید احمد کو اپنی طرف لیں، دوسری کہتی تھی کہ ہم لیں آخر دونوں پاک روحوں نے آپس میں صلح کر کے یہ بات ٹھیرائی کہ اچھا سید احمد صاحب میں ہمارا تمہارا دونوں کا ساجھا ہے بابت ایک دن دونوں روحیں ان پر ظاہر ہوئیں اور توجہ قوی ایک پہر تک دی اتنی دیر میں دونوں طریقوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی انتہٰی کلامہ، اب دیکھئے کہاں غوث اعظم کا مزار بغداد شریف میں اور کہاں خواجہ عالی شان نقشبند کا مزار بخارا میں پھر ان کی روحیں خبر نہیں علیین کے کس طبقہ اور جنت کے کس درجہ میں ہوں گی اور یہ بھی ہے کہ ان دونوں حضرات مقدس کے مریدوں میں سیکڑوں اولیاء کاں کیا کہوں بلکہ ہزاروں لاکھوں مقبولین ہوں گے تس پر بھی ان کی ہوس نہ بجھی اور سید احمد صاحبؒ کی ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ سید احمد صاحبؒ کو اپنی نسبت مریدی میں لیجے اور اسی آرزو میں علیین یا بہشت کو چھوڑ کر روحیں ہندوستان میں اتر آئیں ہم اس کو رد نہیں کرتے لیکن ان دانشمند منصفوں کی دینداری پر افسوس کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر باوجودیکہ از روئے عقل اس میں چند باتیں خلاف عادی معلوم ہوتی ہیں لیکن تم اس کو مسلم رکھتے ہو اور اس عقیدہ کو سب ان کو بدعتی نہیں کہتے اور ہم روحوں کا آنا اپنے گھروں پر باوجود مقتضائے عقل ہونے کے کہ البتہ اپنا گھر ہر کسی کو مالوف ہوتا ہے اور روح کو بعد مکانی

ثابت ہوئی کسقدر خبط ہے کیوں کہ ثابت ہوئی سیر برزخ کی اور بیان کرتے ہیں کہ سیر دنیا ثابت ... ہوئی پس اب مؤلف کا قیاس دلیل کے اتمام کو شروع ہوا کیوں کہ ان روایات سے نفس جنبش ثابت ہوئی تو ایک مقدمہ قیاسی لگا کر مطلب تمام ہوتا ہے اور یہ محض جہل ہے ۔ قیاس کو ان امور میں دخیل جاننا اور مطلب ثابت کرنا الحاصل یہ دعویٰ و دلیل مؤلف کا سب بیہودہ ہے اور اصل ایصال ثواب ہر روز و ہر شب جائز ہے۔ اور موجب برکت و ثواب کا ہے مگر قید زمان بدون اذن شارع لگانا بدعت محدثہ ہے قولہ اس فرقہ کی بڑی بے منصفی ہے ۔ اقول یہ بے نصیبی و خسران مؤلف اور اس کے ہم مشربوں کا ہے کہ اولیاء کی شان میں استہزاء شوخ کلامی کریں۔ طریقۂ اولیاء سے اور علم شریعت سے بے بہرہ ہونا اس کا ہی ثمرہ اور خبط عقل ہونا اور کلام بے ربط ہونا اس کا ہی نتیجہ ہے۔ اس کے کلمات ناشائستہ کا جواب نہیں لکھتا ہوں۔ حق تعالیٰ خود کافی ہے مگر اس کے جہل حقیقۃ الحال کو ظاہر کرتا ہوں کہ اولیاء کے مثل انبیاء علیہم السلام کے کثرت اتباع کی ہر روز خواہش رہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کروڑوں اتباع ہوئے اور پھر کثرت امت فخر عالم علیہ السلام پر غبطہ کر کے روئے بخاری میں یہ قصہ موجود ہے۔ فخر عالم علیہ السلام کثرت امت پر مباہات فرمادیں گے ۔ اور ہر روز طالب کثرت امت کے رہے اس کی تمنا میں امت کو ولود عود تو نکاح کی تاکید فرمائی، پس اسی طرح حضرت غوث اعظمؒ اور خواجہ بہاء الدینؒ کو چونکہ معلوم ہوا تھا کہ سید احمد صاحبؒ کی شان بزرگ ہے اور کثرت سے ان کے مرید و اتباع ہوویں گے، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ لاکھوں سے تجاوز کر گئے ہیں اس واسطے ان کی اپنے خاندان میں ہونے کی رغبت تھی حالت حیات میں اولیاء ایسے مرید کے طالب رہے ہیں پس یہ امر خلاف عقل سلیم کے ہرگز نہیں کہ مؤلف کو عقل نہیں کہ سمجھے اور عالم ارواح جو عالم غیب ہے نہ ہندوستان میں ہے اور نہ بغداد و بخارا میں سو اجتماع ان ارواح کا عالم غیب میں تھا نہ سید صاحب بغداد و بخارا تک تشریف لے گئے، اور نہ یہ حضرت ہندوستان میں تشریف لائے، بلکہ اجتماع روحانی ہوا جیسا رویا میں عوام کی ارواح کو بھی ہوتا ہے

. حضرت ۔ رشک ۔ فخر ۔ خواب ،

مانع نہیں، کیوں کہ وہ مجردات سے ہے اگر ثابت کرتے ہیں اور اس پر حدیث بھی پیش کرتے ہیں اور روایت فقہاء رحمہم اللہ کی سند گذارتے ہیں، اس پر انکار کرتے ہو اور اس اعتقاد کے باعث ہم لوگوں کو بدعتی کہنے لگتے ہو یہ وہی مثل ہے جس طرح فرقۂ معتزلہ اپنے کو اصحاب العدل والتوحید نام کرتے ہیں اور اہل سنت وجماعت کو وہ بدعتی اور ارباب الہوا کہتے ہیں، اب قلوب قاسیہ کے نرم کرنے کو ایک قصہ نہایت معتبر کتاب سے جس کے مصنف کو نوسو برس سے زیادہ ہوئے چار واسطہ سے امام ابو یوسفؒ کے شاگرد ہیں لاکھ حدیث ان کو حفظ تھی ان کا خطاب امام الہدیٰ ہے اور نام ان کا نصر بن محمد اور لقب ان کا فقیہ ابو اللیث سمرقندی مشہور ہے وہ اپنی کتاب سمرقندی میں باب فضل جمعہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا اور وہ فرماتے تھے کہ پہنچا مجھکو قصہ صالح مری کا کہ وہ جمعہ کی رات کو جامع مسجد میں آئے کہ نماز فجر میں آئے راستہ میں ایک مقبرہ ملا دل میں آیا کہ صبح صادق ہو جاوے گی اس وقت مسجد کو چلیں گے مقبرہ میں ٹھیر گئے، دو رکعت نماز پڑھی اور ایک قبر سے کچھ سہارا لگا لیا نیند آنکھوں میں بھر آئی دیکھتے کیا ہیں سب اصحاب قبور قبروں سے نکلکر حلقہ حلقہ بیٹھ گئے باتیں کرنے لگے ایک جوان کو دیکھا اس کے کپڑے میلے اور اس مغموم بیٹھا ہے اتنے میں بہت خوان ڈھکے ہوئے آئے ان میں سے ہر آدمی اپنا اپنا خوان لیتا گیا اور چلتا گیا آخر وہی بے چارہ جوان رہ گیا اس کے پاس کچھ نہ آیا، اور اس غم کا مارا اٹھ کھڑا ہوا جب قبر میں داخل ہونے لگا صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے تو کیوں اداس ہے اس نے کہا تم نے دیکھا کس قدر خوان آئے تھے، میں نے کہا ہاں، وہ بولا یہ تحفہ تحائف تھے جو ان کے واسطے خیر خواہوں نے بھیجے تھے، جو وہ صدقہ دعا وغیرہ کرتے ہیں، ان کو پہنچا ہے جمعہ کی رات کو اور میں رہنے والا ملک سندھ کا ہوں اپنی ماں کو لیکر واسطے حج کرنے کے آیا تھا جب بصرہ میں پہنچا میں مر گیا میری ماں نے میرے بعد نکاح کر لیا اور دنیا میں مشغول ہوگئی مجکو بھول گئی نہ منہ سے کبھی نام لیتی ہے نہ زبان سے دعا، اب میں غمگین نہ ہوں تو کیا کروں میرا کوئی نہیں جو یاد کرے تب صالح مری کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا تیری ماں کہاں ہے اس نے پتہ دیا صبح ہوگئی نماز پڑھی اور اس کا گھر ڈھونڈتا ہوا گیا اس نے اندر سے آواز دی تو کون ہے میں نے کہا صالح مری اس نے بلایا میں گیا، میں نے کہا بہتر یہ ہے تیری اور میری بات کوئی نہ سنے تب میں اس سے نزدیک ہو گیا، فقط ایک پردہ بیچ میں رہ گیا، میں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھپر رحم کرے کوئی تیرا بیٹا ہے؟ بولی کہ نہیں، میں نے کہا کبھی ہوا تھا تب وہ سانس بھرنے لگی اور بولی ایک بیٹا نوجوان تھا مر گیا، تب میں نے اس کا قصہ مقبرہ کا بیان کیا اس کے آنسو بہنے لگے اور کہنے لگی اے صالح مری وہ میرا بیٹا میرا کلیجا تھا پھر اس عورت نے مجھ کو ہزار درہم دیئے اور کہا میرے نور چشم کی طرف سے خیرات

عالم مثال میں مؤلف اور اس کے مقتدایان کو عقل نہیں بے سمجھے طعن واستہزاء کر کے اپنی آبرو کھوتے ہیں اور اس قصہ سے مطلب مؤلف کا بھی کچھ ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ مقصود مؤلف کا دنیا میں ارواح کا آنا ثابت کرنا تھا وہ خود مفقود ہے اس کم فہمی سے یہ قصہ لکھا تھا کہ اہل بیان پر یہ قول حجت ہو جاوے گا اور ہمارا استہزاء حاصل ہوئے گا ان حضرات کی روح کا آنا سید صاحب کے گھر پر قبول کر لیویں گے مگر آفریں ہے ایسی ہی سمجھ چاہیئے باقی کلام کا جواب خود ہو لیا اور دیگر فضول گستاخ کلام کا جواب مطروح ہے کہ علم کی بات نہیں، قولہ صالح مری کا قصہ مانعین کو مضر نہیں مجوزین کو مفید نہیں اور اس کی بحث میں بھی کلام ہے۔ قولہ اب قلوب قاسیہ کو نرم کرنے کو الخ اقول مؤلف نے اس قصہ کو اپنے دعویٰ باطل کی تائید کے خیال سے لکھا تھا، مگر غافل کو خبر نہیں یہ اس کے دعویٰ کو برہم کرتا ہے اول تو دیکھو کہ اس میں یہ نہیں لکھا کہ ارواح اہل مقبرہ اپنے اپنے گھر گئے بلکہ قبروں کے پاس جمع ہوئے اور ان کے گھروں سے خوان آئے اور مؤلف کہتا ہے

لے ہنسی اڑانا۔

کر مجھکو اور آپ سے دعا و خیرات نہ بھولوں کی جب تک دم میں دم ہے۔ صالح مزی فرماتے ہیں پھر میں نے دس ہزار درہم خیرات کر دیئے، اگلی جمعہ کی رات اس مقبرہ میں گیا۔ دو رکعت پڑھی ایک قبر کے سہارے سے بیٹھ گیا سر جھکا کر پھر میں نے ان لوگوں کو قبروں سے نکلتے دیکھا اور اس جوان کو دیکھا سفید کپڑے پہنے نہایت خوش وہ میرے پاس آکر کہنے لگا اے صالح مزی اللہ تیرا بھلا کرے مجھ کو ہدیۂ تحفہ پہنچ گیا میں نے کہا تم جمعہ کو پہچانتے ہو کہا جانور تک پہچانتے ہیں۔ یہ کہا کرتے ہیں سلام لیوم صالح یعنی یوم الجمعہ ۔نتہی۔ اے بھائیو اگر ایسے امام الہدی کا نقل کیا ہوا قصہ دردآمیز تمہارے دل کو خوف الٰہی سے نہ ہلاوے تو کمال حسرت کی بات ہے پتھر بھی اللہ کے ڈر سے نرم ہو جاتے ہیں ان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانہار ہلکے آدمی جمعرات کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ دو آنہ کا مزدور جس کے پاس کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تھا وہ بھی جو سیر بھر آٹا بال بچوں کے واسطے لاتا اور شام کو پکواتا اس میں نیت کرتا تھا کہ یارب العالمین یہ جو بال بچوں کا نفقہ میرے ذمہ تیرے حکم سے واجب ہے اور ادائے واجبات الٰہی میں آدمی مستحق ثواب ہوتا ہے آج جو یہ سیر بھر کی روٹیاں اپنے ان بچوں کو دیتا ہوں اس نفقہ واجبہ میں میری یہ نیت ہے کہ اس میں جو مجھکو ثواب ہوتا وہ میری طرف سے میرے فلانے عزیز میت کو پہنچے غرضکہ ... تنگدست آدمی اسے روزمرہ کے نفقۂ واجبہ عیال میں نیت ایصال ثواب کرتے تھے اور فاتحہ درود پڑھ کر بعد ازاں وہ بال بچوں کو وہ کھانا کھلا دیتے تھے۔ اموات کو محروم نہ رکھتے تھے اور تو انگر آدمی تو بہت کچھ دیا کرتے تھے اب جیسی ہمتیں لوگوں کی پست ہوگئیں اور اس بخیلی کے ساتھ ... بھی بہانہ ہاتھ آگیا کہ اس کو تو مولوی لوگ بدعت کہتے ہیں پس بالکل آدمی چھوڑ بیٹھے اور نگنتے کو ٹھیلتے کا بہانہ مثل مشہور ہے، اب ہم نے تم کو ... کتب معتبرہ کی سنا دی تم کو چاہیئے کہ اب اس سے سستی نہ کرو اور صدقات و خیرات اندر درود فاتحہ سے اپنے عزیزوں کو یاد رکھو ایک مسئلہ سناتا ہوں جسقدر تم اموات کے نام دوگے یا پڑھ کر بخشو گے اموات کو سب پہنچے گا، اور اسی قدر تم کو بھی ملے گا کچھ تمہارا ثواب کٹ نہ جاوے گا ... دونوں کامیاب ثواب کے ہوگے، خزانۂ الٰہی میں کچھ کمی نہیں۔ وہ دونوں کو دیتا ہے ان ربک واسع المغفرۃ فقط تمہاری ... بیت کا کھانا ہے لمعہ ثالثہ عیدین اور شب برات اور عشرہ محرم میں فاتحہ فی خزانۃ الروایات عن ابن عباس

... اپنے گھر جاتی ہیں دوسرے یہ کہ ایصال ثواب اول شب میں ہوتا ہے اور یہ وصول قریب صبح کے ہوا حالانکہ ملائکہ فوراً پہنچاتے ہیں ... کو بعد مسافت مانع نہیں کہ سفر کریں اور نہ دیر سے پہنچادیں اور نہ تاخیر کریں پس یہ دونوں امر خلاف مذہب مؤلف کے ہوئے۔ مگر شاید ... بوقت عذر کرے کہ ان اہل قبور کو گھر جانے کا حکم نہیں تھا، اور بسبب بعد مسافت کے دیر میں ثواب پہنچا استغفر اللہ، استغفر اللہ، تیسرے یہ کہ ... جس کو ہدیہ نہ آیا اس نے اپنی والدہ کو بددعا نہیں کی ہاں مغموم ہوا تو یہ بھی مؤلف کی روایات کے خلاف ہوا چوتھے ہزار درہم کا صدقہ کرکے ... جمعہ کو حضرت صالح نے مقبرہ والوں کو دیکھا تو اثر ہزار درہم کا جوان پر پایا، مگر اس جمعہ میں قبروں سے نکلتے دیکھا مگر ہدیہ کسی کو نہیں ملا ... اس جوان نے کہا کہ آج مجھکو ہدیہ ملا بلکہ پہلے ہدیہ کا اثر اور شکر بیان کیا۔ تو اس جمعہ کو ہدیہ نہ ہونے سے نہ کسی نے بددعا کی اور نہ کوئی ہدیہ لینے کو ... جس سے معلوم ہوا کہ نہ کوئی گھر جاوے اور نہ عدم وصول پر بددعا کرے۔ ہاں وصول سے ترقی میت کو ہوتی ہے بہرحال یہ قصہ مؤلف کے دعویٰ ... ہے اور اہل سنت کو کچھ مضر نہیں اول تو خواب رویا سے حکم شرع کا ثابت نہیں ہوتا اور پھر اس رویا کی تاویل ہو سکتی ہے اور اگر بلا ... ہو جب بھی کوئی حرج نہیں مگر مؤلف کو بجز افسوس و حسرت کے کیا حاصل ہوا یہاں مؤلف متن اور حاشیہ میں کہتا ہے کہ اپنے بال بچوں کو ... دیتے تھے حاشیہ میں شبہ کیا اور اپنا علم ظاہر کیا اور غلط فہمی کا اظہار فرمایا مگر ایسی شکل میں ثواب طعام صدقہ کا نہیں ہوتا بلکہ اس فعل کا

... دینے والا کہ خواب،

رضی اللہ عنہ یقول اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشوراء او لیلۃ نصف من شعبان تأتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتہم فیقولون ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا یا من سکنتم بیوتنا ویا من سعدتم بما شقینا ویا من اقمتم فی وسع قصورنا ونحن فی ضیق قبورنا ویا من استذللتم ایتامنا ویا من نکحتم نساءنا ھل من احد یتفکر فی غربتنا وفقرنا کتبنا مطویۃ وکتبکم منشورۃ واضح ہو کہ یہ کتاب خزانۃ الروایات پرانی کتاب ہے جس نسخہ سے یہ عاجز نقل کر رہا ہے وہ چار سو برس سے کسی قدر کم کا لکھا ہوا ہے اب دیکھئے تصنیف کب ہوئی ہوگی صاحب کشف الظنون نے اس کے مصنف کا حال یہ لکھا ہے کہ یہ قاضی جگن ہندوستان کے حنفی المذہب اور ساکن گجرات تھے تمام عمر فتوی دینے اور لکھنے میں گذاری انتہی کلامہ پس معتبر ہونا اس کا ظاہر ہو گیا اور نیز ہم بیان کر چکے ہیں بیان فاتحہ جمعرات میں کہ مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل میں اور مسائل اربعین میں اس خزانۃ الروایات کی سند پکڑی ہے معتمد علیہ ہونا اس کتاب کا اور پورا ہونا معلوم ہو چکا اب ترجمہ اس کی روایت کا معلوم کر دیکھنا ہو صاحب خزانۃ الروایات کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہو کہ جب ہوتا ہے دن عید کا یا جمعہ یا عاشورہ محرم کا یا شب برات، تب آتی ہیں روحیں مونین کی وکھڑی ہوتی ہیں اپنے دروازہ پر اور کہتی ہیں کہ کوئی ہمارا جو ہم کو یاد کرے اور ہم پر رحم کرے ہماری غربت کو یاد کرے تم ہمارے گھروں میں رہتے ہو ہمارے مال سے چین کرتے ہو تم کشادہ مکانوں میں بیٹھے ہو ہم تنگ قبروں میں پڑے ہیں ہمارے یتیم بچوں کو تم نے ذلیل کر رکھا ہے اور ہماری بیبیوں کو تم نے نکاح میں کر لیا اب تم میں کوئی ہے جو فکر کرے دھیان کرے ہماری غربت اور محتاجی کا ہمارے نامہ اعمال لپٹ چکے تمہارے نامۂ اعمال کھلے ہوئے ہیں انتہی اور واضح ہو کہ جس طرح یہ روایت خزانۃ الروایات میں ہو اسی طرح دقائق الاخبار میں بھی ہو اور دقائق الاخبار منسوب ہے امام غزالی کی طرف اور تفسیر کریمہ تنزل الملئکۃ والروح میں مفسرین کے چند اقوال ہیں بعضوں نے کہا روح ایک فرشتہ ہے اور بعضوں نے کہا کہ جبریل ہیں اور بعضوں نے کہا کہ روح حضرت عیسی ہیں جو فرشتوں کے ساتھ اترتے ہیں اور بعضوں نے کہا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور دقائق الاخبار میں ہے کہ بعضوں نے کہا ارواح بنی آدم مراد ہیں عبارت اس کی یہ ہے ویقال الروح الارواح الاموات

ثواب پہنچا ہی خاتمہ اب بنظر ودر رو کر مؤلف کو اپنے اشک شک پر پچھنے چاہیئں۔ کہ عیدین و شب برات کا لمعہ آیا والحمد . . . .

قولہ لمعہ ثالثہ الخ عیدین اور شب برات اور عشرہ کی فاتحہ میں کوئی روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔ اقول پانسو چھ سو برس کی کتاب ہونا کوئی وجہ اعتبار نہیں ہے یہ تو مؤلف کی کم علمی کی بات ہے۔ غیر معتبر کتب قرون سابقہ میں بھی تھی اور مولوی محمد اسحاق صاحب کی نقل کرنا سے ہر ہر روایت اس کی معتبر ہو جانا بھی کوئی حجت نہیں پہلے ذکر اس کا ہو چکا اور مومن کی قبر میں وسعت مد بصر تک ہوتی ہے اور روح و ریحان جنت کی آتی ہے اور نور ہوتا ہے یہ سب احادیث میں موجود ہے اور دنیا کے گھروں کا حال سب کو معلوم ہے پس باوجود اس کے ارواح کا یہ کہنا کہ تم کھلے کشادہ گھروں میں اور ہم تنگ قبروں میں خلاف عمل کے ہوا اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کو حکم ہوتا ہے نم کنومۃ العروس اور اس روایت میں کربت کا رونا ذکر ہے اور اعمال صالحہ اور روح جلیۃ سے انس مومن کا صحاح میں مذکور ہے اور اس میں غربت و وحشت کا اظہار ہے پس مؤلف ناواقف صحاح کی خلاف اس حدیث کی ترویج میں کسقدر سرگرم ہے کہ کچھ پس و پیش کی ہوش نہیں اور پہلی روایات میں جو کچھ بحث ہو چکی ہو وہ سب یہاں بھی ہو اور پھر عقیدہ کے باب میں یہ حدیث ہی سبحان اللہ کیا عمدہ طرز ترویج ہو کہ بے شرمی محض ہے

قولہ اور تفسیر کریمہ تنزل الملئکۃ والروح الخ تنزل الملئکۃ والروح سے شب برات وغیرہ میں ارواح کا گھر آنا ثابت نہیں ہوتا اقول مؤلف اقوال بارد کی نقل سے اپنا دل سرد کرتا ہو دیکھئے کیا عجب استدلال ہو کہ دعوی تو نزول ارواح کا عیدین و شب براۃ و عشرہ محرم

---

[1] درست تہ جو نظر

جنسن یتربون ربنا امکن ن لنا بالنزول الی منا زلنا حتی نری اولادنا و عیالنا یتزورون فی لیلۃ القدر انتہی اب گوش ہوش سے

سنا چاہیئے کہ باپ کو اولادِ صالح کی دعا سے نفع پہنچتا ہے صحیح مسلم کی حدیث ہو ولد صالح یدعو لہ اس حدیث میں تم لوگوں کو اشارہ ہوا کہ

جن کی اولاد میں ہو انکے حق میں دعا کرو فاتحہ درود پڑھو دوسری حدیث بیہقی کی ہو ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ

تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا اس حدیث میں اشارہ ہو گیا ماں باپ کو وہ اپنی

اولاد کو دعائے خیر سے یاد رکھیں اور بھائی بھائی کو اور دوست دوست کو اس واسطے کہ اس حدیث میں ارشاد ہو گیا کہ مردہ ان سب کیطرف

آس لگائے رہتا ہے غرض دونوں حدیثوں کے مضمون سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سب دوستوں اور اقربا کو چاہیئے کہ اپنے دوست اور

عزیزوں کو یاد رکھیں اور آدمیوں کا حال یہ ہو کہ دنیا کے جنجال میں پھنسکر اپنے عزیزوں کو جو کہ مر گئے بالکل بھول جاتے ہیں روزمرہ کی یاد تو کہاں بھلا

تیوہاروں کو یعنی عید بقرعید شب برات محرم میں بھی یاد کریں تو غنیمت ہے کیونکہ تیوہاروں میں کھانے کی کثرت ہوتی ہو طرح طرح کی چیز

پکتی ہیں دوست آشناؤں میں تحفہ ہدیہ بھیجا جاتا ہو ہائے افسوس زندہ آدمیوں کو تحفہ ہدیہ بھیجیں، حالاں کہ زندہ آدمی خود بھی پکوا کر کھا سکتا

ہے میت کو جو کہ بالکل عاجز بے بس بیکس ایک غار تنگ و تاریک میں پڑے ہیں اور اعمال ان کے منقطع ہو چکا اب کچھ نہیں کر سکتے انکو ذرا

بھی یاد نہ کریں کسقدر غفلت کی بات ہو اور جو کوئی عالم ملّا ہو کر لوگوں کو اس کام سے روکے کسقدر مظلمہ موتیٰ کا اپنی گردن پر لیتا ہے، یا اللہ ایک

زمانے میں ہندوستان کے عالم فاضل تھے کہ خیرات و حسنات کی رغبت دلاتے تھے مصنف خزانۃ الروایات کا لکھتا ہے کہ میں شروع بلوغ سے قاری

کتب فقہ اور مسائل میں کوشش کرتا رہا اور جب استفتا پیش ہوتے تھے جب تک جواب انکی کتاب سے نہیں نکالتا تھا چین نہیں آتا تھا

کسی وقت خالی مباحثہ اور مطالعہ کتب سے نہیں رہتا تھا اور مشکلیں حل کیا کرتا تھا تمام عمر فتوی دینے میں گذاری اور جسقدر فتوی دیتا

سب مسائل اس کتاب میں لکھ دیتا انتہی کلامہ دیکھو یہ شخص ہندوستان کا قاضی سیکڑوں برس کا عالم فقیہ گذرا ہوا ہندوستان میں

جاری کرنے والا اپنا فتوی اس کتاب میں لکھتا ہو اور روایت کرتا ہے کہ تیوہاروں میں روحیں آتی ہیں چنانچہ روایت انکی بیان کی

معلوم ہوا کہ یہ جو قدیم الایام سے عیدین وغیرہ تیوہاروں میں دستور فاتحہ کا چلا آتا ہو ایسے ہی بزرگوں کا حکم دیا ہوا اور جائز رکھا ہوا اور احادیث

سے استنباط کیا ہوا، جاہلوں کا ایجاد کیا ہوا نہیں جاہل کسی قاعدہ دینی اور شرعی کا موجد نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی جاہل کا اتباع کرے یہ سب

سے علماء اہل اسلام میں علماء صلحا کی تلقین فرمائی ہوئی ہیں از انجملہ یہ بات کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ عیدین وغیرہ میں جو فاتحہ دیتے ہیں تو حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جدا نکالتے ہیں یہ مسئلہ بھی امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام میں موجود ہو مانعین اس امام کے معتقد ہیں وہ اپنے

ہے شب قدر کی اور پھر غرض تو اثبات ملائکہ بکار صدقات و خیرات کے آتے ہیں اور دلیل میں یہ کہ زیارت اولاد کے واسطے نزول ہوتا

ہے مدعا استدلال ہو پھر جب مؤلف کو تنبہ ہوا کہ اس کو مدعا سے لگاؤ نہیں تو حاشیہ میں عذر کیا اور جمع کیا کہ شاید اس رات میں زیارت

کو بھی آتے ہوں گے سبحان اللہ تو پھر اس کا یہاں لانا محض تطویل ہوا اس سے کیا نفع تھا مع ہٰذا ایسے ضعاف اقوال پر مدار اعمال

ایسی صورت کا کہ جسکو محدث و فقیہ قبول نہیں کرتے محض سخن پروری ہو ورنہ پہلی عجالہ نافعہ سے نقل ہو چکا کہ طبقہ رابعہ کی کوئی حدیث قابل

عمل نہیں چہ جائیکہ عقائد میں معتبر ہوں غرض مؤلف کی کوئی کل درست نہیں قولہ اب گوش ہوش سے سننا چاہیئے الخ اقول ولد صالح کی

دعا و صدقہ نفع مسلم ہو اور ایصال ثواب اموات کو مستحسن مگر مدعا مؤلف کا کہ ایام مقررہ میں ارواح کا آنا ہو اس کو اس سے کچھ مدد نہیں ملتی

ثواب پہنچانا اور عیدین کو اور شب برات کو بھی درست ہو، مگر مقید کرنا اور زیادہ مؤکد و موجب ثواب کا ہونا غیر مسلم ہو بہر حال اصل

نزول الملائکہ بلا دلیل ۲۷ عشیہ شب برات و عید کو روحوں کا گھر آنا بے ثبوت ہے

اپنے مکتوبات کی جلد ثالث میں لکھتے ہیں۔ باید کہ ہر گاہ صدقہ بمیت نیت کند اول باید کہ بہ نیت آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام ہدیہ
جدا سازد بعد ازاں تصدق کند کہ حقوق آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام فوق حقوق دیگران است و نیز بر تقدیر احتمال قبول حق
است بطفیل آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ والتحیات۔ انتہی سبحان اللہ ایک ایسے ایسے علماء دیندار تھے کہ کیا کیا ہدایت کے طریقے تعلیم
فرماتے تھے اور ایک اب پیدا ہوئے ہیں کہ بالکل اعمال معمولہ قدیمی اور خیرات مستمرہ سلف کو بند کرتے جاتے ہیں، نعوذ باللہ منہا اور یہ جو
مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل میں تحریر فرمائی ہے کہ آمدن ارواح دریں شبہا از احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد ثابت نگشتہ، اور
مسائل اربعین میں ان حدیثوں کو لکھا، بعض علماء محدثین ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند و بیان غربت آں کردہ اند انتہی کلامہ
میں کہتا ہوں کہ اس فاضل کے کلام سے بس اسی قدر ثابت ہوا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد نہیں بعض محدثین نے انکو ضعیف بھی کہا ہے سو اصول
حدیث میں یہ مشہر چکا ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث جھوٹ بنائی ہوئی موضوع ہو چنانچہ ملا علی قاری اور صاحب
مجمع البحار اپنے رسائل موضوعات حدیث میں لکھتے ہیں قال الزرکشی بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون واضح فان الوضع
اثبات الکذب وقولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم الخ ہاں البتہ صحیح نہ ہونے سے یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ ضعیف ہے پس حدیث
ضعیف کا جو حکم ہے سنو تفسیر روح البیان کی دوسری جلد مطبوعہ مصر کے ۳۲۳ میں ہے وان کانت ضعیفۃ الاسانید فقد اتفق المحدثون
علی ان الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الترغیب والترہیب یعنی اگر حدیثیں ضعیف ہیں تو اتفاق کیا ہے کل اہل حدیث نے کہ حدیث
ضعیف پر عمل جائز ہے جس مقام میں رغبت دلاتے ہیں نیک کام پر یا ڈراتی ہوں برے کام سے اور نقل کیا اس کلام کو صاحب روح البیان نے
امام نووی اور حلبی اور ابن فخر الدین رومی وغیرہم سے اور اسی طرح منقول ہے فتح المبین مؤلفہ علامہ ابن حجر کے اتفق العلماء علی جواز العمل

مدعا مؤلف کا کوئی ثبوت نہیں لہذا مؤلف زار زار رو کر افسوس اپنی کم علمی پر کرتا ہے ہر گاہ کہ کوئی روایت مثبت مدعی کی نہیں اور خزانہ
کی روایت خود مخدوش ہے بناچاری اس کی مؤلف نے توثیق شروع کر دی کہ عوام کو اس سے ہی کچھ طمانیت ہو جاوے اور خواص تو جان چکے کہ یہ روایت
ہر گز قابل اعتماد نہیں اور تمہیم اس کا واضح ہو گیا اب مؤلف افسوس کیئے جا دے قولہ الحاصل یہ بات الخ اقول مؤلف کیوں اپنے کلام کو طول لا
حاصل دیتا ہے امام سباتی نے یہ فرمایا کہ مطلقاً جب صدقہ کرو تو فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ضرور یاد رکھو کہ آپ کا حق اقدم ہے اور یہ حکم عمدہ اور
کی بات ہے اس میں کوئی کلام نہیں مگر اس میں نہ عید نہ شب برات نہ محرم بس مؤلف کے اس سے کیا نفع ہے مؤلف کا مدعا اس سے ثابت نہیں پھر کیوں تطویل
کرتا ہے قولہ اور یہ جو مولوی محمد اسحاق الخ اقول مولوی سحاق صاحب نے ان روایات کو ضعاف ہی فرمایا ہے موضوع نہیں فرمایا گو بعض روایات
جن کا ذکر ہوا متروک معلوم ہوتی ہیں مگر یہ بحث مؤلف کی بالکل لغو ہے کیونکہ وضع کی تحقیق بدون اقرار واضع کے دشوار ہے اور بعد اقرار کے بھی قطع نہیں ہوتا مگر
طریق علم اس کا خلاف قواعد مسلمہ شرعیہ کے ہوتا ہے سوا ثابت کیا گیا کہ صحاح کے خلاف ان روایت کا مضمون ہے اور یہ دلیل متروک و متہم ہونے کی ہے اور
پھر بعد اس کے یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہے چنانچہ لکھا گیا اور مؤلف خود مقر ہے کہ اعتقادیات میں روایات ضعاف معتبر
نہیں بندہ کہتا ہے کہ احاد صحاح بھی معتبر نہیں چنانچہ فن اصول میں مبرہن ہے پس یہ روایات ہرگز معتبر نہیں۔

مسئلہ فاتحہ اعتقادیہ ہے اس میں ضعاف تو کیا احاد صحاح بھی قابل اعتماد نہیں قولہ حدیث ضعیف کا الخ اقول مؤلف سے حدیث ضعیف کا
حکم سنئے وہ خود نا واقف ہے روح البیان اور فتح المبین اور اصول سید شریف وغیرہ کی عبارات جمع کر دیگئی مگر مطلب نہیں سمجھا اور بے علم ایسا ہی
خراب کرتا ہے ان سب کا مدعا یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے دیکھو ترغیب و ترہیب یا فضائل اعمال کے الفاظ سب عبارات

بالحدیث الضعیف فی فضائل ... الاعمال اور میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ اصول حدیث میں لکھتے ہیں ویجوز عند العلماء التساهل
فی اسانید الضعیف فی فضائل الاعمال اور اعضاء وضو کے دھونے میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں با اینہمہ لکھا صاحب
درمختار نے فیعمل بہا فی فضائل الاعمال اور نسائی کا یہ طریق تھا کہ جس راوی کو بالاتفاق علماء حدیث نے چھوڑ دیا ہو اس کی حدیث نہ لینا تھا
باقی سب حدیث ضعیف ہر قسم کی لے لیتا تھا اور ابو داؤد کا مذہب یہ تھا کہ حدیث ضعیف کو امام مجتہد کی رائے سے افضل جانتا تھا اور یہ
نسائی اور ابو داؤد مصنفین صحاح ستہ کے دو امام ہیں اور شرح سفر السعادۃ میں ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سب اصحاب
متفق ہیں اس بات پر کہ حدیث ضعیف مقدم ہے قیاس اور اجتہاد پر انتہیٰ پس حدیث ضعیف کی یہ شان نہیں کہ ہر طرح اس کو رد کیا
کریں اور کسی موقع میں قبول نہ کریں اور رسالہ انتباہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں وورد فی فضائل رجب الاحادیث باسانید
ضعیفۃ لاباس بالعمل بہا فان وجد فی نفسہ قوۃ فلیعمل بہا اور مولوی قطب الدین خاں صاحبؒ نے مظاہر الحق میں چھ رکعت
صلوٰۃ الاوابین کو لکھا ہے اگرچہ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے لیکن فضائل اعمال میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے انتہیٰ
مؤلف کہتا ہے کہ صلوٰۃ الاوابین کی حدیث ایسی ضعیف ہے جس کی بابت مشکوٰۃ میں ہے لانعرفہ الامن حدیث عمر بن ابی خثعم وسمعت
محمد ابن اسمٰعیل یقول ھو منکر الحدیث وضعفہ جداً پس مولوی قطب الدین خاں صاحبؒ نے اس درجہ کی حدیث پر بھی عمل کرنا ثابت
کیا ہے شرح ملا علی قاری سے اور مثالیں اس کی یعنی مقبول رکھنا حدیث ضعیف کا اعمال میں بہت مسائل فقہیہ میں ثابت ہے بباعث طول فقط
انہی عبارات منقولہ بالا پر اکتفا کرکے اب قاعدہ کلیہ جو اصول حدیث اور اصول فقہ میں درباب حدیث ضعیف لکھتے ہیں نقل کرتا ہوں کہ
حدیث ضعیف کو صفات باری تعالیٰ اور تحریم و تحلیل اور اعتقادیات میں نہیں لیتے البتہ معجزات اور احوال قیامت اور موعظت اور فضائل اعمال
میں مقبول کہتے ہیں اور فضائل اعمال کے معنی علامہ شامی شارح درمختار نے یہ لکھے ہیں کہ کسی عمل کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے حدیث ضعیف کو لے
لینا جائز ہے انتہیٰ کلامہ اور ضعیف پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ایسا ہو کہ ایک قاعدہ عام شرعی میں داخل ہو اور اس شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ
حدیث ضعیف کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی بے اصل ہے بلکہ ممکن ہے صادق ہونا اس کا پس اگر وہ حدیث ضعیف نفس الامر میں عند اللہ صحیح تھی تو اس
پر عمل ہونا بہت اچھا ہوا اور اگر وہ نفس الامر میں ثابت نہ تھی تو اس پر عمل کرنے سے کچھ نقصان نہ لازم آیا کیوں کہ وہ قاعدہ کلیہ عام شرعی میں داخل ہے

ت منقول میں بھلا اب کوئی مؤلف سے پوچھے کہ لیلۃ الجمعہ اور شب برات و عیدین کے صدقہ میں کونسی فضیلت و ثواب عظیم مذکور ہے جس پر عمل کرنا جائز
یہ ذرا آنکھ کھولو، ہوش کرو، ان روایات منقولہ اشعۃ اللمعات و خزانۃ الروایات و دستور القضاۃ میں کسی میں کوئی فضیلت و ثواب مذکور
سیں، فقط ارواح کا آنا اور حسرت ناک بات کرنا اور طلب صدقات کرنا ہے پس یہ فضائل اعمال کس طرح ہوئے ہاں علاماں کے آنے کا ہے، پھر
ن کون عاقل فضائل اعمال کہے گا ہاں حدیث صوم رجب اور صلوٰۃ اوابین میں مثلاً فضل عمل ہے سو اس کو اس پر قیاس کرنا علم ہے یا جہل وہ
۔ب اور یہ بحث، سبحان اللہ کیا کہنا اور پھر جو بددعا دینا مردوں کا بعض روایت میں ہے اس کو کوئی ترہیب جانتے سو یہ بھی غلط کیونکہ محقق
ر یا کہ یہ مردوں کا ظلم ہوگا اور خلاف امر حق تعالیٰ کے ہوگا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا پس غلط بات کو ترہیب کا امر نہیں بنا سکتے کہ مؤلف ترغیب ترہیب
ضائل اعمال کو بھی نہیں سمجھتا کہ کیا ہوتا ہے فقط لفظ یاد کرلئے ہیں اور بدون مطلب اہل اصول کا سمجھے اپنے مدعا پر دلیل غیر مطابق لکھ ماری اور کچھ ہوش کی
ب انوار کا ایک قاعدہ متعلقہ اصول کی تخلیط قولہ مؤلف کہتا ہے الخ اقول منکر اصطلاح محدثین میں اس کو کہتے ہیں کہ راوی اس کا ایسی
ت کہے کہ اپنے اوثق و قوی کے خلاف ہو سو یہ بھی ایک قسم ضعیف کی ہے اس میں کوئی بہت زیادہ درجہ ضعف کا نہیں ہوتا پس مؤلف کا یہ کہنا

ـ ست زیادہ قابل اعتماد ہے مگر وہ سکے ڈرانا،

مثلاً یہی دعائیں جو وضو کے اعضا دھونے میں جو ضعیف حدیثوں سے ثابت ہوئی ہیں اگر یہ نفس الامر میں عند اللہ صحیح ہیں تو حق ان احادیث کا ادا ہوگیا، اور ثواب موعود مل گیا اور اگر یہ حدیثیں عند اللہ صحیح نہیں تو ہر عضو پر جدا جدا دعا پڑھنے سے گنہ گار بھی نہیں ہوتا، کیوں کہ اس نے دعا پڑھی ہے کچھ اور گناہ تو نہیں کیا، اور مطلق دعا کا مانگنا شرع میں ثابت ہے اور ایک حدیث ضعیف میں بھی حضرتؐ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جس شخص کو میری طرف سے کوئی حدیث پہنچی اس نے اس پر عمل کیا تو اس کو ثواب ملے گا اگرچہ فی الواقع وہ حدیث میری نہ ہو چنانچہ یہ مضمون شامی شارح درمختار نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ یعمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لانہ ان کان صحیحاً فی نفس الامر فقد اعطی حقہ من العمل والا لم یترتب علی العمل بہ مفسدۃ تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق الغیر وفی حدیث ضعیف من بلغہ عنی ثواب عمل فعملہ کان لہ اجرہ وان لم اکن قلتہ اور اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو ماہ رجب میں ہزاری روزہ اور اس کی رات کو جاگنے کا حکم دیا ہے وہ بھی اسی قاعدہ پر ہے، یعنی اگرچہ یہ تخصیص دن اور رات کی ضعیف حدیث سے ثابت ہوئی لیکن مطلق روزہ رکھنا اور شب کو عبادت کرنا تو دین میں ثابت ہے اور اسی طرح تحیۃ الوضو رکعتیں اوابین کو قطب الدین خاں صاحبؒ نے جو لکھا ہے اس میں بھی یہی قاعدہ ہے یعنی اگرچہ یہ حدیث بہت ضعیف اور منکر ہے لیکن اگر کوئی اس تعیین زمان اور تخصیص رکعات پر موافق اس حدیث ضعیف کے عمل کرے گا، تو کچھ برائی نہ ہوگی، کیوں کہ مطلق نفل کا پڑھنا تو ہر وقت جائز ہے اور یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا چاہیئے، کہ فقہاء رحمہم اللہ اس عمل کو جو حدیث ضعیف سے ثابت ہوتا ہے مستحب لکھا کرتے ہیں، چنانچہ اسی صلوٰۃ الاوابین کو باوجود حدیث منکر ہونے کے مستحب اور مندوبات میں فقہا لکھتے ہیں اور اسی طرح گردن کا مسح وضو میں ضعیف حدیث سے ثابت ہوا ہے اس کو بھی مستحب لکھتے ہیں اور ماہ رجب کے روزہ کو فتاوی عالمگیری میں مرغوبات و مندوبات کے ذیل میں لکھا ہے، جب یہ قواعد اور فوائد ذہن نشین ہو چکے تو اب ہم اس قاعدہ مقررہ فقہاء و محدثین کو مسئلہ متنازع فیہ یعنی روحوں کے آنے میں جاری کر کے دکھاتے

کہ صلوٰۃ اوابین کی ایسی ضعیف حدیث ہے کہ جس کو منکر کہا اور مؤلف نے اپنا اصول ذاتی جتلانے یہ بالکل ناواقفیت ہے عبث مؤلف نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور ان روایات میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے اور پھر اگر کوئی بپاس خاطر مؤلف کے عمل کو تسلیم بھی کرلیوے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل مؤلف کی چشم بینا ہو تو دیکھے بعد اس کے جو مؤلف نے لکھا ہے وہ جواب طلب نہیں خواہ مخواہ تطویل کی کہ اس کے مدعی سے کچھ مساس نہیں قولہ اور یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا الخ اقول یہ مؤلف کی نہایت غلط فہمی و جہل اور بالکل سراپا غلط ہے کسی نے یہ نہیں کہا محض اجتہاد و ایجاد ناصواب مؤلف کا ہے کیونکہ مستحب وہ فعل ہے کہ فخر عالم علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی ترک کیا یا رغبت اس کی دلائی ہو چنانچہ حد اس کی یہ لکھتے ہیں فعلہ مرۃ و ترکہ اخریٰ اور جبکہ مستحب بھی حکم من الاحکام ہے تو اس کا ثبوت بھی حدیث صحیح یا حسن لعینہ یا لغیرہ سے ہوتا ہے ہرگز کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ضعف سے منجبر نہ ہو جاوے۔ پس استحباب ان امور کا جو ثابت ہوا ہے تو آپؐ کے فعل و ترک سے یا رغبت دلانے سے ہوا ہے اور روایات ضعاف کہ ان ابواب میں ہیں وہ تعدد طرق سے حسن لغیرہ ہو گئی ہیں مؤلف ناواقف یہ سمجھ گیا کہ یہ استحباب ضعیف حدیث کے سبب سے ہوا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کیا علم و اصول دانی ہے، قال الدر المختار رواہ ابن حبان وغیرہ من طرق قال فی رد المحتار ای یقوی بعضہا بعضاً فارتقی الی مرتبۃ الحسن اقول لکن ہذا اذا کان ضعفہ لسوء ضبط الراوی الصدوق الامین او لارسال او تدلیس او جہالۃ الحال اما لیس لو کان لفسق الراوی او کذبہ فلا تؤثر فیہ موافقۃ مثلہ ولا یرتقی بذلک الی الحسن۔ انتہیٰ پس یہ جسقدر نظائر مؤلف نے لکھی ہیں اور جتنے کتب فقہ میں وارد ہیں سب احادیث حسن لغیرہ سے ثابت ہوئی ہیں اور استحباب ان کا یا ترغیب کے سبب سے ہے یا فعل و ترک کی وجہ سے نہ ضعیف حدیث کے سبب سے جیسا مؤلف الٹا سمجھا، تعجب کرتا ہوں کہ آدمی ایسا آنکھ بند کر کے تمام دنیا کے خلاف دین میں قول لکھے اور شرم نہ کرے

۱ بہت زیادہ قابل اعتماد ۲ مختلف طریقوں سے

یہ اول گفتگو ہماری اس بات میں ہے کہ وہ جو فاضل مذکور نے لکھا ہے کہ بعض محدثین نے احادیث آنے ارواح کو ضعیف کہا ہے، ہم کہتے ہیں کہ بعض
محدثین کے ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ کل کے نزدیک ضعیف ہو ملا علی قاری وغیرہ لکھتے ہیں لاحتمال ان یکون الحدیث موضوعا من طریق
صحیحا من اخری پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں چونکہ صاحب خزانۃ الروایات نے جس کی سند اسی فاضل نے اپنی تصنیفات میں پکڑی ہے اور فضائل اس
کے ہم اور وجوہ سے بھی بیان کر چکے ہیں، یہ حدیثیں آنے ارواح کے اپنے فتاوی میں درج فرمائیں لابد یہ بات دلیل ان کی صحت اور قوت اور معتنی بہ
ہونے پر ہے مقتدیان دین کا ایک حدیث کو لے لینا مقلدین کے نزدیک دلیل قوت ہے اور بالفرض والتقدیر اگر ہم موافق قول اس فاضل کے ضعیف
ہونا ان احادیث کا تسلیم کریں تو حدیث ضعیف پر عمل کرنا فروع مسائل در فضائل اعمال میں اقوال فقہا و محدثین سے بالاتفاق والاجماع ثابت ہے
پس جو آدمی ان حدیثوں پر اس بات میں عمل کرے گا کہ کچھ صدقہ فاتحہ درود تیوہاروں میں کریگا تو بلاشک امر جائز بلکہ مستحب ہوگا اس لئے اگر واقعی
وہ روحیں آتی تھیں تو سبحان اللہ اصل مدعا ثابت ہوا کہ وہ خوش خرم گئیں یہ آدمی ان کی بددعا سے بچ گیا اور ان کو ثواب پہنچ گیا اور بالفرض والتقدیر اگر
روحیں نہیں آتی تھیں تو بھی یہ صدقہ اور فاتحہ درود قرآن کو پہنچ ہی جاوے گا ان کا پہنچ جانا تو اصل قاعدہ شرعی سے ثابت ہے عند اہل السنۃ والجماعۃ
بنا بر علیہ تیوہاروں میں صدقہ اور فاتحہ درود کرنے کو نہ فقط جائز بلکہ امر مستحب کہنا چاہیئے، چنانچہ ہم اس کی چند نظیریں کلام فقہا سے صلوٰۃ الاوابین
اور صلوٰۃ رغائب اور صوم رجب کی بابت لکھ چکے ہیں اور علاوہ اس کے بہت نظیریں اس کی کتب فقہ میں موجود ہیں، جس کی نظر متون و شروح و فتاوی
پر ہے یہ بات اس سے مخفی نہیں، اللہ تعالیٰ دلوں میں انصاف دے آمین یارب العالمین آمین لمعۂ رابعہ بیان طریقہ سوئم کا، اس عمل میں
پانچ چیزیں ہیں، کلمہ طیبہ پڑھنا، شمار کے لئے دانہ ہائے نخود کا معین کرنا، ختم قرآن کرنا، برادری اور دوست آشناؤں کا واسطے قرآن اور کلمہ پڑھنے
کے لئے جمع ہونا، اس کام کے لئے تیسرا دن ٹھہرانا، **بیان امر اول** اختیار کرنا کلمہ طیبہ کا اس لئے ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے لا الہ الا اللہ
مفتاح الجنۃ اور امام ابو اللیث سمرقندی نے روایت کی ہے انس سے عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قیل لہ یا رسول اللہ ما للجنۃ
ثمن قال نعم لا الہ الا اللہ، جب معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ کنجی ہے جنت کی اور قیمت ہے جنت کی تو ثواب ساں ایسی چیز کی نہایت درجہ اولیٰ و انسب ہے

قولہ اب ہم قاعدہ مقررہ فقہا الخ **اقول** ہرگز جاری نہیں ہو سکتا ہرگاہ کہ محدثین نے اس کی تضعیف کر دی بلکہ بعض روایت کے اوپر متروک ہونے
کا خیال ہے تو جب تک اس کو سند صحیح سے ثابت نہ کیا جاوے مجروح ہی رہے گی والجرح مقدم علی التعدیل اور یہ روایات تو بلا سند
ہیں اور سند میں ان کے خلاف صحاح احادیث کے ہیں یہ بھی دلیل جرح کی ہے اور یہ باب علم کا ہے نہ فضل عمل کا، پس اس میں ہرگز یہ روایت کارآمد
نہیں اور صاحب خزانہ کے نقل کر دینے سے تعدیل نہیں ہوتی اور یہ احتمال کہ کسی نے توثیق کی ہوگی یہ فن حدیث میں معتبر نہیں اگر نسائی
ابن ماجہ مثلاً بلا توثیق ذکر کریں باوجود بیان سند کے وہ بھی توثیق نہیں، چہ جائیکہ نقل خزانہ بلا اسناد و توثیق معتبر ہو جاوے خود بخاری کی تعلیقات
باوجود التزام صحت کے اور اتفاق اس کی صحت کے مسند کے برابر نہیں، پھر خزانہ کا کیا ذکر ہے اور یہ سب اصول فقہ و حدیث میں بدیہی ہے
گو جاہل ان علوم سے نہیں جانتا پس یہ روایات ہرگز کسی کے نزدیک معتبر نہیں اور نہ ان پر عمل درست ہے کیونکہ یہ باب علم سے ہے، نہ
فضل عمل سے، پس استحباب تو کیا اباحت بھی ثابت نہ ہوئی، بلکہ یہ فعل بدعت ہی رہا اور مؤلف کا جہل باصرح الوجوہ ثابت ہو گیا،
سوئم کی بحث **قولہ لمعہ رابعہ الخ اقول**، پہلے لکھا گیا کہ ایصال ثواب کلمہ اور قرآن کو کوئی منع نہیں کرتا مؤلف بے سود تطویل کرتا ہے
معتبر لہ نے جواب میں ایصال ثواب کو مستحسن لکھا ہے، مگر مؤلف آنکھ نہیں رکھتا اور مؤلف نے یہ قاعدہ ذہن نشین کر لیا ہے کہ جو حکم
اجزاء کا ہوتا ہے وہی مجموعہ مرکبہ وہیئت ترکیبیہ کا ہوتا ہے اور اس کا پہلے بطلان ہو چکا ہے، پس اب جو فضائل کلمہ کے اور ایصال

[1] پختہ کرنا [2] چند اجزاء سے ترتیب دیا ہوا مجموعہ [3] تعدیل پر جرح مقدم ہے

اور علاوہ اس کے یہ بھی ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی میت کی نیت سے ایک لاکھ بار لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور ثواب اس کا میت کو بخشے، اگر وہ قابلِ عذاب ہوگا اس کو عذاب نہ کریں گے اور اگر وہ قابلِ عذاب نہیں تو اس کے درجات بلند کر دیے جاویں گے اور ایک روایت میں ستر ہزار بار پڑھنا لا الٰہ الا اللہ کا آیا ہے چنانچہ بزرگانِ دین سے اس پر عمل پایا گیا ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات

میں حکم فرماتے ہیں، بیاں راں ود و ستاں فرمایند کہ ہفتاد ہزار بار کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بر روحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق و بر روحانیت مرحومہ ہمشیرہ ام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار را بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے از دوستاں دعا و فاتحہ سوال است انتہیٰ، اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس باب میں ایک قصہ منقول ہے جس کو مولوی محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی کتاب تحذیر الناس مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا آپ نے سبب پوچھا تو بروئے کاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنیدؒ ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب وعدہ مغفرت ہے اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخشدیا، اور اس کو اطلاع نہ کی، مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں، آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھکو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی انتہیٰ کلامہ دیکھو ان روایات احادیث اور دستور العمل ہونے سلف صالحین سے وجہ تخصیص کلمۂ طیبہ کی عمدہ طرح پر ظاہر ہو گئی پس بدعت اور ضلالت کہنا اس کا رد ہو گیا دوسرا امر تخصیص دانہ نخود کی وجہ یہ ہے کہ دانہ نخود اگر متوسط ہو نہ بہت چھوٹا نہ بہت بڑا پہلے وزن سے کہ وہ اسی روپیہ زیادہ تھا، ساڑھے بارہ سیر نخود از روئے شمار ایک لاکھ دانہ ہو جاتا ہے اس عاجز نے بھی اس کو آزمایا ہے، اور دو شمار جو حدیث میں آئے ہیں ایک میں ستر ہزار دوسرے میں سو ہزار احتیاطاً سو ہزار یعنی ایک لاکھ پر عمل کیا گیا ہے اور ہر کسیکو قدرت نہ

ثواب اس کا لکھا تھا کسی کو مضر نہیں لہٰذا اس میں کلام کرنا بھی حاجت نہیں مگر یہ قول مؤلف کا کسقدر غفلت اور خیانت ہے، پس بدعت اور ضلالت کہنا اس کا رد ہو گیا کیوں کہ کلمہ کو کس نے بدعت کہا ہے البتہ اس ہیئت کو بدعت کہا ہے ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

سویم کی ہیئت ترکیبیہ بدعت ہے نہ کہ کلمہ و دیگر اجزا | قولہ دوسرا امر تخصیص دانہ نخود الخ اقول فی الواقع اول میں دانہ نخود کے اعتبار کی یہی وجہ تھی، اور پھر صدقہ کر دیا کرتے تھے اناں بعد بریاں کرنا نخود کا تجویز ہوا کہ فقرا ء کہاں بھناتے پھریں گے پھر یہ عادت ہوئی کہ جس نے جسقدر پڑھے وہ اتنی پڑھی لیکیا پھر یہ تجویز ہو گئی کہ بعد فراغت کے سب کو جمع کر کے تقسیم کیا جاوے تاکہ قرآن خواں بھی محروم نہ رہیں اب یہی دستور ہو گیا ہے اب سنو کہ مؤلف سابقاً خوب وثوق کے ساتھ لکھ چکا ہے کہ جب طعام کا جواز ثابت ہو گیا تو شیرینی بھی طعام ہے اور قلت و کثرت کا اعتبار نہیں پس جب ایک دو لڈو کی ڈلی ضیافت ہے تو دو مٹھی نخود بدرجہ اولیٰ طعام ضیافت ہے کہ آدمی کو ایک وقت کفایت کر جاتے ہیں ماوراء عرف میں یہ نخود حاضرین سیوم کو ہی واسطے تیار ہوتی ہے کہ بعد ختم ان کو دیے جائیں گے المعروف کالمشروط اہل میت بھی اسی واسطے کرتے ہیں اور حاضرین بھی اس کو تناول کی نیت رکھتے ہیں پس ضیافت ہونے میں کیا تامل رہا، اور اجتماع بڑا کا بیستہ کے واسطے اہلِ میت کے پاس ہوتا ہے لہٰذا حدیث جریر عبد اللہ کنا نری الاجتماع الی اہل المیت وضعھم لطعام من النیاحۃ الحدیث اس پر برابر صادق آگئی کیونکہ اس حدیث میں اجتماع کو مطلق فرمایا ہے کوئی قید نہیں کہ کس واسطے جمع ہونا تھا خواہ محض

لے چنا۔

تھی، کہ اس قدر تسبیحیں جمع کرتا یا جنگل اور بازار وغیرہ سے گٹھلیاں کھجور یا جامن وغیرہ کی چنتا ہو اور جابجا سے سمیٹتا ہوا پھرتا،
نخود میں یہ فائدہ ہوا کہ سہل الحصول ہیں جہاں سے چاہا جس نے بے تکلف مول لے لئے شمار کی شمار اس میں قائم رہی اور بعد فراغ وحصول کار
ان کو تقسیم کر دیا یہ دوسری منفعت حاصل ہو گئی اس کا بھی ثواب میت کو پہنچے گا اور اس قسم کی تعینات سے منع اور کراہت ثابت نہیں ہو سکتی
دلیل اس کی یہ ہے کہ روایت ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن حبان و حاکم سے یہ حدیث بطولہٖ ثابت ہے خلاصہ اس کا یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ
وسلم نے ایک عورت کو دیکھا تھا کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لئے ہوئے ذکر اللہ بے شمار کر رہی تھی، آپ نے اس کو منع نہ فرمایا اس قدر ثبوت سے
فقہار رحمہم اللہ نے مسئلہ نکال لیا لا باس باتخاذ السبحۃ یعنی کچھ مضائقہ نہیں تسبیح ہاتھ میں لینے کا حالاں کہ کنکریوں یا گٹھلیوں کی گنتی اور
تسبیح میں بڑا فرق ہے یعنی دانوں کا گول کرنا اور پھر دانے بھی عقیق یمن کے عقیق البحر کے صندل زیتون سنگ مقصود واستخواں شتر شیشہ وخاک
شفا وغیرہ کے ہوتے ہیں اور ان میں سوراخ کرنا پھر ان کی شمار سو دانہ پر رکھنا پھر ان میں تاگا پرونا ان میں ایک دانہ کو امام سب دانوں کا
مقرر کرنا یہ سب امور مسلم الثبوت اور اہل اسلام کے عمل میں ہیں حالاں کہ ثبوت فقط کنکریوں پر شمار کرنا ہوا ہے اور ان فروعات زائدہ
کے جواز پر صاحب بحر الرائق اور حلیہ اور علامہ شامی شارح درمختار اس طرح اشارہ کرتے ہیں لا تزید السبحۃ علی مضمون ھذا الحدیث
الا بضم النوی فی خیط ومثل ذلک لا یظہر تاثیرہ فی المنع، اب دیکھئے ضم النوی فی خیط کا لفظ لکھ کر جمع تخصیصات اور تعینات
تسبیح کی طرف جو اوپر مذکور ہوئیں فقہار اشارہ کر گئے بقولہم مثل ذلک الی آخرہ یعنی ایسی باتوں کی جمع میں کچھ دخل نہیں تسبیح سے مقصود
شمار ذکر ہے سو شمار ذکر کا جواز حدیث سے پایا گیا بنا بر علیہ دانہ ہائے نخود پر شمار کرنا بھی بمقتضائے قاعدہ شرعیہ مستنبط فقہار رحمہم اللہ جائز

تعزیت مکررہ کے واسطے خواہ قرآن پڑھنے کو اور مطلق کو مقید کرنا بالرای حرام ہے اور طعام بھی مطلق ہے کہ نخود شیرینی کو سب کو شامل ہے اور
اس زمانہ میں قطعاً تقسیم نخود میں صدقہ کی نیت نہیں رہی کہ فقیر وغنی جملہ حاضرین کو دیا جاتا ہے گویا صلہ کلمہ اور قرآن پڑھنے اور حاضر ہونے
کا ہے اور یہ سب واضح ہے کہ اس کا انکار بداہت کا انکار ہے، پس مورد اس حدیث کے ہونے میں کوئی تامل نہیں رہا اور روایت شرح
منیہ وغیرہ کی یکرہ اتخاذ الطعام بھی اس پر صادق ہے اور یہ عذر کہ فقرار کے واسطے یہ نخود ہیں لہٰذا یہ صورت داخل اس دوسری روایت
شرح منیہ میں ہے کہ کہتا ہے وان اتخذ للفقراء کان حسنا، بالکل لغو ہے اس میں اب فقرار ہرگز مقصود نہیں بلکہ حاضرین سیوم مقصود ہیں قرآن
خواں وکلمہ خواں کو اور حاضرین کو خواہ غنی ہوں خواہ فقیر تقسیم ہوتے ہیں اگر صدقہ ہوتا تو اغنیار کو کیوں دیا جاتا اور اعتراض ونظیر شارح
منیہ کی باطل ہو چکی کہ نص مطلق کو مقید کرتا ہے چنانچہ درمختار سے منقول ہو لیا پس بحث سبحہ کی مؤلف نے جو لکھی ہے محض لغو ہو گئی اسی واسطے
سفر السعادۃ میں کہا کہ عادت نبودہ کہ برائے میت جمع شوند الخ جس کو مؤلف آگے رد کرتا ہے اور بے فہمی اور بد دیانتی اپنی ظاہر کرتا ہے کیوں کہ
یہ کار رد حدیث کا رد ہے بہرحال اس اجتماع اور تقسیم طعام کا حدیث اور فقہ سے کراہت و معصیت ہونا ثابت ہو گیا، پس بایں وجہ نفس
خود اب بدعت و قباحت ہوئی اور خود اجتماع تو قباحت ہی ہے اور پھر اب عوام کے نزدیک نخود کا ہونا ضروریات میں ہو گیا ہے کہ بدون
اس کے سیوم ہوتا ہی نہیں کچھ پیسے کی شیرینی تو دو سیر نخود ہو دیں کہ تقسیم کئے جا دیں تو یہ دوسری وجہ بدعت ہونے کی ہے جس کو خود مؤلف قبول کر چکا
ہے کہ نص مطلق کو مقید کرنا قابل جرح و تو بیخ کے ہے ہاں البتہ اگر بچہ خورد سال مرتا ہے تو اراذل قوم میں اس کا سیوم فقط بخانہ اہل میت
ہوتا ہے اور جو جوان بوڑھا مرتا ہے تو جمع ہو کر کلمہ قرآن بھی پڑھتے ہیں اور پھر دروازہ میت پر جاتے ہیں اور شرفار میں بچہ کا سیوم موقوف
ہے اور جوان کے سیوم میں دروازہ کا جانا اب موقوف ہو گیا ہے۔ الغرض مقصود اجتماع سے وہی تکرار تعزیت ہے اور قرآن کلمہ ضمناً

- سب کے جمع ہونے کی عادت ہے دکھنی لا کم عمر تارک جانا۔

ہوا بلکہ دانہ ہائے نخود کے شمار کو واقعہ نقصِ حدیث سے زیادہ ترشمار کت ہو بہ نسبت تسبیح کے کیوں کہ تسبیح میں تو نہ زائد بہت ہیں کماذکرنا تیسرا امر پڑھنا قرآن کا ہو جو لوگ قرآن خوانی کو منع کرتے ہیں وہ کئی ایک علماء کی عبارتیں پیش کرتے ہیں ہم اس کو بنہایت مستحکم جا کر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں سند اول یہ ہے کہ سفرالسعادۃ کی عبارت سیف السنہ کے ص۱۲ میں نقل کی ہے اس طرح کہ عادت

نبوی نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ برسر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است انتہی میں کہتا ہوں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے جنازہ کی نماز بذات خود پڑھتے تھے یہ نماز نجات کے واسطے کافی ہوتی تھی۔ فتح القدیر میں ابن حبان اور حاکم سے روایت کی گئی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی تم میں مرجایا کرے مجھکو ضرور خبر کیا کرو فان صلوٰتی علیہ رحمۃ بیشک میرا نماز پڑھنا اس پر رحمت ہو اور قرآن شریف سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وصل علیہم ان صلوٰتک سکن لہم تفسیر اس کی ابن عباس نے یہ کی ہو کہ دعا کر ان لوگوں پر بیشک تیری دعا ان کے لئے رحمت ہو اور امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ روح محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت قوی نورانی روشن تھی جب آپ دعائے خیر ان کے لئے کرتے تھے آپ کی قوتِ روحانی سے ان کی روحوں پر فیضان ہوتا تھا اور چمک جاتی تھی ان پر تو نورانی سے ان کی روحیں اور ظلمت منکر

ہے چنانچہ بعض لوگ ایسے بھی مجمع سیوم میں برادری کے آتے ہیں کہ کلمہ و قرآن سے کچھ کام ان کو نہیں محض رفع شکایت برادری کو آتے ہیں تو غرض اصل حاضری ہی ہے اور تعزیت اور اجتماع الی اہل المیت مراد ہے اور اس میں تشابہ ہنود کا بھی حاصل ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی یہی دستور جمع ہونے پر برادری کا روزِ سیوم ہے تو یہ تین وجہ بدعت و کراہت سیوم کی اور تخصیص و تقسیم نخود کی واضح ہیں کہ کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کرسکتا

سیوم کے قرآن خوانی کی بحث متضمن بر فوائد | قولہ تیسرا امر الخ اقول کیا صدق و دیانت مؤلف کا ہو کہ کہتا ہو کہ قرآن کو منع کرتے ہیں جیسا اوپر کہا کہ تخصیص کلمہ کو بدعت ضلالہ کہتے ہیں حالاں کہ جواب میں مصرح ہے کہ ایصال ثواب مستحسن ہو۔ منع کرنا علماء کا ہیئت مرّوجہ پر ہو نہ ایصالِ ثواب کو مگر بحمد اللہ یہ منع ان کا حدیث وفقہ سے ثابت ہوگیا قولہ سند اول الخ اقول یہ روایت سفرالسعادۃ بعینہا حدیث جریر کی ہے۔ بس فرق الفاظ کا ہی ہے اور اس حدیث کو تمام فقہاء نے قبول فرمایا دیکھو کہ حدیث جریر میں دو امر کا ذکر ہو اجتماع الی اہل میت اور صنعۃ الطعامؔ جس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر کو صحابہؓ شنیع جانتے تھے اور ہر ہر امر کو بدعت و معصیت فرماتے تھے نہ کہ مجموع من حیث المجموع کو مگر مجموعہ کی کراہت اس سے لازم ہو دلیل اس کی یہ ہو کہ شرح منیہ اور فتح القدیر میں اتخاذ ضیافت کو اس حدیث سے قبیح لکھا ہو بس ضیافت کیواسطے حاضر ہونا اجتماع للضیافت ہو نہ کہ اجتماع للمیت اور اجتماع الی اہل المیتؔ خود تعزیت باجتماع قوم ہوتا ہو جیسا کہ وقت موت اور دفن کے ہوتا ہو بس اس روایت فتح سے کہ کہتا ہے و یکرہ اتخاذ الضیافت من اہل المیت وھی بدعۃ مستقبحۃ لما روی الامام احمد و ابن ماجہ باسناد صحیح الخ صاف ظاہر ہو کہ مجموعہ مراد نہیں بلکہ ہر ہر واحد مکروہ ہو اور تکرار تعزیت باجتماع یا انفراد بھی بدعت ہے چنانچہ درمختار وغیرہ میں مصرح ہو۔ بس اس کو ہی سفرالسعادۃ کہتا ہو کہ اجتماع عادت صحابہ کی نہ تھی تو مؤلف کا اس کو رد کرنا حدیث کا رد کرنا ہو اور افعال صحابہؓ پر طعن کرنا ہو معاذ اللہ اور نہیں سمجھتا کہ ایصالِ ثواب کے واسطے جمع ہونا یہ رسم مروجہ بھی اجتماع الی اہل المیت ہے جو کہ حدیث میں موجود ہو جبکہ وہ قرونِ خیر و ثواب کے حریص اور نفع رسانی مسلم کی حیاً و میتاً مشغوف ہیں اس کام کو برا جان کر ترک کریں تو کسی دوسرے کو کرنا اگر بدعت نہ ہوگا تو کیا ہووے گا اور مؤلف کا یہ کہنا کہ آپ کی صلوٰۃ نجات کو کافی تھی پھر ختم قرآن و کلمہ کی حاجت

ؔ کھانا تیار کرنا ؔ اہل میت کے پاس جمع ہونا ؔ زندہ یا مردہ ؔ پسند یدہ

نورانیت آجاتی تھی انتہیٰ کلامہ اور ظاہر ہو کہ نماز جنازہ میں دعا ہوتی ہے واسطے میت کے۔ بس حال حضرت کی دعا کا قرآن اور قول صحابی اور تفسیر امام کو اور نیز حدیث کو معلوم کر چکے کہ کیا کچھ اس میں مقبولیت اور فیضان الٰہی ہے ہم اپنے موتیٰ پر جسقدر چاہیں ختم قرآن کریں اور کلمہ فاتحہ درود پڑھیں۔ لیکن اس ایک دعا کی برابری جو لبہائے سراپا رحمت حضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کمالِ مقبولیت اور محبوبیت کے ساتھ نکلتے تھے نہیں ہوتی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علاوہ نماز کے اور طرح پر بھی مشکل کشائی فرماتے تھے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب سعد ابن معاذؓ دفنائے گئے۔ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا ہم بھی آپکے ساتھ دیر تک یہی پڑھتے رہے پھر آپنے اللہ اکبر پڑھا ہم بھی یہی پڑھتے رہے پھر حضرت سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہو آپنے فرمایا کہ اس کو قبر نے دبا لیا تھا اس تسبیح و تکبیر کی برکت سے اس پر قبر ہر طرف سے فراخ ہو گئی، روایت کیا اس کو امام احمدؒ نے کذا فی المشکوٰۃ بھلا جہاں اس طرح پر مشکل کشائی اور دستگیری ہوتی ہو اگر ختم قرآن نہ کیا تو کیا حرج نہ تھی محض خیال خام ہو یہ لاریب کہ آپ کی نماز نور و رحمت تھی مگر اس پر نجات جان کر کفایت کرنا اور صدقہ و خیرات کا ترک کرنا ہرگز نہیں تھا خود فخر عالم علیہ السلام بعد نماز کے ہر روز دعا و استغفار کرتے رہتے تھے اور بعد دفن کے بھی دعا کرتے تھے اور صحابہ بھی اپنی اموات کو باوجود نماز فخر عالم کے ثواب پہنچانے میں یاد رکھتے تھے سو یہ تقریر مؤلف کی محض دھکوسلہ عقل ناتمام کا ہو اور جہل ہے حقیقتِ تعامل صحابہؓ سے اور سفر السعادۃ یہ کہتا ہے کہ ختم اذکار و قرآن اور اجتماع نہ تھا۔ نہ یہ کہ ایصال ثواب نہ تھا مؤلف کو فہم سے تو کام ہی نہیں وہ گور پر یا غیر گور پر قرآن و کلمہ پڑھنے کو جمع سب قوم کا ہونا بدعت کہتا ہو نہ انکار ایصال ثواب کا مگر فہم نہ ہو تو کیا علاج پھر مؤلف خود کہتا ہے کہ حضرت علیہ السلام سوائے صلوٰۃ کے اور طرح بھی مشکل کشائی کرتے تھے اور دو کلمہ سبحان اللہ اور اللہ اکبر کا پڑھنا ہو کہ خود مؤلف نے نقل کیا۔ بندہ کہتا ہو کہ ایسا ہی ہر روز دعا و استغفار سے یاد رکھنا بھی مشکل کشائی ہو پس غور طلب ہے کہ آپ ہی تو مؤلف صلوٰۃ فخر عالم کو کافی کہہ آیا ہو اور اب دوسری مشکل کشائی کا اقرار کر دیا اور نہیں سمجھتا کہ جیسا آپکے کلمہ اور دعا سے مشکل کشائی فرمائی اب قرآن و ختم سے مشکل کشائی ہے اور صحابہؓ کے وقت میں یہی کرتے تھے اور جب خود آپنے نماز اپنی کو کافی نجات کے واسطے نہ جانا پھر بھی مشکل کشائی فرماتے رہے صحابہؓ سے لے کر آج تک یہی امر مستحب ہے تو اب اس وقت اور قرن صحابہ میں اور زمانِ فخر عالم میں کوئی فرق باقی نہ رہا نماز بھی پڑھتے ہیں اور ایصال ثواب بھی کرتے ہیں مگر میت کے واسطے اہل میت جمع ہونا جب تھا نہ اب ہونا چاہیئے اور اس امر کو سفر السعادۃ بدعت کہتا ہے مؤلف کے فہم پر خلاف ہے اور اس کو ہی حضرت نے نیاحت میں شمار فرمایا علی ہذا قولہ قرآن نہ پڑھا تو ل کہ ذکر اللہ تو حضرتؐ نے بھی واسطے میت کے قبر پر کیا الخ اقول معلم فہمی ہے کیوں کہ سفر السعادۃ قصداً ختم میت کے واسطے جمع ہونے کو کہتا ہے اور وہ اجتماع لدفن میت تھا اس میں ضرورت سے ذکر کی ہو گئی تو اس کو فرمایا غرض اجتماع للمیت جو مراد سفر السعادۃ کی ہو اس میں اور اجتماع میں جو دفن میت کے واسطے تھا کہ فرض کفایہ ہو اور اس میں ذکر کر دیا فرق زمین آسمان کا ہے اس کو اس سے کوئی مناسبت نہیں۔ بس یہ بھی نہ خلاف سفر السعادۃ کے ہے اور نہ حجت جواز اجتماع کی ہو سکے کیوں کہ سفر السعادۃ اس اجتماع کو بدعت کہتا ہو کہ بعد دفن میت کے دوبارہ ختم پڑھنے کے واسطے یا بغیر اس کے اہل میت کے پاس جمع ہوں، کہیں ہوں گور پر یا غیر گور پر اور اس کو ہی حدیث جریر میں نیاحت میں داخل کیا ہے اور حالت اجتماع تجہیز و تکفین میں اگر کچھ پڑھتے رہیں اور ثواب پہنچا دیں تو وہ جائز ہے نہ اس کو سفر السعادۃ

لھیے لکھ سے ثواب پہنچانا سے قبر سے مشکل آسان کرنا سے میت کو دفن کرنے کے لئے جمع ہونا،

ہے، بلکہ قرآن نہ پڑھا تو مل کر ذکر اللہ تو حضرت نے بھی واسطے میت کے قبر پر کیا پس جواز کے واسطے ایک اشارہ عند الفقہاء کافی ہے، اور بالفرض اگر عہد نبوی میں نہ پائے جانے کے سبب ختم قرآن کو بدعت کہیں مثل قول سفر السعادۃ کے اس کا مضائقہ نہیں لیکن وہ حسنہ ہے ناجائز اور مکروہ کہنا اس کا ہرگز صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ بہتیرے نیک کام حضرت کے بعد کئے گئے اور بالاتفاق جائز رکھے گئے اُس کا نام علماء دین نے بدعت حسنہ رکھا ہے چنانچہ ہم اول تحقیق کر چکے ہیں اور اس مسئلہ میں بھی جزئی خاص پیش کرتے ہیں فتاوٰی قنیہ میں ہے وضع الید علی القبر بدعۃ والقراءۃ علیہ بدعۃ حسنۃ اور امام حجت الاسلام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے لا بأس بقراءۃ القراٰن علی القبور، اور اس جگہ امام نے ایک قصہ عجیب لکھا ہے، علی بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں احمد بن حنبلؒ کے ساتھ تھا ایک جنازہ پر بعد دفن کے ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا، امام احمدؒ نے فرمایا ارے آدمی یہ کام بدعت ہے، جب ہم مقبرہ سے نکلے محمد بن قدامہ نے امام احمد سے پوچھا کہ تم مبشر بن اسماعیل حلبی کو کیسا جانتے ہو فرمایا وہ ثقہ یعنی معتبر ہے، اس نے پوچھا تم نے ان سے کچھ علم سیکھا ہے امام نے فرمایا ہاں جب معلوم ہوا کہ اقرار ان کے ہے کہ وہ استاد ہیں امام احمد کے تب وہ محمد بن قدامہ بولا کہ خبر دی مجھکو مبشر بن اسماعیل نے ان کو خبر پہنچی عبد الرحمان سے کہ جب ان کے باپ علاء بن الحجاج کا انتقال ہوا وصیت فرمائی[۱] کہ جب دفن کیا جاؤں میرے سرہانے قبر کے آخیر آیت اور آمن الرسول پڑھو اور یہ کہا کہ میں نے ابن عمرؓ کو سنا ہے وہ وصیت کرتے تھے اس بات کی اس وقت امام احمدؒ نے فرمایا کہ مقبرہ میں جاؤ اور اس اندھے کو کہدو کہ قرآن پڑھتا رہے اور فتاوی عالمگیری

منع کرتا ہے اور نہ حدیث جریر سے اس کا منع مفہوم ہے اور خود فعل فخر عالمؐ کا بر قبر سعد بن معاذؓ اس کے جواز کی دلیل ہے مگر فہم کی حاجت ہے پس اس فعل مرسوم کو بدعت حسنہ نہیں کہہ سکتے بلکہ ضلالہ کہنا واجب ہے سوائے اس کے یہ جاننا ضرور ہے کہ فخر عالمؐ نے ذکر جہر بیان کیا ہے وہ ایصال ثواب اس کا اور جہر سے دو کلمے... فرمائے تھے ورنہ خفی ذکر تو آپ کا ہمہ حال لازم تھا اسکا بھی خیال رہے اور مؤلف کے استدلال کی خوبی معلوم رہی کہ ایصال ثواب اس روایت سے ہرگز نہیں نکلتا کاش کہ یہ عوام کالانعام جب دفن مردہ کے واسطے جمع ہوتے ہیں ذکر و کلمہ پڑھتے رہا کریں اور اس کا ثواب میت کو پہنچا دیویں اور خرافات بکواس جو اسوقت کرتے ہیں نہ کیا کریں تو آپ معصیت اور لغو کلام سے محفوظ رہیں اور مردہ کو دلکھ سے زیادہ کلمہ پہنچ جاوے مگر شیطان کب ہونے دیتا ہے کہ سنت کے موافق کام ہو وہ تو بدعت پر رغبت دلا کر لاتا ہے **قولہ** اور بالفرض اگر عہد نبوی میں الخ **اقول** اجتماع مخصوص میں ختم کرنا ہی بدعت ضلالہ ہے نہ بدعت حسنہ اور یہ ضلالت بوجہ اجتماع کے ہے نہ بوجہ ختم و قرآن کے اور قنیہ کی روایت مؤلف کو مفید ہرگز نہیں کیونکہ وہ قراءۃ القرآن علی القبر کو بدعت حسنہ کہتا ہے نہ اجتماع مخصوص ممنوع من الحدیث کو جس کو سفر السعادۃ نے نقل کیا ہے علیٰ ہذا قول احیاء العلوم کا اور اگر اس روایت کے اطلاق سے حجت لائے کہ مطلقاً قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے خواہ اس واسطے جمع ہوں یا نہ ہوں تو بھی غلط ہے کیونکہ اطلاق وہاں معتبر ہے ... کہ نفس حکم قید کی موجود نہ ہو کیونکہ یہاں قید کا منع ہونا نص سے ثابت ہو گیا تو اب یہ روایت مطلق نہ رہیگی اور مقید ممنوع رہے گا اور یہ جو قصہ عجیب مؤلف نے لکھا ہے اس کا بھی مدعا یہی ہے کہ قرآن قبر پر پڑھنا درست ہے نہ کہ باجتماع مخصوص پڑھنا اگر عقل و فہم ہو تو کچھ خفا نہیں، علیٰ ہذا روایت عالمگیریہ اور فتح القدیر ایسا در مانتہ مسائل کا جواب ہے مگر مؤلف کو کچھ تمیز نہیں کہ اثبات کس چیز کا کرتا ہوں اور دلائل کیا لکھ رہا ہوں سبحان اللہ اور فتح القدیر میں جو اجلاس قارئین کا لفظ شبہ ڈالے تو اس کا بھی حال سنو کہ مراد حدیث جریر اور سفر السعادۃ سے اجتماع قوم کی کراہت ہے کہ الی اہل میت ہوا اور یہ چند قرابتی قرآن قبر پر جو پڑھا ہے تو اس اجتماع سے یہ جدا ہے

[۱] قبر پر لوگوں کا پڑھنا بلا اجتماع مخصوص اجتماع جس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہو سکے پوشیدہ گی،

بما ء قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمہ اللہ لا تکرہ و مشائخنا رحمہم اللہ اخذ و بقولہ و ھل ینتفع والمختار انہ ینتفع
ھذا فی المضمرات اور فتح القدیر میں ہے و اختلف فی اجلاس القارئین لیقرؤا عند القبر والمختار عدم الکمل ھذا اور مولوی اسحاق
صاحب نے مائۃ مسائل کے جواب سوال ہشتاد و سوم میں لکھا ہے. حافظاں را برائے قراءۃ قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است
مختار ہمیں است کہ جائز است الخ پس اگرچہ صاحب سفر السعادت نے قرآن خوانی کو بدعت لکھا لیکن کلام امام محمد و امام احمد بن حنبل اور
کتب فتاویٰ اور مولوی اسحاق صاحب سے خوب ثابت ہو گیا کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں نہ جمع ہو کر نہ الگ الگ اور میت کو اس سے
نفع ہوتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم قرآن نہ کرنے سے منع اور کراہت لازم نہیں آتی اس لئے کہ آپ بہت اذکار جہاد وغیرہ
اور اصلاح امت اور تعلیم نو آمیز مسلمانوں میں بہا مصروف رہتے تھے اس قدر فرصت کہاں پاتے تھے اور یہ بھی ہے، کہ آپ کی ایک دعا اور صرف
نماز جنازہ پڑھ دینا ہمارے ختمات قرآن اور اجتماعات اذکار سے نہایت افضل اور اکمل ہوتا تھا اور بعد آپ کے انصار نے اموات
پر قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے تمام امت میں رائج ہو گیا چنانچہ عنقریب بیان آتا ہے، پس یہ روایتیں تو ہم نے قبر پر قرآن

کیونکہ وہ اجتماع قوم کا اہل میت کے سبب سے ہے اور یہ اہل میت کے واسطے نہیں تا کہ تکرار تعزیت یا خلاف حدیث اس میں لازم آوے
جیسا سیوم مخصوص میں ہے لہٰذا اس کو اس سے کچھ مناسبت نہیں اگرچہ بعض علماء اس کو بھی مکروہ کہتے ہیں مگر صاحب فتح جواز کو راجح کہتا ہے
ہم نے تسلیم کیا کہ صاحب سفر السعادۃ کے نزدیک مطلق جمع لقراءۃ القرآن بدعت ہے تو وہ تو یہ کہتا ہے کہ صحابہؓ کا تعامل نہ تھا اور اس نے اجتماع
کو عموماً بدعت کہا تو غایت الامر یہ ہوا کہ جو صراحۃً منصوص حدیث جریر سے ہے تو وہ اتفاقاً بدعت و نیاحت ہوا اور جو سفر السعادۃ نے دوسری
فرد لکھی وہ مختلف فیہ ہوئی یعنی اس کے نزدیک وہ بھی بدعت ہے اور فتح القدیر نے قبر پر جمع ہو کر قرآن پڑھنا لوجہ اللہ تعالیٰ جائز کہا اور بعض دیگر
علماء نے جمع ہو کر قرآن پڑھنا لوجہ اللہ کسی وقت غیر معین میں جائز کہا مگر بہر حال اجتماع مخصوص الیٰ اہل میت تو سب کے نزدیک بدعت
ہوا تو بہر حال سیوم کا پڑھنا قرآن اور ختم کا تو سب کے نزدیک بدعت ہو گیا جس سے بحث ہے اور جس کو علماء سنت منع کرتے ہیں اور مؤلف جائز
کہتا ہے تو دوسری شق مختلف فیہ ہوئی سفر السعادت نے اس کو منع کیا اور بعض علماء نے درست رکھا مگر بہر حال اجتماع مخصوص سیوم کہ جس کی
بحث ہے وہ کسی روایت سے جائز نہیں ہوتا کیوں کہ اس میں اجتماع اہل میت ہے اگرچہ قرآن و کلمہ بھی پڑھتے ہوں پس روایات منقولہ مؤلف کی
سفر السعادۃ کے اصل مطلب کی کوئی خلاف نہیں مگر ایک شق خاص میں فتح اور سفر السعادۃ کے خلاف ہے اور وہ خلاف بھی مؤلف کو کچھ مفید
نہیں مگر فہم مؤلف کا قاصر ہے افسوس ہے کہ مؤلف کہیں مطلب نہیں سمجھتا اور اپنے کوتاہ فہم پر علماء پر طعن کرنا سہل جانتا ہے سب اہل علم غور کریں
پس واضح ہو گیا کہ قرآن و کلمہ کا ثواب پہنچانا بلا قید درست اور اجتماع مخصوص سیوم کا بدعت اور قول سفر السعادت کا قول صحیح
در موافق حدیث جریر کے اور روایات منقولہ مؤلف کے ہے الا فی شق واحد کہ وہ خلاف مؤلف کو ہرگز مفید نہیں اور توجیہات رکیکہ مؤلف
نے سب واہی غلط خلاف واقعہ کے ہیں فقط قولہ اور آں حضرت کے ختم قرآن کرنے سے الخ اقول مؤلف نے اول تو فہم مراد سفر السعادت
سے خطا کی ہے وہ کہتا ہے قرآن خوانند و ختمات خوانند ختمات سے مراد اذکار ہیں مؤلف ختم قرآن کا سمجھا تو کہتا ہے آں حضرت علیہ السلام کے
ختم قرآن نہ کرنے سے منع لازم نہیں آتا اور یہ محض غلط ہے بلکہ جن لوگوں کے نزدیک قرآن و ذکر کا ثواب پہنچتا ہے، انہوں نے قرآن کا وصول ثواب
حدیث سے ثابت کر دیا ہے پس سارا قرآن اور کم زیادہ خود ثابت ہو گیا، ختم ہی کرنا ثابت ہو گیا ضرور ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں جیسے شافعی
ان کے نزدیک اب بھی ثابت نہیں، پس عذر جہاد کا بالکل لغو ہے مگر مؤلف کو اس عذر کے لکھنے سے شرم نہ آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ص ۶۰ انجام کار سے مدعی ۔ ۔ ۔ جس میں اختلاف کیا گیا ہو ۔ صورت ۔ اعتراض ۲

پڑھنے کی بیان کیں. اب سوائے قبر کے اور جگہ اگر جمع ہوکر پڑھیں اس کا کیا حکم ہے اس کو ہم مانعین کی دوسری سند میں بیان کریں گے
سند دوسری مانعین اپنے رسائل میں نصاب الاحتساب کی عبارت نقل کرتے ہیں ان ختم القرآن جہراً بالجماعۃ ویسمی بالفارسیۃ سیپارہ خواندن
مکروہ انتہی جواب اس کا یہ ہے کہ نماز کے اندر .... قرارت امام کا سننا اور اس وقت چپ ہوجانا تو بالاتفاق فرض ہے لیکن
اگر خارج نماز کے کسی مقام پر قرآن پڑھا جاتا ہو اس کے استماع میں اور سامعین کے خاموش ہوجانے میں اختلاف ہے بعضے اس میں بھی فرض
کہتے ہیں اور بعضے مستحب جو علمار مستحب کہتے ہیں ان کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں جو لوگ جمع ہوکر قرآن پڑھیں. بلند آواز سے اور جو فرض
کہتے ہیں ان کے نزدیک نہیں جائز فتاوی قنیہ میں ہے لیکن للقوم ان یقرءا القرآن جملۃ لتضمنہا ترک الاستماع والانصات المامور بہما
کذا فی فتاوی ابی الفضل الکرمانی وقیل لا باس بہ لکن اروی عن عین الائمۃ الکرابیسی وعن نجم الائمۃ الحکیمی یہ دونوں
روایتیں جواز اور عدم جواز کی حلبی نے شرح منیہ میں اور دوسرے فقہانے بھی روایت کی ہیں ان روایتوں سے دو فائدے پیدا ہوئے ایک تو
یہ کہ جو لوگ علمار سلف میں منع کرتے ہیں انہوں نے یہ دلیل قائم نہیں فرمائی جو اس زمانہ کے مانعین قائم کرتے ہیں کہ حضرت کے وقت میں

رات دن جہاد میں مصروف نہ تھے اور نہ اعداد آلات جہاد اس درجہ کو تھے کہ ختم قرآن کی جو دو تین گھنٹہ میں پندرہ بیس آدمی کر سکتے ہیں گاہے
مہلت نہ ملی یہ بداہۃً سفسطہ اور غزوہ موتہ کی جب خبر آپکو ملی اور زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہؓ اور جعفر طیارؓ کی شہادت معلوم ہوئی آپ مسجد
میں حزین بیٹھے رہے اور جماعت صحابہؓ حاضر تھی دو ساعت میں ختم قرآن ہو سکتا تھا علیٰ ہذا خبر شہدار بیر معونہ وغیرہ میں پس یہ عذر کس قدر
چربوز و غلط ہے کہ جسکو کوئی عاقل بھی قبول نہ کرے گا الغرض ثواب قرآن شریف کا آپ کے زمانہ میں تھا مگر اجتماع مخصوص نہ تھا
مؤلف کا ذہن قاصر ہے اور پھر انصار بھی پڑھتے تھے اور اب تک جاری ہے اور جس کا انکار سفر السعادت کو ہے یعنی اجتماع الی اہل میت وہ کا ہے
ہرگز ثابت نہیں ہوا اگر تامل فرمائیں تو سمجھ میں آئے فہم درکار ہے قولہ سند دوسری الخ اقول نصاب الاحتساب میں ہے قرآن جماعت کو جہراً پڑھنا مکروہ لکھا ہے اور
یہ امر سیوم کی قرآن میں مشاہد ہے مؤلف بھی اس کراہت کو قبول کرتا ہے اور کراہت تحریمہ مراد ہے اور یہی راجح ہے اس واسطے کہ اس کو مدلل بیان کیا ہے
اور دلیل مسئلہ کی بیان کرنا وجہ ترجیح کی ہوتی ہے دوسری یہ کہ اس کے مقابل کو قیل کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ایسے موقعہ میں کہ ایک مسئلہ کو جزماً بیان
کریں اور اس کے مقابل کو صیغۂ مجہول سے بیان کریں تو اس میں ضعف ہوتا ہے اور یہ قواعد سب اہل علم جانتے ہیں بسبب شہرہ و بداہت کے نقل کرنے
کی حاجت نہیں اور دوسری روایت ضعیف پر بھی کراہت تنزیہ ثابت ہے کیونکہ لا باس کا اصل اطلاق کراہت تنزیہ پر بھی آتا ہے قال فی رد
المحتار وکلمۃ لا باس غالب استعمالہ فیما ترکہ اولیٰ انتہی بہرحال علی الراجح جہراً پڑھنا مکروہ تحریمہ ہوا اور علی المرجوح کراہت تنزیہ ہوئی کہ دوسرے
امر بدعت سے ملکر موجب قوت منع کی ہر حال ہوجاوے گی قولہ ایک تو یہ کہ جو لوگ الخ اقول سبحان اللہ کیا فہم عالی مؤلف کا ہے کہ اگر سلف کوئی
دلیل بیان نہ کریں اور خلف دلیل بیان کریں تو وہ دلیل معتبر نہ ہو سب اہل علم جانتے ہیں کہ ایک شی کی تین تین اور چار چار اور زیادہ دلیلیں
ہوتی ہیں، اگر کسی نے ایک حجت بیان کی تو دیگر حجج کا مرتفع ہونا کہاں سے لازم آگیا بلکہ اگر اولین کو ایک حجت جواز یا حرمت کی معلوم ہو اور
متاخرین کو زیادہ دلائل پر اطلاع ہوجاوے تو کون محذور ہے خود مؤلف نے نوع چہارم میں ابن جوزی کے طعن کے رفع میں وہ دلائل لکھی ہیں
کہ پہلے کسی نے نہیں لکھی تھیں اپنے گھر کی مؤلف کو کچھ خبر نہیں سب تھوڑی عقل والے بھی جانتے ہیں کہ یہ دعویٰ عدم جواز اجتماع کا صحیح اور حدیث
جریر سے لعومہ ثابت ہے. پس اگر نصاب الاحتساب میں ذکر نہ ہو یہ تو دلیل مشاہد ابن ماجہ وغیرہ میں آنکھوں سے نظر آتی ہے اس کا رفع

ے غمگین ہو اہل میت کے پاس جمع ہونا کے فصاحت ہے جس کے کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو حجت کی جمع ہے ممنوع ہے رد کرنا.

جو جمع ہو کر قرآن نہیں پڑھا گیا اس واسطے منع ہو بلکہ یہ دلیل بیان کی ہو کہ جب سب پکار کر پڑھیں گے تو قرآن شریف کا سننا جو فرض
ہے وہ ترک ہو گا دوسرا فائدہ یہ کہ جن عالموں نے منع کیا انھوں نے جہر سے پڑھنے کو منع کیا ہے. چنانچہ نصاب الاحتساب کی عبارت میں
جس کو مانعین سند لاتے ہیں لفظ جہر صریح موجود ہے پھر یہ صاحب علی العموم ختم قرآن کو کیوں منع کرتے ہیں یہی فرما دیں کہ پکار پکار کر نہ پڑھیں
تاکہ بالاتفاق جائز ہوا اور اگر آہستہ پڑھیں گے بعضوں کے نزدیک جائز ہو گا اور بعضوں کے نزدیک نہیں چنانچہ صاحب خزانۃ الروایات نے کتاب
سعید المستفید سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے. بدیں عبارت در سپارہ خواندن اختلاف است اگر خوانند چناں خوانند کہ یک دیگر نہ شنوا اندا در مولوی اسحاق صاحب
نے سوال ہشتاد و سوم کے جواب میں خاص مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں حافظاں را برائے قرارت قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف
است مختار ہمیں است کہ جائز است بشرطیکہ باواز بلند مجمع شدہ قرارت نکنند انتہی. خلاصہ یہ کہ جمع ہو کر آہستہ اگر قرآن پڑھیں خواہ قبر پہ
یا غیر قبر پہ کسی کے نزدیک منع نہیں دیکھو جمع ہو کر قرآن پڑھنا قرآن کا حدیث صحیح میں وارد ہے, مسلم نے روایت کیا ہو کہ جس گھر میں آدمی جمع ہوتے ہیں اس لئے کہ
تلاوت کریں کلام اللہ کی اور پڑھیں آپس میں اترتا ہے ان کے دلوں میں آرام وقار وطمانیت اور سب طرف سے لیتی ہے ان کو رحمت اور
گرداگرد ان کے پھرتے ہیں فرشتے. دیکھو یہ کس قدر فضیلت عظمیٰ ہوئی. علاوہ بریں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں لکھتے ہیں

کس طرح ممکن ہو اور حدیث صحیح میں ہو اگر صاحب نصاب الاحتساب کو اور دیگر علماء کو یہ معلوم نہ ہوا یا انھوں نے نقل نہ کیا. تو اس مشاہد امر کا
انکار تو محض جنون ہو گا کہ معنی موجود دلالت موجود دلیل کیوں نہ ہو وے گی لاحول ولا قوۃ الا باللہ. کیا عمدہ فائدہ مؤلف کو ملا نہیں بلکہ یہ فائدہ ملا کہ دو
صفت کراہت کی حاصل ہو گئی اور ہم کو ظہور خوبی فہم مؤلف کا فائدہ حاصل ہوا دوسرا فائدہ بھی لغو ہے کیوں کہ در صورت خطبہ پڑھنے کے یہ کراہت
رفع ہو جاوے گی مگر اجتماع مخصوص کا ناجائز ہونا اور تشبہ ہنود پر مثلاً کہاں چلا جاوے گا سو یہ فائدہ بھی نتیجہ ذہن مؤلف کا ہے کہ ایک علت کی رفع
سے تمام علل کا رفع ہو جایا کرے اور خزانۃ الروایات کا فیصلہ اس قرارۃ جماعت میں ہے کہ وہ اجتماع بدعت نہ ہو جیسا جمعہ کو جامع مسجد میں کو
پڑھتے ہیں اس کو فیصلہ کرتا ہو اور ایسا ہی مولانا اسحاق نے اجتماع جائز میں یہ فرمایا سوم کرنے میں کچھ عذر نہیں کہ اگر مجمع مباح ہے اس میں آہستہ پڑھنا
چاہیئے, اور مجمع بدعت میں اگر آہستہ پڑھیں گے تو یہ کراہت رفع ہو جاوے گی اگرچہ دیگر وجوہ منع کے سبب سے وہ منع ہی رہے گا جو مؤلف کو یہ گمان ہوا
ہے کہ صاحب نصاب الاحتساب نے ایک یہی وجہ کراہت سیوم کی لکھی ہو, نہیں اس نے بہت سی وجوہ لکھی ہیں ایک یہ بھی لکھی ہو مؤلف ذرا ہوش کر کے
مطالعہ کرے اس تحریر کو بھی اتنا تو واضح ہو گیا کہ حدیث جریر سے دو کراہت سیوم کی مستفاد ہوئی اجتماع الیٰ اہل میت اور صنعۃ الطعام چنانچہ محقق ہو
چکا. اکثر عوام کے نزدیک خود کا ضروری ہونا جس میں تغیر حکم شرعی کا اباحت سے تاکد کی طرف ہے چوتھے تشبہ کفار ہنود, پانچویں یہ جہر ثانی اور سوائے
اس کے بھی ہیں صاحب فہم کو تو واضح ہیں مگر سقیم العقل پر مخفی ہیں قولہ خلاصہ یہ کہ الخ اقول ہاں یہ جمع ہو کر قرآن آہستہ پڑھنا درست مگر وہ جمع
مباح ہونا چاہیئے سو حدیث مسلم میں مذاکرہ قرآن کے واسطے اجتماع کا کہ مستحب, بلکہ بعض واجب کہ تذکیر و تذکر و وعظ ہی ذکر ہوا ہے اس پر
مجمع مکروہ کو قیاس نہیں کر سکتے یہ کوتاہی فہم کی ہو اور قاضی ثناء اللہ کی روایت تذکرۃ الموتیٰ کی جو مؤلف کو مفید نہیں سابقاً گذرا کیونکہ اجتماع
رحمہ اللہ تعالیٰ ہو نہ اجتماع الیٰ اہل میت اور سیوم مروجہ دوسری قسم ممنوع میں داخل ہے نہ اول میں بار بار اعادہ تفصیل کا ضرور نہیں اور سفیان
کی روایت میں انصار کا اختلاف قبور کی طرف مفید اجتماع کو ہرگز نہیں. انصار کا قبر پر قرآن پڑھنا معلوم ہوتا ہے اور آنا جانا مجتمع ہو کر جانا
قرآن پڑھنا جو اس میں مؤلف کی کچھ دلیل نہیں. بہر نفس قرارت علی القبر میں اوپر خلاف بیان ہو چکا اور اجتماع غیر مرسوم میں بھی قرات

۔ جمع ہونے کھانا تیار کرنا کے عقل کے مریض کے قبر پر پڑھنا جس کی رسم نہ ہو ۱۲

حافظ شمس الدین ابن عبدالواحد گفتہ از قدیم در شہر مسلمانان جمع می شوند برائے اموات قرآن می خوانند پس اجماع شدہ انتہی۔ اور کتب عربیہ میں اس کی عبارت یوں ہے یجتمعون ویقرؤن القرآن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعا۔ عربی عبارتوں میں من غیر نکیر کا لفظ صاف بول رہا ہے کہ پہلے اس میں کوئی اختلاف نہ تھا اور ملا علی قاری اور سیوطی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سب لکھتے ہیں عن سفیان قال کان الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ ویقرؤن القرآن اور علامہ عینی شرح ہدایہ کے باب الحج عن الغیر میں لکھتے ہیں ان المسلمین یجتمعون فی کل عصر وزمان ویقرؤن القرآن ویھدون ثوابہ لموتاھم وعلی ھذا اھل الصلاح والدیانۃ من کل مذھب من المالکیۃ والشافعیۃ وغیرھم ولا ینکر ذلک منکر فکان اجماعا۔ انتہی مجموع۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوگیا کہ مذاہب اربعہ اہل سنت والجماعت کے تمام علماء دین دار محقق اور صلحاء ہر شہر میں قدیم سے جمع ہو کر قرآن اموات کے واسطے پڑھتے رہتے ہیں اور کوئی ان پر انکار نہیں کرتا تھا، اور مراد یہ ہے کہ کوئی بڑا عالم محقق جس کی سند پکڑی جاوے اور اس کا انکار انکار شمار کیا جاوے، ایسا شخص کوئی نہیں منع ۔۔۔۔ کرتا تھا اور کم درجہ کے علماء میں اگر کسی نے انکار کیا وہ رد کیا گیا اس کے قول پر عمل نہیں ہوتا عمل امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی پر رہا ہے۔ بالاتفاق والا جماع کہ پڑھنا قرآن کا مجتمع ہو کر قبر پر اور مکانات پر بھی جائز ہے **چوتھا امر** مجتمع ہونا عزیزوں اور دوست آشناؤں کا واسطے پڑھنے کلمہ اور قرآن کے سو وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک لاکھ کلمہ وارث میت تو ۔۔۔۔ پڑھ نہیں سکتا اور اگر کوئی ہمت بھی کرے گا، تو مدتوں میں تمام ہوگا، یہاں میت کا ابھی کام تمام ہوا جاتا ہے اس کے حق میں جلدی چاہیئے، پس لابد ہوا کہ دوست آشنا ایسی حالت میں ورثاء میت کی مدد کریں کہ ان کے ساتھ مل کر جلد انجام کار فرماویں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تعاونوا علی البر والتقوی یعنی آپس میں مدد کرو نیک کام اور تقویٰ پر اور یہ بھی ہے کہ جب وارثانِ میت نے یہ جلسہ ذکر کا منعقد کیا تو جسقدر مؤمنین طالبات حسنات ہیں سب کو اس میں شریک ہونا موافق حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موجب خیر و سعادت ہوگا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا۔ یعنی جب گذرو جنت کے باغ اور سبزہ زار میں تو وہاں چرو، چرنے سے مراد یہ کہ خوب وہاں کا ثواب پیٹ بھر کے حاصل کرو، لوگوں نے پوچھا کہ بہشت کے باغات اور سبزہ زار کیا ہیں آپ نے فرمایا حلق الذکر یعنی جہاں جماعتیں ذکر کرنے والوں کی حلقہ باندھے بیٹھی ہیں روایت کیا اس کو ترمذی نے کذا فی المشکوٰۃ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس جلسہ میں جو قرآن اور کلمہ پڑھا جاتا ہے یہ ذکر اللہ ہے یا نہیں؟ اگر کہتے ہو کہ نہیں تو

کا حال لکھا گیا۔ مگر بہر حال مؤلف کے اجتماع مخصوص کو غیر مفید محض ہے علی ہذا روایت عینی شرح ہدایہ سے حال اجتماع مختلف فیہ کا دریافت ہوا، نہ مبحوث عنہ متعلق الکراہت پس مؤلف کی ترکی تمام ہوئی۔ اور حسن فہم مؤلف کا آشکارا ہوگیا کہ ایک نوع سے جائز سے دوسری نوع بدعت پر استدلال لاتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ ہر نوع دوسری نوع کی مباین ہوتی ہے کیا خوب ہوتا کہ تہذیب منطق ہی مؤلف پڑھ لیتا تو ایسی خطائی الدین کر کے خلق کو گمراہ نہ کرتا،

سیوم میں اجتماع برادری کی بحث | قولہ چوتھا امر جمع ہونا عزیزوں کا الخ **اقول** اس اجتماع کا حال تو ابھی روشن ہوگیا کہ صحابہؓ کے وقت سے ممنوع چلا آتا ہے اور مطلق اجتماع جس میں کوئی محظور[1] شرعی تشابہ[2] اور نخود اور تعیین وغیرہ نہ ہو خود جائز ہے سو وہ سیوم مروجہ کے خلاف ہے، مگر یہ مؤلف کا کہنا کہ یہاں میت کا کام ابھی تمام ہوا جاتا ہے بڑی بے شرمی کی بات ہے کیوں کہ اگر ایسا میت کا خیال ہے تو قبل دفن اس قدر کلمہ ہو سکتا ہے اس وقت میت کا خیال نہیں ہوتا اب تیسرے روز جب تمام کام تمام ہو لیا تو ہوش آئی دفن کے

[1] جس کی رسم نہ ہو [2] مخالف [3] ممنوع۔

مثل بکا ؤلی اور فسانۂ عجائب ذکراللہ ہوگا اور اگر کہو کہ ہاں یہ مجلس مجلس ذکر ہے تو ہم کہیں گے کہ موافق ارشاد مخبر صادق کے یہ مجلس باغ اور سبزہ زار جنت ہے پھر اس میں چرنے سے کیوں منع کرتے ہو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں ارتعوا اور تم کہو لا ترتعوا اور اللہ تعالیٰ فرماوے تعاونوا علی البر اور تم کہو لا تعاونوا کسقدر مقابلہ اللہ اور رسول کا ہے۔ دیکھو ایک وہ لوگ تھے کہ کسی امر مکروہ کو دیکھتے تھے اور اس میں کچھ خیر اور بہتری ہوتی تھی تو اس خیر کی باعث مکروہ سے چشم پوشی کرتے تھے۔ عیدگاہ میں بعد نماز عید نفل پڑھنا ممنوع ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو یہی نفل پڑھتے دیکھا اس کو آپنے منع نہ فرمایا لوگوں نے عرض کی یا امیرالمومنین آپ اس آدمی کو منع نہیں فرماتے آپ نے جواب دیا کہ مجھکو خوف آتا ہے۔ مبادا ان لوگوں میں شریک ہوجاؤں جن کو اللہ تعالیٰ نے جھڑکا ہے: ارأیت الذی ینھیٰ عبداً اذا صلیٰ یعنی تونے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے یہ قصہ حضرت علیؓ کا درمختار اور دوسری کتب فقہ میں موجود ہے۔ اب دیکھئے ایک وہ دور صحابہؓ کا تھا کہ حضرت علیؓ نے یہ خیال فرمایا گو یہ ہیئت کراہت کی اس نماز میں عارض ہے کہ بعد نماز عیدین عیدگاہ میں خلاف طریقہ سنت نماز پڑھتا ہے لیکن پھر بھی یہ فعل خیر تو ہے اللہ تعالیٰ کی یاد کر رہا ہے اللہ کی حضوری میں ہے۔ منع نہ فرمایا اور منع کرنے میں خوف الٰہی کیا اور کیوں نہ کرتے وہی لوگ ڈرا کرتے ہیں۔ اللہ سے جن کے دلوں میں خوف الٰہی ہوتا ہے ایک یہ دور آخری ہے کہ تعیین یوم کو اپنے خیال میں مکروہ جان کر کلمہ اور قرآن سے

سو قت توحقہ کشی اور غلط کام میں مصروف رہے مگر دروغ گو را حافظ نباشد یہ مؤلف کی عجب بات ہے باقی رہی معاونت مومن کی اور حلق الذکر ، سو مطلب سے خارج ہے ذکراللہ تعالیٰ اسی وقت مقبول ہو کہ حسب قاعدہ شرع کے ہو نہ بطور بدعت ومعصیت کے پس جو ذکر مرکب بدعت ومعصیت سے ہوگا اس کی شرکت بھی ممنوع ہووے گی چنانچہ پہلے بھی جواب اس مغلطہ کا ہو چکا ہے کہ منع کرنا بوجہ بدعت کے ہے نہ بوجہ ذکر کے **قولہ** ایک وہ لوگ تھے کہ کسی مکروہ کو الخ **اقول** حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مجمع البحرین میں اس کے خلاف منقول ہے یہ عبارت اس کی ہے ان رجلا یوم العید اراد ان یصلی قبل صلوٰۃ العید فنھاہ علیؓ فقال الرجل یا امیرالمومنین انی اعلم ان اللہ لا یعذب علی الصلوٰۃ فقال علی وانی اعلم ان اللہ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوحث علیہ فیکون صلوٰتک عبث والعبث حرام الخ اس سے معلوم ہوا کہ امر جو خلاف مشروع طرز کی ہو اس سے منع کرنا چاہیئے اور یہ جو درمختار میں منقول ہوا وہ دوسرا امر ہے اس واقعہ میں نماز پڑھتے کو حالت نماز میں اس سے منع نہ کیا تھا کہ ۔۔ اس آیت کے ہونے کی مشابہت تھی ارأیت الذی ینھیٰ الآیہ نہ بوجہ خیر ہونے کے یہ مؤلف کی محض کم فہمی ہے۔ اور مجمع البحرین کی روایت میں ارادہ نماز کا کرتا تھا اس واسطے اس کو منع کر دیا سو ہرگز معارضہ نہیں فہم درکار ہے برے کام سے منع کرنا ضرور ہے اگرچہ مستلزم تکبیر ہوں ہاں بعض صورت میں جو مسئلہ مجتہد فیہا ہو تو اس میں بھی عوام کو منع نہیں کیا کرتے کہ عوام کا مذہب معین نہیں ہوتا اس کا شبہ بھی نہ کرنا چاہیئے۔ مؤلف نے نہیں سنا اور کہاں سے سنتے نہ خود پڑھا نہ علماء کی صحبت ومحبت نصیب ہوئی بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ بعد عصر کے نوافل پڑھنے والوں کو مارا کرتے تھے کہ اس وقت نوافل مکروہ ہیں حضرت علیؓ کا عدم منع بدون حقیقت سمجھے ترجمہ درمختار کا یاد کر لیا ہے بس مولوی ہو گئے اگر علماء عوام کو بدعات سے منع نہ کریں تو مداہن فی الدین ہوویں گے اور بحکم حدیث شیطان اخرس ہوویں گے دین میں فساد ہوگا۔ سو یہ مؤلف کو ہی مبارک رہے اہل سنت کا کام تو نہی عن المنکر ہے

حسر دن کی تعیین کی بحث **قولہ** پانچواں امر تعیین کرنا الخ **اقول** وعظ ودرس فرض ہو اس کے واسطے اہتمام کرنا ضروریات دین سے ہے اور

۔ جھوٹ بولنے والے کو حافظہ نہیں ہوتا ۔ مغالطہ کے جن میں اجتہاد لیا گیا ۔ دین کے معاملے میں فریب کرنے والے ۔ گونگے

منع کر کے بھی خدا سے نہیں ڈرتے **پانچواں امر** معین کرنا روز تیسرا دامنح ہو کہ معین کر لینا کسی روز کا واسطے کسی مصلحت کے شرع شریف میں
وارد ہے شقیق رحمۃ اللہ علیہ جو کبار تابعین مقبولین سے ہیں اور شاگرد ابن عبداللہ مسعودؓ صحابی کے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ وعظ
فرماتے تھے ہر جمعرات کے دن جب لوگوں نے کہا روز وعظ فرمایا کیجئے جواب دیا کہ مجھکو پسند نہیں آتا کہ تم کو تنگ کروں روز کہہ کہہ کر جس طرح پر
میں کہتا ہوں اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہم کو وعظ فرماتے تھے یہ روایت مسلم اور بخاری کی مشکوٰۃ میں موجود ہے اس روایت
سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دن جمعرات کا مقرر کیا تھا وعظ کے واسطے اور یہ ان کے بیان سے سمجھا جاتا
ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دن مقرر کر رکھا تھا۔ حالاں کہ کلام سے وعظ کے لئے کوئی قید کسی دن کی معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ قرآن
شریف میں وارد ہے وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین اس میں قید دن کی نہیں پس ظاہر ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ
نے جو دن معین کیا تھا تو کچھ مصلحت اس وقت کی سمجھ کر دن جمعرات کا مقرر کیا تھا ہمارے اس وقت میں اکثر علماء نے جمعہ کا دن مقرر کر رکھا ہے
کیوں کہ اس زمانہ میں بھی مصلحت ہے کہ جمعہ کی نماز کو ہر طرف سے آدمی اطراف و قریات و مواضع سے خواندہ ناخواندہ جمع ہوتے ہیں ایسے مجمع میں وعظ
کہنے سے فائدہ عام ہوتا ہو جمعرات میں یہ نفع متصور نہیں جب یہ بات معلوم ہو گئی تو جاننا چاہیے کہ ایصال ثواب موتیٰ کے لئے علی الدوام جائز اور شرع
سے ثابت لا اصل جس طرح وعظ کرنا علی الدوام جائز لیکن تیسرا دن مخصوص کیا گیا واسطے مصلحت کے جس طرح جمعرات کو واسطے وعظ کے خاص کیا
ابن مسعود صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور یہاں مصلحت تعین میں یہ ہے کہ تعین مفید ہے دلشاد میت کو اور نیز جمع قرآن و کلمہ پڑھنے والوں کو واسطے
کے لئے اس طرح مفید ہے کہ تعین اور تقرر کی قید میں خوب خیال چڑھا رہتا ہو دل پر کہ یہ کام کرنا ضرور ہے پس نہیں فوت ہوتا ان سے یہ کام اور جو لوگ
معین نہیں کرتے ان کا کام کبھی کا کبھی ہوتا ہے۔ بلکہ بہتیرے آدمیوں سے فوت ہو جاتا ہے۔ جو لوگ جمعرات کے تعین میں دلی فاتحہ امہات کی نیت سے
کھلا دیتے ہیں وہ تو کھلا دیتے ہیں اور جنہوں نے تخصیص کو بدعت کہا ان کو ہفتہ کے ہفتے بلکہ بینے گذر جاتے ہیں روٹی گھر سے نہیں نکالتے اور
نافع ہونا اس تعین تاریخ کا دوسرے آدمیوں کا اس وجہ سے ہے کہ اگر دن غیر مقرر رہتا تو کوئی کسی دن پڑھنے آتا اور کوئی کسی دن کام اسلوب کے
ساتھ اور جلد نہ ہوتا دن مقرر ہونے سے معین ایک میعاد پر سب جمع ہو جاتے ہیں اور خوش اسلوبی سے کام تمام ہو جاتا ہے اگر کوئی یہ اعتراض کرے
کہ اگر تم کو جلدی ایصال ثواب و امداد میت کی منظور ہے تو دفن سے اگلے دن کیوں نہیں ختم کرا لیتے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ہم دوسرا دن
مقرر کرتے اس پر بھی تم اعتراض کرتے کہ دوسرا دن کیوں مقرر کیا، علاوہ ازیں مصلحت اس میں یہ دیکھی گئی کہ بروز دفن برادری کے آدمی اور دوست

تیسرا جو تھا دن مقرر کرنا رفع ملال کے واسطے مناسب ہے۔ معہذا اگر اس میں بھی ایسی تعیین ہو کہ کسی حال تخلف نہ ہو تو وہ بھی بدعت ہو جائے گا
اور یہ فعل خود صحابہ کا بلکہ فخر عالم کا ہو سو جس شئی کو وہاں متعین کر دیا وہ معین ہو گیا اور سنت ہو گیا اگر اس کو بھی کوئی واجب جاننے لگے تو وہ
بھی تغیر حکم شرع سے بدعت ہو جاوے گا
التزام مباح و مستحب کی عجیب بحث جواب بدعات میں اصل کی ہے[1] پس اس پر قیاس کر کے کسی مباح مطلق کو معین کرنا درست نہیں کیوں
کہ وہاں تو فعل شارع سے مستحب ہو گیا تھا اب جس شئے کو اطلاق پر شارع چھوڑ گئے اس کو اطلاق کو مقید کرنا خود تغیر حدود کا ہے چنانچہ خود معلوم
مقرر ہو چکا ہے خصوصاً جس امر کو شارع نے بدعت و داخل نیاحت کیا اگر کوئی سنت امر پر قیاس کر کے جائز رکھے گا تو سخت مبتدع مقابل شرع
کا ہو وے گا کہ شارع تو اس کو منع کر گئے اور یہ اس کو سنت امر پر قیاس کر کے جائز رکھے گا معاذ اللہ اور مؤلف کس قدر رکیک توجیہ میں

[1] پیچھے ہٹنا ۱۲

شادیر تک تجہیز و تکفین میں رہتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کسی میت کی قبر کنی اور غسل و تکفین وغیرہ میں ایک ایک پہر اور بعض جگہ دو دو پہر کم و بیش لگ جاتے ہیں اگر دوسرے دن بھی چھ گھڑی یا پہر بھر کی محنت واسطے ختم قرآن اور کلمہ طیبہ کے دیجاتی تو متواتر پے در پے آنا کسی قدر دشوار ہوتا اس لئے ایکدن بیچ میں آسایش دے کر تیسرا دن معین کیا گیا دوسری مصلحت یہ ہو کہ وارثانِ میت کی تعزیت کے واسطے شرع شریف نے تین روز مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا بأس لاھل المصیبۃ ان یجلسوا فی البیت او فی مسجد ثلثۃ ایام والناس یاتونہم ویعزونہم یعنی کچھ مضائقہ نہیں مصیبت زدوں کو بیٹھنا گھر میں یا مسجد میں تین روز تک اس میں آدمی آویں گے ان کے پاس اور تعزیت یعنی تسلی اور تشفی دیں گے اہلِ ماتم کو انتہیٰ پس تیسرے دن کے معین کرنے میں یہی مصلحت سمجھی گئی کہ ان ایام میں آمد و رفت اہلِ تعزیت کی رہتی ہے لوگوں کے بلانے اور جمع کرنے میں چنداں مشقت نہ ہوگی اجتماعِ مومنین سہولت سے ممکن ہوگا اور یہ بھی ہے کہ قرب و جوار کے مواضع و قصبات سے جو ان کے اقربا اور دوست آشنا رہنے والے ہیں بعد وصول خبر وفات وہ بھی اکثر شریک امداد فاتحہ و ختم قرآن و کلمہ طیبہ کے ہو جاویں گے پس تعین تیسرے روز کی مبنی اس مصلحت پر ہے اور جو کچھ اس میں پڑھا جاتا ہے کلمہ اور قرآن اس کا بیان بہت وضاحت سے اوپر ہو چکا، اور یہ رسم کچھ ہماری مقرر کی ہوئی نہیں بلکہ قدیم الایام سے علمار دین اور مفتیانِ شرح متین کی قرار دی ہوئی ہے ایک مختصر دلیل اس پر یہ ہو کہ ملا علی قاری، اور سیوطی اور علامہ عینی وغیرہم کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں، کہ جمیع مذاہب کے علمار و صلحار کل شہروں میں کل زمانوں میں جمع ہو کر ختم قرآن کرتے رہے ہیں اس پر اجتماعِ امت ہے پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ کل شہروں میں اور ملکوں میں ہندوستان تو بڑا ملک ہے اس میں بہت شہر ہیں پس ضرور ہے کہ یہاں کے علمار و صلحار نے بھی جمع ہو کر پڑھنے کا طریقہ اپنے ملک ہندوستان میں بلا شبہ جاری کیا ہوگا ہم جو خوب تفتیش کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں تو ہندوستان کے دور دور شہروں میں یہی طریقہ قدیم الایام سے جاری دیکھتے ہیں اور ہم اپنے آبار و اجداد سے اور ہمارے آبار و اجداد اپنے آبا و اجداد سے اسی طرح سنتے اور دیکھتے آئے ہیں سیکڑوں برس کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے، پس یہ لا محالہ علمار متقدمین اور صلحار قدیم کا ہے البتہ جس وقت عوام اس مجمع سیوم میں بعض باتیں خلافِ شرع کرنے لگے اس وقت ایک وجہ سے بسبب علمار اس کو منع کرنے لگے، چنانچہ شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کا کلام شرح سفر السعادت میں صاف اس بات کی طرف

ن

سیوم کے جواز کے واسطے کرتا ہے کہ دور از عقل ہے کہ تقرر یوم ثالث میں تکان رفع ہو گا اور واہیات تقریر اور اتنا نہیں سوچا کہ حاضر ہونے کون سے پہاڑ مارے تھے؛ قبر کنی کی تھی جو تکان ہو گیا وہ تو بیٹھے حقہ بجانے اور زٹل بکنے میں مشغول رہے تھے، جیسا اپنی بیٹھکوں میں کرتے ہیں اور کارو بار تجہیز و تکفین کا کرنے والے دو چار آدمی ہوتے ہیں اور باقی سب آرام سے بیٹھے رہتے ہیں پھر یہ کہ اس پہر دو پہر میں اگر پڑھ دیا کریں کیوں رفعِ تکان کی ضرورت ہو اور کیوں حرج ہو الغرض ایسی خرافات کہانیوں سے حکمِ شرعی کا مقابلہ کس قوم سے ایسی تقریر قابلِ التفات کے نہیں ہندوستان میں خاص یہ رسم سیوم کی ہو اور کسی ولایت میں کوئی جانتا بھی نہیں سو یہ ہندوؤں کی دیکھکر دستور ہوا ہے اب اس کی اصلاح میں مزخرافات لکھے جاتے ہیں سے یہ مردود ہو چکا فقط قولہ چنانچہ شیخ عبد الحق کا کلام صاف کی آنکھ حق بین نہیں شیخ عبد الحق صاف لکھتے ہیں، کہ ایں اجتماع مخصوص سیوم الخ پس جیسا شیخ نے صرف مال تیامی اور تکلفات کو بدعت کہا ہے ایسا ہی اجتماع روز سیوم کو حرام و بدعت لکھا ہے مؤلف کو اس قدر غفلت و حمق پونچی کہ صاف تین امر کا ذکر کر کے شیخ نے حرام و بدعت کہا ہے اور مؤلف دو کا ذکر کرتا ہے تیسرے کو ہضم کر گیا حالانکہ عطف مسئلہ نحو میر میں پڑھا ہوگا اور شیخ نے سفر السعادت

۔ ۔ ۔ یہ ایک رسم جو کسی کے مرنے کے بعد منائی جاتی ہے ۔۔

اشارہ کرتا ہے اما این اجتماع مخصوص روز سیوم وارتکاب تکلفات ودیگر صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است وحرام انتہیٰ کلام اہل انصاف دیکھیں کہ اس کلام شیخ سے جو صاحب سیف السنۃ وغیرہ قرآن اور کلمہ پڑھنے کا انکار روز سیوم میں نکالتے ہیں کیسی بے سمجھی ہے اس لئے یتیموں کا حق ضائع کرنا اور تکلفات کی ممانعت پائی گئی اور اس عبارت سے پہلے جو سفر السعادت کی عبارت بدعت ہونے ختم قرآن میں تھی اس کا جواب ہم بیان امر تیسرے میں دے چکے ہیں البتہ تکلفات موتی میں ممنوع ہیں چنانچہ بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں نئے نئے تکلفات ایجاد کئے تھے جن کا ذکر نصاب الاحتساب میں ہے یقطعون اوراق الاشجار ويتخذون منه شيئا على صورة الاشجار ويزينون بها حول القبر ويلبسون القبر ثياب الحرير اذا كان للميت من اهله اى كان يلبس ذلك ويحضرون الجام المصورة بتماثيل ذوات الارواح كالبازى ونحوه وانه مكروه ويبسطون الفرش ويقوم الشاعر فى مدح الميت بما لم يفعله وانه كذب ويحضرون المصاحف فى المقابر ويضعونها فى المجلس ولا يقرؤن ويتنظرون حضور الصدور فان فتح المصحف واخذ الناس فى القراءة ثم حضر الصدر يغضب عليهم وهل هو الا من النفس الامارة بالسوء انتهى كلامه تلخيصا وفى حاشية خزانة الروايات الناس يضعون الريحان الورد فى الاطباق وماء الورد فى القماقم یعنی درختوں کے پتوں کو اس طرح تراشتے ہیں کہ صورت میں درختوں کی اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور گرد قبروں کے ان پتوں کو سجاتے ہیں اور قبر پر ریشمین غلاف ڈالتے ہیں اگر وہ میت پہنتا تھا اپنی زندگی میں ریشم اور لاتے ہیں رکابیاں جس میں باز وغیرہ جانداروں کی تصویریں ہوویں اور بچھاتے ہیں فرش یعنی مخملی اور ڈوم بھاٹ کھڑا ہو کر اس مرد کی جھوٹی تعریف کرتا ہے۔ اور لیجاتے ہیں گود پر قرآن کو اور رکھدیتے ہیں مگر پڑھتے نہیں جب تک رئیس مجلس نہ آجائے اور اگر اس سے پہلے کو پڑھنے لگیں تو وہ خفا ہوتا ہو یہ نفس امارہ کی شامت ہو یہ نصاب الاحتساب کے چنے ہوئے فقرے ہیں اور خزانۃ الروایات کے حاشیہ میں ہو کر تے ہیں آدمی پھول پھلواری اور گلاب کے پھول طباقوں میں اور عرق گلاب بھرتے ہیں قمقموں میں انتہیٰ۔ اب خیال کرنے کا مقام ہو کہ در تمام میت تو مصیبت نفس ہوتے ہیں ان کو سرور کا سامان ایام مصیبت میں کرنا اور بعض امور محرمہ اور مکروہہ سے زینت دینا کون عاقل گوارا کرے گا چنانچہ مفتیان دین نے اس کو منع کیا اور تمام علما نے اس کو مان لیا اب دیکھئے یہ باتیں کوئی نہیں کرتا البتہ ایک یوم معین میں جمع ہو کر کلام پڑھ دیتے ہیں اب جو بعضے علمار تشدد کرتے ہیں محض تعین یوم کے سبب کلام اور قرآن کو بھی مکروہ کہدیتے ہیں یہ صحیح نہیں اور دلائل ان کی ہیں ایک یہ کہ معین کر لینا نماز میں کسی سورت کا مکروہ ہے تو ایصال ثواب کے واسطے بھی تیسرا دن خاص کر لینا مکروہ ہے جواب اس کا یہ ہے

کی روایت کو بھی قبول کر لیا شیخ عبدالحق کے وقت سے علما اس اجتماع سیوم کو بدعت وحرام کہتے رہے ہیں، اب مؤلف کی چرب زبانی وکذب بیانی خود ظاہر ہو گئی کہ وہ اپنے اجداد سے سنتا چلا آیا ہے اور تکلفات کی ممانعت بھی مقرر ہے جس کو مؤلف نصاب الاحتساب سے نقل کر کے اور بے سود ایک صفحہ سیاہ کیا مگر اجتماع روز سیوم کا نام بھی نہیں لیتا اب ناظرین خود ہی دیکھیں کہ مؤلف کی یہ جرارت ہو کہ عبارت نقل کی بھی کلمات کو ہضم کر کے ترجمہ میں اس کا نام تک نہیں لیتا یع چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد، اور صاف ظاہر ہے کہ شیخ نے تین امر ذکر کر کے ہر سہ کو بدعت لکھا ہے پس اس سے اجتماع مخصوص روز سیوم کا بدعت ہونا ثابت ہو گیا قولہ ایک یہ کہ نماز میں الخ اقول مؤلف ہر روز فہم مطالب میں ناتمام مطلب سمجھتا ہے یا خلاف مراد تجویز کر لیتا ہے یہ دلیل بھی ناتمام نقل کی ہے اصل یہ ہو کہ بحکم آیات احادیث مجمع علیہ تمام امت کا ہے کہ کسی حد کو حدود ....

سلہ چہ دلاور ست دزدے کہ با تھ میں چراغ لئے ہوئے ہے سکہ متفق علیہ

لیکن تم کسی امر کو قیاس کرتے نہیں تو تم کہا کرتے ہو قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے اور خود اپنے مطلب کے لئے قیاس کرتے ہو تو جانبر سے خیر یہ ہٹ دھرمی تمہاری تم کو مبارک ہم اس سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ تعیین یوم فاتحہ وغیرہ کو قیاس نماز پر کرنا صحیح نہیں اور یہ دلیل تام نہیں اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک تو تعیین سورۃ مکروہ نہیں پس یہ کراہت اہل سنت میں اجماعی نہ ہوئی اور حنفیہ کے نزدیک جو مکروہ ہے تو امام طحاوی اور اسبیجابی وغیرہ محققین کے کلام سے اس کی کراہت دو سبب سے ہے یا تو یہ کہ پڑھنے والا اس کو یہ اعتقاد کرے کہ اسی ایک سورۃ کا پڑھنا واجب ہے دوسری سورت پڑھوں گا تو اس میں نماز نہ ہوگی یا ہوگی تو مکروہ ہوگی دوسرا سبب یہ کہ جاہل لوگ اس کو واجب پڑھتے دیکھیں گے

شرعیہ تغیر کرنا نہیں چاہیئے اور کسی وصف وحکم کو تبدل کمی وزیادتی وغیرہ سے دینا نہیں چاہیئے، مطلق اور مقید کو ضروری اور مباح کو مباح اپنے حالات مشروعہ پر رکھنا واجب ہے ورنہ تعدی حد اللہ اور احداث بدعت میں گرفتار ہو جاوے گا پس بنا بر علیہ قاعدہ کلیہ متقرر ہو گیا کہ مباح اپنے اندازہ سے متجاوز نہ ہو علماً و عملاً اور مطلق اپنی حالت اطلاق سے متغیر نہ ہو، علماً و عملاً اور مقید اپنے اندازہ سے نہ بدلے علماً و عملاً اور اس پر آیات و احادیث دال ہیں چونکہ یہ قاعدہ مسلمہ سب کا ہے اس کے دلائل کلیہ لکھنے کی حاجت نہیں مگر قدر حاجت لکھتا ہوں کہ غافل کو تنبیہ کر دیوے مسلم نے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم لحدیث چوں کہ شارع علیہ السلام نے فضائل جمعہ اور صلوٰۃ جمعہ کے بہت فرمائے تھے تو خدشہ تھا کہ کوئی اپنی عقل سے روزہ نماز کہ عمدہ عبادات ہیں اس میں کر بیٹھے خود آپ نے نہی فرما دی کہ جس قدر امور جمعہ اور شب جمعہ میں ہم نے فرما دیئے ہیں وہی ان میں افضل و سنت ہیں اگر کوئی اس پر قیاس و اضافہ کرے گا وہ مقبول نہ ہوگا پس اس حدیث میں یہ ارشاد ہوا کہ تم جمعہ اور شب جمعہ کو صوم و صلوٰۃ کے واسطے خاص مت کرو، کیوں کہ صوم و صلوٰۃ نوافل مطلق اوقات میں یکساں ہیں خصوصیت کسی وقت کی بدون ہمارے حکم کے درست نہیں پس مطلق کو مقید کرنے سے منع فرما دیا جیسا کہ جس جس امور کے واسطے جمعہ کو مخصوص کیا ہے مثلاً صلوٰۃ جمعہ مع لوازمہا اس کے حد تک بھی منع فرما دیا ہو کہ صلوٰۃ جمعہ اور کسی دن نہیں ہو سکتی لہٰذا صاف واضح ہو گیا کہ یوم شب جمعہ کو مقید کرنا جس میں وہ مطلق ہیں اور مطلق جس میں وہ مقید ہیں دونوں ممنوع ہیں پس اس حدیث میں یہ حکم ہو گیا کہ ہمارے ارشاد کے موافق سب کام کرو اپنی رائے سے تبدیل و تغیر مت کرو مگر ہاں جس کو خود شارع مستثنیٰ کر دیوے یا کرائے دوسری حدیث سے ثابت ہو جاوے تو وہ خود شارع کا ہی حکم ہو کر وہ تبدل تغیر نہیں اور قولہ وسلم لا تختصوا یہ بھی مطلق وارد ہوا ہے تخصیص خواہ اعتقاد و علم میں ہو خواہ عمل میں دونوں ناجائز ہو دیں گی سو یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ تخصیص فعلی اگر منصوص مطلق میں واقع ہووے گی وہ بھی بدعت ہے اور داخل نہی ہے علیٰ ہٰذا مطلق کرنا مقید کا عام ہے کہ علماً ہو یا عملاً ہو منہی عنہ ہیں چوں کہ یہ قاعدہ اس حدیث سے بوضاحت مستنبط تھا تو امام نووی شرح اس حدیث میں فرماتے ہیں احتج بہ العلماء علیٰ کراہۃ ہذہ الصلوٰۃ المبتدعۃ التی تسمی الرغائب قاتل اللہ واضعہا ومخترعہا فانہا بدعۃ منکرۃ من البدع التی ہی ضلالۃ وجہالۃ الخ اب دیکھو نماز جو غیر موضوع اور عمدہ عبادات ہے اور سب اوقات مشروعہ میں افضل القربات ہے بسبب تخصیص کے بدعت منکرہ ہو گئی ہے کہ اطلاق مشروع نہ باقید وقت وغیرہ کی تک کر مخصوص ہو گیا تو اس قید کی وجہ سے سارا مقید بدعت بن گیا اور امام محمد غزالی نے جو احیاء العلوم میں اس کی فضیلت لکھی ہے حالاں کہ کلیہ قاعدہ ان کا بھی مسلم ہے تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کو حدیث اس صلوٰۃ کی فضل میں ملی، سو انہوں نے اس کو صحیح جان کر عمل کیا اور یہ سمجھے کہ خود شارع نے اس کو استثناء فرما دیا لہٰذا وہ معذور ہیں مگر فقہا حدیث نے اس کا موضوع

ہ حد سے تجاوز کرنا سے الگ سے ممنوع ہے افضل عبادت سے تسلیم شدہ

مبادا وہ لوگ یہ اعتقاد کریں کہ نماز میں بھی ایک سورت واجب ہے دوسری نہیں یہ مضامین فتح القدیر اور شامی اور برہان وغیرہ میں ہیں اور میں
کتابوں کر تو یہی وجہ کراہت کی وہی سبب اول ہے یعنی واجب جاننا تعین سورت کا چنانچہ حدیث صحیح سے اس کی تصدیق پائی جاتی ہے صحیحین
میں ہے کہ ایک آدمی امام تھا وہ ہر رکعت میں قل ہو اللہ ضرور پڑھا کرتا. بخاریؒ کی روایت میں ہے کہ مقتدی لوگ اس سے الجھے اس نے جواب دیا کہ میں
تو اس ست کو نہیں چھوڑتا تمہارا جی چاہے مت پڑھو میرے پیچھے نماز انجام کار یہ ماجرا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک گیا آپ نے اس سے پوچھا
تو کیوں نہیں مانتا ان کی بات اور کیوں التزام کر رکھا ہے اس سورت کا اس نے کہا کہ مجھ کو پیاری لگتی ہے یہ سورۃ آپؐ نے ارشاد فرمایا حبك

ہونا تحقیق کر دیا سو فی الحقیقت امام محمد غزالیؒ نے اس کلیہ کا خلاف نہیں کیا بلکہ تصحیح حدیث میں غلطی ہوئی ہے اور بشر خطا سے خالی نہیں اور تنقید حدیث
ہر ایک کا فن بھی نہیں اس باب میں قول محدثین کا ہی معتبر ہوتا ہے سو یہ خدشہ بھی رفع ہو گیا پس بنا برعلی ہذہ القاعدہ شارح منیہ نے صلوٰۃ الرغائب کے
بدعت ہونے میں چند دلائل لکھی ہیں کہ یہاں ان کا نقل کرنا مناسب ہے بقولہ ومنہا فعلہا بالجماعۃ وھی نافلۃ ولم یرد بہ الشرع جماعت کو شارع
نے خاص فرائض کیساتھ کیا ہے سو نوافل میں قید جماعت کی مشروع ہوئی مگر جس کی اجازت شرع سے ثابت ہو گئی جیسے تراویح و استسقاء
و کسوف اور بلا تداعی نوافل مطلقہ میں تو جماعت جائز ہو ن باقی اپنی حالت کراہت پر ہی تو دیکھو کہ جماعت یہاں منقول نہیں بلکہ فرائض کے
ساتھ مخصوص تھی سو نوافل میں جماعت کا کرنا تخصیص شارع کا توڑنا ہوا الہذا لم یرد بہ الشرع کہا اور اس کا ہی نام بدعت ہے
پھر کہا ومنہا تخصیص سورۃ الاخلاص والقدر ولم یرد بہ الشرع شارع علیہ السلام نے فرمایا تھا لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ
الکتاب وسورۃ تو کسی صورت کو خاص نہیں کیا تھا مطلق سورت کا حکم فرمایا تھا سو کسی صلوٰۃ میں کسی سورۃ کو مخصوص کرنا خلاف
شارع کیخلاف ہے مگر جہاں تخصیص وارد ہو گئی جیسا سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون صلوٰۃ جمعہ میں مثلاً اس واسطے کہا لم یرد
بہ الشرع اور یہی بدعت ہے ومنہا تخصیص لیلۃ الجمعۃ دون غیرھا وقد ورد النھی عنہ اس کا حاصل بھی ظاہر ہے تکرار میں تطویل ہے
ومنہا ان العامۃ یعتقدون سنیتھا اس کی وجہ یہی ہوئی کہ جس امر مباح مندوب کے سبب عوام کے اعتقاد میں فساد ہو اس کا ایسی طرح کرنا
ہے کہ اس کو تغیر حکم شرعی کا لازم ہو جاوے عند العوام اور رفع فتنہ عوام کا حتی الامکان واجب ہے ومنہا ان الصحابۃ والتابعین ومن بعد
من المجتہدین لم ینقل عنہم یہ خود روشن ہے کہ جس کی اصل قرون ثلثہ سے ثابت نہ ہو وہ خود بدعت و مردود ہووے گا سو یہ تعینات و تقیید
خلاف ان قرونؓ کے کرنا خود باطل ہوا اب غور در کار ہے کہ اس صلوٰۃ کے امتناع پر شارح منیہ نے اس قاعدہ کلیہ سے کہ عدم تجاوز حدود شرعیہ کا
ہے چند قواعد استخراج کئے ہیں کہ یہ قواعد مثل انواع کے ہیں ماتحت جنس کلی کے اور ان سب سے صدہا جزئیات کا حکم حاصل ہوتا ہے ایک یہ
شارع نے جس کا اہتمام و تداعی کے ساتھ حکم فرما دیا وہ تو اس طرح ہووے اور جس کو مطلق فرمایا اس میں تداعی کا اضافہ نہ ہونا چاہیئے ورنہ
تبدیل حکم شرعی و بدعت ہو جاوے گا دوسرے یہ کہ جس شے کو کسی خصوصیت کے ساتھ فرمایا وہاں تو وہ تخصیص مشروع ہووے گی ورنہ تخصیص
ہی ہووے گی تیسرے یہ کہ جہاں کسی زمانہ کو مقرر کر دیا ہے وہاں تو قید زمانہ کی مشروع ہے ورنہ بدعت ہے، چوتھے یہ کہ اگر اس کی تداعی یا دوام سے
عوام کو فساد عقیدہ حاصل ہو تو اس کا ترک کرنا لازم ہے اگرچہ وہ امر استحباب کے درجہ میں ہو نہ سنت مؤکدہ اور واجب. پانچویں یہ کہ جس شے
کی اصل قرون ثلثہ سے منقول نہ ہو وہ بدعت ہے اور ان سب جگہ علماً و عملاً یہ حکم ہے اور شے اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہو مگر ان قیود و وجوہ سے بدعت
ہے. پس یہ پانچ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہیں کہ شارح منیہ نے استفادہ فرمائی اور سب فقہاء کے نزدیک مقرر ہیں اور ان ہی قواعد سے فاتحہ

ملہ ثابت ہے اس قاعدہ کی بنیاد پر کہ قرن کی جمع یعنی زمانہ کہ بذات خود

ایاھا ای ادخلک الجنۃ یعنی تو جو اس سورت کو دوست رکھتا ہے اس کے دوست رکھنے نے تجھ کو جنت میں داخل کردیا اس قصہ سے معلوم ہوا کہ
تعیین سورت کو واجب اعتقاد کرنا ہی موجب کراہت تھا جب اس شخص نے اپنا وہ اعتقاد ہونا نہ بیان کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھکو اس سورۃ سے محبت ہے
تب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تعیین کو منع نہ فرمایا بنا بریں علیہ ہم کہتے ہیں کہ تعیین سوم میں بھی وہ علت کراہت مفقود ہے سب جانتے ہیں کہ
اموات کے لئے ایصال ثواب کو ایک امر مسنون و مستحب کے فرض و واجب کوئی نہیں جانتا جب اصل ایصال واجب و فرض نہ ہوا تو تعیین یوم سیوم کو کون
ہوا ان فرض بنا کہنے کا یاں یہ تخصیص تیسرے دن کی جو جاری ہے وہ مبنی بعض مصلحتوں پر ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اور سہولت سے انجام کار ہو جاتا ہے

سوئم اور سیوم و چہلم وغیرہ اور تعیین جمعرات وغیرہ کی اور محفل میلاد مروجہ سب کی سب بدعت ہو گئی ہیں اور تمام رسالہ مؤلف کا رد ہو گیا بعد
اس تمہید کے ناظرین پر واضح ہو کہ علماء سنت کی یہ دلیل تھی جس کو مؤلف نے دلیل اول لکھا ہے مؤلف نے اپنی کم فہمی سے اس دلیل قاعدہ کلیہ کی ایک
بے کرنا تمام طرح پر بیان کیا اس کی مختصر تقریر یہ ہے کہ مقید کرنا کسی مطلق کا شرعاً بدعت و مکروہ ہے، جیسا کہ فقہاء نے اس قاعدہ کے سبب
سے لکھا ہے کہ کسی نماز میں کسی سورت کو موقت نہ کرے اگر ایسا کرے گا تو مکروہ و بدعت ہوگا پس جب صلوٰۃ میں حسب اس قاعدہ کے تعیین سورت مکروہ
ہو تو ایصال ثواب میں بھی حسب اس قاعدہ کلیہ کے تعیین وقت اور ہیئت کی بدعت ہووے گی خلاصہ دلیل مانعین بدعت کا یہ تھا جس کو مؤلف نے اپنے
حد فہم کے موافق نقل کی اب چونکہ مؤلف نے اس مسئلہ تعیین سورت میں اپنے حوصلہ علم کو ظاہر کیا تو اس کو سنو کہ ہدایہ میں لکھا ہے ویکرہ ان یوقت
شیئاً من القرآن لشئ من الصلوٰۃ لان فیہ ہجران الباقی وایہام التفضیل انتہیٰ سو یہ جزئیہ ایک کلیہ کا ہے کہ اس میں تمام عبادات عادات مطلق
کو مقید کرنا شارع نے ممنوع کر دیا ایک جزئی اس کی تعیین سورۃ بھی ہے جیسا اوپر سے واضح ہو لیا تو مؤلف اس جزئیہ کو مقیس علیہ اور سیوم کے
مسئلہ کو مقیس محض رائے سمجھ گیا کیا فہم ہے یہ نہیں جانتا کہ جب کلی امر کا ارشاد ہوا تو اس کے جز جزئیات محکوم ہو گئے گویا ہر فرد کا نام لے دیا اور جب
یا ایہا الناس تو زید عمر و بکر عبد السمیع سب کے نام بنام حکم ہو گیا کسی جزئی کو مقیس نہیں کہہ سکتے اسی طرح جب تقیید اطلاق کو منع فرما دیا تو سب جزئیات
خواہ تعیین سورۃ ہو خواہ تعیین روز سیوم ہو خواہ تعیین نخود ہو سب ممنوع بالنص الکلی ہو گئے مانعین بدعت کی کلام قیاس نہیں بلکہ جو جزئی
کہ اس میں مشہور اور ظاہر متفق علیہ ہے اس کی نظیر دے کر اور مثال سے فہمائش کر کے دوسرے جزئیہ مندرجہ اس کلیہ کو ظاہر اور الزام کرنا ہے
مانعین نے اس کا اندراج تحت ہذہ الکلیہ نہیں سمجھا تھا پس قیاس کہاں ہے مؤلف کو عقل نہیں کہ کلیہ کو اور قیاس کو امتیاز کر سکے بسبب
اس کے فرق دونوں کا یہاں نہیں لکھا کتب اصول میں جو چاہے دیکھ لے پس اصل مسئلہ جزئیہ کو سنو کہ نماز میں کوئی سورۃ مقرر نہیں سب
برابر ہیں مگر جہاں شارع سے کوئی سورۃ تخصیص ثابت ہوئی وہ مستحب ہے جیسا روز جمعہ کی نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر مثلاً پس جو سورۃ
سنت سے ثابت ہوئی اس میں امام شافعیؒ تو دوام کو مستحب جانتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ احیاناً کو مستحب اور دوام کو مکروہ فرماتے ہیں اور
جس کا استحباب ثابت نہیں اس میں بالاتفاق دوام مکروہ ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس دوام میں پہلی شق میں تو مستحب کو گویا واجب ہو جاتا
ہے دوسری شق میں مباح مؤکد یا واجب ہو جاتا ہے تو تغیر حد شرع کی ہوئی تو مکروہ ہو گیا پھر اس کی کراہت میں ہدایہ نے دو دلیل کا اشارہ
کیا ہے جب شرع میں سب سورتیں جائز ہیں تو ایک کے دوام میں باقی سور کا ترک ہوگا ہجران باقی قرآن کا ہوا وہی تقیید مطلق ہوئی اور تغیر
شرعی کا لازم آیا ہے کہ مستحب یا واجب ہوا۔ یا مباح واجب ہوا دوسرے یہ کہ ایک سورۃ کے تقرر سے عوام جانیں گے کہ یہ سورۃ سب

جس پر ہو وہ متعین ہے جس پر کوئی چیز قیاس کی جائے یہ قیاس کرنے والا ہے سمجھا کرتے کبھی کبھی کسی سورۃ کا ترک نہ چھوڑ دینا۔

اور خود فقہ میں بھی تعیین سورۃ کے باب میں امام طحاوی نے تصریح کی ہے اما اذا قرأ لتيسر عليه فلا يكره بل يكون حسناً الخ (فی البرھان)۔ پس موافق اس تعلیل کے تعیین سوم مکروہ نہ ٹھیرا باقی رہا دوسرا سبب کہ مبادا دوسرا آدمی جاہل اس کو دیکھکر یہ اعتقاد نہ کرلیں کہ ایصال ثواب تیسرے ہی دن ہوتا ہے نہ پہلے اس سے نہ پیچھے اس سے سو یہ علت بھی یہاں مفقود ہے اس لئے کہ جو لوگ فرض و واجب و سنت و مباح کی حقیقت اور کنہ کو نہیں سمجھتے ان کا تو کچھ علاج ہی نہیں وہ تو نماز روزہ میں بھی امور مستحبہ کو فرض، فرض کو افضل اولیٰ مکروہ کو مفسد اور حرام مباح کو واجب جو چاہتے ہیں کہتے ہیں ان کو ہرگز تمیز نہیں سوایسے اشد اجہل العوام سے قطع نظر کرکے یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ عوام اس درجہ کے ہیں

افضل ہے یا ایہام اس بات کا ہووے گا من اللہ القاری والسامع اور یہی حکم شرع کا ہے تو اس جگہ طحاوی اور اسبیجابی نے یہ کہا تھا کہ کراہت تحریمی جب ہے کہ اس سورۃ میں اعتقاد وجوب کا کرے اور ترک کو مکروہ جانے اور سہولت یا تبرک کے واسطے پڑھے تو مکروہ نہیں بشرطیکہ کبھی اور سورۃ کو بھی پڑھ دیا کرے اس سے بھی یہی واضح ہوا کہ اعتقاد وجوب تو مکروہ تحریمی ہے اور دوام بلا اعتقاد وجوب بھی مکروہ ہے جہلاء کے واجب گمان کرنے کی وجہ سے اور جو احیاناً ترک کردیوے جس سے دوام دہا تو پھر کچھ حرج نہیں پس اس صورت میں قید وجوب اعتقادی لغو ہوگئی کیوں کہ جب دوام مطلقاً مکروہ ہے تو پھر قید اعتقاد سے کیا نفع نکلا اسی واسطے فتح القدیر نے اعتراض کیا اور کہا والحق ان المداومة مطلقا مکروہ سواء رآه حتما او لا انتہی پس سب علماء کا اتفاق اس پر ہوا کہ دوام بلا اعتقاد وجوب کے بھی موجب کراہت کا ہے انتہی ہدایہ اور فتح القدیر اور طحاوی اور اسبیجابی وغیرہم کا مگر مؤلف کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ قوی وجہ کراہت کی سبب اول ہے الخ غور کیجئے کہ جس علت کو تمام اہل علماء و فقہاء قبول کریں مؤلف اس کو ضعیف بتلاوے بھلا اس نخوت کا کیا ٹھکانا ہے اور ایسے محققین پر طعن کرنا اس فخر کی کوئی نہایت ہے خیر اب مؤلف کا استدلال ترجیح سنو کہ ایک صحابیؓ نے جو قل ہو اللہ کا التزام ہر رکعت میں کیا تھا تو صحابہ نے ان کو اس واسطے منع کیا تھا کہ یہ فعل فخر عالم علیہ السلام کا نہیں تھا اس کو خلاف حکم شرع کے جانا تھا جب انھوں نے نہ مانا آپ کی خدمت میں شکایت ہوئی آپ نے بھی صحابہؓ کو ٹوکا کیوں منع کرتے ہو یہ اس واسطے ہوا کہ آپ کے قواعد فعل کے خلاف تھا ان کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے اپنی حبّ اس سورۃ سے عرض کی تو آپ نے حب صفة الرحمن کے سبب بشارت تو دیدی مگر یہ کہ اس فعل کو تو کیا کرو یہ ہرگز حدیث میں نہیں آیا فقط حب قل ہو اللہ کے سبب کہ صفت حق تعالیٰ کی ہے بشارت جنت کی فرمائی، مؤلف نے اجازت دوام تکرار قل ہو اللہ کی اپنے ذہن سے تراش لی بھلا اس سے اس فعل کا جواز کس طرح نکلا اور ایک صحابیؓ نے ادراک رکعت کے واسطے قبل وصول صف کی نیت کرکے رکوع میں شریک ہوکر دو قدم چلکر رکوع کی حالت میں صف کی برابر ہوگئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زادک اللہ حرصاً ولا تعد دیکھو یہ فعل مکروہ تھا مگر اس پر آپ نے مدح فرمادی کہ حرص امر خیر کی تھی آگے لاتعد ایک روایت میں یہ فعل نص صریح سے ہے کہ پھر یہ کام مت کرنا دوسری روایت میں لا تعد باب نفعال سے ہے کہ اعادہ صلوٰۃ مت کر اس دوسری روایت میں باوجودیکہ یہ فعل مذموم تھا کہ طریقہ تلقین اور خشوع کیخلاف تھا مگر آپ نے صراحتاً منع نہیں فرمایا اور مدح بھی کردی پس اس کی ہی نظیر یہ قل ہو اللہ کی حدیث ہے کہ یہ طرز تعلیم اور فعل آپ کے خلاف تھا اس کے صراحتہً منع کی ضرورت نہ ہوئی اشارۃً منع فرمادیا تھا مگر اس حب کی وجہ سے بشارت بھی ہوگئی پس مؤلف کے حسن فہم کو دیکھو کہ کیا اجتہاد کیا کہ اپنے شکم سے ایسا مقدمہ تجویز کرلیا کہ حدیث میں کہیں اس کا نشان بھی نہیں اور خلاف تمام علماء کے منحج بن گئی، چلو تسلیم کیا

لے کون قاری ہے اور کون سننے والا سے کبھی کبھی سے بحث سے خوش خبری سے یا نا سے صف میں پہنچنے سے پہلے۔

کہ ان کو فرضیت اور اباحت میں فرق معلوم ہے سو حضرت سلامت یہ مسئلہ خاص اس درجہ کا ہے کہ اس درجہ کے عوام سب جانتے ہیں کہ یہ
مثل حج و زکوٰۃ کے فرض تو نہیں ہے بلکہ واجب بھی نہیں ایصال ثواب فی نفسہ مستحب ہے اور تعین ایک مصلحت کے لئے ہے بزرگان دین کا قرار
دیا ہوا ایک امر متوارث چلا آتا ہے اور یہ شبہ تو کسی کم سے کم عقل والے کو بھی نہیں پڑ سکتا کہ یوں جانے کہ ثواب آج پہنچے گا پھر نہ پہنچے گا اس لئے
کہ جب دیکھتے ہیں کہ وارثان میت سوائے روز سوم کے اور دنوں میں بھی فاتحہ درود کرتے ہیں تو کس طرح اعتقاد کریں گے کہ روز سیوم ہی کو
فقط ثواب پہنچا کرتا ہے پس دونوں سبب کراہت کے مفقود ہوئے تو تعین سیوم کو مکروہ کہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی **دوسری دلیل**
مانعین کی یہ ہے کہ سیوم میں مشابہت ہے کفار ہنود کی اور حدیث میں من تشبہ بقوم فھو منھم سو جواب اس کا یہ ہے کہ تشبہ مصدر ہے

کا جازت دے دی تھی مگر یہاں بجز ان باقی کا نہیں کیونکہ وہ ہر رکعت میں دوسری سورت بھی پڑھتے تھے اور افضلیت کا ایہام بھی یہاں
نہیں کیونکہ فضل قل ہو اللہ کا خود فخر عالم علیہ السلام فرما چکے تھے کہ ثلث قرآن ہے تو فضل منصوص میں ایہام سو کیا علاقہ تھا اور پھر وہ ایسا وقت تھا
کہ وہاں کوئی بھی عام نہ تھا سب اخص الخواص فقہاء تھے اور وجہ جازت سب کو معلوم ہو گئی تھی اس قرن میں یہ دلیل کراہت کی موجود ہی نہ تھی
جواب ہے اور سب کے بعد یہ واقعہ حال تھا نہ حکم عام اور ایسے امر خلاف قواعد سے کہ کسی کو کسی خصوصیت سے اجازت ہووے قابل قیاس کے
نہیں ہوتا بلکہ قیاس مسائل عامہ پر کیا جاتا ہے بس مؤلف اپنے علم ولحظہ کو غور کرے کہ کس فہم پر خلاف علماء فقہاء کے کلام کرتا ہے نہیں جانتا کہ
علم مجتہدین کا مؤلف کی طرح ترجمہ مشکوٰۃ میں حصر نہیں تھا انہوں نے تمام روایات کو پیش نظر کر کے اجتہاد کئے ہیں یہ روایت بھی ان کو معلوم
تھی دیدہ و دانستہ و فہمیدہ وضع مسائل کیا ہے مؤلف کی طرح آنکھ بند کر کے مجتہد نہیں ہو گئے تھے اور مؤلف کی ترجیح کی گنجائش نہیں چھوڑی
تھی مؤلف اپنے علم و فہم کو اندازہ کرے کہ ابتدائے رسالہ سے آخر تک کوئی فہم کی سیدھی بات نہیں کہی پھر اس پر یہ ناز و نخوت اور اپنے علم کا تو
یہ اعتماد و غرور لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ الغرض بنا علیٰ ہذہ القاعدہ سیوم وغیرہ رسوم سب بدعت ضلالہ ہوئی اور یہ ایک دلیل کراہت
منحصر کی نہیں بلکہ پانچ دلائل ہیں جن کو شارح منیہ نے بسط کیا ہے اوپر مذکور ہو لیا بس بعد اس کے سوائے مؤلف کے کوئی عاقل ان کو
جائز نہیں کہہ سکتا اب ناظرین مؤلف کی خیانت دیکھیں کہ طحاوی نے روایت دوام سورہ بلا اعتقاد میں شرط کی ہے کہ اگر گاہ گاہ ترک کیا
ہے تو مکروہ نہیں مؤلف نے اس شرط کو حذف کر کے نقل کیا ہے اور جہلاء کے اعتقاد کے فساد کی وجہ سے شرح منیہ اور طحاوی اور فتح القدیر
نے سب نے تصریح کی ہے اب مؤلف کی توجیہات واہیہ کہ ہرگز قابل التفات نہیں کہ اپنی رائے نا تمام سے بمقابلہ فقہاء کے کلام کرتا ہے تصریحاً
حق ہے کراہت دوام مستحب کی بسبب فساد عقیدہ عوام محقق ہو چکی الحمد للہ جہل مرکب مؤلف کا روشن ہو لیا۔ وھو المرام

قولہ دوسری دلیل مانعین کی یہ ہے الخ | اقول یہ بھی ایک نہایت اصل قوی اور قاعدہ | بیشک عجیب بحث جو بدعت کی قلع قمع کرنے والا ہے
یہ کہ حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم ...... | کلیہ بہت احادیث سے ثابت اور تمام امت کا مسلمہ ہے کوئی اس کا منکر نہیں مگر کسی جزئی

میں بادی النظر وجہ اگر خلاف ہو جاوے کہ یہ داخل کلیہ میں ہے یا نہیں یا اس کو دوسرے روایات معتبرہ نے استثناء کر دیا ہے یا نہیں یہ دوسری
بات ہے مگر اصل کلی میں سب کا اتفاق ہے مثل اصول اول کے چونکہ یہ قاعدہ مسلم الثبوت تمام امت کا ہے لہٰذا اس کے اثبات میں بسط کی
ضرورت نہیں مگر مؤلف نے تین غلطی فاحش کر کے سیوم کو اس کلیہ سے خارج کیا ہے لہٰذا کچھ لکھتا ہوں اول یہ کہ مؤلف حدیث من تشبہ بقوم

سے یعنی قرآن کا ثلث کہا ہے تصریح کی شد ، سے سمجھتے ہوئے شے سمجھ ہے اس قاعدہ کی بنیاد پر شے تفصیل شہ اور بھی معتبر ہے شے اس وجہ سے

ماحصل اس کا لفظ شبہ بالکسر شبہ کے معنی مانند پس تشبہ کے معنی مانند کسی کے ہو جانا جب معنی تشبہ کے معلوم ہوئے اب ان منصفوں کی زبان
زوری سمجھنی چاہیئے کہ سیوم کرنے والے کس بات میں مانند ہندوؤں کے ہو جاتے ہیں ہم قرآن پڑھتے ہیں وہ قرآن نہیں پڑھتے ہیں ہم کلمہ طیبہ
پڑھتے ہیں جو کفر شکن ہے وہ کلمہ نہیں پڑھتے سبحان اللہ کیا عقل سلیم ہے کہ کلمہ قاطع کفر کا پڑھنا مشابہ رسم اہل کفر کے قرار دیتے ہیں ہمارے احباب
اور برادری جمع ہو کر کلمہ پڑھتے ہیں ان کی برادری جمع ہو کر کچھ نہیں پڑھتے فقط وارث میت سے دو کان اس کی کھلا دیتے ہیں اور قلم سیاہی کتاب
وغیرہ کو ہاتھ لگوا کر سوگ دفع کراتے ہیں اور کچھ ان کے یہاں اگر پڑھتا ہے تو فقط ایک طرف کوئی پنڈت برہمن پڑھتا ہے وارثان میت اور بھائی برادری
اور دوست آشنا کچھ نہیں پڑھتے اور وہ لوگ تیسرے دن میت کی ہڈیاں جلی ہوئی چن کر لاتے ہیں پھر گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں ہمارے یہاں ان
میں سے کچھ بھی نہیں کرتے پھر کس بات میں مانند ہنود کے ہو گئے اور کیا تشبہ پیدا ہو گیا؟ اور اگر کوئی مشابہت اس کا نام رکھے کہ ان کے یہاں
تیسرے دن رسوم کفر ہوتی ہیں تمہارے یہاں رسم اسلام یعنی کلمہ و قرآن ہوتا ہے تو انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ مشابہت کیا ہوئی یہ تو مخالفت ہوئی
یعنی ہم وہ کام کرتے ہیں جو مخالف کفار ہے کافر وہ کام کرتے ہیں جو مخالف اسلام ہے وہ اپنا کام کرتے ہیں ہم اپنا مثلاً مغرب کے وقت اور عشاء
اور صبح صادق کے وقت ہم لوگوں نے اذان کہی اور نماز پڑھی انہوں نے ان تین وقتوں میں ناقوس یعنی سنکھ بجایا پوجا کیا اب کوئی بیہودہ اس کو
مشابہت قرار دینے لگے کہ ان وقتوں میں تم نے اپنے طور کی عبادت کی انہوں نے اپنے طور کی پس اتحاد اوقات سے تشبہ پیدا ہو گیا تو سب عقلاء
اس کو ہرزہ درائی اور کم عقلی پر قہقہہ ماریں گے اور اسی طرح جب حاجی لوگ بیت اللہ زادہا اللہ شرفاً سے واپس ہوتے وقت آب زمزم لا دیں تو

نہ منہم میں تشبہ بجمیع اجزائہ من کل الوجوہ سمجھا ہے کہ سب اجزاء و ہیئت مشابہ ہو جاوے تو اس وقت تشبہ محظور ہے وہ نادرست ہے اسی وجہ
سے لکھتا ہے کہ کس بات میں تشبہ ہنود کی ہو گئی اور بدون معنی حدیث کے اور تشبہ کے سیکھے سمجھے صفحہ سیاہ کیا پس سنو کہ حدیث میں لفظ تشبہ کا
مطلق[1] آیا ہے کہ کوئی قید کل یا بعض کی قلیل کثیر کی نہیں اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ مطلق جس فرد میں پایا جاوے حکم مطلق کا اس پر جاری ہوتا ہے اور
کوئی قید اس کے ساتھ لگانی درست نہیں ہر ہر فرد میں حکم ثابت ہوگا المطلق یجری علی اطلاقہ[2] کہا گیا ہے لہٰذا مطلق تشبہ کی کوئی فرد ہو مصداق
حدیث کا ہو جاوے گا اگرچہ ایک جزو مرکب میں پایا جاوے سب مرکب مجموعہ مکروہ ہو جاوے گا کہ لفظ حدیث کے صاف دلالت اس پر کرتے
ہیں نظیر اس کی سنو کہ ہدایہ میں ہے اذا قرأ الامام من المصحف فسدت صلوتہ عند ابی حنیفۃ وقالا ہی تامۃ الا انہ یکرہ لانہ تشبہ باہل
الکتاب انتہی قال فی النہایۃ فانہم یصلون ہکذا فیکرہ للتشبہ لانا نہینا عن التشبہ بہم فیما لا بد منہ انتہی ایضاً ہدایہ میں ہے ویکرہ ان
یقوم الامام فی الطاق وانہ یشبہ صنیع اہل الکتاب انتہی پس دونوں روایت کو دیکھو کہ تمام ارکان و صلوٰۃ و جماعت میں ایک جزو قرآن
کھول کر پڑھنا اور مکان مرتفع[3] پر کھڑا ہونا اہل کتاب سے تھا تو ساری نماز مکروہ ہو گئی اور مثل مؤلف کے کسی محشی نے نہ کہا کہ اس قدر اجزاء میں
ایک جزو کی مشابہت سے کراہت نہیں ہوتی تمام فقہاء عالم کے بھول گئے ایک مؤلف کو سوجھی معاذ اللہ تو مؤلف کہتا ہے کس بات میں مانند
ہو گیا اگر کہیں کہ دیگر ارکان صلوٰۃ بھی تو یہود کی صلوٰۃ میں تھے تو سنو کہ سب ارکان ان کی صلوٰۃ میں نہیں ازاں جملہ ایک رکوع ہی نہیں ہوتا
معہذا جو جزو ہم کو مامور ہے اس میں تشبہ کا اعتبار ہی نہیں پس سنو کہ مؤلف اقرار کرتا ہے کہ سیوم پانچ جزو سے مرکب ہے کلمہ، قرآن، نخود ان
میں تشبہ نہیں اور اجتماع قوم میت کے واسطے اور تخصیص روز سیوم کی ان دو میں تشبہ ہنود کے ساتھ ہے مؤلف بھی مقر ہے کہ اگر

---

[1] ممنوع [2] مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے [3] بلند

کوئی یاد ہ کہنے لگے کہ یہ تشبہ ہنود کا ہو گیا وہ بھی اپنی عبادت گاہ سے واپس ہوتے ہوئے گنگا کا پانی لاتے ہیں تم پانی زم زم شریف کا لائے تو سمجھنا
چاہئے کہ یہ خرافات بے ہودہ تشبیہیں نکالنی ان بدحواسوں کی سخت بے عقلی کی دلیل ہے اور تماشا یہ ہے کہ فقط تیسرے دن کی مشارکت میں بھی
مشابہت قوم ہنود کی نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہندوؤں میں بعض تو مثل سراوگی بالکل سیوم یعنی تیجے کے قائل نہیں سو ان کے ساتھ تو کچھ
بھی مشابہت نہ ہوئی ان کے یہاں تیجا عبادت فقط اس امر سے ہے کہ تیسرے دن کاروبار کرنے لگیں سوگ میت کا دفع کریں سو تعزیت کیواسطے
اور دفع سوگ کے لئے شرع میں بھی تین دن معین ہیں اور بعض تو میں ہنود کی مثل بشنی اگروال جو سیوم کرتی ہیں اور اموات کے لئے ثواب
رسانی کا کام کرتے ہیں اگر اہل سلام کو مشابہت لازم آئی تو ان کے ساتھ لازم آئی سو غور سے دیکھئے تو ان کے ساتھ بھی مشابہت نہیں کیوں کہ
ان لوگوں کے قوانین دین متعلق گردش کواکب ہیں پس تیسرے دن تیجا وہ لوگ جب کرتے ہیں کہ گرہ سامنے نہ ہو اور اگر بجنگ کی گرہ جو پانچ
بہتر ہیں سامنے آجاتے ہیں تو جس وقت تک گرہ ٹل نہیں جاتی تیجا نہیں ہوتا پھر کبھی چار دن میں کبھی پانچ دن میں کیا جاتا ہے اور مسلمان
تیسرے دن سے آگے نہیں ٹلاتے ان کو کواکب سے کچھ بحث نہیں پس حکم تشبہ کا باعث لازم آنے مشارکت یوم کے بھی ٹوٹ گیا اور یہ مسئلہ شرعی
ہے کہ جب ہمارے اور کفار کے درمیان کسی امر میں تفاوت اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے تو حکم تشبہ باطل ہو جاتا ہے حدیث و فقہ پڑھنے والوں
کو یہ بات یاد ہو گی کہ یہود و نصاریٰ صوم عاشورا رکھتے تھے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ تم بھی رکھو اور مشابہت
یہود و نصاریٰ سے جو لازم آتی تھی اس کی مخالفت میں اس قدر کافی ہو گیا کہ آپ نے ایک روزہ اول اور آخر رکھنے کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر

تیسرے روز جمع ہو کر سوگ کھلواتے ہیں اور بشنی بھی بہر حال ہنود میں روز سیوم جمع ہوتا ہے اور یہ شعار ان کا ہے تو دو جزو میں تشبہ
ہوا پس مجموعہ سیوم کا بدعت ہو گیا اور تشبہ ہنود کا ثابت ہو گیا حدیث سے بھی اور صریح جزئیات فقہ سے بھی یہ خدشہ اتحاد وقت مغرب
وغیرہ کا تو سنو کہ وقت شارع کا فرض کیا ہوا ہے اور فرائض و واجبات شارع میں تشبہ کا اعتبار نہیں ہوتا اور حدیث میں اس کا اشارہ
ہے کیوں کہ تشبہ باب تفعل کی ماضی ہے اور بعد موصول کے واقع ہے اول تو باب تفعل میں اخذ بہ تکلف ہوتا ہے وضعاً جس سے معلوم ہوا
کہ مرتکب نے بہ تکلف امر تشبہ کر لیا ہے شرع یا طبع کی طرف سے التزام نہیں تھا دوسرے فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے یعنی اول شارع کا التزام
اس پر نہ تھا خود مرتکب اور محدث ہوا پس تشبہ کے لفظ سے شارع نے فرض و واجب و سنت مؤکدہ کو اور امور طبعیہ کو خارج کر دیا ہے
گویا حکماً اس میں تشبہ نہیں ہوتا پس اب دیکھو کہ کس کی عقل پر قہقہہ لگا۔ علیٰ ہذا پانی زم زم کا لانا اور گنگا کا مشابہ نہیں کیوں کہ پانی
کا لانا عادی طبعی امر ہے اور شعار بھی نہیں ہاں اگر اس ہیئت و شعار سے لاوے گا تو مشابہت حاصل ہووے گی اور حرام ہوگا اب
سوچو کہ یہ سیوم ہنود کے تیجے سے بوجہ کامل مشابہ ہے اور فرق بعض وجوہ کا محل تشبہ کو نہیں ذرہ بھر اسد سے تشبیہ دیتے ہیں وجہ شبہ فقط شجاعت
یک امر ہوتا ہے باقی سر تا پا کوئی مشابہت نہیں ہوتی پس کسی نے یہ نہیں کہا کہ بالکل مشابہت من کل الوجوہ ہو تو تشبیہ ہووے گی ورنہ
نہیں تو یہ قول مؤلف کا شرع اور عقل اور عرف سب کے خلاف ہے اب تماشا دیکھو کہ باعتراف مؤلف سراوگی کے یہاں تیسرے روز قوم
جمع ہو کر دوکان کھلواتے ہیں اور وہ سیوم نہیں عجب کلام ہے تیسرے روز کا نام سیوم ہے عرف ہنود میں تیجا اور مسلمانان میں سوکا دونوں
کے ایک معنی ہیں علیٰ ہذا بشنی سیوم تو کرتے ہیں مگر گاہ نحوست کے دن کے سبب تاخیر بھی کر دیتے ہیں تو سیوم تو موجود مگر مشابہت نہیں

---

[1] مشابہت ہر اعتبار سے

میں باقی یا اگلے سال حکم دوں گا ایک روزہ اس کے اول ایک روزہ اس کے بعد کو رواہ البیہقی۔ اب دیکھئے روزہ صوم عاشورار جس کو یہود و نصاریٰ رکھتے ہیں اس عین فعل میں مسلمان ان کے شریک ہے لیکن ایک روزہ اول اور ایک روزہ بعد اس میں ملانے سے حکم تشبہ باطل ہو گیا بالفرض اگر تیسرے دن کی مشابہت ہوتی ہنود سے تو ہمارے یہاں جو کام اسلامی اس میں مندرج ہیں ان کے سبب بالکل مشابہت کا حکم باطل ہو جاتا چہ جائے ایں مرکہ بالکل تیسرے دن میں بھی مشارکت نہیں پائی جاتی ہم کو معلوم نہیں ان صاحبوں کا کیسا تفقہ اور کیسا فہم و ذکا ہے کہ ہرگز ژرف نگاہی اور موشگافی علل احکام میں نہیں فرماتے مفتی قاطع السنۃ یعنی صاحب تحفۃ السنۃ اور ان کے آباء اولین اور اخوانی معاصرین سب کے سب اس مسئلہ میں بے سمجھے بوجھے حکم تشبہ لگا رہے ہیں اور حدیث نبوی من تشبہ بقوم فھو منھم کو نہایت درجہ بے محل پڑھ رہے ہیں فمال ھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا یہ لوگ تشبہ کے معنی لغوی جانیں نہ اصطلاحی، شرعی اس لئے کہ لغوی معنی تشبہ کے ہیں مانند ہو جانا اب تم دیکھ چکے اور سن چکے کہ ہنود کا تیجا مشتمل کن امور پر ہے اور اہل اسلام کا شامل کن امور پر پھر مانند ہونا دونوں فریق کا رسوم یکدیگر میں کہاں ہے اب معنی شرعی سنئے صاحب بحر الرائق شرح جامع صغیر قاضی خاں سے نقل کرتا ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ ہر بات میں مکروہ نہیں فانا ناکل و نشرب کما یفعلون یعنی اس لئے کہ ہم بھی اسی طرح کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں اور در مختار میں قید لگائی ہے کہ اگر ارادہ کرے آدمی ان کے ساتھ مشابہت کا اور جس چیز میں مشابہت کرتا ہے، وہ شرع میں مذموم بھی ہو اس وقت تشبہ مکروہ ہے

کیا عجب تقریر مؤلف کی ہے ماشاء اللہ تعالیٰ یہ خبط عقل نہ اس گستاخ کلام کا ہے کہ علماء سنت کو بدحواسی کی نسبت مؤلف کرتا ہے اب دوسری خطاء فہم مؤلف کی سنو کہ حکم کلی لکھتا ہے کہ اگر فعل مسلم و کفار میں کچھ امتیاز ہو جاوے تو تشبہ نہیں ہٹتا اور فی الواقع یہ بھی فرع پہلی ہی خطا کی ہے مؤلف صوم عاشورار کی نظیر دیتا ہے کہ نہم کے صوم سے تشبہ رفع ہو گیا کیا عجب سمجھ ہے کہ قبل و بعد کی کچھ خبر نہیں یہ دو نظیر مسئلہ ہدایہ کی جو مسلم سب فقہاء کے ہیں اس میں تو مابہ الامتیاز سب کچھ موجود ہے فقط ارتفاع و امتیاز مکان ایک مسئلہ میں اور نظر مصحف دوسرے میں تشابہ کا امر ہے پس کیوں مکروہ ہو گیا سو یہ روایات اور دیگر روایات اس تقریر مؤلف کو رد کرتے ہیں اور حدیث نے بھی اس فہم مؤلف کو باطل کر دیا کہ مطلق تشبہ کو کہ احداث کسی متکلف کا ہے محظور فرمایا پس خلط سنت سے وہ امر محدث جائز نہیں ہو سکتا بلکہ مجموعہ مکروہ ہو جاوے گا اور یہ نظیر سوم کی سو معلوم ہو چکا کہ اس باب سے نہیں مؤلف کی کم فہمی ہے صوم عاشورار حق تعالیٰ کا فرض کردہ تھا اور فرض میں تشبہ معتبر نہیں ہوتا کیونکہ کسی متکلف کا احداث نہیں بلکہ من اللہ تعالیٰ اس کا التزام ہوا ہے پس اس حدیث سے وہ اول ہی خارج ہو چکا اسی واسطے اب تنہا روزہ عاشورار کا کسی کے نزدیک مکروہ نہیں معہذا جو اول کی خبر روزہ فخر عالم علیہ السلام نے لگا دیا اس وجہ سے ہے کہ ابعد من التشبہ ہو جاوے اسی واسطے لکھا ہے کہ جو عبادت ملتین میں مشترک ہے اس میں تشبہ نہیں ہوتا کیونکہ شعار نہیں ہاں معہذا تغیر وصفی اس میں کر دیتے ہیں تاکہ ابعد عن التشبہ ہو جاوے استحباباً پس مؤلف بیچارے بے خبر قواعد شرعیہ سے ہے فقط دعویٰ ہی دعویٰ ہے علم و فہم سے ہرگز بہرہ نہیں اور علماء پر نکتہ داں تفقہ کا حال بتلاتا ہے اور پھر وہی اپنی تحقیق شروع کی کہ لغت میں معنی تشبہ کے مانند ہو جانا ہے یعنی من کل الوجوہ مماثل ہو جاوے اس کی تردید اوپر ہو چکی اور پھر معنے تشبہ کے شرعی لکھتا ہے اور یہ تیسری خطاء فہمی ہے بحر الرائق کی عبارت سے جس کو در مختار نے اور شامی نے اور طحاوی نے نقل کیا ہے یہ مستفاد ہوا کہ تشبہ ہر چیز میں حرام و مکروہ نہیں بلکہ فعل مذموم میں ہے نہ محمود میں اور بالقصد تشبہ کا ارتکاب کرنے میں نہ بلا قصد تشبہ کے تو اس پر

ے فرق یہ حقیقت میں مشکل کہ وجہ فرق نہ ممنوع ساتشبہ سے دور ہے وصف کے اعتبار سے تبدیل ہے والفت ۹ قابل مذمت

عبارت اس کی یہ ہے ان قصد به فلا تشبہ بهم لا یکره فی حق شئی بل فی المذموم فیما یقصد به التشبہ ۔ اور مسلم رکھا اس حکم کو شامی نے باب یکھیے
کہ سوئم میں نہ مسلمانوں کی غرض مشابہت وارادہ موافقت ہنود ہے اور نہ تیسرے روز پڑھنا قرآن وکلمہ حدیث و قرآن سے ممنوع و مذموم
ہے اور مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر سے بھی رسالہ اثبات رفع یدین میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مشابہت کے مکروہ ہونے میں قصد کو
معتبر رکھا ہے یعنی جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان ملکوں میں رفع یدین کرنے میں تشبہ روافض کے ساتھ لازم آتا ہے اس کے جواب میں لکھتے ہیں
لا نتحری التشبہ بالفرق الضالة بل اتفقت الموافقة یعنی ہم رفع یدین میں ارادہ تشبہ فرقوں گمراہ کا نہیں کرتے بلکہ اتفاقاً موافقت لازم آجاتی ہے انتہی
اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں انا ممنوعون من التشبہ بالکفرة واهل البدعة المنكرة فی شعارهم لا منهيون عن كل بدعة ولو كانت

مؤلف نے ثابت کیا کہ سوئم مروجہ مذموم نہیں اور قصد تشبہ کا کوئی ۔۔ نہیں کرتا اب خطا مؤلف کی سنو کہ یہی دو روایت ہدایہ کی جو منقول ہوئیں
س میں تو قرآن دیکھکر پڑھنا ہے جو مکروہ ہو گیا قرآن دیکھکر پڑھنا مذموم نہیں بلکہ محمود ہے عمدہ عبادت علی حدۃ امتیاز امام کے مقام کی محمود ہے نہ مذموم
علی حدۃ خود صوم عاشورا میں غور کرے کہ نفس صوم محمود ہے نہ مذموم ابھی مؤلف لکھ کر بھول گیا پھر بزعم مؤلف کیوں بزعم صوم نہم مشابہت کو رفع کیا اور
مثل کا اصل کو مواجہ ہونا موجب تشبہ مجوس کا ہے حالاں کہ قصد مسلم کا تشبہ بالمجوس ہرگز نہیں اور اشتمال صحاح مکروہ ہے حالاں کہ قصد تشبہ یہود کا مسلم کو ہرگز
نہیں ہوتا علی ہذا بہت مسائل ہیں مگر مؤلف کو تمیز نہیں بعدہٗ مؤلف کو گنجائش کہاں کلام کی ہے کہ سوئم تمام امر خود مذموم ہے اور لا اجتماع الی اہل المیت کا جس
کا حدیث سے نیاحت ہونا ثابت ہو گیا پھر ہنود کا فعل اور تعیین مطلق پھر بھی مذموم نہیں عجب ہے اور قرآن وکلمہ پڑھنا فی حد ذاتہ عبادت ہے مگر نہ ان میں تشبہ اور نہ اس
پر حکم کراہت کا بلکہ مجموعہ پر حکم کراہت کا ہے پس قیاس مؤلف کا بالکل لغو بے محل ہے اور قول بحر الرائق کا ماننا ناعل وتشرب الخ سو پہلے اس کی وضاحت ہو چکی کہ
مقتضائے طبیعت میں تشبہ معتبر نہیں جیسا کہ نہایہ شرح ہدایہ میں قید لگائی ہے فیما المذموم ۔ لیکن کہ یہ امور اقتضائے طبع سے ہیں احداث متکلف کا نہیں اور
عبادات بھی با التزام شرع ہیں نہ بتکلف محدث اور قول بحر الرائق کا کہ امر مذموم میں تشبہ مراد ہے سو سابق معلوم ہو چکا کہ قرآن دیکھ پڑھنا امر مذموم نہیں
نہ حدیث میں مطلق تشبہ ہے مگر اس کی وجہ سنو کہ یہ ہے کہ جو امر محدث کسی متکلف کا بدون اذن شارع کے ہوگا وہ مذموم ہی ہوگا اگرچہ بظاہر مستحسن معلوم
ہوتا ہو کیوں کہ سب بدعات ایسی ہی ہیں اور یہ مراد بحر کی ہے پس قرآن دیکھ کر پڑھنا فی حد ذاتہ محمود ہے لیکن صلوٰۃ میں مذموم ہے مگر مؤلف اپنی کوتاہ
فہمی سے مذموم فی الاصل سمجھ گیا اس فہم پر تو معصیت میں تشبہ ہونا چاہیئے ورنہ کہیں بھی نہیں ہوگا اور تمام مسائل منہدم ہو جائیں گے الحاصل امر
جو با لتزام شرع ہے یا تقاضائے طبع سے مجاز شرع ہے اس کو شرع نے خارج اس حدیث و حکم سے فرما دیا ہے خلاف اجتماع مخصوص سوئم کے کہ اولاً خود
ممنوع شرعی اب تشابہ اس پر زائد ہو گیا پس بحر کی عبارت کو مؤلف ہرگز نہیں سمجھا اور دیگر علماء کو کم فہم بتلاتا ہے تماشہ ہے اور مولوی اسماعیل صاحب
بحفرہ بل اتفقت الموافقة کے معنی بھی یہی ہیں کہ فعل در اصل مسنون تھا بعد میں روافض نے بھی ایک حرکت ایجاد کی کہ موافق اس کے ہو گئی
یہ امر التزام شارع کا ہے ترک نہیں ہو سکتا اور تشبہ معتبر نہیں اور یہی معنی قاری کی عبارت کے ہیں انا ممنوعون من التشبہ بالکفرة واهل البدعة
المنكرة فی شعارهم الخ کیوں کہ جو شعار ان کا ہوگا خواہ فی حد ذاتہ حسن ہی ہو اور وہ ان کا فعل ہو گیا اور تشبہ ناجائز ہوا جیسا صلوٰۃ قرآن
دیکھ کر پڑھنا کہ شعار ان کا ہے اور فی حد ذاتہ حسن ہے مگر صلوٰۃ میں دیکھ کر پڑھنا ہماری ملت میں مذموم ہے اور جو متفق دونوں ملت سواء کان
من افعال اهل السنة ومن افعال الكفرة واهل البدعة اور جو متفق دونوں ملت کا ہوگا وہ شعار ہوگا ماسوا اس امت پر بھی ہوگا مگر مؤلف

۔ مقابل سے آتش پرست کی مشابہت سے مذموم اپنی اصل وضع کے اعتبار سے ۔

یعنی ہم کو مشابہت کافروں اور بدعتیوں کے ساتھ اسی بات میں منع ہے جو ان کے دین کا خاص تمغہ اور پختہ علامت ان کے فرق کی ہے اور
انہیں منع مشابہت ہر مباح بدعتوں میں اگرچہ وہ بدعتیں افعال اہل سنت والجماعت سے ہوں یا کافروں کو یا اہل بدعت سے انتہیٰ اب
خیال کرنے کا مقام ہو کہ تشبہ جو حدیث میں منع ہے اس کے یہ معنیٰ ہیں شرعًا پھر ہم کو قوم ہنود سے کسی بات میں مشابہت نہیں قرآن پڑھنے میں
نہ چنوں پر کلمہ پڑھنے میں یہاں تک کہ تیسرے دن کی تعین میں بھی شرکت نہیں کیوں کہ ان کی تعین بدلتی رہتی ہے بباعث پیش آنے گرہ مذکور کے

کو فہم ہی نہ ہو تو کیا کرے ظاہری لفظ کو دیکھ لیتا ہے اور حکم خلاف شرع لکھتا ہے اور جو بدعت مباح ہووے گی اور افعال اہل سنت سے
ہووے گی وہ خود مامور شرعی اور سنت ہے جیسا کہ بحث بدعت میں گذرا غرض عبارت قاری بحر اور مولوی اسماعیل کی یہ سب بیکر روایات سے
متعلق ہیں مگر فہم مؤلف کا مخالفت حق سے کر رہا ہے اور سوئم جو شعار مذموم ہنود کا ہو نہ اس میں کوئی امر محمود ہے نہ اس کی اجازت بلکہ ممانعت
شرعیہ اس میں ثابت ہو چکی کہ اس کو اباحت سے کیا علاقہ ہو فہم سلیم خدا تعالیٰ دیوے تو سب کچھ ہو ورنہ ضلوا واضلوا کا مضمون ہوتا ہے ایسے ہی بحث
کو بحر میں تشبہ حرام اس کو لکھا ہے کہ بقصد تشابہ ہووے سو اول تو کہا جاتا ہے کہ حدیث میں مطلق تشبہ آیا ہے تخصیص حدیث کی بالرائے درست نہیں
اور سب محققین نے مطلق تشبہ لکھا ہے پس قول بحر کا حدیث کے معارض نہیں ہو سکتا حدیث میں ہے کہ غیروا الشیب لا تشبھوا بالیھود الخ نظفوا افنیتکم
ولا تشبھوا بالیھود الخ اور ظاہر ہے کہ شیب میں اور تنظیف افنیہ میں کسی نے قصد تشابہ یہود کا نہیں کیا تھا بلکہ طبعی اور عادی امر تھا صوم
عاشورا میں کسی نے تشبہ یہود کا کیا تھا بزعم مؤلف بلکہ باذن شارع کے تھا مگر اس کی توجیہ بھی کرتا ہوں کہ مراد بحر کی یہ ہو کہ تشبہ کے لفظ میں اخذ
بتکلف ہے سو قصد اور فعل مؤلف کا اس میں ہونا چاہیے پس اس کی صورت یہ ہو کہ اگر کسی نے کوئی کام نادانستہ کیا اور پھر اس کو خبر ہوئی تو ازالہ
کرے عذاب بعد علم کے تشابہ گو پہلے متشبہ تھا اور اپنے فعل میں عاصی بھی نہیں تھا اب قصد جو کرتا ہے تو تشبہ حاصل ہو جاتا ہے امر ایسا ہے کہ اس کا ازالہ
کر سکتا ہے مگر قصدًا ازالہ نہ کیا جیسا ریش کا خضاب کہ ترک خضاب قصدًا کرتا ہے کیونکہ ازالہ پر قادر ہے اور نہیں کرتا بہر حال سب جگہ معصیت کے
واسطے فعل مکلف کا ضرور ہے تو معنی یہ ہوئے کہ قصدًا اس فعل تشبہ کا کرے نہ یہ کہ اس فعل کو کفار کے تشبہ کی نیت سے کرے پس دونوں میں فرق
زمین آسمان کا ہے اگر عقل ہو اور جو تسلیم کریں کہ یہ دوسرے معنی ہی ہیں تو چونکہ تشبہ کو شارع نے کفر فرمایا بقولہ فہو منہم اور کفر بدون قصد قلب کے
نہیں ہوتا لہٰذا یہ قید اضافہ کی کہ کافر جب ہوگا کہ دل میں نیت تشبہ کفار کی کرے ورنہ کافر نہ ہوگا گو عاصی ہوگا یہ بھی حق ہے ملا علی قاری شرح اکبر
میں لکھتے ہیں ولو تشبہ نفسہ بالیہود والنصاریٰ صورۃ او سیرۃ علی طریق المزاح والہزل ای ولو علی ھذا المنوال لم یکفر وافی الخلاصۃ من وضع
قلنسوۃ المجوس علی راسہ قال بعضھم یکفر الخ غرض یہ کہ بقصد تشبہ کفار کا کیا اگرچہ ہزلًا ہو تو قصد و نیت تشبہ کفار سے لاریب کافر ہوگا اور معصیت ہونے
کو قصد فعل کا چاہیے کہ جس میں مشابہت ہوئی گو بقصد مشابہ نہ ہو بلکہ خود خبر بھی نہ ہو کہ یہ شعار کفار کا ہے اور پھر خبر ہوا اور بعد خبر کے ازالہ نہ کرے
تاہم عاصی ہووے گا بہر حال احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ بلا قصد بھی تشبہ ممنوع حاصل ہوتا ہے اور بحر کے بھی یہی معنی ہیں مگر مؤلف اپنے فہم سے
قاصر و عاجز ہو کر عبارت بحر کو مخالف حدیث کے بتاتا ہے پس الحمد للہ کہ دلائل واضحات نص وقعہ سے بدعت و کراہت رسوم مروجہ کی ثابت
ہوئی اور رسوم کے تشبہ کو مؤلف خود قبول کر چکا گو اپنی کم علمی سے اس کو حد تشابہ سے نکالتا ہے مگر یہ فہم اس کا باطل ہو گیا اب اگر انصاف ہو
تو یہی دو اصل بالکل تمام رسالہ مؤلف کے قلع قمع کو کافی و وافی ہے مگر چونکہ ہر ہر بحث پر مؤلف کج فہمی سے بحث کرتا ہے لہٰذا اس پر تنبیہ

لے گمراہ ہوئے کہ اور گمراہ کیا سہ ختم کرنا۔

پس تشبہ لغوی وشرعی کسی طرح کا ہم کو ان کے ساتھ نہیں والحمد للہ علیٰ ذلک **لمعہ خامسہ** فاتحہ چہلم و بستم ودہم وسیوم قبرستان در مساجد پہلے
دستور تھا کہ مٹی کا گھڑا جس کو فارسی میں سبو اور عربی میں جرا کہتے ہیں میت کی طرف سے مساجد میں بھیجا کرتے تھے نہ فقط ایک گھڑا بلکہ چند
گھڑے علاوہ ان گھڑوں سے جن سے غسل میت ہوتا تھا بھیجتے تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ جب حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ مرگئیں انہوں نے
پوچھا۔ یا رسول اللہ کون سا صدقہ بہتر ہے آپ نے فرمایا پانی تب انہوں نے ایک کنواں یعنی چاہ تیار کرایا اور کہا ہذہ لام سعدؓ یعنی یہ چاہ سعدؓ
کی والدہ کا ہے اس کو ثواب پہنچے یہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے پھر ہر کوئی تو کنواں یعنی چاہ کھدوانے کا بنانے کا مقدور نہیں رکھتا اس لئے
مسلمانوں میں یہ قاعدہ ٹھہر گیا تھا کہ کورے گھڑے مسجد میں بھیجا کرتے تھے کہ حضرت نے پانی کو اچھا صدقہ فرمایا ہے اگر کنواں نہ بنایا جا گھڑا
بھرا ہوا مسجد میں رہے گا کوئی اس سے پیاسا پانی پئے گا کوئی وضو وغسل وغیرہ کے خرچ میں لائے گا یہ اصل ہے گھڑا بھیجنے کی اور چالیس روز تک

ناظرین کو کر دینا ضرور ہوا کہ کم علمی اور کوتاہ فہمی مؤلف کی اور جہل مرکب اور دعویٰ بے مغز اس کا سب پر روشن ہو جاوے کہ کس حوصلہ پر کتاب
لکھ کر کمر بر اضلال خلق اللہ تعالیٰ باندھی تھی **قولہ لمعہ خامسہ الخ اقول**

مسجد میں گھڑا بھیجنے کی بحث

قولہ لمعہ خامسہ الخ اقول گھڑے مسجد میں پہلے دیا کرتے تھے وہ متروک ہو گئے تو مؤلف کو افسوس ہے کہ یہ بدعت
کیوں مرتفع ہو گئی اصل اس کی یہ تھی کہ ہنود بارہویں روز گھڑا اس جگہ جہاں مردہ جلاتے ہیں رکھ کر چلے آتے ہیں مسلمانوں نے بھی اس کو دیکھ کر
شروع کیا کہ مسجد میں پانی کا گھڑا بھر کر بھیجدیا کریں کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسجد میں گھڑا بوریا لوٹا چراغ وغیرہ سب دینا موجب اجر ہے
مگر بطور رسم دینا کہ جس میں تشبہ لازم آئے اور خاص گھڑا ہی ضروری جان کر دینا اگرچہ ضرورت اس کی مسجد میں نہ ہو یہ بدعت تھا اور
ملاؤں کو بھی دقت ہوتی تھی کہ گھڑوں کو فروخت کرتے پھرتے تھے یہ رسم کچھ ترک ہو گئی ہے مگر چہلم کا گھڑا اب بھی اکثر عوام میں ہے خیر یہ تو یہ ہوا مگر جولانی
طبع مؤلف کی قابل داد ہے کہ حدیث میں تو صدقہ پانی کا آیا ہے کہ پانی کو صدقہ جاریہ کرے یعنی کہ چاہ کھود کر پانی نکال کر اس پانی کو صدقہ
کرے مؤلف اس سے ظرف اور ٹھیکرے کا صدقہ سمجھ گیا پانی سے گھڑا لینا مؤلف کا ہی فہم عالی ہے پانی اور مٹی دو ضدیں ہیں اس کو اس سے کیا
علاقہ یہ مقرر کہ گھڑا دینا بلکہ مٹی کا ڈھیلا بھی دینا موجب ثواب کا ہے مگر پانی کے صدقہ سے گھڑے کا صدقہ کیسے نکالا جاوے کا گھڑا ہی مقصود تھا یا پانی
کی ذات سے مقصود اور پانی ہی کا صدقہ مراد ہے ہاں اگر فرماتے کہ صہریج وحوض بنوا دے کہ صہریج میں کوئی پانی بھرتا ہے گھڑے میں بھی کوئی
بھر دے گا اور جو بوجہ تناسب ظرف کے یہ استخراج ہے کہ مارا اعانت ملے گی تو پھر اس پر کیا حصر ہے کل کو مؤلف ذرا چکنی مٹی کا بھی حکم دے گا
کہ صدقہ کر کے مسجد میں ڈال آؤ اور ٹوکرا ایلوں کا کہ اس سے گھڑا بن کر اعانت پانی کو ہو دے گی اور مؤلف حدیث سعد سے استخراج کرنا دلیل کا بیان
کرے گا یہ نہ سمجھا کہ پانی کا صدقہ گھڑے کی صورت میں پانی گھڑے میں بھرنے والے کی طرف سے ہو گا نہ گھڑے والے کی غرض ایسی ایسی تقریرات
واہیہ اور استخراجات قلبیہ کام مؤلف کا ہے اگر ایسا احیا اس بدعت کا مقصود تھا سیدھا لکھتا کہ مسجد میں گھڑے کام آتے ہیں نہ یہ کہ چاہ کو اصل بنا کر
اپنی خوبیٔ فہم ظاہر کرتا اور پھر یہ کہ فقط اصل نکل آنا تو جواز کے لئے کافی نہیں اس کے سب عوارض بھی رفع ہونے ضرور ہیں کہ تشبہ ہو اور تعیین
مطلق نہ ہو اور اس کو مؤکد و واجب جانتا نہ ہو اور فخر و ریا سے نہ ہو ورنہ یہی اگر مؤلف کا علم و فہم ہے تو دھوتی کفار کی اصل تہمد ہے اور من
وجہ مشابہت بھی نہیں حسب زعم مؤلف کے پس سنت ہوا اور حضرت عثمانؓ سے منقول ہے کہ ایک طفل کے چہرے پر سیاہ ٹیکہ نظر بد
سے لگوایا تھا سو تلک کی اصل نکل آئی تو یہ بھی جاری کرے .... اور سوت کا بنا کرتہ ثابت ہے سو زنار سوت کی اصل

کھانا بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے یستحب ان یتصدق عن المیت الی ثلاثۃ ایام یعنی مستحب ہے کہ صدقہ دیا جاوے میت کی طرف سے
تین دن اور بعضوں نے لکھا ہے الی سبعۃ ایام یعنی سات دن تک اور بعضوں نے اربعین یعنی چالیس دن لکھے ہیں یہ روایتیں خزانۃ الروایات
اور شرح برزخ وغیرہ میں ملیں گی غرض ان سب روایات کے سبب آدمی چالیس دن تک برابر روٹی محتاج کو میت کی طرف سے دیتے ہیں باقی
رہا چہلم وغیرہ تو صورت اس کی یہ ہے کہ جو صاحب اس کو منع کرتے ہیں انہی چند دلیلیں ہیں ان کا حال معلوم کرنا چاہیے بعد ازاں وجہ جواز سننی چاہیے

بھی نکل آئی پھول سونگھنے درست ہیں پھولوں کے سہرہ کی اصل نکلی. علی ہذا صدہا مسائل کی اصل نکلتی ہے اور مؤلف سب کو جائز کہے گا اگرچہ کفر ہی ہو لا
حول ولا قوۃ الا باللہ مؤلف کی اپنی کم فہمی باطنی ہے نہ رسم جاہلیت کا اندیشہ نہ ریا و سمع بدنامی کی وجہ سے کرنے کا خدشہ نہ منع تعیین بالرائے کا کھٹکا
نہ تشبہ کفار کا خطرہ نہ اپنی عاقبت ایمان اور ضلال خلق کی پرواہ اپنی منہ زوری کرنی خواہ کچھ ہو فقط

چالیس روز تک کھانا بھیجنے کا بیان | **قولہ** چالیس روز تک الخ **اقول** ابتدائے موت کے وقت صدقہ خیرات عمدہ امر ہے ایصال ثواب کا انکار نہیں بلکہ
ذکر ہو چکا ہفتہ تک چلے تک دو ماہ تک کم زیادہ حسب مقدور خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ کرو کہ جس میں کوئی خلاف شرع نہ ہو جائے مؤلف خواہ مخواہ اہل سنت
کو مانع صدقہ کہتا ہے اور وہ ہرگز صدقہ کو منع نہیں کرتے اس کو منع کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہو یعنی تشبہ بکفار لازم نہ آئے اور مؤلف
بھی اس کو قبول کرتا ہے یا تعیین بالرائے کہ تغیر حد شرع[1] ہے اور اس کو بھی مؤلف قبول کرتا ہو پس اگر کسی نے طعام للفقراء خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ
کیا اور ان دو امر میں سے ایک یا دونوں اس میں پائے گئے تو ثواب پہنچے گا مگر اس فعل سے گنہگار ہوگا اور مجموعہ اس کا مکروہ ہو جاوے گا اس امر
کو ہر ناظر خوب محفوظ رکھے کہ مؤلف اس کوتاہ نظری نے خراب کیا ہے کہ بدون سمجھے لڑنے کا مادہ ہوا ہے یا تخصیص طعام وہ اس کو بھی مؤلف مانتا
ہے کہ تغیر حکم شرعی کا ہے پس اس قسم کی ہے چالیس روز کی روٹی کہ اگرچہ گھر میں روٹی گوشت کھا دیا مگر وہ کو روٹی لکھی سے مل کر شکر لے الکر
مسجد ہی میں خاص کر دیں نہ کسی بیوہ غریب کو نہ کسی حاجت مند کو اور نہ عمدہ کھانا اس میں غالب رسم محض ہو اور شاید ایصال ثواب بھی ہو سو قبول
خالص ہوتا ہے نہ مخلوط یا رسم ضروری جانتا کہ خواہ مخواہ کرے اگرچہ مقدور نہ ہو اور یہ بھی مؤلف جائز نہیں لکھتا کیونکہ وہ خالصاً لوجہ اللہ ایصال کے واسطے
محکم پروری کرتا ہے نہ رسوم کے واسطے یہ طعام ہے جس کو ریا و سمعہ وغیرہ لکھتے ہیں اور بدعت سیئہ کہتے ہیں یا فخر و ریا کرنا یا شرم برادری سے کرنا اس
کو بھی مؤلف نصائح میں منع کرتا ہے اور یہ سب جگہ حرام ہے خواہ غمی ہو یا شادی اور کھانا اس کا درست نہیں سو فی الواقع مؤلف اصول میں مخالف نہیں
مگر اپنی کج فہمی اور کم علمی سے اور نفس سخن پروری سے مخالفت جزئیات میں کر کے اوراق سیاہ کرتا ہے اور اوقات اپنے بے سود کر کے اپنی حقیقت ظاہر
ظاہر کرتا ہے اور فی الواقع یہ سب تنہا کم فہمی اور نفسانیت سے ہے خوب تحقیق ہے کہ چہلم رسم کے کرنے میں ایصال ثواب مقصود نہیں مگر کوئی تاویل
کرے اور پھر فرق ہے چالیس روز تک صدقہ کرنے میں اور چالیسویں روز چہلم کرنے میں کما لایخفی. چونکہ مؤلف یہاں مجمل چھوڑ گیا اس
سے ہم بھی اس پر کچھ تعرض نہیں کیا ایصال ثواب کو کوئی منع نہیں کرتا اور تعینات لاریب سب بدعت ہیں،

چہلم رسم وغیرہ کی تحقیق | **قولہ** ان کی چند دلیلیں ہیں الخ **اقول** دلیلیں یا تعین بدعت کی وہی ہیں جو کلیات احادیث و فقہ سے ثابت
ہو لیں اور دیگر روایات جزئیہ فروع ہیں نہ ان کی ضرورت ہے نہ ان پر کوئی امر موقوف ہو مگر مؤلف اپنی کم فہمی سے ان کو ہی بنائے منع جانتا ہے
سو یہ سخت خطا ہے ان روایات کی بحث میں مؤلف اپنا وقت ضائع کرتا ہے اور ہم کو بھی اس کی ان روایات کے جواب دینے کی
ضرورت نہیں مگر مؤلف کو چونکہ اپنا علم جتلانا ہے تو ہم کو بھی اظہار اس کی کم فہمی کا کرنا پڑا

[1] حدود شرعی میں تبدیلی کے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے

دلیل اول: عبارت شرح منہاج نووی شافعی کی ہے جو سیف السنۃ کے صکا و صکا میں ہے الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام الطعام فی الایام المخصوص کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ

جواب اس کا یہ ہے کہ شرح منہاج میں دو امر کا ذکر ہے ایک تو جمع ہونا تیسرے دن مردہ کی قبر پر اور وہاں جاکر گلاب کے پھول اور عود یعنی اگر کی بتیاں دلیر حاضرین مجلس پر تقسیم کرنا سو اس کا ذکر تو بیان سوم میں گذر چکا تھا۔ الاحتساب کہ لوگوں نے نہایت تکلفات بیہودہ ایجاد کئے تھے اور وہ تکلفات بھی کرتے تھے گور میت پر پس ممنوع ہونا اس کا یہ سمجھے چنانچہ ہم خود اس کی ممانعت پر تصریح کر چکے اور بعد ممانعت علماء کے

دلیل اول شرح منہاج کی عبارت ماس میں مؤلف کی تشریح | **قولہ دلیل اول الخ اقول** شارح منہاج میں تین چیز کا ذکر ہے قبر پر تیسرے دن جمع ہونا اور عود اور ورد کی تقسیم مطلقاً قبر پر ہونا یا غیر قبر پر کسی روز ہو اور کھانا کھلانا ایام مخصوصہ میں اور ہر سہ کو وہ بدعت کہتا ہے اور

صل یہ ہے کہ حدیث جریر میں اجتماع الی اہل میت کو منع فرمایا ہے اور اس میں کوئی تعیین یوم کی نہیں اور نہ تعیین قبر کی پس مطلق جمع ہونا بدعت ہے اور قبر پر روز سیوم جمع ہونا بھی فرد اسی اجتماع کی ہے تو ہر چند مطلق اجتماع تو ممنوع ہے مگر ہر شخص اپنے ملک کی رسم کو منع کرتا ہے مرحمہ وشارح منہاج کی بلاد میں اجتماع القبر یوم ثالث ہوتا تھا اس نے اس کی تصریح کی حالاں کہ یہ قید واقعی ہے نہ احترازی کیوں کہ حدیث جریر تمام مواسب کو منع لکھا ہے مگر مؤلف اپنی تیزی ہم سے قید کو احترازی سمجھ گیا اور حدیث جریر کو ذہن مؤلف میں خدانخواستہ مبعد ہی نہیں جو مطلع ہوتا اور ہمارے ملک میں اجتماع روز سوئم ہے مگر قبر پر نہیں پس منہاج کی قید سے اس کا جواز نہیں ہو سکتا جیسا مؤلف کو دھوکہ ہوا ہے ہاں بعد ختم کے دستور تھا کہ شرفاء مکان میت پر جاتے تھے اب متروک ہو گیا ہے اطراف قوم میں اب بھی جاری ہے بہر حال اجتماع جو روز سوئم ہو یا پس و پیش قبر پر ہو حدیث جریر سے ممنوع ہے اور ہمارے ملک میں روز سوئم کی قید ہے اور شارح منہاج کے یہاں تین بھی قید تھی سو سب ممنوع ہیں اور یہ قید شرح منہاج کی احترازی نہیں اور تقسیم ورد وعود بھی ہر روز بوجہ میت کے بدعت ہے اس میں بھی کوئی قید یوم و قبر کی نہیں اسی واسطے شارح منہاج مطلق کہتا ہے یہ مؤلف کی خوش فہمی ہے کہ دونوں کو جمع کرکے ایک بنا تا ہے یہ نہیں بلکہ یہ مستقل رسم ہے ہمارے ملک میں اب بھی اکثر جگہ ہے کہ بعد ختم کے مثلاً گلاب کٹورہ میں لے کر سب حاضرین کے سامنے پیش کرتے ہیں یہاں گلاب کا قطرہ تقسیم ہوتا ہے وہاں عود اور ورد کی تقسیم ہوتا تھا پس اس میں قید قبر کی اور سوئم کی کچھ نہیں مطلقاً بدعت ہے اور اس کی اصل وہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ کو جو خبر اپنے والد یعنی ابوسفیانؓ کی موت کی پہنچی، تو انہوں نے خوشبو اپنے عارض کو لگائی اور فرمایا مجھکو حاجت نہ تھی لیکن میں نے سنا کہ فخر عالم فرماتے تھے کہ نہیں حلال کسی عورت مومن کو کہ سوگ کرے تین روز سے زیادہ مگر زوج پر دس روز چار ماہ سو خوشبو کی یہ تھی رفتہ رفتہ تقسیم تک نوبت پہنچی اور بدعت ہو گئی کہ سب حاضرین برادری سوگی بن گئے اگر بعض بلاد میں قبر پر جاکر تقسیم ہو تو یہ بھی داخل اسی میں ہی تھا بہر حال تقسیم ورد مطلقاً بدعت ہے خواہ روز سوئم ہو یا اور کسی دن خواہ غیر قبر پر تو یہ شارح منہاج نے بیان کیا ہے اپنی بلاد کی رسم پر اور اگر قیود روز اور قبر کی زائد بھی ہو دیں تو احترازی نہیں تاکہ بلا قیود کے جواز ہو جاوے اگر ہے تو اہل میت کے واسطے مباح ہے اگر درجہ اباحت سے نہ بڑھے پس اس کو خواہ مخواہ مقید قبر یوم ثالث سے کرنا کم فہمی مؤلف ہے بلکہ یہ مستقل بدعت ہے اور ہر حال مذموم پس بحث عطف کی مؤلف نے جو لکھی بالکل لغو غلط ہے متعلقات معطوف علیہ کے معطوف ہونے خواہ مخواہ کوئی قاعدہ نہیں اگر قرآن بھی مؤلف پڑھا ہوا ہوتا تو ایسی بات نہ کہتا ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب

ـــ حضرت فین کے تیسرے روز جمع ہونا کے آگے پیچھے کے اگر بتی کی لوبان شہ ماتم

جن بعض آدمیوں نے یہ رسمیں ایجاد کی تھیں چھوڑ دیں اب یہ رسم کہیں نہیں دوسری بات شارح منہاج سے یہ نکلی کہ کھانا کھلانا تیسرے
دن اور پانچویں دن اور نویں دسویں بیسویں چالیسویں دن اور چھٹے مہینے برسویں دن بدعت منع ہے سو یہ ظاہر ہے کہ کھانا ان ایام
میں قبر مردہ پر جاکر کھلاتے تھے تقسیم الورد اور اطعام کا معطوف ہونا الفقالاجتماع پر دلیل ظاہر ہے اس بات پر کہ قبر پر جمع ہوتے تھے اور
وہاں تقسیم خوشبو کرتے تھے اور وہاں یہ کھانا ایام مخصوصہ میں کھلانے تھے اور علاوہ قرینہ عبارت کے خود بنا دی بزازیہ میں تصریح ہے کہ کھانا لیجانا
کی مکروہ الی الطعام الی القبر فی المواسم لفظ مواسم جمع ہے موسم کی اور موسم لغت میں کہتے ہیں ایک چیز کے وقت کو اور جمع ہونے کی جگہ کو
کذا فی المنتخب وغیرہ پس معنی یہ ہوئے کہ مکروہ ہے کھانا لیجانا قبر مردہ پر ایام مقررہ میں اس سے صاف معلوم ہوا کہ تیسرے نویں دسویں دن اور چھ
ماہی اور برسی اور ایام عید و شب برات وغیرہ میں جو کہ ایام واسطے فاتحہ اموات کے معین ہیں اہل اسلام میں بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں
کھانا قبر پر لیجانا اور اس جگہ جاکر کھانا رسم کر لیا تھا اس کو اہل فتوی نے منع کیا اور نصاب الاحتساب سے بھی اس کی تصدیق پہنچتی ہے کہ لکھا ہو ویشرب
الشربۃ عند المقبرۃ وفی الحدیث اهل فی المقابر یقسی القلب یعنی پیتے ہیں شربت قبروں کے پاس حالاں کہ حدیث میں آیا ہے کہ کھانا قبرستان میں سخت

دیکھو ان الصلوٰۃ الخ پوری ہیں بالغیب کی تبہی یا دیکھو یہ اور نون میں نہیں ایسا ہی صدہا مثل موجود ہیں مگر ایک مشکل ہوگئی کہ خوشبو کی
اصل حدیث ام حبیبہؓ سے مؤلف نے سن لی ہے تو ہر گاہ کہ جائے گھر ثابت ہو گیا تھا یہ تو بعینہ وہی ہے بس اب شرح منہاج پر چاہے ضعف
روایت کا حکم دے کر یا ان کو حدیث نہیں پہنچی یا یہ کہ وہ شافعی ہیں اس رسم کو بھی مؤلف جاری کر دیوے استقدار الشداور اطعام مخصوصہ بھی مطلق
ہے اس میں بھی کوئی قید قبر یا غیر قبر کی نہیں بلکہ قیدوں کی بھی نہیں اور یہ وہ طعام ہے کہ حدیث جریر میں فرمایا کہ وصنعہم الطعام الخ پس یہ طعام بھی
مطلقاً ممنوع ہے خواہ کہیں ہو خواہ کہیں ہو شارح منہاج نے ایام کی قید لگائی اپنے ملک کی عادت پر اور بزازیہ نے قید علی القبر لگائی پنچ
بلاد کے عرف پر پس بہرحال یہ طعام مکروہ ہے مطلقاً نہیں مگر جو فقراء کے واسطے ہو بطور صدقہ تو نفس طعام مباح ہے فقراء کو اگرچہ یہ تعین
یوم کی بدعت ہے جس میں بہت کچھ بحث ہو چکی ہے پس شارح منہاج اطعام [1] الطعام کو مکروہ کہتا ہے اس طعام کو مکروہ نہیں کہتا تو یہ
سب مسائل کو شامل ہو گیا پس مؤلف کا علی القبر اضافہ اپنے فہم سے کرنا ثمرہ کم فہمی کا ہے ورنہ مسئلہ صاف ہے اور اس کی شرح کرنا بزازیہ
کی روایت سے اس وقت ضرور تھی جو مطلق کے معنی میں کچھ تردد ہوتا ہو گا وہ کہ حدیث جریر نے مطلقاً سب کو منع کر دیا تو مطلق منع
ہو گیا عبارت یہ ہے کہ بزازیہ میں خود اس طعام ایام مخصوصہ کو مکروہ لکھا ہے چنانچہ دوسری دلیل میں مؤلف نقل کرتا ہے اور نقل
کو بزازیہ نے دوسرا مسئلہ بنایا ہے قولہ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث بعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم
الخ اور مکروہ ہے کھانا تیار کرنا یوم اول یوم ثالث اور ایک ہفتہ کے بعد اور خاص دنوں مہینوں میں قبر پر کھانا لیجانا۔ پس اس عبارت سے
صاف معلوم ہے کہ نقل الطعام دوسرا مسئلہ ہے مگر مؤلف کو تمیز نہیں اور صدقہ کھانا ہر روز مستحق کو حلال ہے مگر یہ تعیین مکروہ ہے اور
بھی بوجہ اعانت مکرکہ اس کی اجابت نہ چاہیئے کہ مکروہ جیسا دعوۃ المتباہین میں نہی قبول ضیافت کی وارد ہوئی ہے پس مؤلف
یہ سب توجیہات محض ناواقفیت قواعد دین سے ہے اور شرح منہاج سے کراہت چہلم دہم وغیرہ کی سب ظاہر ہے الغرض استدلال
مانع بدعت کا تو اس روایت منہاج سے یہ تھا کہ ایام مخصوصہ کی ضیافت کو بدعت ممنوعہ لکھا ہے سو اگر یہ طعام بوجہ رسم ہے تو ایک
بدعت کی رسم ہوئی اور یہ چہلم ہمارے ملک کا بھی رسم ہوتا ہے ایصال ثواب مقصود نہیں ہوتا اور دوسری وجہ اس میں تعیین وقت

[1] سنکڑوں کو کھانا کھلانا اس کے نتیجہ۔

کہ دیا ہے لوگوں کو پس علماء دین نے وجہ ممنوع اور مکروہ ہونے کی ممانعت حدیث شریف کی بیان کی ہے کہ احادیث سے قبروں پر
کھانا پینا منع ہے یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا باعث خاص کرنے ان کے مکروہ ہے اور ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں جو فاتحہ دسویں بیسویں چالیسویں
وغیرہ کی کرتے ہیں مقابر پر نہیں کرتے تو وہ جائز ہوئی دوسری دلیل فتاوی بزازیہ کی عبارت ہے جو کہ مستملی شرح منیۃ المصلے میں منقول
ہے ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقرأۃ القرآن
وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص اس عبارت سے تین مسئلے پیدا ہوئے ایک یہ کہ مکروہ ہے کھانا تیار کرنا
میت کا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتے کے بعد یعنی آٹھویں دن جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں دسویں بیسویں چالیسواں کا نام بھی نہیں
پھر یہ عبارت کس طرح بہ چہلم وغیرہ کی ممانعت پر دلیل ہو سکتی ہے اور اگر اجتہاد کر کے قیاس قائم کرو کہ جس طرح بزازیہ میں ان ایام کو منع کیا
ہے ان ایام میں منع کرتے ہیں تو اس کو بھی ہم رد کرتے ہیں دو وجہ سے ایک وجہ یہ کہ خود شارح منیۃ المصلی نے عبارت بزازیہ کی نقل کر کے اس کو
رد کیا ہے اور اس کھانے کا مکروہ ہونا مسلم نہیں کہا اور یہ لکھا ہے ولا یخلو عن نظر لانہ لا دلیل علی الکراھۃ یعنی مکروہ کہنا اس کھانے کو خالی بحث کر
نہیں اس واسطے کوئی دلیل کراہت پر نہیں الی آخرہ پس جب کہ خود شارح منیۃ المصلی نے کراہت کو مسلم نہیں رکھا ہم بھی مسلم نہیں رکھتے معلوم نہیں

...س کو بھی شارح نے منع کیا ہے تو دو وجہ بدعت ہونے کی پائی گئیں اول جو لوجہ اللہ تعالیٰ ایصال ثواب کا طعام سے تو تعیین وقت کی وجہ
سے بدعت ہو گیا گو طعام میں جواز ہو مگر بہر حال تعیین وقت منع اور بدعت رہا ہر حال پس ہمارے ملکوں میں بھی اگر کسی کی نیت ایصال
...ب کی ہی ہووے گی تاہم یہ وجہ تعیین وقت کی بدعت ہونے کی ہر حال موجود ہووے گی ورنہ اصل چہلم ہمارے ملک میں بھی دونوں وجہ موجود
...ب اور مؤلف اس کو ہرگز نہ سمجھا اور فہم مطلب میں یہ خطائیں کی کہ اجتماع کو کہ مطلق الی اہل المیت حدیث جریر سے ممنوع تھا مقید بہ لا کتا
علی القبر کیا اور خلاف حدیث کے بنایا اور اس قید کو احترازی ٹھیرایا حالاں کہ اتفاقی تھی اور تقسیم الزوم مذکور کو بھی مقید کیا حالاں کہ وہ مطلقاً
...ت ہے اور اطعام طعام کو جو حدیث جریر سے ممنوع مطلقاً ہو گیا تھا مقید علی القبر اور خلاف حدیث وفقہ کے بنا دیا اور تعیین وقت جو ممنوع تھا
...ے منع سے محض انکار کیا اور تین مسئلوں کو دو بنا دیئے اور استدلال کو بالکل نہ سمجھا اور عطف کی بحث بے معنی لکھدی نہیں اب جس کو علم و
...ت کا سب پر روشن ہو جاوے گا کچھ بھی تو مساس فہم کتب نہیں اور تکبر و دعوی کی کوئی نہایت ہی نہیں قولہ یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا پینا
...ت الخ اقول مؤلف کی چشم فہم حق بیں بند ہے شارح منہاج نے تو یہ لکھا ہے کہ ایام مخصوصہ میں اطعام بدعت ہے نہ یہ لکھا کہ قبروں پر
...ی وجہ سے بدعت ہے نہ یہ لکھا کہ تعیین یوم کے سبب بدعت ہے مؤلف دوسری روایت سے قبر پر لیجانا ثابت کرتا ہے حالاں کہ وہ دوسرا
...ت چنانچہ بزازیہ سے واضح ہے ایسا ہی تعیین یوم کی بدعت پہلے محقق ہو چکی اور مؤلف بھی تخصیص کی بدعت ہونے میں معترف ہو لیا ہے
...ہوش کرے تو سب کچھ لکھا ہے اور خواب غفلت میں ہے تو اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں لکھا اور مقابر پر لیجانا دوسری بدعت ہے ایک دوسرے کیا
...ت ل رکار ہر اگر ہمارے بلاد میں قبور پر نہیں جاتی تو تعیین یوم کی ہی بدعت کراہت کو کافی ہے چہ جائیکہ دوسری وجوہ بھی موجود ہوں

...ت عبارت بزازیہ ...ت کی خوش فہمی	قولہ دوسری دلیل الخ اقول مؤلف کے فہم پر آفریں ہے عبارت بزازیہ میں یوم اول وثالث وبعد اسبوع کے طعام کو مکروہ صاف کہا ہے غرض یہ کہ ایام معینہ کر کے طعام پکانا درست نہیں جب ان ایام میں درست

...سویں بیسویں چہلم میں بھی درست نہیں وہ بھی تعیین یوم ان ایام میں سے ان کے عرف میں اول وثالث کو پکتا تھا ہمارے عرف

...ت بتیسرے دن کھانا کھلانا سکے ملک سکے اصطلاح

جن حضرات نے یہ عبارت بزازیہ کی شرح منیہ سے نقل فرمائی تو ایک سطر کے بعد شرح منیہ میں اس پر اعتراض لکھا تھا کہ کیوں نقل نہ فرمایا دوسری وجہ رد استدلال مانعین کے لئے یہ ہے کہ اگر طعام ایام مخصوص کی کراہت موافق کلام بزازیہ کے مسلم بھی رکھیں تو وہ کراہت خاص اس کھانے کے لئے ہو سکتی ہے جس کو وارثان میت بعض ملکوں میں فخریہ طور پر کرتے ہیں اور جس طرح شادی عروسی وغیرہ میں شان اور فخر کے ساتھ کھانا کھلانے کا دستور تھا اسی طرح میت کا کھانا تکلف اور زینت سے اغنیاء اور امیروں اور عزیزوں قریبوں کنبہ والوں کو کھلاتے تھے جس طرح محدث دہلوی اور فقیہ شامی کے کلام سے عنقریب دلیل تیسری میں نقل کیا جاوے گا لیکن اس کی ممانعت بھی ایسی ہے کہ اس عبادت

میں دسیوں بیسیوں کو مثلاً ایسے جزئیات سے استدلال خاص تام مدلول کا کہاں ہوتا ہے جو یہاں مؤلف طالب ہے یہ نہایت فہم مؤلف کا ہے ایک جزئیہ سے دوسرے جزئیہ پر اشتراک کلیہ و علت کی وجہ سے دلیل لائی جاتی ہے یعنی کہ دونوں جزئیہ ایک کلیہ میں داخل ہیں مثلاً نیند سے بھنگ کی حرمت پر بوجہ سکر کے مؤلف صاحب کا فہم قاصر ہے اب جو رد مؤلف کے اس قیاس کو سنو ایک یہ کہ شرح منیہ نے اس کو نہیں مانا سو پہلے ہم لکھ چکے کہ رد مختار نے شرح منیہ کا قول بوجہ معقول رد کر دیا ہے تو بزازیہ کا قول درست رہا اور قیاس بھی صحیح رہا اس کی بحث پہلے بھی ہو چکی ہے دوسری وجہ اس کے رد کی یہ مراد اس طعام سے طعام فخر و ریا کا ہو سو یہ تاویل مؤلف کی بالکل غلط ہے کیوں کہ مطلق کو مقید کرنا بلا قرینہ تو یہ بلا وجہ درست نہیں طعام فخر کا مطلقاً حرام ہے یہاں میت کے طعام میں اس کا ذکر کرنا خصوصاً کیا محل تھا علاوہ جیسا فخر کا کھانا یہاں مکروہ ہے بلا فخر بھی برادری کو کھانا مکروہ ہے بروایت جریر پس قید فخر کی لغو ہے اور مؤلف جو دلیل اس کی بیان کرتا ہے کہ بزازیہ نے خود کہا ہے وان اتخذ طعاماً للفقراء الخ یہ دلیل محض سفسطہ مؤلف کا ہے کیوں کہ یہ روایت اگر پہلی روایت سے متصل ہوتی تو مضائقہ نہیں تھا یہاں بزازیہ میں پہلی روایت تو کتاب الجنائز کی ہے اور یہ دوسری روایت بزازیہ کی کتاب الاستحسان کی ہے اس واسطے کہ شارح منیہ پہلی روایت کو نقل کر کے کہتا ہے کہ بزازیہ کی کتاب الاستحسان میں یہ دوسری روایت منقول ہے اگر یہ الجنائز میں ہوتی تو کیوں دوسرے باب کو اس سے نقل کرتا تھوڑی سی عقل درکار ہے پس کس طرح استثناء درست ہوگا عجب فہم مؤلف کا ہے ایک روایت شرق میں دوسری غرب میں اور استثنا جائز ہوا نہیں بلکہ یہ روایت جدی ہے بہر حال اس روایت بزازیہ واقع کتاب الاستحسان سے کوئی قرینہ فخر کا درست نہیں ہو سکتا یہ محض کم فہمی مؤلف کی ہے یہاں یہ بات لاریب ہے کہ یہ حرمت طعام بر کے اطعام کی ہے اور تعیین وقت کا مسئلہ یوم اول ثالث اور بعد الاسبوع سے نکالا گیا ہے پس اگر طعام برادری کا ہے تو قطعاً ہے دو وجہ سے ایک صنعۃ طعام من اہل میت، جیسا حدیث جریر سے معلوم ہوا دوسرے تعیین تقلیداً طلاق مستفاد ہوا اور اگر نیت سے فقراء کے واسطے ان ایام میں ہو تو کراہت تعیین وقت کے سبب سے لازم ہوگی کہ طعام کا ثواب پہنچے بہر حال تعیین وقت ہوا جیسا اوپر ذکر ہو چکا مگر یہاں مؤلف کے علم و فہم میں کلام ہے کہ کہاں رکھا رہتا ہے قولہ فتاوی عالمگیریہ جلد خامس الخ اقول روایت سے غرض مؤلف یہ ہے کہ کچھ ایسی شدید کراہت طعام میت میں بھی نہیں چاہے کھالیوے مگر یہ سراسر کم فہمی مؤلف کی ہے اول جریر میں نیاحت سے اس کو شمار کیا ہے اور نیاحت حرام شدید ہے تو یہ طعام سخت مکروہ تحریمہ ہوا پھر بزازیہ و فتح القدیر اس کو بدعت کہتے ہیں اور حدیث لاتقبلوا دعوۃ المتباریین مجلس فخر کھانے کو حرام فرما رہی ہے کہ مؤلف بھی اس کو قبول کرتا ہے پس فخر کے طعام میت کے درجہ میں رکھنا محض غلط فہمی ہے اور عالمگیریہ کی تمام روایات یہ ہیں حمل الطعام الی اہل المیت والاطعام عندہم فی الیوم الاول

۱ اصطلاح ۲ بے وقوفی ۳ یقینی ۴ کھانا کھلانا ۵ اہل میت کی طرف سے کھانا تیار کرنا ۶ کھلاوے ۷ دعوت کو مت قبول کرو

سے سمجھ لو جو بھو تنا ڑی عالمگیری کی جلد خامس باب الہدایا والضیافات میں لکھی ہے لا یباح اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام فی ایام المصیبۃ واذا اتخذ لا باس بالاکل منہ بعض علماء اس میں تشدد زیادہ کرتے ہیں بعض کم اور صاحب بزازیہ نے جو منع کیا ہے اُس طرح کے کھانے کو منع کیا ہے کہ جو شادی کی طرح ہو دلیل اس کی خود کلام صاحب بزازیہ ہے جو شرح منیۃ المصلی میں اسی مقام پر مذکور ہے وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا یعنی اگر غریب آدمیوں کے لئے کھانا تیار کریں اچھی بات ہے اگر صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت طعام مذکورہ بباعث تعیین ایام ہوتی تو یوں لکھتا وان اتخذ الطعام فی غیر ھذہ الایام کان حسنا پس صاف معلوم ہو گیا کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت بباعث تخصیص ایام نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگ غریبوں کو نہیں کھلاتے تھے اپنے دوست آشنا اغنیا کو کھلاتے تھے اس واسطے کہا صاحب بزازیہ نے کہ اگر کھانا تیار واسطے غریبوں کے اچھی بات ہے اب مردِ منصف کو چاہیئے کہ خدا سے ڈر کر اس دلیل پر نظر کرے اور زبان زوری سخن پروری سے تائب ہو وما علینا الا البلاغ، دوسرا مسئلہ منجملہ تین مسئلوں سے عبارت بزازیہ سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا میت کی قبر پر لیجانا مکروہ ہے یہ بات ہم پر حجت نہیں اس لئے کہ اس کو خود مکروہ کہتے ہیں اور یہاں ان ملکوں میں یہ رسم بھی نہیں تیسرا مسئلہ یہ نکلا کہ قاریوں حافظوں کو ختم قرآن کے واسطے جمع کرنا مکروہ ہے سو تحقیق اس کی یہ ہے کہ اگر اہل اسلام جمع ہو کر قرآن پڑھیں برائے خدا اور میت کو بخشدیں اس کا حکم ائمہ مجتہدین اور علمائے محققین اور اجماع مومنین سے اور مولوی اسحاق صاحب کے کلام سے ہم ثابت کر چکے کہ وہ ہرگز مکروہ نہیں پس بالضرور مراد صاحب بزازیہ کی یہ ہے کہ موافق رسم بعض ملکوں کے اگر حافظوں کو مزدوری دیکر قرآن پڑھوا دیں یہ البتہ مکروہ ہے اس کی تصدیق کتب

صلہ یکرہ کما فی التتارخانیہ لا یباح اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام فی ایام المصیبۃ واذا اتخذ لا باس بالاکل منہ کما فی خزانۃ المفتین وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا الخ پس پہلی روایت میں ضیافت اہل میت کی بعد ایکدن کے مکروہ لکھی ہے اور پھر خزانہ کی روایت لایا ہے جس سے مراد ہے کہ ہر چند تین روز تک ان کو کھانا دینا مکروہ ہے مگر جو کوئی دیوے تو اہل میت کو کھانا درست ہے قرینہ اس کا یہ ہے پہلے ثلثۃ ایام کہتا ہے جس کے معنے تین روز تک ہے نہ تیسرے روز پس پہلے کہا کہ ایکروز کے بعد ضیافت مکروہ ہے پھر یہاں یہ کہا کہ اگر یہ طعام دینا مکروہ ہے مگر اہل میت کھاویں تو حرام نہیں اور جو مراد اس سے یہ ہو کہ اہل میت کی ضیافت کو کھانا لا باس میں ہے جیسا کہ مؤلف نے جزم کر لیا ہے تو اگر یہ فخر کا کھانا ہے تو کس طرح مباح ہوگا یہ تو حرام ثابت ہو گیا ہے بحدیث لا تنجیبوا دعوۃ المتباریین جس کو مؤلف بھی نقل کرتا ہے اور جو اہل میت کا بلا فخر ہے تو جریر کی حدیث سے تحریم ہو چکی، بہرحال فخر کا کھانا اور لا باس سے خفت کراہت کا ہونا مؤلف کی فہم عالی ہے اور پس پس صاف معلوم ہوا کہ عالمگیریہ کی روایت سے فخر کا کھانا ہرگز مراد نہیں ہے اور روایت بزازیہ واقعہ کتاب الاستحسان ہے روایت کتاب الجنائز کا ہرگز نہیں ہو سکتا فقط مؤلف کی خوبی علم کی ہے پس اس روایت کتاب الاستحسان میں وقت کا ذکر نہیں ہے وان اتخذ والفقراء کان حسنا جس میں کوئی تعیین وقت نہیں کہ جواز تعیین طعام فقراء کا معلوم ہو ہاں پہلی روایت سے تعیین وقت ہونا معلوم ہو گیا اب مؤلف کو چاہیئے کہ ہماری تحریر کو سوچ کر انصاف کرکے ہٹ دھرمی سے باز آوے اور شرم کرے اور کتب کو غور سے سوچا کرے یا کسی عالم سے تحقیق کر لیا کرے اپنی عقل خام و فہم ناکام پر معتمد نہ ہوا کرے اب سنو کہ روایت بزازیہ میں سے تین مؤلف کو نظر آئے اول یہ کہ جس پر بحث ہے دوسرا نقل طعام الی المقابر وہ خود بدعت ہے پہلی دلیل میں ذکر ہو لیا مؤلف بھی قبول کرتا ہے تیسرا مسئلہ اتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن یہ بھی گذر چکا اور سوم کی کراہت اس سے ثابت ہوئی اور جہلم کی

ے قبرستان میں کھانا پہنچانا۔

تہ میں موجود ہے شامی نے کتاب الاجارہ میں لکھا ہے قال تاج الشریعۃ فی شرح الہدایہ ان قرأ القرآن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری
ومن شیخ الاسلام ان القاری اذا قرأ القرآن باجل المال فلا ثواب لہ فای شیء یھدیہ الی المیت ۔ انتہی کلامہ الشامی ملخصاً یہ جو شکر ولی
اور چھاؤنیوں میں قرآن اس طرح پڑھواتے ہیں کہ روپے کے تین قرآن یا چار قرآن کے حساب سے کچھ سیپارہ کا روزمرہ ٹھہرا کر اس کا ٹھیکہ کرتے
ہیں اس طرح قرآن شریف میت کے واسطے پڑھوانا منع ہے اور صفحہ ۱۲ سیف السنۃ میں جو عبارتیں طریقہ محمدیہ اور قرطبی کی نقل کی
کی ہیں اس میں مراد یہی مزدوری کے طور پر قرآن پڑھنا ہے اس لئے کہ اس وقت میں بعض ملکوں میں یہی دستور تھا اور خود طریقہ محمدیہ
کی عبارت سیف السنۃ میں ہے والماخوذ منہا حرام للآخذ وھو عاص بالتلاوۃ والذکر لاجل الدنیا اور بعض علماء نے جو قبر پر
قرآن پڑھوانے کی اجرت جائز رکھی ہے انہوں نے قبر پر آنے اور جانے کی محنت اور اس قدر پابند ہو کر بیٹھنے کی اجرت سمجھ کر جائز کیا
ہے اجرت قرآن کی نہیں وہ گویا ہدیہ ہے قاریوں کی طرف سے پس فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے کراہت ان باتوں کی ثابت ہوئی کہ
قرآن مزدوری دیگر ختم کرانا مردہ کی قبر پر کھانا لیجانا پہلے تیسرے آٹھویں دن ضیافت اغنیاء واحباب کے لئے کھانا پکانا مکروہ ہے اور جس طرح
ہمارے ملکوں میں رائج ہے کہ طعام دسویں بیسویں اور چالیسویں کے حق میں جو خالصاً للہ پکا کر مصیبتوں اور ملانوں کو اپنے گھر بلا کر کھلاویں
ہرگز ہرگز کراہت یا حرمت اس کی عبارت بزازیہ سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحسان اور عمدگی ظاہر ہو گئی ہے کیوں کہ اس نے لکھ دیا وان
اتخذ والطعام للفقراء کان حسنا اور صاحب سیف السنۃ اور ان کے وال بزرگوار نے یہ نقرہ چونکہ حضرت کی مخالف مطلب تھا نقل

شب کو بھی قرآن پڑھواتے ہیں اس کی کراہت بھی اس سے صاف نکل چوتھا مسئلہ جمع القراء[1] والصلحاء للختم اس کو مؤلف نے تیسرا مسئلہ کیا
ہے یہاں مؤلف کو سخت مصیبت پیش آئی کہ مجمع سوم اور چہلم کا ہاتھ سے چلا اس کو ناچار اے ناقص سے یہ ٹھہرایا کہ اجرت پر قرآن پڑھوانا
مراد ہے سبحان اللہ جیسا مؤلف اور اس کی برادری اجرت پر قرآن و کلمہ پڑھتے ہیں اسی نخود یا شیرینی وحلوا پر یا ضیافت پر تو بزازیہ کے وقت
کے صلحاء کو ایسا ہی گمان کر لیا یہ سوچ کر شرم نہ آئی کہ جو اجرت پر قرآن پڑھنے آوے گا صالح کہاں ہوگا دوسرے بزازیہ مطلقاً کہتا ہے مؤلف
نے کس قرینہ سے مقید کیا خواہ مخواہ بھلا یہاں کیا قرینہ ہے پہلی روایت میں تو کتاب الاستحسان سے کھینچ کر دوسری روایت لایا تھا مگر
ہاں یہاں بھی قرینہ ہے کہ آخر بزازیہ کی کتاب الاجارہ میں تو یہ مسئلہ لکھا ہے سبحان اللہ پس یہ صفحہ اجرت قرآن کے باب سے سیاہ کرنا کوتاہ فہمی مؤلف
کی ہے معہذا اتمام اعراس اور ضیافات اموات حلوا شیرینی ہوتا ہے بنانے والا حافظوں اور سب حاضرین کی نیت سے کرتا ہے اور جانے
والے حافظ پنج آیت خواں وغیرہ اسی نیت سے جاتے ہیں المعروف کالمشروط پس قرآن کی اجرت کا طعام کھانا اور لینا ثابت ہو گیا قلیل کثیر
بھی یکساں شیریں نمکین کا فرق خود ہی اٹھا دیا ہے اس کو یاد نہیں رہا شرح سوال میں لکھ چکا ہے ذرا غور کرے اب آخر میں بعض علماء کا فتویٰ
قبر پر آنے جانے کی مزدوری کے حیلہ سے نقل کرتا ہے کہ جسے سوم کے کھانے اور حلوا فاتحہ و ختم کے کھانے کا حیلہ نکل آوے اور پہلے مولوی
عبد الخالق کی نصیحت میں اس کو خود ہی منع لکھ آیا ہے یہاں وہ منسوخ ہو گیا افسوس کہ مؤلف کو اپنا لکھا بھی یاد نہیں رہتا تو وجہ یہ ہے
کہ فہم و علم سے کوئی بات لکھتا ہی نہیں ناپ تشناپ جو چاہا دوسروں کا قول لکھ دیا پھر بھول گیا پس باقی کلام کا جواب ضرور نہیں پہلے
لکھا گیا اور فہم مؤلف کا بالکل خلاف کتاب کے ہے اور حقیقت مسئلہ اور طعام کی اول تحریر ہوئی مؤلف کی خوش فہمی کا اظہار مقصود ہے
لہذا اغلاط مؤلف نہیں کہ اہل فہم خود جان سکتے ہیں ۔

---

[1] قبرستان میں کھانا لیجانا ۔ قرآن پڑھنے والوں کے لئے دعوت کا اہتمام کرنا ۔ ختم کے لئے قراء اور صلحاء کو جمع کرنا ۔ مشہور جنبر مشرو طا کی طرح ہے

نہ کیا لاتقرأ بالاصلوۃ پڑھ کر دانتم شعاری پر زبان بند کرلی تیسری دلیل مانعین کی درباب چہلم وغیرہ یہ عبارت ہے کہ سیف السنۃ کے صفحہ ۱۵ میں مرقوم ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مقالۃ الوصیۃ یعنی وصیت نامہ میں فرمایا ہے دیگر از عادات شنیعہ مردم اسراف است در ماتم دہیم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ الی آخرہ، میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ عاقل ہوتے شاہ ولی اللہ کے کلام کو کبھی پیش نہ کرتے اس لئے کہ اس میں چہلم وغیرہ کھانے کھلانے کو نہیں منع کیا اس میں تو اسراف کرنے کو عادت شنیعہ سے لکھا ہے اسراف کہتے ہیں بے اندازہ خرچ کرنے کو اور قرآن شریف میں ہے ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین اسراف کو کون دوست رکھتا ہے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا منشا اس کے بند کرنے میں بند کرنا اسراف کا ہے چنانچہ اس کی برائی انھوں نے بیان کی ہے اور ہم بھی اس کو برا کہتے ہیں اور اسراف لوگوں میں طرح طرح کے مختلف مقاموں میں پیدا ہوگئے تھے علامہ شامی نے ضیافت اموات کی شناعت میں لکھا ہے ویحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع والقنادیل التی لا توجد فی الافراح وکدق الطبول والغناء بالاصوات الحسان واجتماع النساء والمردان واخذ الاجرۃ علی الذکر وقراءۃ القرآن الی آخرہ دیکھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موتی کی رسم میں قندیل اور شمعیں روشن کیجاتی ہیں اس طرح کہ محافل شادی میں بھی نہ ہوں اور طبلے بجتے ہیں اور گانا خوش آوازی سے ہوتا ہے عورتیں اور بے ریش لڑکے آتے ہیں جو کچھ قرآن پڑھتے ہیں اس کی مزدوری لیتے ہیں یہ عبارت شامی نے باب الجنائز میں لکھی ہے معلوم ہوا کہ بعض جگہ ایسے اسراف بھی جاری ہوگئے تھے اور اسی طرح خاص اپنے احباب اور برادران اغنیاء میں حصص بطور نوتہ بندی تقسیم کرتے ہیں غریبوں کو نہیں کھلاتے وہ بھی فی الجملہ اسراف اور خود نمائی میں داخل ہے چنانچہ شیخ عبدالحقؒ کی عبارت جو مولوی اسحاق صاحبؒ نے مسائل اربعین کے سوال سی و ششم میں جامع البرکات سے نقل کی ہے واینکہ بعد از سالے و ششماہی یا چہل روز درایں دیار پزندہ درمیان برادران بخش کنند آں را بھاجی گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آں است کہ بخوراک محتاج دادہ شود انتہیٰ واضح ہو کہ شرح منہاج میں جو گذرا کہ ششماہی و سالیانہ وغیرہ کا کھانا مکروہ ہے اس میں ایک یہ بھی سبب ہے کہ جو مستحق اس کھانے کے ہیں انکو نہیں کھلاتے اور کھانا اس طرح کا تکلفی پکاتے اور اس میں طرح طرح کی زینتیں کرتے ہیں شادی عروسی کے کھانے

ساتویں عبارت شاہ ولی اللہ صاحبؒ میں مؤلف کی تحریف

قولہ تیسری دلیل مانعین کی درباب چہلم الخ **اقول** مؤلف شاہ ولی اللہؒ کی عبارت کو بھی نہیں سمجھا افسوس کہ فارسی عبارت کو بھی نہیں سمجھتا تمام عبارت وصیت نامہ کی یہ ہے از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتمہا و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ ایں ہمہ در عرب اول وجود نبود مصلحت آں ست کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و طعام ایشاں یکشبانروز رسمی نباشد الخ اب دیکھو اگر مؤلف کو فہم ہوتا تو جان لیتا کہ شاہ صاحب خود رسوم کو اور چہلم وغیرہ کو اسراف میں داخل کرتے ہیں اور وجہ منع کی عرب اول میں نہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں پس جب عرب اول میں نہ تھا تو خود ذات ان رسوم کی ممنوع ہوئی نہ یہ کہ بوجہ اسراف ان میں نہ کرو وہ صاف فرماتے ہیں کہ بجز تعزیت و طعام مسنون رسمی باشد ان سب کو رسوم میں داخل کیا اور اسراف ٹھیرایا بدعت اور ممنوع ہو گیا ادنیٰ شعور والا بھی جان سکتا ہے اور یہ عبارت شامی کی وہ ہے جس میں اعتراض شارح منیہ کا رد کردیا ہے مؤلف نے اس مضمون کو خیانت سے اخفاء کیا ہے اور شاہ صاحبؒ کو یہ بھی تحقیق تھا کہ چہلم وغیرہ سب رسوم بطور رسم ہی کرتے ہیں ایصال ثواب مقصود نہیں اسی سبب اسراف اور رسوم میں داخل کیا ہے اور اگر محض ایصال ہو اور وقت کی قید ہو تو کراہت و بدعت تعین وقت کی ہووے گی اور تمام رسوم شادی اور غمی کے سب حرام ہیں مگر اس کی حرمت سے جواز چہلم وغیرہ رسوم کا ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیوں چہلم وغیرہ رسوم ہر حال ممنوع ہے

ہے وستور ہے اور احباب کی ضیافت خوشی خوشی کرتے ہیں ایسے کھانے کو فقہاء منع کرتے ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ الی آخرہ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے ولا ضیافۃ فی بیوت الموتیٰ وہم فیہا الطعود یعنی احباب کی ضیافت تکلف اور زینت کے ساتھ اہل میت سے لینا اور کھانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ بات سرور میں جائز ہے میت میں سرور کہاں یہاں تو شرور یعنی غم ہیں اور موتیٰ کے گھروں میں ضیافت کیسی؟ حال یہ کہ وہ قبروں میں پڑے ہیں واضح ہو کہ جس فقیہ کے کلام میں مخالفت ہے وہ ایسی قسم کے کھانے کی مخالفت ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ صریح بزازیہ وغیرہ میں موجود ہے وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اور جو لوگ تعینات کے ساتھ ان فاتحات کو جائز رکھتے ہیں وہ سب شرط کرتے ہیں کہ اغنیاء کو کھلا دینا ثواب ہیں معتبر نہیں چنانچہ تحفۃ الفضلاء میں ہے سازی طعام مردہ چوں روز سیوم ہفتم چہلم نہ باید جز درویش ما ورنہ نباشد معتبر چوتھی دلیل منع چہلم وغیرہ پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا یہ قول جو وصیت نامہ میں فرماتے ہیں و بعدہ مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ الی آخرہ، واضح ہو کہ کھانا لللہ کھلانا امور دین سے ہے اور قاضی صاحب نے رسوم دنیوی کو منع فرمایا ہے وہ یہ کہ عورتیں جمع ہو کر ان ایام میں رویا پیٹا کرتی ہیں اور یہ ہم خود اپنی طرف سے نہیں کہتے خود قاضی صاحب کی دلیل اپنے منہ بول رہی ہے یعنی منع چہلم وغیرہ کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ماتم کرنا جائز نہیں فرمایا پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ چھماہی برسی چہلم وغیرہ میں ماتم نہ کریں مولوی اسماعیل صاحب نے بھی تذکیر الاخوان میں لکھا ہے جو عورت ماتم پرسی کو آتی ہے وہ بھی ان کے پیٹنے چلانے میں شریک ہوتی ہے پھر کسی کے یہاں تین دن کسی کے سات دن کسی کے دس کسی کے چالیس دن کسی کے چھ مہینے تک کسی کے برس روز تک کسی کے دو برس تک یہی بات جاری رہتی ہے جتنے دنوں جس قدر یہ نوحہ زیادہ ہو اسی قدر آپس میں

اور چہلم وغیرہ بوجہ ایصال بھی بدعت تعین سے خالی نہیں پس ان روایات کا تکرار واعادہ ہرگز مفید مؤلف کے مدعی کو نہیں اور پہلے سب کا جواب ہو لیا اور معلوم ہو چکا کہ روایت کتاب استحسان بزازیہ کی مطلق ہے اس میں کسی وقت معین کا ذکر ایصال ثواب کے استحسان میں نہیں اور وقت ذکر دوسری روایت کتاب الجنائز میں تھا اس کا وقت یہاں نہیں آسکتا کہ دونوں میں ہر طرح مباینۃ[1] ہے اگر ایصال میں تعین ہوگا وہ بھی بدعت ہوگا اس روایت کے استدلال کو از خطاء رفہم مؤلف کو سب جان سکتے ہیں،

قولہ چوتھی دلیل الخ اقول واے برفہم مؤلف قاضی صاحب تو صاف لکھتے ہیں کہ رسوم دنیوی مثل دہم و بستم الخ کھولکر رسوم دنیوی میں ان کو داخل کرتے ہیں مؤلف کچھ اور ہی سمجھ گئے اس سے معلوم ہوا کہ دہم وغیرہ رسوم دنیا تھی اور قاضی صاحب ان کو رسوم دنیا جانتے تھے ایصال لوجہ اللہ نہیں تھا یہی مدعی ہے مستدل کا کہ یہ رسوم دنیا ہیں مت کرو باقی ایصال لوجہ اللہ تعالیٰ سو اس کو بلا قید کرو تعین پہلے نصوص سے ثابت ہو گیا کہ بدعت ہے اور قاضی صاحب کی دلیل منہ سے بول رہی ہے کہ ایصال کو بھی چہلم دہم کی طرح مت کرو کیوں کہ لکھتے ہیں، واز مال حلال صدقہ بفقرا باخفا رسانند، اگر ایصال کو بطور دہم وغیرہ جائز فرماتے تو وصیت اخفاء کی کیوں کرتے مگر فہم ہو تو سب کچھ ہے آپ مؤلف اس کو نقل کرتا اور نہیں بوجھتا اور صدقہ خیرات کو تو کوئی منع نہیں کرتا یا دہم وغیرہ رسوم کو منع کرتے ہیں یا ایصال کے تعین کو منع کرتے ہیں بہرحال قید دہم وغیرہ بدعت ہے اس کا ثبوت کسی وجہ سے مؤلف نہیں کر سکتا اور تذکرۃ الاخوان سے بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سب امور رسمی ہیں اور ایصال ثواب مقصود نہیں اور قاضی صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب

[1] مخالفت تضاد کے خدا کے لیے پہنچانا۔

ان لوگوں کی تعریف ہو اور اگر نہ ہو تو طعن کرتے ہیں کہ فلاں کے ہاں میت کی کچھ قدر نہ ہوئی اور مروج ہو جاتے ہیں تو صرف دستور و رواج کے موافق ان لوگوں کو دکھلانے کے لئے کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں اور اس فاتحہ سے مردہ کے واسطے ثواب منظور نہیں ہوتا یہ عبارت ملحض تذکیر الاخوان کی ہے پس قاضی صاحب کا اشارہ ان امور کی طرف ہے ورنہ خود اسی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں، واز کلمہ درود و ختم قرآن و استغفار و از مال حلال صدقہ بقدر ار باخفا امداد فرمایند انتہیٰ. اس سے ظاہر ہو گیا کہ ختم کلمہ قرآن وغیرہ سب قاضی صاحب کے نزدیک درست ہے اور صدقہ کو جو پوشیدہ فرمایا وہ اس لئے کہ اپنے دیار میں کچھ طریق نمود اور نمائش وغیرہ کا دیکھا ہو گا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس واسطے اخفاء کا حکم دیا ورنہ صدقہ ظاہر کرنا شرع میں درست ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تبدوا الصدقات فنعما ھی شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس روایت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اگر کھلی دو خیرات کیا اچھی بات ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا فارسی ترجمہ یہ کیا ہے اگر آشکارا کنید خیرات را پس نیکو چیز است، اور ظاہر کر کے دینے میں ایک نفع اور بھی ہے تاکہ اور آدمیوں کو ہدایت ہو وہ بھی صدقہ کریں **پانچویں دلیل منع چہلم** وغیرہ کے لئے یہ ہے کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہر طعام المیت یمیت القلب وطعام المریض یمرض القلب، و در تواتر ہشام آمدہ کہ کردہ است اجابت کردن طعامیکہ بجہت روح مردہ کردہ باشد یعنی میت

کی تحریر سے بھی واضح ہو گیا اور اب تمام عرف عوام کا ظاہر ہے مگر مؤلف کی چشم حق بیں اور تحقیق وال نہیں۔

پانچویں دلیل نوادر الفتاویٰ کی عبارت اور اس میں مؤلف کی خیانت .... تحقیق مسئلہ

قولہ پانچویں دلیل منع چہلم الخ اقول مؤلف کی دیانت کو سب عقلاء عود فرماویں کہ خزانہ اور دستور القضاۃ کی روایت ارواح آنے کے باب میں کہ اطلاق نصوص کی مخالف اور بے سند تھی مؤلف نے مؤید اپنی بدعت کی دیکھکر سر پر رکھی نہ صحابی راوی کو پوچھا نہ سند تحقیق کی نہ مضامین خلاف نصوص کی پرواہ ہوئی چنانچہ مفصل کر پہلے ہو چکا ہے اور یہ حدیث اربعین میں جو کہ نوادر الفتاویٰ سے نقل ہوئی تو بزعم خود خلاف اپنی مراد کے جان کر سند کا مطالبہ اور صحابی راوی کا نام اور کتاب حدیث کا نشان دریافت ہوتا ہے پس ایمانداری مؤلف کی اس سے معلوم ہو گئی اگر فقط کسی فقیہ کا نقل کرنا کافی جانتا تھا تو یہاں کیوں تامل ہوا اور جو سند کی ضرورت ہے اور حق بھی یہی ہے تو پہلی روایات میں کیوں کوتاہی ہوئی اور جو خلاف صحاح کے ہونے کی وجہ ہے تو وہ احادیث صریح صحاح کی مخالف ہیں چنانچہ بیان ہوا اور یہ کسی حدیث صحیح کے خلاف نہیں کیونکہ مسلم اور بخاری اور موطأ میں صریح ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات اوساخ الناس ہوتے ہیں اسی واسطے بنی ہاشم کو بسبب ان کے تفضل کے اور اغنیاء کو بسبب ان کی عدم حاجت کے حرام اور مکروہ ہوئی اور فقراء کو بسبب حاجت و ضرورت کے درست رہی کہ الضرورات تبیح المحظورات کہا گیا ہے اور صدقات میں جو صدقہ دفع و ازالہ مرض کے واسطے ہو وہ ممرض قلب ہے اور جو ایصال ثواب میت اور ازالہ اس کی تقصیرات کی ہو وہ ممیت قلب ہے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا سو یہ بھی امر معقول ہے کہ غسالہ مرض میں مرض کا اثر قلب آکل پر ہووے گا اور غسالہ معاصی میت میں موت کا اثر ہووے گا جب مطلق صدقہ میں غسالہ تھا یہاں بھی وہی ہے پس ایسے طعام کی فقراء غیر بنی ہاشم کو اجازت ہے گو مکروہ نہیں مگر لائق بھی نہیں کہ ان کا قلب لطیف رہنا مناسب ہے بوجہ شرافت علم کے کہ فکر میں تکدر نہ ہو جیسا نظافت ظاہری علماء کو زیادہ لائق ہے پس اس سے نہ صدقہ کرنا منع ہوا اور نہ صدقہ کے کھانے کی حرمت نکلی مگر مؤلف اپنی کم فہمی سے حیران ہوا نہ اس حدیث کو خلاف احادیث ترغیب صدقہ کی سمجھ گیا اور بوجہ اس کے کہ ممیت و ممرض قلب ہے اس طعام کو بھی حرام سمجھ لیا ہے

- ـ لوگوں کا میل کچیل ـ قلب کو مریض بنانے والا ـ قلب کو مردہ بنانے والا ـ مار نے والا اور بیمار کرنے والا

کھانا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور مریض کا کھانا دل کو بیمار کر دیتا ہے اور نوادر ہشام میں آیا ہے کہ مکروہ ہے قبول کرنا اس کھانیکا جس کو روح میت کے واسطے کیا ہووے انتہیٰ کلامہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیث جو ترغیب خیرات میں میت کی طرف سے آئی ہے اور باجماع امت وہ مقبول ہیں ان کا کیا جواب دوگے اور اس حدیث کی اسناد بھی معلوم نہیں نہ صحابی کا نام کہ کس صحابیؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور نہ مابعد صحابیؓ کے اور راویوں کا حال معلوم کہ پھر صحابیؓ سے کن راویوں نے اس کو روایت کیا اور نہ کتاب حدیث کا نام مرقوم کہ صحاح ستہ میں یا کسی اور کتاب حدیث میں یہ حدیث موجود ہے اور قطع نظر ان امور مرحبہ اس ملک کی ہرگز صحیح نہیں اس لئے کہ اس حدیث میں لفظ چہلم و بستم و چہلم کے کہاں ہیں اس میں تو مطلق لفظ ہے کہ طعام المیت یعنی کھانا میت کا بلا قید تاریخ مار دیتا ہے دل کو ہم کہتے ہیں جب اس کھانے نے دل کو مردہ کر دیا تو اس کو کون کھاوے گا وہ منع ٹھیرا اور جب وہ منع ٹھیرا تو وہ جو حکم صدقہ کا میت کی طرف سے تمام حدیثوں اور فقہ کی کتابوں میں ہے اور خود مانعین بھی یہ لکھتے ہیں کہ اگر بلا تعین کرے گا تو

بس اس کو رد کرنے لگا حالاں کہ یہ حرکت ہرگز حلال نہیں کہ اگر کسی جاہل کے فہم میں کوئی حدیث نہ آوے تو خود بخود اس کو معارض سمجھ کر رد کرنے لگے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون پس ظاہر ہوگیا کہ مؤلف کا یہ تعقب و اعتراض کہ اس حدیث سے تسلط صدقہ کی ممانعت ثابت ہوئی تو کون آدمی پیدا کئے جاویں گے کہ ان کا دل ملا دیا جاوے گا محض کم فہمی ہے کہ مغز کلام کو نہ سمجھ کر ایسی شوخ چشمی حدیث سے کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو لیا کہ حدیث نوادر الفتاویٰ کی ہے اور مؤلف خود کہہ چکا کہ حدیث ضعیف پر بھی عمل کرنا جائز ہے مگر یہاں آکر یہ گستاخ کلامی شروع ہوئی اور معنی روایت نوادر ہشام کے یہ ہیں کہ جو طعام مردہ کے واسطے رسماً کیا جاوے اس کی اجابت کرنا مکروہ ہے کیوں کہ وہ طعام مکروہ ہے کہ روایت جریر میں اس کو نیاحت کہا ہے پس حاصل استدلال یہ تھا کہ طعام سوم و چہلم وغیرہ سب رسمی ہوتے ہیں صدقہ مراد نہیں ہوتا لہٰذا اس کی اجابت مکروہ ہے اور مانعین بدعت ان رسوم کو اسی واسطے منع کرتے ہیں کہ صدقہ مقصود نہیں ہوتا مگر مؤلف نہ مراد کو سمجھے نہ فہم روایت سے کام اپنی زٹل مارے جاتا ہے اور اربعین کی عبارت میں جو تصرف مؤلف نے کیا وہ اب لکھا جاوے گا الغرض صدقہ کا عنالاد وساخ کا ہونا ثابت ہوا اور فقرار کو اس کا کھانا حلال ہا مگر علمار کو اس سے احتراز اولیٰ ہے خصوصاً جو صدقہ مریض اور میت کے واسطے ہو کیوں کہ اس میں تکدر ہوتا ہے اور تکدر کوئی وجہ کراہت و حرمت کی نہیں شرعاً جیسا شکم سیر کھانا زیادہ سونا زیادہ کلام کرنا موجب تکدر قلب کا ہے مگر حرام نہیں ایسا ہی یہ طعام صدقہ ہے پس علمار کو حرام نہیں مگر احتراز اولیٰ ہے یہ مفہوم حدیث کا ہوا اب سنو کہ طعام میت وہ ہے کہ میت کے واسطے پکایا جاوے اگر بطور رسم کے ہے تو لاریب مکروہ ہے اور اگر صدقہ کی نیت سے ہے اور تعین وقت اس میں کیا گیا تو بوجہ اس کراہت کے اس میں کراہت ہووے گی اور اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو اس صدقہ میں کراہت تو نہیں مگر صدقہ کے وسخ کا اثر تاہم ہوتا ہے پس یہ صدقہ کی نسبت یہ مضمون ہے جو حدیث نوادر میں وارد ہے اسی واسطے مشایخ صوفیار اس قسم کے صدقات کو نہیں تناول فرماتے اگرچہ محل وزکوٰۃ صدقہ کے ہوتے ہیں اس کے بعد سنو کہ مؤلف نے

عجب کاریگری کی ہے کہ اصل عبارت اربعین کی یہ تھی۔ در نوادر الفتاوی آوردہ کہ اجابت کردن طعامیکہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ہست سہ روزہ و ہفتہ و ماہیانہ و سالیانہ و آں طعام مر علمار و فضلار را مکروہ ہست قال علیہ السلام طعام المیت یمیت القلب و طعام المریض یمرض القلب رود نوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ ہست اجابت کردن طعامیکہ بجہت روح مردہ کردہ باشد انتہیٰ۔ اب غور کرو کہ یہاں تک نوادر الفتاویٰ

ہے پس اس صدقہ اور طعام کے واسطے کون آدمی پیدا کئے جاویں گے جن کو وہ کھانا میت کا کھلا کر دل ان کا رد یا جاوے چھٹی دلیل منع کی یہ کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے ،، در نوادر الفتاوی آوردہ کہ اجابت کردن طعامیکہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ہست سہ روزہ و ہفتہ و ماہیانہ و سالیانہ و آں طعام علماء و فضلاء را مکروہ است انتہی۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ برسی اور تیجہ اور چہلم وغیرہ کا کھانا مکروہ علماء و فضلاء کے واسطے ہے اوروں کو مکروہ نہیں اگر سب کو مکروہ ہوتا تو عالموں کا نام لینا کیا ضرور تھا خیر اگر یہ لوگ اسی قدر لکھدیویں کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ علماء و فضلاء کو خود اس کھانے میں کم جاتے ہیں اکثر اور آدمی کھاتے ہیں اگر اوروں کو جائز ہوا یہ بھی غنیمت ہے اور صحیح بھی ہے اس مسئلہ میں بڑی شہرت مولوی اسمعیل صاحب کی ہے کہ وہ رئیس المانعین ہیں ان تعینات کو مکروہ و حرام کہتے ہیں صورت اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک محض باعث ممانعت کا یہ ہے کہ ان کو اپنے ہمعصروں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ خالصًا لِلّٰہ نہیں کرتے بلکہ لوگوں کے دکھانے کو کرتے ہیں اور جبرًا کرتے ہیں چنانچہ صراط مستقیم مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۲۷ میں لکھتے ہیں ، دو در تقسیم طعام سیوم و چہلم بسبب خوف مطعون شدن وسعت و کشادگی می کنند انتہی ، اور صفحہ ۳۷ میں ہے ، اونہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر و افضل غرض آں ست کہ مقید برسم نباشد بے تعین تاریخ در ور جنس و قسم طعام ہر وقت و ہر قدر کہ موجب اجر جزیل بود بعمل آرد و ہر گاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف باطعام نگذارد اگر میسر باشد بہتر است والا صرف ثواب فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب است و در تعین تاریخ در ورد و قسم و وضع طعام ضیق پیش می آید انسان ناخوا نخواہ انچہ کردن دشوار می

کی روایت تھی مؤلف نے حدیث کا اور نوادر ہشام کی عبارت کو کہ آخر اس روایت نوادر کا تھا جدا کر کے ایک مستقل دلیل پنجم بنایا اور نوادر کی اس عبارت کو دلیل ششم ٹھیرایا یہ محض خطا فہم کی ہے ورنہ یہ سب نوادر الفتاوی کی عبارت تھی سو خیر جو اُس نے کیا اپنی کم فہمی سے کیا کسی کو ضرر نہیں پس اس نقص اور کم فہمی مؤلف کا جواب تو ہو لیا اب دلیل ششم میں باقی سنو،

چھٹی دلیل، نیز عبارت نوادر الفتاوی اور اس عبارت ... کا مطلب

قولہ دلیل ششم منع کی یہ کہ مسائل اربعین الخ اقول اس طعام کی شرح تو پہلی دلیل میں گذرلی ، اور نوادر الفتاوی کا مطلب اب سنو وہ کہتا ہے کہ جس طعام میت میں محض رسم اور تعین ہو اور طعام میت میں کہ ایصال ثواب صدقہ اور تعین ہو ان دونوں طعام کی اجابت کرنا مکروہ ہے چنانچہ فخر کے طعام کی اور طعام فساق کی اجابت مکروہ لکھی ہے سو اس میں بھی کراہت تعین کے سبب اجابت مکروہ ہے سب کو پھر کہا ، و آں طعام مر علماء و فضلاء را مکروہ ہست ، یعنی اگر سب کو مکروہ اس کی اجابت ہے مگر علماء و فضلاء کو خصوصًا مکروہ ہے کیوں کہ حدیث میں جب طعام میت و مریض کو ممیت و مرض قلب فرمایا ہے تو علماء کو خصوصًا ایسے اطعمہ سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ علم و فضل کی شان کیخلاف ہے کہ او ساخ کو استعمال کریں مگر صاحب فہم مراد سے بعید یہ سمجھے گئے کہ خاص علماء کو مکروہ ہے اوروں کو درست ہے اور یہ خطا فاحش محض غفلت الفاظ سے ہے دیکھو کہ عوام کو تو کہا کہ اجابت کردن ایں طعام مکروہ کہ اعانت فعل مکروہ کی اور شرکت فعل مکروہ کی ہے اور علماء کو کہا کہ یہ طعام مکروہ ہے یعنی اگر اس قسم کا کھانا ہدیہ بھی کوئی دیوے تو نہ لیویں کہ اس طعام سے تکدر ہوتا ہے صدقہ نا فلہ میں تکدر ہے مگر خاص میت اور مریض کے صدقہ میں زیادہ تدنس ہے اور تعین کی کراہت ہے تو عوام کی اجابت مکروہ ہوئی معہذا اگر وہ طعام صدقہ ہے تو کھانا درست ہے اور علماء کو خود صدقہ بھی اولی نہ تھا اب جو یہ معصیت اس کے ساتھ ہوئی تو اجابت تو مکروہ ہی ہے اس طعام

بود سرانجام آں ضروری افتد الٰی آخرہ۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سیوم اور چہلم وغیرہ کا کھانا تعین ایام کے سبب منع نہیں جیسا کہ بعض علمار فی زمانا خیال کرتے ہیں بلکہ اس میں قباحت مولوی اسماعیل اور سید احمد صاحبؒ کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ ہووے یا نہ ہووے پابندی تواریخ ایام سے خواہمخواہ اس کو کرنا پڑتا ہے اس میں تنگی اور مصیبت پیش آتی ہے پھر اگر کسی کو یہی بات پیش آوے اس کے حق میں ہم بھی منع کریں گے اے بھائی تو اپنے مقدور کے موافق کر دے حوصلہ سے زیادہ نام آوری کے طور پر جس کا سنبھالنا تجھکو مشکل ہو اس طرح مت کر خالصاً للہ جس قدر تیرے پاس موجود ہے اسی قدر کر دے اور کچھ بھی نہیں تو خالی فاتحہ پڑھ دے سوال تعین ایام کی حاجت کیا ہے؟ جواب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں خود شوق تھا کسب خیرات و حسنات کا وہ اپنے ولولہ عشق دلی سے امور صالحہ کرتے تھے ان کو نہ کسی تاکید کی حاجت تھی نہ تعین کی نہ یاد دلانے کی جب وہ دور گذر چکا لوگوں کے دلوں میں بے رغبتی امور صالحہ کی

کا کھانا بھی نہیں چاہیئے یہ مراد ہے نو اور التقادی کی مگر مؤلف کے فہم نے وفا نہ کی اور عوام کو واجب جائز کہنے لگا سبحان اللہ اب پھر کہتا ہوں کہ سب علمار شاہ ولی اللہ سے لے کر بلکہ بزازیہ کے وقت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ بعد اموات کے جو طعام کرتے ہیں رسم کا کھانا ہے اور مکروہ ہو اور اب بھی دھم چہلم سب طعام رسم کے ہیں اور مکروہ ہیں اور اگر صدقہ خالص اور بلا تعین وقت کے ہو تو ہر گونہ درست مگر صدقہ کی وجہ سے علمار کو لائق نہیں اور جو کراہت تعین کی اس کے ساتھ ہو جاوے گی تو اگرچہ طعام صدقہ ہے اور ثواب پہنچے گا مگر اس فعل تعین کی وجہ سے مکروہ ہو گا اور اجابت بھی مکروہ ہو گی مگر افسوس کہ مولف نہیں سمجھتا اور یہی مولوی اسماعیل صاحبؒ فرماتے ہیں اور یہی واقعی امر ہے **قولہ** اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا **اقول** یہ ہر دو صاف ظاہر تھا مگر مؤلف کے فہم میں تکدر تھا اب بھی ذہن مؤلف کا صاف نہیں ہوا کہ یہ جانتا ہے کہ مانعین بدعت تعین یوم کے سبب طعام کو مکروہ کہتے ہیں نہیں بلکہ اس فعل تعین کو ہر حال مکروہ کہتے ہیں بسبب نصوص کے اور طعام اہل میت کو اگر ضیافت برادری ہے تو مکروہ کہتے ہیں اور جو صدقہ لوجہ اللہ تعالیٰ ہے اس کو جائز بتلاتے ہیں مؤلف نہیں سمجھتا حالاں کہ بار بار کھول کر کہا جاتا ہے اجابت طعام دیگر ہے اور خود شئے دیگر ہے در خانہ اگر کس است حرفے ہم بس است بس اب خاتمہ کلام کا مؤلف نے حق بات کہہ کر رد کر دیا مگر ہنوز فہم سے دور ہے کہ تعین کی خرابی اس کے دل سے نہیں نکلی حق تعالیٰ اس کو ہدایت کرے،

تعین ایام فاتحہ **قولہ** سوال تعین ایام کی کیا حاجت ہے الخ اب الخ **اقول** کلیات نصوص اور جزئیات و کلیات فقہ سے ثابت ہو لیا کہ یہ تعین اوقات کا بدعت ہے اور تغیر کرنا حکم شرع کا ہے اور مؤلف بھی اس کو قبول کر چکا ہے اور بعض ان رسوم مروجہ میں تشبہ کفار کا بھی ہوتا ہے اور یہ بھی مؤلف کے نزدیک مسلم ہے کہ تشبہ کفار کا ممنوع ہے تو ہر گاہ کہ شرع سے ضلالت اور مکروہ ہونا ان کا ثابت ہو لیا اب اس کے جواز و اباحت کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی اور ہرگز کسی عالم کو اجازت نہیں کہ اس کو جائز رکھے اور ہرگز کسی عالم نے ان تعینات کو جاری نہیں کیا بلکہ ہر روز ممانعت کرتے چلے آئے ہیں بزازیہ اور منہاج اور فتح القدیر اور دیگر کتب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعینات کو منع کرتے رہے چنانچہ روایات ان کتب کی اس رسالہ میں ہی مکتوب ہیں مگر مؤلف کو فہم نہ ہو تو کیا علاج کیا جاوے اور بوجہ بے رغبتی عوام کی خیر کے ہرگز بدعت کا اجرار یا اجازت مکروہات شرعیہ کی درست نہیں مؤلف اپنے بدعت کے جواز کے لئے علمار کو بدنام کرتا ہے اور مؤلف محض نابلد قواعد شرعیہ سے ہے ایجاد بدعت کا ہرگز رغبت دلانے امر مستحب کے لئے حلال نہیں خود فخر عالم علیہ السلام اس سے تحذیر فرما چکے ہیں بقولہ دایاکم و محدثات الامور اور دیگر بہت احادیث جو بدعت کی تقبیح اور امتناع میں وارد ہے اور یہ مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب فقط مستحسن اور

پیدا ہو گئی اس کے لئے علماء دین نے بنظر اصلاحِ دین فتویٰ اور احکام پیدا کئے، مثلاً قرآن شریف کی تعلیم پر اجرت لینا اصل حدیث سے منع تھا اس
وقت میں لوگوں کے دل راغب تھے اللہ کے واسطے تعلیم کرتے تھے جب وہ قرون صالحہ کا تمام ہو گیا لوگوں کے دل ویسے نہ رہے قرآن شریف کا
پڑھنا پڑھانا بند ہونے لگا تب علماء دین رحمہم اللہ نے حکم دیا جواز کا یعنی تعلیم قرآن پر دینا اجرت کا جائز ہے اور لینا بھی جائز. چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں
اور فتح القدیر باب الاجارۃ علی القرآن اور ہدایہ میں ہے لانہ ظہر التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ اور
اذان کے بعد تثویب یعنی الصلوٰۃ الصلوٰۃ وغیرہ پکار کر کچھ کہنا تاکہ نمازی آدمی آکر جلد جماعت میں شریک ہوں متأخرین علماء نے مستحسن قرار دیا چنانچہ

مندوب ہے. سنت مؤکدہ نہ واجب پس ترغیب مستحب کے واسطے احداث بدعت کس عاقل متدین کا کام ہو اور کون عالم ذی فہم اس کو جائز کہہ سکتا ہے ہاں
جاہل جو چاہے کہے خود فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کسی سنت کی ادا سے بدعت لازم آوے تو سنت بھی ترک کر دیوے شامی نے بحر الرائق سے نقل کیا ہے وانہ
اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجح علی فعل البدعۃ انتہی اور طریقہ محمدیہ میں ہے ثم اعلم ان فعل البدعۃ اشد ضررا من ترک السنۃ
بدلیل ان الفقہاء قالوا اذا تردد فی شیء بین کونہ سنۃ وبدعۃ فترکہ لازم واما تردد الواجب ھل ھو اشد من فعل البدعۃ او علی العکس ففیہ
اشباہ محیط صرح فمن تردد بین کونہ بدعۃ وواجبا انہ یفعلہ وفی الخلاصۃ مسئلۃ تدل علی خلاف الخ پس غور کرو کہ فقہاء تو اتفاقاً ادجزما
بدعت کے اندیشہ سے سنت مؤکدہ کو ترک کراتے ہیں اور واجب میں بھی بعض ترک واجب کو ترجیح بتلاتے ہیں اور مؤلف کی یہ جرارت کہ امر مندوب
کے واسطے علماء پر تہمت ایجاد و بدعت کی لگاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے نہیں شرماتا اور پھر دیکھو کہ فقہاء تو احیاناً وقوع بدعت میں یہ حکم ترک سنت
کا دیتے ہیں اور مؤلف مندوب کے احیاء کے واسطے بدعت کو طریقہ بناتا اور اجراء رسوم کو کرنا جائز کہتا ہے بنہایت جہل مرکب ہے اور غفلت
قواعد شرعیہ واحکام وضعیہ سے معاذ اللہ تعالیٰ اب دیکھو کہ جن مسائل سے مؤلف کو اپنے جہل کے سبب دھوکہ ہوا ہے وہ ہرگز بدعات
نہیں کہ اس پر قیاس کر سکے.

تحقیق مسئلہ اجرت تعلیم القرآن اور اس کو رسوم مروجہ کا مقیس علیہ نہیں بنا سکتے

قولہ قرآن شریف کی تعلیم الخ اقول قرآن اور علم دین کے معلمین کو بیت المال سے کفاف ملتا تھا آخر
وقت میں وہ بند ہو گیا اور عوام کو علم کی ایسی رغبت نہ تھی کہ معلم کے ہدیہ کی طرح خدمت گذاری
کریں تو اگر معلم بشر تعلیم کرے تو مایحتاج کے سے پریشان ہوتا ہے اور جو کسب معیشت میں مشغول ہو تو علم مفقود ہوتا ہے اس واسطے اجرت کی
کی اجازت دی سو یہ بے رغبتی عوام کی وجہ سے ہوئی نہ علماء کی طرف سے جیسا مؤلف سمجھا اور اس اجرت کی ضرورت ہوئی کہ کفاف فرض ہے سو اجرت
تعلیم پر لینا بوجہ عبادت کے ممنوع تھا اب اجرت کا لینا بھی بوجہ ادائے فرض معیشت کے ضروری ہو کر ممنوع نہ رہا تو اس میں اس امر کا کہ مکروہ لغیرہ
تھا جائز کر دینا ہے نہ احداث بدعت کا کہ کسی حال درست نہیں مؤلف کو کچھ بھی فہم ہوتا تو ایسے کلام بے معنی نہ کرتا اور پھر اجرت علی التعلیم مسئلہ
مجتہد فیہ ہے کہ شافعی اس کو جائز فرماتے ہیں کہ اس کی اصل شرع سے ان کے نزدیک ثابت ہے تو اس کی کراہت بھی مختلف فیہ ہوئی اور مختلف
فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلا ضرورت جائز ہوتا ہے پس کس قدر بے علمی ہے استغفر اللہ تعالیٰ

تحقیق مسئلہ تثویب اور مسئلہ تثویب کو رسوم سے کچھ مس نہیں

قولہ اور اذان کے بعد تثویب الخ اقول تثویب کو جو متأخرین نے مستحسن رکھا ہو تو اس کو بدعت حسنہ کہا ہے اور
معلوم ہو چکا کہ بدعت حسنہ ملحق بالسنۃ ہے اور فی الواقع وہ بدعت ہی نہیں پس اس کے احداث کے یہ معنی نہیں
کہ بعد قرون ثلثہ کے کسی نے ایجاد کیا بلکہ وہ مرحلہ اس قرون میں تھے اب اس کو رواج ہو گیا کیوں کہ بعد اذان کے قبل امامت حضرت بلال رضی

ملہ وظیفہ کے مزدیات.

کتاب ہدایہ میں ہے والمتأخرون استحسنوہ فی الصلوٰۃ کلہا لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ یہ مسئلہ تثویب کا فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے
اس قسم کی بہت نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا اور یہی معنی ہیں اس کے جو مجمع البحار اور شامی اور فتاویٰ عالمگیریہ
وغیرہ چند کتب معتبرہ مقبولہ میں بات مندرج ہے کہ کم من احکام یختلف باختلاف الزمان یعنی بہتیرے کام بدلجاتے ہیں زمانہ کے بدلجانے
سے ایک وقت وہ تھا کہ قرآن کے اندر زیر و زبر جائز مطلق وقف لازم وغیرہ لکھنا علماء جائز نہیں رکھتے تھے مکروہ کہتے تھے چنانچہ متعدد جن کی
کتابوں میں مندرج ہے اور ایک وقت وہ آیا کہ لوگوں کا ڈھنگ بگڑ گیا جہالت طاری ہوگئی تب علماء نے حکم دیا کہ قرآن شریف میں زیر و
زبر وغیرہ لکھنا واجب ہے چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں تصریح ہے کجا مکروہ کجا واجب ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا : اور اسی طرح
مساجد کی زینت اور بلند کرنا مکروہ ثابت ہوتا ہے لیکن علماء بباعث مصلحت کے مستحب فرماتے ہیں چنانچہ صاحب مجمع البحار نے لفظ زخرف

فخر عالم علیہ السلام کو اطلاع کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ نے روز جمعہ کے دوسری اذان قائم کی تھی سو تثویب فی الواقع سنت ہوئی مگر یہ اس وقت
تک سنت تھی کہ توانی کی رافع تھی اور جب اس سے اور کاہلی بڑھی . جیسے اس زمانہ میں کہ اذان کا کچھ اعتبار ہی نہیں یا تثویب پر طلب سمجھتے ہیں
اور بعد تثویب کے قصد صلوٰۃ کا ہوتا ہے تو پھر یہ بدعت ضلالہ ہوگئی بہرحال یہ نظیر مؤلف کی بھی لغو ہے کیوں کہ کلام ایجاد و اجراء اس بدعت میں ہے کہ
منصوص ہوا اور بدعت ضلالہ اور یہاں تثویب میں جو نظیر ہے تو اس امر کی ہے کہ اصل اس کی ثابت ہے اور سنت ہے سو اس نظیر کو یہاں لانا
خود دلیل کم فہمی کی ہے ۔۔

کم من احکام مختلف باختلاف الزمان کی تحقیق	**قولہ** کم من احکام یختلف الخ **اقول** جس حکم میں کراہت یا استحباب لغیرہ ہوتا ہے اس غیر کے

رفع سے حکم بدلجاتا ہے اس کو اصطلاح شرع میں انقطاع حکم بارتفاع العلت بولتے ہیں پس وہ امور در اصل مباح ہوتے ہیں عروض کسی حکم
سے وہ مکروہ یا غیر اس کے ہو جاتے ہیں اور بعد رفع اس عارض کے وہ حکم بدلجاتا ہے جیسا عورتوں کا مساجد اور عیدگاہ میں حاضر ہونا کہ قرن
فخر عالم علیہ السلام میں جائز تھا اور پھر اسی قرن صحابہ میں منکر ہوگیا بسبب فتنہ کے مگر بدعت کا احداث ہرگز جائز نہیں ہوتا کسی وجہ سے یہ بھی
لاعلمی مؤلف کی ہے قواعد دینیہ سے **قولہ** ایک وہ وقت تھا الخ **اقول** قرآن کی حفاظت والبقاء فرض تھی پس اس کے حفظ کی یہی سبیل تھی اس
واسطے ضرور ہوئی اس میں بھی کسی بدعت کا ایجاد نہیں بلکہ پہلے کراہت بسبب اس کے تھی کہ مصحف کو سب شئی غیر قرآن سے خالی رکھنا چاہیئے
بقول ابن مسعودؓ جردوا القرآن الخ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں کچھ اور شئی مخلوط ہو جاوے ہرگاہ کہ خدشہ رفع ہوگیا کہ حفظ و تسہیل تعلیم
بدون ان امور کے دشوار ہوا تو حکم کراہت کا بسبب ارتفاع علت کے رفع ہوگیا اور بسبب ضرورت کے واجب ہوگیا بہرحال ایجاد و بدعت
یہاں بھی ہرگز نہیں کاش مؤلف کو کچھ بھی علم ہوتا ،

تزئین مساجد اور بیان اس کا کہ ان مسائل پر رسوم مروجہ کو قیاس نہیں کر سکتے	**قولہ** اور اسی طرح مساجد کی زینت الخ **اقول** اس رائے پر زینت مساجد کی بوجہ ازالہ شین اسلام کے ہے اور رفع شین اسلام کا فرض ہے اس میں بھی کوئی ایجاد بدعت کا نہیں مگر ایصال ثواب

مستحب ہے اس کے رفع سے کوئی اسلام و دین میں نقصان نہ تھا اور تعیین مطلق کی اور تحدید اوقات غیر محدودہ کی تعدی حدود اللہ تعالیٰ
ہے اور بدعت ضلالہ ہے اقامت مندوب کے واسطے یہ ہرگز حلال نہیں کاش مؤلف کو کچھ بھی سمجھ ہوتی تو ایسے نااہل کلام نہ کرتا اور مؤلف
مولوی عبدالخالق پر کثرت بر رنج جو ایک سنت کی ہیئت سے طعن کرتا تھا اب بوجہ ضرورت وہی امور جائز ہوگئے مگر درست ہے کہ یہ مخالفت

لہ مستحب لہ علت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے حکم کا ختم ہونا سکے مشابہ

کی تحقیق میں لکھا ہے کہ جب لوگ اپنے اپنے گھر بہت عمدہ بنانے لگے اب مسجد کو بھی اینٹوں سے اونچے اونچے مکانات کے پاس بنا دیں گے اور بہتیرے گھر کا فروک بھی اس کے پاس بلند ہوتے ہیں تو البتہ مسجد نظروں میں حقیر ٹھیرے گی انتہی کلامہ، مجموع ان امثال و روایات سے معلوم ہوا کہ اگر زمان و مکان میں یا کسی ہیئت اور وضع میں بباعث کسی مصلحت کے کسی قسم کی تعینات واقع ہوں تو وہ جائز ہے شاہ ولی اللہ صاحبؒ رسالہ انتباہ کے شروع میں فرماتے ہیں ،، اگرچہ اوائل امت را با اواخر امت در بعض امور اختلاف صور ضرر نمی کند ارتباط سلسلہ بہمہ این امور سیم است در اختلاف صور را اثرے نیست انتہی کلامہ تلخیصًا۔ ان عبارتوں سے یہ فائدہ نہایت اہتمام سے محفوظ رکھنے کے قابل ہوا کہ اگر علماء متاخرین میں کسی قسم کا تعین مخالف وضع علماء متقدمین کے پیدا ہو تو یہ ضرور نہیں کہ اس کو رد کیا جاوے اس لئے کہ مصلحت زمانہ متقدمین میں وہ تھی جو انہوں نے حکم دیا اور متاخرین کے وقت میں بباعث تغیر اوضاع و طبائع امت کی دوسری طرح پر استحسان ظاہر ہوا در حقیقت یہ اختلاف نہیں کہ دونوں فرقہ متقدمہ و متاخرہ اصلاح دین پر متفق ہیں ان کے وقت میں اصلاح اسی میں تھی ان کے وقت میں اصلاح دوسری طرح چنانچہ یہی وجہ مولوی اسمٰعیل کے مرشد برحق سید احمد صاحب کو پیش آئی کہ صراط مستقیم میں انہوں نے ایک باب جدا واسطے تجدید اشغال کے مقرر کیا صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں ،، مصلحت وقت چناں تقاضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب این وقت تعین کردہ شود انتہی ، اور اسی کتاب کے آخر وقت میں مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں، بعد ازاں در تلقین تعلیم طریقہ چشتیہ بازوی ہمت کشادند و تجدید اشغالیکہ این کتاب مستطاب برآں محتوی گردیدہ فرمودند انتہی کلامہ، یہ عاجز مؤلف اس انوار ساطعہ کا کوئی بات اپنی طبیعت سے نہیں کہتا کہ ثانی الحال الزام دیا جاوے بلکہ جو کچھ خلاصہ کلام ہے وہ عطر چھانا ہوا انہیں حضرات مانعین کی مسلم الثبوت کتابوں سے ہے جب یہ مسئلہ محقق ہوگیا تو سمجھنا چاہیئے کہ صحابہ سابقین بالخیرات تھے ان کے لئے

بسبب تبدل وقت کے سرزد ہوئی ہے وہاں مؤلف کو اعتراض کی ضرورت تھی یہاں جواز کی حاجت ہوگئی یہ سبب تناقضہ اقوال کا ہوا کہ مؤلف کو شرم نہ ہو۔

مطلب عبارت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دربارہ جدید اشغال بیان اس امر کا کہ تجدید اشغال مقیس علیہ رسوم مروجہ کا نہیں بن سکتے | قولہ رسالہ انتباہ کے شروع میں الخ اقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ طرز اشغال گو متقدمین سے لے کر آج تک بدلتے چلے آتے ہیں اور نسبت کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے مگر اصل مطلق واحد ہے لہٰذا تسلسل میں فرق نہیں آیا پس وہ سب طرز اشغال اور کیفیت مسنونہ طریقہ تھا اس میں کوئی تعین و تجدید بدعت نہ تھی سو اس سے حجت لانا نہایت بعید ہے فہم مطلب شاہ صاحبؒ سے معاذ اللہ وہ تعیین کہ بدعت ہو ہرگز مراد نہیں اور نہ کسی اہل دین سے اس کی اجازت ممکن ہے مگر مؤلف کے فہم کا نقصان ہے پس یہ قاعدہ خوب محفوظ رہے کہ اگر کوئی تجدید و تعیین وضع سنت ہی میں واقع ہووے جائز ہے اور جو تجدید حادث ہو جاوے گی جس کو شرع میں بدعت کہتے ہیں وہ ہرگز درست نہ ہووے گی ، اگرچہ کوئی کرے صراط مستقیم کے اشغال کی تجدید بھی اسی قسم سنت کی تھی کہ پہلے اشغال بھی مسنونہ تھے اور اب بھی بطرز مسنونہ ہی ہیں پس مؤلف انوار ساطعہ کا ہر چند اقوال پہلوں کے نقل کرتا ہے مگر بالکل بے معنی و بے محل بلا فہم لکھتا ہے کہ ہرگز مطلب نہیں سمجھتا محض ناواقف ہے اور اس کی یہ سب کلام لایعنی لغو ہے اور اپنے جہل مرکب کا عطر نکال کر خلق کو فتن ضلالت میں ڈالتا ہے حق تعالیٰ اس کو فہم دیوے تاکہ صورت ہدایت کی دیکھے قولہ جب یہ مسئلہ محقق ہوگیا الخ اقول اب یہاں سے مؤلف نے اپنی عقل خام کی تقریر ناتمام شروع کی ہے اس کے فقرہ فقرہ کے ابطال میں عبث دردسری اور وقت ضائع کرنا ہے

ٹ بکواس سے مصروفیت سے دوسری سمت کوتاہی۔

تعیین زمان ایصال ثواب وغیرہ کے لئے کچھ حاجت نہ تھی بلکہ وہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر خیرات اپنے اقربا کی کیا کرتے تھے چنانچہ قصہ سعدؓ کا گذرا اب اگر کسی کو ثواب کا راستہ بتاتے ہیں تو وہ منہ دوسری طرف پھیر لیتا ہے غرضکہ لوگوں میں سستی واقع ہوئی تب فرق پڑنے لگا خیرات میں اور موتیٰ کا حال یکھا تو وہی جو حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا آدمی سہارا تکتا رہے کوئی میرا ہاتھ پکڑلے کوئی رسی کوئی لکڑی کوئی چیز آ جاوے کہ اس کو پکڑ کے بچ جاؤں اسی طرح میت اُسرا کرتا ہے اپنے زندہ اقربا کا اور اقربا کا یہ حال ہوگیا کہ ان کے حق فراموش کرنے لگے تب کھڑے ہو گئے بزرگان دین تعیین ایام پر اور معین کیا اس کو متفرق وقتوں پر مثلاً دسواں بیسواں وغیرہ معین کردیا تاکہ وارثوں کو بھی بتدریج انتظام سہل ہو اور موتیٰ کو یہ فائدہ ہو کہ مدد کا سلسلہ منقطع نہ ہو کچھ آج فائدہ پہنچا کچھ پھر اس کے بعد کچھ پھر اس کے بعد اور یہ بڑا فائدہ ہے کہ تعیین کے سبب یاد رہتا ہے آدمیوں کو اور خیال دل پر چڑھا رہتا ہے چنانچہ جو لوگ مصلحت تعیین کے پابند ہیں ان کے گھر سے کچھ نہ کچھ خیر ہو جاتی ہے اور طرف ثانی جو بعضے وقت ان لوگوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اس تعیین کے ساتھ کام کرنے سے نہ کرنا اچھا اس میں ان کو نمود منظور ہوتی ہے سو یہ کہنا ان کا صحیح نہیں اس لئے کہ ہر کوئی نمود داری کے واسطے نہیں کرتا اور اگر کوئی نمود کے واسطے کرتا ہوگا تو اس کو بھی ہم منع نہ کریں گے اگر اس کے حق میں نمود ہے تو کسی غریب کا ایک وقت پیٹ بھرے گا یہ تو کام اچھا ہے ہماری غرض یہ نہیں کہ لوگ ریا اور نمود کے واسطے کیا کریں حاشا و کلا عمل وہی بہتر ہوتا ہے جو اخلاص سے ہوتا ہے لیکن یہ اس لئے کہا کہ اگر کسی ایک نے نمود کے طور پر عمل کیا اس کے سبب سے منکرین سند پکڑ کے سب کو منع کرنے لگیں ان کے جواب میں بطریق و اسلمنا کہا جاتا ہے کہ یہ بھی کچھ نہ کچھ خیر سے خالی نہیں حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ تنبیہ میں فرماتے ہیں لا یلزمک العمل لاجل الریاء ویقال فی المثل ان الدنیا خربت منذ مات المراؤن لانہم کانوا یعملون الاعمال الوثیقۃ الرباطات والقناطیر والمساجد فکان للناس فیہا منفعۃ وان کانت للریاء کما ینفعہم احد من المسلمین یعنی عمل خیر کو ریا کے سبب چھوڑنا چاہیئے کہتے ہیں جب سے نمود داری کے کام کرنے والے مرگئے ہیں دنیا اجڑ گئی اس لئے کہ وہ بھلے کام کرتے تھے سرائے پل مسجد بنواتے تھے لوگوں کا اس میں بھلا تھا اگرچہ کام ریا کا اس کرنے والے کو نفع نہیں دیتا لیکن کبھی کوئی مسلمان اس ریا کی چیز سے نفع پاکر دعا دیتا ہے تو اس کو اسی دعا سے نفع ہو جاتا ہے انتہی غرضکہ فعل خیر کا نتیجہ خیر ہو جاتا ہے اب حاصل بیان پر آویں کہ جب بباعث بے رغبتی اور سستی آدمیوں آدمیوں کے تعیین کی حاجت ہوئی تو ایک کھانا اور فاتحہ سالیانہ کا یعنی برسویں دن ٹھیرایا اور ایک نصف اس کا یعنی ششماہی پھر اس کا نصف یعنی سہ ماہی پھر اس کا نصف یعنی پینتالیس دن لیکن چونکہ اکثر امور میں عدد چلہ کا اعتبار کیا گیا ہے اس لئے پینتالیس میں سے پانچ کم کر کے چالیسواں دن کر دیا گیا اور عدد چہل کی شمار جو شرع میں وارد ہے اس کے چند مقامات ذکر کئے جاتے ہیں اول جب خمیر حضرت آدمؑ کا ہوا چالیس برس تک وہ خمیر اسی حالت میں پڑا رہا پھر اس کا سڑنا شروع ہوا تو چالیس برس تک وہ سڑا کیا جس طرح گارہ لیپنے مکانات کا

کیوں کہ اثبات مدعیٰ شرعی کا دلیل شرعی ہونا ہے نہ ہر کلام لاشی سے سو جو روایات و عبارات مؤلف نے اپنے اس رسالہ میں معتبرین سے نقل کیں ہیں اپنے زعم میں اپنا معین مدعیٰ جان کر تو اس کا رد ہو چکا۔

رسوم مروجہ میں مؤلف کے قیاسات لایعنی سب مطرود و مردود ہیں اور عبارات سلف سے بالکل اس کا جواز ثابت نہیں

اور یہ کلام بے سروپا نتیجہ فکر مؤلف کا ہے مسائل شرعیہ ایسے کلمات فضول سے ثابت نہیں ہوتے اس کا جواب بالفعل فضول ہے یہ امر محقق ہے کہ نص و فقہاء کے مقابلہ میں ایسی عقلیات زٹل قابل التفات نہیں اور بدعت کا ایجاد ایسے متوہمات ہزلیات سے درست نہیں فقیہ ابو اللیثؒ کا مدعا اس عبارت

سڑایا جاتا ہے پھر خشک ہونا شروع ہوا تو چالیس برس میں خشک ہوا جس طرح وہ ٹھیکرا مٹی کا بجانے سے ٹن ٹن بجتا ہے بجنے لگا اسی طرح آدمی کی پیدائش میں بھی چالیس دن وہ نطفہ رہتا ہے اور پھر چالیس دن خون بستہ اور پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے بوٹیاں بنجاتی ہیں غرضیکہ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس دن میں حال بدلجاتا ہے اسی غرض سے صوفیہ کرام نے عدد چلہ اپنی ریاضتوں میں مقرر کیا کہ اتنے دنوں کی ریاضت میں حالت نفس کی بدلجاوے گی اور حدیث میں آیا جو چالیس دن اخلاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھے گا اس کے دل میں سے چشمے حکمت کے پھوٹ کر زبان سے جاری ہوں گے یہ حدیث تفسیر عزیزی میں ہے اور نقل کیا امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کہ جو کوئی چالیس دن تکبیر اولیٰ امام کے ساتھ پاوے گا اللہ تعالیٰ اس کو دو باتوں سے بری کردے گا ایک نفاق سے دوسرے عذاب نار سے اور حضرت موسیٰؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ چالیس رات اعتکاف کرو اس وقت ہم تم کو شریعت یعنی توریت عنایت کریں گے یعنی اتنے دنوں میں حالات نفس و قلب وغیرہ بدلجاویں گے۔ قال تعالیٰ واذ وٰعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ اور بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے بابت ارواح انبیاء علیہم السلام کے یہ روایت کی ہے ان الانبیاء لا یترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنہم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور۔ معنی اس حدیث کے زرقانی نے یہ لکھے ہیں کہ چالیس روز تک اس جسد مدفون فی القبر سے روح بہت پیوستہ رہتی ہے بعد ازاں وہ روح قرب الٰہی میں عبادت کرتی رہتی ہے اور متشکل بشکل جسد ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے انتہٰی۔ اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ چالیس دن تک ہر کسی کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے یہ حدیث شاید کہیں آئی ہو گی ارواح انبیاء کی بہ نسبت تو وہ حدیث بیہقی کی دیکھی عام ارواح کی نسبت نظر سے نہیں گذری لیکن ہم لوگ بہ نسبت علماء سابقین کے کم مایہ اور سامان کتب علم کا قلیل ہماری نظر سے نہ گذرنا دلیل اس کی نہیں کہ درحقیقت یہ حدیث آئی نہیں البتہ ہم نے دقائق الاخبار میں جو امام غزالیؒ کی طرف منسوب ہے یہ حدیث تو دیکھی ہے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا مات المؤمن یدور روحہ حول دارہ شھرا یعنی جب مرجاتا ہے مومن پھرتی ہے روح اس کی گھر کے گرد ایک مہینے وینظر الی ماخلفہ من مالہ کیف یقسم مالہ وکیف یودی دینہ یعنی دیکھتی ہے وہ روح کس طرح تقسیم ہوتا ہے مال اس کا کس طرح ادا کیا جاتا ہے قرض اس کا فاذا تم شھرا ینظر الی جسدہ ویدور حول قبرہ سنۃ فینظر من یدعو لہ ومن یحزن علیہ جب مہینہ پورا ہوتا ہے دیکھتی ہے اپنے بدن کو اور پھرتی ہے گرد قبر کے ایک برس تک دیکھتی ہے کون میرے لئے دعا کرتا ہے کس کو میرا غم ہے فاذا تمت سنۃ رفعت روحہ الی حیث یجتمع فیہ الارواح الیٰ یوم ینفخ فی الصور یعنی جب پورا برس ہو جاتا ہے اٹھائی جاتی ہے روح جس جگہ دوسری روحیں جمع ہوں وہ وہاں رہتی ہے قیامت تک انتہٰی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ روحیں انبیاء اور مومنین کی کسی جگہ رہیں لیکن قبر سے سب کو ایسا علاقہ رہتا ہے گویا وہ اسی قبر کے پاس موجود ہیں یہ اتفاق ہے اہل سنت والجماعت کا گفتگو مسلسل کہیں سے کہیں پہنچی کلام اس میں تھا کہ عدد چالیس کا اکثر مقامات میں آیا ہے

ہے کہ اگر کوئی عمل صالح کرتا تھا اور ابھی اس کو اندیشہ ریا کا ہو تو تاہم ترک نہ کرے کہ اگر کچھ ریا سے ہو جاوے گا تو وہ بھی خالی نفع سے نہ ہو گا مؤلف نہیں سمجھا اور یہ تجویز اپنے دل سے کر لیا کہ مراد یہ ہے کہ کسی لیلے بھی کر لیا کرے تو فائدہ سے خالی نہیں معاذ اللہ الرسولﷺ مشرع واردہے کی اجازت مؤلف ہی کا کام ہے مذ ابواللیث کا اور فرق ہے اس میں کہ خالصاً لوجہ اللہ شروع کرے اور ریاء کا اندیشہ و خطرہ ڈال کر شیطان ترک کرانا چاہے تو اس کو کئے جاوے نہ چھوڑے اور اس میں کہ ریاء ہی سے شروع کرے سو فقیہہ نے قسم اول کو کہا ہے کہ خدشہ ریاء کے خطرہ سے ترک نہ کرنا چاہیئے اور پھر نظیر دیدی کہ آخر مراؤسلک کے کام میں بھی خلق کو نفع ہوتا سو کفت کو فہم مراد سے کام ہوتا ہی نہیں اپنے فہم پر بناء رباندھ کر

ـــ ریا شرک ہے سے مثال۔

اور اس عدد میں یہ دلالت کل مقامات میں پائی گئی کہ پھر حال بدلجاتا ہے چنانچہ خمیر آدمؑ اور خمیر نطفہ انسانی اور خمیر نطفہ انسانی اور چلہ صوفیہ وغیرہ امثلۂ مذکورہ سے یہ بات ظاہر ہے پس لابد ہے کہ چالیس روز میں میت کی بھی ترکیب جسمی اور تعلق روحی میں جو دنیا کے ساتھ ہے کچھ فرق و تغیر ہوا ہوگا جیسا ارواح انبیاء میں صریح وارد ہوا ہے پس اس تغیر کے وقت بھی امداد شائستہ کا دستور ٹھیر گیا فاتحہ چہلم کو مقرر کیا گیا پھر وہی قاعدہ تنصیف کا جو سالیانہ سے ششماہی اور ششماہی سے سہ ماہی میں جاری کیا گیا چہلم میں کیا گیا یعنی چہلم کا نصف بیسواں اور بیسویں کا نصف دسواں غرضکہ اسی دستور پر قاعدہ فاتحات کا ٹھیر گیا۔ اور حاشیہ خزانۃ الروایات اور بعض رسائل میں اس عاجز کی نظر سے یہ روایت مجمع الروایات سے گذری ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر حمزہ کے لئے تیسرے دن اور دسویں چالیسویں روز اور چھٹے مہینے اور برسویں دن صدقہ دیا اگر یہ حدیث کسی قدر قابل اعتماد ہے تو یہ رسمیں گویا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو گئیں، یہ مجموع الروایات پرانی کتاب سیکڑوں برس کی ہے خزانۃ الروایات میں بھی اس مجموع الروایات سے بعضے مسائل اخذ کئے ہیں پس یہ جو قدیم الایام سے بزرگان دین میں تعیین فاتحات متفرق ایام میں ایک امر متوارث چلا آتا ہے بلاشبہ یا تو اس حدیث یا کسی اور حدیث سے انہوں نے استخراج کیا ہوگا یا بنا بر مصلحت یہ طریقہ خود مقرر کیا ہوگا بہرکیف اگر انہوں نے خود بھی مقرر کیا تو وہ بھی صحیح ہے حدیث شریف میں آگیا ہے من سنّ فی الاسلام سنۃً حسنۃً فلہ اجرھا۔ علامہ شامی شارح درمختار نے اس حدیث کے معنے لکھے ہیں یعنی جو کوئی دین میں نیا طریقہ نیک نکالے گا اس کو اجر اور ثواب ملے گا واضح ہو کہ امر دین میں جو طریقہ نیک ایجاد ہوا اور مخالف قرآن و حدیث کے نہ ہو درست ہے نماز کی نیت زبان سے کرنے کو جو ایجاد علماء ہے اور درمختار اور اس کے شارح شامی نے اس کو سنت العلماء قرار دی ہے اور جائز رکھی ہے اس کی بحث سابق میں گذر چکی اور معلوم ہو گیا ہے پس ہم کو لازم ہے کہ ہم سلف صالحین کے قواعد اور اعمال پر اعتراض نہ کریں بلکہ اس کا اتباع کریں یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ ہر دور والا اپنے پہلے دور کی اطاعت کرے چنانچہ قطب ربانی امام شعرانی کتاب المیزان میں لکھتے ہیں فکما ان الشارع بین لنا السنۃ ما اجمل فی القرآن فکذلک الائمۃ المجتہدون بینوا لنا ما اجمل فی احادیث الشریعۃ ولولا بیانہم لنا ذلک لبقیت الشریعۃ علی اجمالہا وھکذا القول فی اھل کل دور بالنسبۃ للدور الذی قبلہم الی یوم القیامۃ فان الاجمال لم یزل ساریا فی کلام علماء الامۃ الی یوم القیامۃ ولولا ذلک ما شرحت الکتب ولا عمل علی الشروح حواش انتہی اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی گفتگو بھی قریب اس کے ہے کہ شروع پارہ سیقول میں فرماتے ہیں پیغمبر برکمال شاگردی رہرو شما برکمال تابعین ہم چنیں الی یوم منا ہذا پس صدر اول امت مرتبہ متوسط دارند درمیان نبوت و امت محض کہ من وجہ کار پیغمبری می کنند و من وجہ کار امتاں وھکذا الی یوم القیمۃ فی کل طبقۃ متقدمہ بالنسبۃ الی الطبقۃ المتاخرۃ انتہی اب ہم مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کا ایک کلام جامع بظاہر مختصر اور فی الواقع اس میں یہ

خوش ہونے لگتا ہے اور تقریر مسلسل جان کر تحتر کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ اہل فہم کے نزدیک مضحکہ بنتا ہے بہرحال ایصال ثواب تا یکسال اور جب تک چاہے جائز اور یہ تعینات بدعت ہیں چنانچہ سب کچھ لکھا گیا اور اس تقریر مسلسل لاجواب ضرور نہیں کہ خود مشتمل ہے مع لہو سا دسہ بیضا کا کہ اس میں کوئی بات بیہودہ نہیں لکھی جو کچھ اشارہ جواز دہم چہلم وغیرہ کا کچھ کیا ہے وہ صراحۃً رد ہی ہو چکا زیادہ کچھ حاجت نہیں مگر ہاں اس تقریر مسلسل میں اتنا غور کر لینا ضرور ہے کہ جو کچھ مؤلف نے اس عبارت طویل میں لکھا ہے یہ ہے کہ عدد اربعین

---

۱ چالیس۔

تفصیلات مروجہ اہل اسلام داخل ہیں لکھتے ہیں اور یہ بزرگ اس فرقہ کے مسلم الثبوت علماء میں ہیں، تفسیر پارہ عم والقمر اذا اتسق کی تفسیر میں
لکھتے ہیں بطور خلاصہ ان کے الفاظ بعینہٖ نقل کرتا ہوں، اول حالتی کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ و الفت
تعلق بدن و دیگر معروفان انا بنای جنس خود باقی است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگان
بر دگان ودیں حالت زود تر می رسد مردگان منتظر الحوق مدد ازیں طرف می باشند صدقات و ادعیہ فاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید
و ازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یکسال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں لوع امداد کوشش تمام می نمایند انتہیٰ، جس کا دل چاہے
تفسیر عزیزی فارسی نکال کر دیکھے یہ مضمون مع بعض مضامین زائد اس میں پاوے گا ارباب انصاف جنبہ داری کو بر طرف کر کے خیال فرماویں
کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ان ایام مروجہ کی امداد و طعام وغیرہ کے لئے کیا علت صحیح شرعی پیدا کی کہ مردہ کا دل ان ایام میں کچھ ادھر ہوتا ہے
کچھ ادھر اور زندوں کی مدد ان ایام میں جلد پہنچتی ہے پھر اس علت صحیحہ پر مرتب کیا یہ حکم کہ اسی سبب سے یہ بات ہے کہ آدمی اپنی اموات کی ایک برس
تک اور خاص کر ایک چلہ تک مدد کرتے ہیں دیکھئے برس دن تک کی امداد میں یہ رسمیں سب مروجہ اہل اسلام یعنی سیوم و دہم و بستم و چہلم و ششماہی
سالینہ سب داخل ہیں پھر شاہ صاحبؒ اس رواج اسلامی کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق فرمائی یعنی اپنے مدعا پر اس امر مروجہ کو دلیل لائے پس
بطور لانا شاہ صاحبؒ کا اس امر معین مشہور رواجی کو اور نہ رد کرنا اس کو کسی وجہ سے دلیل صریح اس پر ہے کہ یہ فعل جو عام طور پر طوائف بنی آدم
میں رائج ہے حق اور صحیح ہے لمعہ سادسہ نصائح اور باب اموات نصیحت، جب کسی کا کوئی عزیز قریب مر جاوے تو چاہیئے کہ صبر کرے
اس کی موت پر تاکہ مستحق اجر و ثواب ہو طبرانی اور ابن مندہ نے ایک حدیث طویل بیان کی ہے جس میں یہ بھی بیان ہے کہ ملک الموت نے آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں آدمی کی روح قبض کرتا ہوں جب اس کے لواحق رونے لگتے ہیں میں دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہوں
اس روح کو لئے ہوئے اور کہتا ہوں کہ اے رونے والو قسم اللہ تعالیٰ کی ہم نے اس آدمی پر ظلم نہیں کیا ہے وقت سے پہلے جلدی نہیں کی
اور روح قبض کرنے میں کچھ ہماری خطا نہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہو ثواب پاؤ گے برا مانو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے اور ہم کو تمہاری
طرف پھر آنا ہے ہشیار رہو الیٰ آخرہ۔ نصیحت آدمی کو چاہیئے کہ اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھے ایک حدیث میں آیا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کے درجہ میں کوئی اور بھی ہو گا فرمایا ہاں جو کوئی موت کو بیس مرتبہ ہر روز یاد کیا کرے گا نصیحت آدمی کو
چاہیئے کہ موت کے لئے تیار رہے اور اپنا وصیت نامہ لکھ کر ساتھ رکھے جس کسی کا قرض ذمہ پر ہو اور جو کچھ نماز روزہ حج زکوٰۃ اس کے ذمہ ہو یا
قسم توڑنے کا کفارہ ذمہ پر ہو وہ سب اس کاغذ میں لکھ دے اس لئے کہ کیا خبر ہے موت اس کی کس وقت آ جاوے اور مرتے وقت زبان سے وصیت
کی نہ نکلا اس کاغذ کو دیکھ کر وارثان میت تعمیل کر دیں گے نصیحت جب کوئی آدمی مر جاوے اور کوئی شخص اس کا عزیز قریب اپنے مال
میں سے اس کیلئے فاتحہ کرے اس میں کسی فقیہ محدث کو کلام نہیں اور خاص میت کا طعام اگر اس مال میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط

تبدل حال میں ایک مناسبت ہے پس اس میں یہ دیکھنا ضرور ہے کہ ایصال ثواب بعد تبدل حال کے یا وقت تبدل حال کو مناسب
ہے۔ من جانب تعلق میت میں پس ہر عاقل کہے گا کہ جس وقت میت کو علاقہ اس طرف ہے اس وقت امداد صدقہ سے چاہیئے اور جب تبدیل
ہو چکی ہے تو چنداں مفید نہ ہووے گا گو فائدہ سے خالی نہیں علیٰ ہٰذا سال کے تعلق کا جواب ہے اور تخصیصات سال اور چہل یوم
محض بے کار ہیں ان کی کوئی دلیل عقلی بھی مؤلف کو نہ ملی اور جو کچھ مجموعہ روایت چہلم حضرت حمزہؓ میں نقل کی ہے وہ باطل لا اصل لہٗ ہے

جب کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا ہو اس لئے کہ ترکہ بعد مرنے مورث کے ملک وارثوں کا ہو جاتا ہے پس اگر وارث بالغ ہوں تو وہ مال ان کا ہو گیا اگر کوئی وارث ان میں غائب نہیں سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس نے اجازت دیدی تو اس امر میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لئے صرف کر دیں اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میت سب ان کی ملک ہو گیا اس کا صرف کر دینا میت کے ایصال ثواب میں جائز نہیں نہ کھانا نہ کپڑا نہ روپیہ نہ پیسہ فقط تجہیز و تکفین میں جو لگے وہی درست ہے اور بس اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں فتاویٰ عالمگیریہ کی جلد خامس میں ہے وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذ ذالک من الترکۃ۔ کذا فی التتارخانیۃ اور یہ حکم کچھ طعام فاتحہ کیواسطے ہی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے ترکہ کی چیز لباس یا طعام یا نقدہ مسجد میں دیجاوے نہ کسی مدرسہ میں دے کسی فقیر کو نہ عالم کو ہاں البتہ اگر موافق قاعدہ شریعت کے تقسیم واقع ہو جاوے اور صغیر وارث کو اس کا حصہ دیکر ورثہ بالغین اپنے حصہ سے خرچ کر دیویں یا عورت اپنے مہر کے دعوی میں وارث ہو کر اپنے حصہ مملوکہ سے صرف کر دیوے یہ جائز ہے خواہ مدارس و مساجد میں دیں خواہ فاتحہ کریں اور مساکین کو کھلا دیں یہ مسئلہ بہت ضروری اہتمام سے یاد رکھنے کا ہے **نصیحت** جب کوئی وارث اپنے مورث کی طرف سے کھانا کھلاوے نمود اور بڑائی ظاہر کرنے کے لئے نہ کرے حدیث شریف میں آیا ہے من سمع سمع اللہ بہ یعنی جو کوئی سنواوے لوگوں کو اپنی تعریف سخاوت اور داد دہش کی یعنی اپنی شہرت اور فخر چاہے اللہ تعالیٰ اس آدمی کو ذلیل کرے گا سب کے سامنے پس اس صورت میں مردہ کو ثواب پہنچانا تو کیا ممکن وہ شخص خود بھی الٹی مواخذہ الٰہی میں گرفتار ہوگا دینی مشغل ہو گیا اور کی محنت برباد گناہ لازم اور کھانے والوں کو بھی چاہیے کہ اگر یہ معلوم کریں کہ یہ کسی کے مقابلہ میں کھانا فخریہ کرتا ہے فلاں شخص نے کیا کھانا کیا تھا اس سے بڑھ کر کرتا ہوں تو ایسی دعوت نہ قبول کریں خواہ وہ کھانا غمی اور ماتم کا ہووے یا شادی اور خوشی کا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دو آدمی ایسے ہوں کہ ایک کی ضد میں دوسرا بڑائی حاصل کرنے کو کھانا زیادہ کرے اگر وہ دعوت کریں تو قبول نہ کیجائے ان کی دعوت اور نہ کھایا جاوے ان کا کھانا کذا فی المشکوٰۃ **نصیحت** یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ قرض دار آدمی کو صدقات کا کرنا خواہ اپنے لئے کرے خواہ میت کے لئے شرع میں مستحسن نہیں صاحب مجمع البحار لفظ ظہر کی تحقیق میں لکھتے ہیں خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی پھر دو سطر کے بعد لکھتے ہیں ولا صدقۃ کاملۃ عن ظہر غنی وهو من علیہ دین فالتصدق بہ غیر مقبول لان قضاء الدین واجب پس معلوم ہوا کہ یہ طریقہ اچھا نہیں علی الخصوص جب کہ قرض سود دیکر بہم پہنچا لے یہ نہایت قبیح شنیع ہے ایسا آدمی محض احمق اور سودی پڑھ کر بخشدیا کرے **نصیحت** اگر وارثان میت بشروط مذکورہ کھانا کھلا دیں تو مناسب یہ ہے

اور سلف کا اتباع اور عدم اعتراض جب ہی واجب ہے کہ حسب قواعد شرعیہ ہو اگر کسی سلف سے ایجاد بدعت کا ہوا ہو وہ ہر روز قابل رد کے ہے چنانچہ صلوٰۃ رغائب کا رد کرنا اور دیگر امور بدعیہ کا خود کتب میں درج ہے کہ علماء خلف نے زمانہ سلف کے ایجادات کو رد کیا ہے ملہ سلف تو بری ہیں ایسی حرکات سے عوام اس زمانہ کے ایجاد کرنے کے باعث فتنہ ہوئے ہیں سو علماء خلف کو ہر روز اس کو رد کرنا لازم رہا اور اب بھی یہی واجب ہے اور شاہ عبد العزیز صاحب کے کلام سے بھی سال بھر تک ایصال معلوم ہوتا ہے اس کا کوئی منکر نہیں تعیین ایام میں کلام ہے سو وہ بدعت ہے اور بس للہ تعالیٰ کہ باذنہ تعالیٰ انوار برہان ثالث نے کشف تدلیسات لوز ثالث کا کر کے انحاد اس کا کر دیا اور انظلام بث

ملہ فریب ملہ پھیلا دینا ملہ ختم کر دینا ملہ تاریکی۔

کہ غریب رشتہ داروں اور ہمسایوں اور اہل محلہ کو مقدم رکھیں فقہا رباب الزکوٰۃ میں لکھتے ہیں لاتقبل الصدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج
حتی یبدأ بھم فیسد حاجتھم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثل مشہورہ اول خویش بعدہ درویش اسی حدیث کا ترجمہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ
قصبات کے شرفاء میں جو رواج ہے کہ برادری کے آدمی بھی کھانا بہت کا فاتحہ چہلم وبستم وغیرہ میں کھاتے ہیں وہ بھی شاید اسی روایت پر مبنی ہوگا کہ
رشتہ دار اور ہمسایہ اور اہل محلہ مقدم ہیں دوسرے آدمیوں پر اور ظاہر ہے کہ قصبات کے شرفاء میں فراغت اور وسعت کم ہے اکثر لوگ غریب ہیں
وہ آدمی کہ زکوٰۃ ان پر واجب ہو یا یہ کہ اپنے مکان اور نفقہ اہل وعیال سے فارغ ہو کر بھی ان کے پاس کچھ مالیت نامیہ فاضل رہے ایسے آدمی
کم ہیں بہت ایسے ہیں کہ ان کے گھر کھانے کا بھی ٹوٹا ہے پس شریعت میں ایسے آدمی داخل فقراء ہیں بنا بر علیہ بزرگوں نے ان کو کھلانا بہ نسبت اور
لوگوں کے مقدم سمجھا کہ حق ہمسائگی اور محلہ داری اور قرابت بھی ادا ہو جائے گا اور ہر چیز اپنے موقعہ پر بھی صرف ہو جائے پس اگر یہی نیت
اب بھی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر اہل محلہ و رشتہ داروں کو اس نیت سے کھلا دیں کہ آج میں اس کو کھلا دوں تو کل یہ مجھ کو کھلاوے گا اس صورت
میں ثواب ندارد ہوگا اس لئے کہ ارادہ معاوضہ لینے کا ہے پھر ثواب کہاں ولکن منہا اخل ارد نا یرادہ فی ھذا الباب واللہ ھو الھادی الی الصدق
والصواب نور چہارم میں آٹھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ اثبات محفل مولود النبی صلے اللہ علیہ وسلم ....

مندرجہ اس کا یہ پروانہ ہو گیا قولہ نور چہارم میں آٹھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ اثبات محفل الخ اقول یہ نور اصل مقصود اس رسالہ کا ہے اور مراد خاص
و مطلوب اعلیٰ مؤلف کا یہی نور ہے پہلے دو نور اس کی ہی تمہید اور اسی کی ہی تحقیق کے واسطے تھے اور نور ثالث میں بھی اسی کا ہی اثبات مد نظر
مؤلف تھا پس مایۂ علم و عمل و سرمایہ تمام عمر و سعی غایت قصوی مؤلف کا یہی ہے چونکہ مؤلف نے اپنے نزدیک کوئی تحقیق نہیں کہ اس میں دلکھی اور کوئی امر
نہیں جو اس میں اس کا جواب نہ لکھا ہو اور فتوی جو ورقہ جو تھا اس کو تو مؤلف نے سب اس رسالہ میں نقل کر دیا ہے مگر دوسرا فتوی جس کو مؤلف
نے چوبیس صفحہ نام رکھا ہے اس میں درج نہیں کیا مگر اس کی عبارت پر جواب و اعتراض ہیں لہذا مناسب یہ جانا کہ اول ان فتاوی کو بھی
نقل کر دیا جائے تاکہ ناظر اس کو دیکھ کر اعتراض و جواب مؤلف کا خوب سمجھ لیوے اور پھر اس کی رد کی کیفیت سے مطلع ہوے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ سوال مجلس میلاد شریف بکدام طریق جائز است و بکدام صورت ناجائز بلا ردو کد بیان باید
جواب ذکر ولادت شریف پیغمبر ما صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروایت صحیحہ در اوقات یکہ از وظائف واجبہ خالی باشد بکیفیتیکہ خلاف طریقہ
صحابہؓ واہل قرون ثلثہ نباشد و بعقائدیکہ توہم شرک و بدعت را در آں گنجائش نباشد بآدابیکہ مخالف سیرۃ صحابہؓ کہ از مصداق ما انا علیہ
و اصحابی بیرون نہ روند و مجلسیکہ خالی باشد از منکرات شرعیہ باعث خیر موجب برکت است بشرطیکہ بصدق نیت و اخلاص باشد و در عقیدہ
جمیع اذکار حسنہ مندوبہ غیر مقید بوقت من الاوقات باشد پس کسی را از اہل اسلام نمی دانم کہ ایں چنیں ذکر را غیر مشروع یا بدعت پندارد واللہ
اعلم آرے بعض اوقات التزام بعض امر مستحب چناں کردہ می شود کہ عملاً بصورت واجب می نماید بالجملہ اگر اعتقاد فاعلش بوجوب آں
نیست و در حق او بدعت نخواہد شد لیکن ہرگاہ کہ ایں چنیں امر بوجہ اصرار و تکرار بار بار باعث تردد در اعتقاد عوام می گردد پس اکنوں ترک
آں مستحب است چہ جائیکہ اکثر عوام و بعض علماء علوم الدنیا کہ از حقیقت سنت و بدعت خطے وافر ندارند آں مستحب را مثل واجب در عمل
آرند بلکہ تارکش را بہ اعتقاد خود بدتر از آں شمارند کہ تارک جماعت صلوٰۃ باشد و پس و پیش طعن و مذمت شرعی دانند دریں وقت لازم است
کہ ایں مستحب را ترک کنند بجائے آں دیگر وظیفہ مستحبہ و عمل از اعمال شرعیہ مندوبہ مثل صلوٰۃ و سلام بر نبی علیہ السلام و تسبیح و تقدیس

وتہلیل وغیرہ از نوافل صلوٰۃ وصوم واذکار در خلوت مشغول شدند چنانچہ در حدیث صحیحین وغیرہ از عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ از
اجلۂ صحابہ وملازم صحبت وخدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در حضر وسفر وپیشوائے فقراء صحابہ کبار اند ودر مذہب حنفیا استدلال
بقول وفعل او شاں اکثر است مرویست لایجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلوٰتہ یری ان حقا علیہ ان لاینصرف الا عن یمینہ
لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ متفق علیہ اورد فی المشکوٰۃ فی باب الدعاء فی التشہد قال
صاحب المجمع فی صفحہ ۲۲ واستنبط منہ ان المندوب ینقلب مکروہا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ قال الطیبی شارح
المشکوٰۃ فی شرح الحدیث المذکور فیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان
من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ ومنکر انتہی یعنی فعل مستحب را واجب دانستن بدعت سیئہ است واگر از بجا آوردن مستحب در عقیدۂ
عوام وجوب متصور گردد ترک آں مستحب است ملاہمہ در صورتیکہ کدام تقید غیر مشروعہ یعنی تقیدیکہ از طرف شارع مقید باں نباشد
زائد کردہ نشود واگر زائد کردہ شود یعنی مطلق را مقید کردہ آید یا مقید را مطلق کنند باچیزیکہ بالای حدیکہ در شرع ثابت نگشتہ افزود
نمایند گو زیادہ فی نفسہ مستحب باشد یا مباح ایں ہم از بدعات است چنانچہ در مشکوٰۃ فی باب العطاس اورد عن نافع ان رجلا عطس الی
جنب ابن عمر فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ قال ابن عمر وانا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ہکذا علمنا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال رواہ الترمذی لیس گو در سلام علی رسول اللہ منجملہ مستحبات مقصودہ اعمال
فاضلہ ہست لیکن چونکہ با وظیفہ عطس زائد کرد عبداللہ بن عمر بر آں انکار کرد پس انعقاد مجلس میلاد بایں ہیئت کذائیہ متعارفہ یعنی حاضر
آوردن شیرینی وارتکاب تکلفات از فرش وبساط چراغ وقنادیل وغیرہ آلات روشنی زائد علی الحاجت واجتماع صغار وکبار بلکہ زنان
امارد وخواندن اشعار بسرود وتغنی در روایتہای بے اصل موضوعہ ومبالغہ در تحریر خواندن صلوٰۃ وتسلیم وتداعی ہر کس وناکس بلیا سہائے
غیر مشروعہ دریشبہائے مخلوقہ وباایں ہمہ منکرات آں را مجلس رسول نام نہادن بلکہ محفل نزول روح پر فتوح حضرت علیہ السلام پنداشتن
مشابہت حرکات ناشائستہ بعضے فسقہ کہ تمثال روضہ وقبہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساختن وآنرا مہبط ارواح امامین مرحومین
تصور کردن وزیارت تعزیہ را زیارت حضرت حسین قرار دادن ومثل مرثیہ خوانان جوالی وسلامی مقرر نمودن مستبعد از طریقہ سنت سنیہ
است وبکید شیطان مختر بودن اما ذکر خالص احوال برکت اشتمال آں حضرت علیہ السلام بطریق مشروع ودرود فرستادن بروح
پاک آں حضرت ودریافتن صفات وکمالات آں سرور کائنات موجب کثرت برکت ودفراوانی رحمت مثمر خیرات دارین ومنتج رفعت
درجات نشأتین است رزقنا اللہ تعالیٰ وجمیع المؤمنین ببرکت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ اجمعین آمین۔ وقیام عند ذکر
الولادت ثبوت آں بزمانہ صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ وائمہ مجتہدینؒ اصلا نہ شدہ ودر زمان حیوٰۃ آں سرور علیہ السلام صحابہ برائے
آں حضرت قیام نمی کردند بوجہ آں کہ حضرت را خوش نمی آمد چنانچہ ترمذی مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۱۲ وارد است عن انس قال لم یکن شخص
الیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراہیتہ لذلک وقال ہذا حدیث حسن غریب وبعد
آں حضرت وجود قیام وقت ولادت شریف در قرون ثلثہ ثابت نیست پس قیام کردن وقت ذکر ولادت شریف امر محدث است
اصل او در سیرت شامی آوردہ جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا ذکر وضعہ علیہ السلام ان یقوموا لہ تعظیما وہذا القیام بدعۃ
لا اصل لہا انتہی ونیز باید دانست کہ اہل کہ قیام می نمایند برائے تعظیم سید المرسلین نمی کنند بلکہ یکے از لوازمات وشعار مجلس معہودہ میدانند

صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھتے تھے تعظیم کے واسطے کھڑے نہیں ہوتے تھے اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس طریقہ کو پسند نہیں فرماتے تھے ۱۲

است چہ اگر برائے تعظیم آں حضرت می کردند موقوف بذکر ولادت نبودے بلکہ ہر گاہ کہ ذکر تشریف آوردن حضرت در مسجد یا در کدام مجلس
و یا کہ وقت قدوم شریف از سفر غزوہ و حج وغیرہ آمدے قیام می کردند چہ زمان نبوت افضل تر از زمان ولادت بود علاوہ ازیں قیام وقت
ذکر ولادت ہم مطلقاً معمول بہ نیست بلکہ مقید است بانکہ مجلسے باشد کہ آں را مجلس مولود نامند و لوازمات و ہیئت مجلس دراں مرعی
و ملحوظ باشند آں وقت قیام ضروری است و الا لا مثلاً واعظے بر منبر نشستہ در مجلس وعظ ذکر ولادت شریف بیان کند کسی را از سامعین
خیال قیام ہم بخاطر نخواہد گذشت چہ جائے قیام پس ہویدا است کہ قیام مذکور برائے تعظیم خیر الانام نیست بلکہ از شعار و لوازم مجلس است فقط
و اہتمام مجلس زائد تر از اہتمام نماز جماعت بلکہ نماز جماعت را بعض ایشاں صلوٰۃ را ہم گزارند لکن حضور مجلس مذکور را واجب تر از نماز
دانند لہٰذا از خواہشہائے نفسانیہ سر زدی شوند الا ماشاء اللہ تعالیٰ و حضور جہیان و سین و فساق تارک صوم و صلوٰۃ و تماشا گاہ از کثرت قنادیل
وغیرہ آلات روشنی و فروش نفیسہ و گلدستہ ہائے عجیبہ ساختن و تلاش خوانندہ خوش آواز گو امرد حسین باشد و حز لہا و اشعار بسرود نغمہ خواندن
ایں چنیں مجالس . . . . . . در زمان صحابہؓ و تابعینؒ و ائمہ مجتہدینؒ گاہے یافتہ نہ شدہ حاشا و کلا بلکہ ہر چنیں مجالس صادق می آید الذین
اتخذوا دینہم لعباً ولہواً وغرتہم الحیوٰۃ الدنیا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأٰت اعمالنا اللّٰہم اجعلنا من التوابین ومن المتطہرین
الذین لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون بحرمۃ النبی الحبیب الرؤف الا الجود بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر اللّٰہم ارنا الحق حقاً و الباطل
باطلاً آمین حررہ احمد علی سہارنپوری"

نقل فتویٰ جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی و تشریح عبارت شرح منیہ مؤید مانعین و تحقیق بحث مایۃ النزاع

استفتاء کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے دربارت عدم جواز قیام مجلس میلاد شریف کے کیا گیا اس کی نقل بعینہ مع سوال کے کیجاتی ہے سوال مجلس
مولود میں وقت ذکر پیدائش حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعظیماً کھڑے ہونے کا رواج اس وقت شایع ہو رہا ہے اس کھڑے ہونے کو واجب
سمجھنا درست ہے یا نہیں اگر واجب نہیں ہے تو واجب کا فتویٰ دینے والا گنہگار ہے یا نہیں اگر ہے تو کس درجہ کا ہے ؟

الجواب وقت ذکر میلاد کے کھڑا ہونا قرون ثلثہ میں کہیں ثابت نہیں ہوتا جناب فخر عالم علیہ السلام کی سیر اور حالات ان قرون میں
جو ق وعظ و تدریس مذاکرہ و تحدیث ہزار ہا بار ہوتا تھا مگر کسی روایت میں ثابت نہیں کہ بوقت ذکر ولادت کے کوئی کبھی کھڑا ہوا ہو ، یا
نہیں فخر عالم علیہ السلام نے اس کا استحباب یا ادب کچھ کسی طرح ارشاد فرمایا ہو یہ بات کہ خود جناب فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہاں سے
ان کھڑا ہوا خارج بحث ہے اور اس کا قیاس اس پر محض جہالت ہے کلام اس میں ہے کہ آپ کی ذکر ولادت پر جیسا معمول اس زمانہ
کا ہے کہیں ثابت ہووے سو یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا پس اولاً تو یہی حجت اس کی بدعت غیر اصل ہونے کو کافی ہے اور جب اس پر اس
قدر غلو ہے کہ عوام جہال اس کو واجب جاننے لگیں اور تارک پر ملامت کریں تو خواہ مخواہ منکر اور بدعت سیئہ ہو جاوے یہ ایک امر محدث
ہے کہ کسی امر ثابت جائز کو بھی عوام واجب سمجھنے لگیں وہ بھی ناجائز منکر ہو جاتا ہے عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یجعل
احدکم للشیطان شیئاً من صلوٰتہ یریٰ ان حقاً علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ
متفق علیہ قال علی القاری فی شرح المشکوٰۃ فی شرح ہذا الحدیث من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب
منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ ومنکر انتہی ۔ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے وما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ لان
الجہال یعتقدونہا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ انتہی پس اولاً تو یہی ثابت ہو گیا کہ اس قیام کا ثبوت ہی کہیں احادیث

یا آثار صحابہؓ سے قولاً و تقریراً و فعلاً ہرگز نہیں ہو سکتا تو یہ امر محدث ہے ثانیاً اگر فرضاً کچھ ہو بھی جاوے تو واجب سنت مستحب تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کیونکہ واجب وہ عمل ہے کہ نص قطعی الثبوت ظنی الدلالت سے ثابت ہو، یا ظنی الثبوت قطعی الدلالت سے ثابت ہووے اور یہاں قیام کے باب میں کوئی نص ہی نہیں قوی نہ ضعیف اور سنت اس حکم کو کہتے ہیں کہ مواظبہ علیہ السلام کی یا خلفاء راشدین کی اس پر ثابت ہووے اور قیام کے باب میں جب کچھ ثبوت ہی نہیں اور فعل اس کا ایک بار بھی نہیں تو سنت تو کیا مندوب و مستحب بھی نہیں ہو سکتا نہایت الامر اگر کوئی عرق ریزی کرے تو جواز و اباحت تک نوبت آوے گی مگر مباح کو سنت واجب جاننے سے پھر منکر و بدعت ہو جاوے گا جیسا کہ قول ابن مسعودؓ اور ملا علی قاریؒ اور روایت عالمگیریہ سے واضح ہو گیا بہرحال اس قیام کو واجب رکھنا حرام ہے اور کہنے والا فاسق مرتکب کبیرہ کا ہے کیونکہ جس فعل کو شارع منع فرماوے وہ اس کو واجب کہتا ہے تو محض مخالفت شریعت غرا کی ہوئی قال اللہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا الآیۃ الحاصل قیام وقت ذکر ولادت کی یا یہ وجہ ہے، کہ یہ لوگ کسی روایت موضوعہ کو سند جواز کرتے ہیں یا کسی قول یا فعل کسی بزرگ سے متمسک ہوئے ہیں سو معلوم ہو چکا کہ موضوعات اور اقوال و افعال بزرگان سے ندب و جواز ثابت نہیں ہوتا جب تک کوئی دلیل شرعی نہ ہووے تو ایسی صورت میں ہرگز ندب وغیرہ کا ثبوت نہیں اور جو بزعم خود وہ ثابت جان رہے ہیں تو تاہم در صورت واجب و مؤکد جاننے کے بدعت ہو جاوے گا یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی عالم ارواح سے عالم شہادۃ میں تشریف لائے اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت وقوع ولادۃ شریفہ کے ہونا چاہیئے اب ہر روز کونسی ولادت مکرر ہوتی ہے پس یہ ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے کہ سانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے کہ نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھیرا اور خود یہ حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام و فسق ہے بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے وہ تو تاریخ معین پر کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی قید ہی نہیں جب چاہے یہ خرافات فرضی بناتے ہیں اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر ہی نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھیرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے بلکہ یہ شرع میں حرام ہے لہٰذا اس وجہ سے یہ قیام حرام ہوا اور موجب تشابہ کفار یا فساق کا ٹھیرا یا یہ وجہ ہے کہ ان مبتدعین کے زعم فاسد میں روح پر فتوح اس مجلس پر اشرار و معاصی اور غیر مشروعات اور مجمع فساق و فجار و محضر بدعات و شرور میں تشریف لاتے ہیں معاذ اللہ تو اگر یہ عقیدہ ہے کہ آپ عالم الغیب ہیں تو یہ عقیدہ خود شرک ہے قرآن میں ہے وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو الآیۃ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء الآیۃ پس بایں عقیدہ قیام کرنا خود شرک ہو گیا اور جو عالم الغیب نہیں کہتے مگر دوسری دلیل و حجت تشریف آوری کی ہے تو خوب سمجھ لو کہ باب عقائد میں نص قطعی واجب ہے احاد و ظنیات پر عقیدہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ضعاف موضوعات سے تو باب تشریف آوری میں کونسی روایت قطعی ہے جس پر یہ عقیدہ کیا جاوے تو پس یہ عقیدہ محض اتباع ہوا و کید شیطان ہے ایسی صورت میں یہ قیام بایں عقیدہ گناہ کبیرہ ہووے گا الحاصل یہ قیام صورت اولیٰ میں بدعت و منکر اور صورت دوسری میں حرام و فسق اور تیسری صورت میں کفر و شرک چوتھی صورت میں اتباع ہوا و کبیرہ ہوتا ہے پس کسی وجہ سے مشروع و جائز نہیں پھر اس کو واجب کہنا صریح تو شارع کی کرکے کا فرد فاسق ہونا ہے بچاتا اللہ تعالیٰ منہ واللہ تعالیٰ اعلم اور ضمن تقریر سے اہل فہم کو یہ بھی واضح ہو گیا کہ خود یہ مجلس میلاد ہمارے زمانہ کی بدعت و منکر ہے اور شرعاً کوئی صورت جواز اس کی نہیں ہو سکتی واللہ الہادی الی سبیل الرشاد . فقط کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ . اب بعد نقل ہر دو فتویٰ کے ناظرین غور سے ملاحظہ فرماویں کہ مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے اصل ذکر مولود کو مستحب

فرمایا ہے کلام قیود میں ہے کہ ان قیود کی ضم سے مجموعہ مکروہ بدعت ہو جاتا ہے اور فتویٰ مولوی رشید احمد صاحبؒ میں بھی مجلس مولود مروجہ کو بدعت
و منکر لکھا ہے لہٰذا اس کا خیال ہے کہ جو روایت مؤلف استحسان مولد کی لکھے گا وہ ہرگز مانعین کا جواب اور مؤلف کے مقصود کو نافع نہ ہووے گی
اور جو ان قیود کے اثبات میں تحقیق نقل کرے گا وہ البتہ قابل التفات ہوویگی کیونکہ مؤلف کی عادت اول رسالہ سے یہاں تک خوب معلوم و محقق
ہو چکی ہے کہ وہ نہ سوال سائل کو غور کرتا ہے کہ کس چیز کا وہ سائل ہے اور نہ مجیب کے جواب میں غور کرتا ہے کہ کیا حاصل جواب ہے اور نہ جواب
روایت و عبارات علماء کو فکر کر کے سمجھتا ہے کہ کیا مراد اس کی ہے اور نہ یہ تامل کرتا ہے کہ مجھ کو کس شئے کا اثبات مقصود ہے اس روایت و
عبارت سے اس کو مناسبت ہے یا نہیں کیا اثبات کرنا چاہیے تھا اور کیا اثبات کرتا ہوں اور یہ نہایت کم فہمی کی بات ہے لہٰذا ناظرین غور فرماویں
کہ قیود کے اثبات میں جو کچھ لکھے گا وہ تو قابل نظر و کلام کے ہووے گا کہ اس کو رد کیا جاوے گا ورنہ اصل ذکر مولود کو کوئی مانع نہیں اس کے جواب کی
ہم کو ضرورت نہیں گو اس کی خطا فہمی میں کلام کیا جاوے گی غرض یہ امر مد نظر ہے اور قبل شروع رد کلام مؤلف کے بندہ راقم ایک عبارت شرح منیہ
کی جس کی نقل پہلے بھی بحث سیوم میں ہو چکی نقل کرتا ہے کہ اس کو نہایت مناسبت اس محفل مولود سے ہے اور اس سے کراہت اس مجلس کی
واضح ہو جاتی ہے لکھے دیتا ہے وہ بھی مویدان فتاویٰ مندرجہ بالا کے ہے صلوٰۃ الرغائب ایک نماز نفل ہے کہ بعد چار سو برس کے حادث
ہوئی، اور ایسا ہی صلوٰۃ شب برات ان کی کراہت میں شارح منیہ بعد بیان کرنے نوافل مستحبہ کے لکھتا ہے و بعد ذلک فالصلوٰۃ خیر
موضوع ما لم یلزم منہا ارتکاب کراہۃ اعلم ان التنفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ علی ما تقدم ما عدا التراویح وصلوٰۃ
کسوف وصلوٰۃ الاستسقاء فعلم ان کلا من صلوٰۃ الرغائب لیلۃ اول جمعۃ من رجب وصلوٰۃ البراءۃ لیلۃ النصف من شعبان وصلوٰۃ لیلۃ
القدر لیلۃ السابع والعشرین من رمضان بدعۃ مکروہۃ وقال ابو الفرج بن الجوزی وابو بکر الطرطوسی صلوٰۃ الرغائب موضوعۃ
علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکذب علیہ وقد ذکر الکراہۃ فیہا من وجوہ منہا فعلہا بالجماعۃ وہی نافلۃ ولم یرد بہ الشرع ومنہا تخصیص
سورۃ الاخلاص والقدر ولم یرد بہ الشرع ومنہا تخصیص لیلۃ الجمعۃ دون غیرہا وقد ورد النہی عن تخصیص یوم الجمعۃ بصیام ولیلۃ
بقیام ومنہا ان العامۃ یعتقدونہا انہا سنۃ من سنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیکون فعلہا تسبیبا لکذبہم علیہ علیہ السلام قلت بل کثیر
من العوام ببلاد الروم یعتقدونہا فرضا وکثیر منہم یترکون الفرائض ولا یترکونہا وہو المصیبۃ العظمی ومنہا ان فعلہا یغری واضعی الاحادیث
علی الوضع والافتراء علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنہا ان الاشتغال بعدد التسبیح مما یخل بالخشوع والتدبر وہو مخالف السنۃ ومنہا ان فی صلوٰۃ
رجب مخالفۃ السنۃ فی تعجیل الفطر ومنہا ان سجدتیہا مکروہتان اذ لم یشرع التقرب بسجدۃ منفردۃ بلا رکوع غیر سجدۃ التلاوۃ عند ابی حنیفۃ
وعند غیرہما غیر سجدۃ الشکر ومنہا ان الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من الائمۃ والمجتہدین لم ینقل عنہم ہاتان الصلوتان
فلو کانتا مشروعتین لما فاتتا عن السلف وانما حدثتا بعد الاربعمائۃ ولیس حدیث یدل علی شرعیتہما بما روی عنہ علیہ السلام انہ قال الصلوٰۃ
خیر موضوع فان ذلک مختص بصلوٰۃ لا تخالف الشرع بوجہ من الوجوہ وقد صح النہی عن الصلوٰۃ فی الاوقات المکروہۃ انتہیٰ پس غور کرنا چاہیے کہ
جب ذکر مولد مندوب و مستحسن ہے مگر صلوٰۃ نفل اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات اور خیر موضوع ہے مگر باایں ہمہ بوجہ
تداعی و اہتمام کے کہ یہ اس میں مشروع نہیں بدعت لکھتے ہیں یہاں ذکر مولود میں بھی گو مندوب ہے مگر تداعی و اہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت
نہیں بدعت ہووے گا البتہ وعظ و درس میں تداعی ثابت ہے کیونکہ وہ فرض ہے جیسا فرائض صلوات میں تداعی ضروری ہے اور تعیین سورۃ کا اس
صورۃ میں بدون ورود نقل کے بدعت لکھا ہے سو مولود میں بھی تعیین ہیئات مباح کا جو معلوم ہے بدعت ہووے گا گو فی حد ذاتہ وہ امر مباح

۔۔۔ قال اللہ تعالیٰ ورفعنا لک ذکرک۔ یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو تحقیق بلند کیا ہم نے ذکر تیرا یعنی ہم نے تم کو نبی بنایا اور مشہور کیا زمین آسمان میں اور پھیلا دیا ذکر تمہارا دنیا کے انتہا۔ کناروں تک اور تمہارا ذکر دلوں میں محبوب و مطلوب کر دیا امام رازی نے یہ سب مطالب لکھکر بعد اس کے یہ لکھا کان اللہ تعالیٰ یقول املاء العالم من اتباعک کلھم یثنون علیک ویصلون علیک یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ نے ورفعنا لک ذکرک فرمایا اس کے یہ معنیٰ ہیں گویا اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ ہم بھر دیں گے عالم کو تمہارے فرماں برداروں سے وہ سب

مستحب ہیں مگر تعیین اس امر مولود کیساتھ کہ بغیر اس کے بغیر مولود نہ ہو بدعت ہو وے گا۔ جیسا کہ تعیین سورۂ اخلاص کی اور تعیین وقت کی اس صلوٰۃ میں مکروہ ہے بسبب تعیین وقت کے شارع کی طرف سے پس شہر ربیع الاول کی کوئی تاریخ مقرر کرنا التزاماً یہاں بھی مکروہ ہو دیگا اور علیٰ ہٰذا کوئی امر مکروہ جیسا روشنی زائد از قدر حاجت مثلاً اور سب ممنوع امر کا منضوم ہونا اس مجلس میں ممنوع ہو وے گا اور جیسا عوام کا اس صلوٰۃ کو سنت اعتقاد کر لینا باعث کراہت کا ہوا ہے ایسا ہی اس مولود کی مجلس کو ضروری جاننا عوام کا موجب کراہت کا ہے اور جس طرح وضاع احادیث کی اغراض اس صلوٰۃ میں ہے اسی طرح وضاعین روایت مجلس مولود کے یہاں اغراض حاصل موجود ہے اور جیسا کہ رفع خشوع بسبب عدد سجود کے اس صلوٰۃ میں موجود ہے شب بیداری مجلس کی صلوٰۃ فجر میں کاہلی لازم کے رفع خشوع چندگونہ زائد موجود ہے اور جس طرح اس صلوٰۃ میں تعجیل صلوٰۃ فجر سے سنت وقت کی فوت ہوتی ہے اس مجلس کے اکثر حاضرین کی خود صلوٰۃ فجر ہی فوت ہو جاتی ہے اور اس صلوٰۃ میں جس طرح بسبب سجدہ خارج صلوٰۃ کے جو مکروہ ہے کراہت حاصل ہوئی اس مجلس مولود میں بسبب سماع غیر مشروع اور لباس ممنوع اور اسراف روشنی کے کراہت موجود ہے اور دیگر امور جو اس مجلس میں زائد ہیں اور فتویٰ مولانا احمد علی صاحب سے معلوم ہوتے ہیں زائد رہے اور جیسا کہ شارح منیہ نے سلف صالح میں اس صلوٰۃ کا نہ ہونا علت کراہت کی قرار دی ہے حالانکہ نفس صلوٰۃ نوافل بکثرت ان قرون میں موجود تھا ایسا ہی اس مجلس کی ہیئت کذائیہ کا ان قرون میں نہ پایا جانا اگرچہ نفس ذکر ولادت تھا۔ باعث بدعت و کراہت کا ہونا ظاہر ہو گیا پس اہل علم و فہم ذرا غور سے ملاحظہ کریں کہ یہ مجلس مولود مروجہ اس صلوٰۃ کیساتھ بالکل مطابق ہے مع شیئ زائد فی وجوہ المنع پس کون عاقل متدین اس کو مستحسن کہہ دیگا ہاں نفس ذکر ولادت مستحب ہے اور اس میں کلام نہیں پس حاصل یہ ہوا کہ نفس ذکر مستحب اور قیود اس کی ممنوع اور مجموعہ مقید بھی ممنوع اب مولف کے اقوال کو دیکھنا چاہیئے کہ ترجیح تو قیود اور مقید میں ہے اور مولف صاحب نفس ذکر کا اثبات کرتا ہے

آیت ورفعنا لک ذکرک مذاکرہ رسول اللہ میں الخ اقول قولہ قال اللہ تعالیٰ ورفعنا الخ اقول راست ہے کہ ذکر فخر عالم علیہ السلام کا ایسا مرتبہ بلند ہے کہ نہ کسی کا ہوا نہ ہو جس قدر توصیف آپ کی کریں تھوڑی ہے مگر اس ذکر مبارک کا پاک مکان اور پاکیزہ ہیئت میں اور الواث بدعات و منکرات سے اس کا صاف کرنا اور حضور فساق مبتدعین سے اس کا منزہ رکھنا بھی رفعت شان ذکر کو لائق و واجب ہے پس اس آیت بیان رفعت شان صاحب المعراج سے یہ بدیہتہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی امر غیر مشروع کا نہ ہو کہ جس سے سبب تیرہ درجہ کا کہ خلاف امر حق تعالیٰ اور مخالف امر رضا صاحب کے رفیع کے ہیں اس ذکر کیساتھ ہونا ممنوع و محظور ہونا محقق ہو گیا پس یہ آیت اول دلیل مانعین ہیئت مجلس کی ہے کہ جسکو مولف نے سمجھا ہی نہیں لہٰذا جو لوگ کہ اس ذکر میں ان مبتدعہ امور اور منکرہ کو ضم کرتے ہیں جسمیں حرج ہے تو وہ خلاف حکم اس آیت کے پستی اور ذلت اس ذکر کی کرنے والے ہوئے اور ضد حکم حق تعالیٰ کے عامل بنے اب غور طلب ہے کہ مولف کا مقصود اثبات قیود ذکر مولد ہے اور آیت ان کی حرمت ثابت کرتی ہو آیت سے خوبی نفس ذکر کی کہ خالی از شوائب نامرضیات ہو مفہوم ہوتی ہے اور مولف کسقدر

تمہاری تعریف کیا کرینگے اور درود پڑھا کریں گے انتہی مافی التفسیر الکبیر خیال کرنا چاہیئے کہ یہ معنی بخوبی بعادت آج میں محفل میلاد پر بیشک یہ محفل تو
منزل مضمون آیہ ورفعنا لک ذکرک میں داخل ہے اس لئے کہ اس محفل میں کثرت ہوتی ہے درود شریف کی اس قدر کہ نہیں ہوتی کسی اور مجالس وعظ
وتدریس میں اور بیان ہوتا ہے حضرت کے نور کا اور ظہور معجزات وکرامات کا بوقت ولادت اور رضاع اور قبل نبوت اور بعد نبوت ظاہر
ہوئی اور بیان ہوتا ہے حلیہ شریف کا یہ سب ثنا وصفت ہے حضور صلعم کی پس مضمون یثنون علیک ویصلون علیک خوب صادق آیا اس پر
اور آواز بلند اور پاکیزہ سے ایک مقام بلند مثل منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھنے سے اور ایک ہی شان رفعت ورفعنا لک ذکرک کی ظاہر ہوتی ہے اور جو
کچھ روایات ومعجزات وفضائل حضرت سید الکائنات بیان کئے جاتے ہیں وہ روایتیں ہیں کہ ان کو صحابہ نے مجالس تابعین میں اور تابعین نے مجالس
تبع تابعین میں بیان فرمایا اسی طرح طبقہ بعد طبقہ ذکر ہوتا ہوا ہم تک پہنچا اگر یہ قصہ اور ذکر ممنوع ہوتا صحابہ اول طبقہ میں بیان اس کو بند
کر لیتے نہ ہم تک وہ فضائل پہنچتے نہ ہم مجالس اور محافل میں ان مدائح اور مناقب کو بمقتضای آیہ کریمہ ورفعنا لک ذکرک آفاق میں منتشر اور مشتہر کرتے

غافل ہے کہ نامرضیات کا اثبات اس سے کرتا ہے کاش مولف کو کچھ بھی فہم ہوتا قولہ خیال کرنا چاہیئے الخ اقول مؤلف کو بالکل ہوش نہیں کہ
سمجھے اگر کثرت درود شریف اور ذکر خیر اس میں ہو تو تلوث بدعت ومکروہات اور حضور اعدا اللہ بھی تو یہاں موجود ہے ابھی معلوم ہوا
کہ عمدہ عبادت تلوث مکروہات سے مکروہ وبدعت ٹھہرائی گئی اور خود آیت سے پاکیزہ کرنا اس ذکر کا تلوث ونجاسات ظاہریہ وباطنیہ سے
محقق ہو لیا اب فقط کثرت درود وذکر خیر سے کس طرح باوصف ان تدنسات معلومہ کے یہ مجلس داخل مفہوم آیت کے ہو سکتی ہے بلکہ قطعاً
ویقیناً اس آیت سے یہ محفل خارج ہے بوجہ ان قیود غیر مشروعہ کے اگرچہ اس میں خیرات ومبرات بھی ہوں ہاں اگر یہ سب قیود غیر مشروعہ رفع
ہو جاویں تو بیشک داخل آیت کے ہے اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا سو مؤلف کے حسن فہم پر آفریں ہے کہ ثبوت نفس ذکر کا کرتا ہے اور
کلام قیود وغیر مشروعہ میں ہو رہی ہے سبحان اللہ، علی ہذا منبر چوکی پر بیٹھنے سے رفعت نہیں ہوتی بلکہ مینار پر چڑھ جانے سے بھی کچھ نہیں
ہوتا البتہ محفل ذکر کو تنظیف خباثات ظاہریہ وباطنیہ سے کرنے سے رفعت ہو جاتی ہے رد مختار میں مولود مروجہ کو لکھتا ہے واقبح
منہا النذر بقراءۃ المولد فی المنائر مع اشتمالہ علی الغناء واللعب وایہاب ثواب ذلک الی حضرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھو کہ
منارہ پر پڑھنا مولود کا مفید رفعت کو نہ ہوا بلکہ اقبح ہو گیا اس واسطے کہ مشتمل لعب وغناء پر تھا پس مؤلف کا مولود کیوں کہ رفعت میں
داخل ہے کہ مبتدعین وفجار کی وہاں توقیر ہوتی ہے اور قنادیل تبذیر سے وہ محفل مظلم ہوتی ہے اور دونوں امر کی مذمت نصوص میں موجود
ہے وہ کون عاقل ہے کہ مدح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پڑھے اور عصیان اوامر رسول اللہ سے اس مجلس کو مظلم بنادے اور پھر
اس کو داخل آیت مذکورہ کے تصور کرے اگر اس کو استہزاء کہا جائے تو بجا ہے اور ایسے فعل کے مجوز کو جاہل کہنا سزا ہے قولہ روایات ومعجزات
الخ اقول روایات احوال فخر عالم علیہ السلام صحابہ نے جو کچھ بطریق درس وتذاکرہ کے تعلیم فرمائے اور اسی طرح آج تک چلے آتے ہیں
دشمنوں نے مجلس مولود گاہے کی اور نہ ان سے اس ہیئت کذائیہ کا ثبوت ہوا چنانچہ خود مؤلف آگے اقرار کرے گا کہ یہ مجلس چھ سو کے آخر
تک ہوئی پس کلام اس ہیئت میں ہے نہ ذکر احوال فخر عالم میں اور اس ہیئت کا ممنوع اور بدعت ہونا بھی ہم کو صحابہ سے ہی منقول ہو کر
معلوم ہوا ہے اب مؤلف کی عقل نا تمام کو دیکھنا ہے کہ جواز درس ذکر فخر عالم کو یہاں ثابت کرتا ہے اور مانعین کی مراد سے بالکل بیخبر
ہے کہ وہ ان ہی امور کی ممانعت کرتے ہیں کہ جس کی ممانعت منصوص ہے قولہ خلاصہ یہ کہ ذکر ثابت الاصل ہے الیٰ قولہ غرض اس

خلاصہ یہ کہ یہ ذکر ثابت الاصل ہے عہد صحابہؓ میں تقاضا کرکے وصف حضرت کا سنتے تھے اور اسمیں دل لگاتے تھے ترمذی نے شمائل میں روایت کی ہے کہ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سوال کیا ابن ہند ابی ہالہ سے وکان وصّافا عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ بہت وصف کیا کرتا تھا حلیہ شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وانا اشتھی ان یصف لی شیئا اتعلق بہ اور میں چاہتا تھا کہ وہ مجکو وصف سنا دے کچھ صورت مبارک کا اور دل لگاؤں میں اس سے الیٰ آخرہ اب دیکھئے یہ حضرت امام حسنؓ نواسہ رسول اللہ علیہ وسلم کے وقت وفات حضرت سات برس کے تھے اتنی عمر والا اپنے اقربا کی صورت نہیں بھولا کرتا حالاں کہ یہ صاحبزادہؓ تو کمال ذہین اور متین اور قوی الحفظ تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث حفظ کرکے روایت فرماتے تھے چنانچہ صحاح ستہ کے چند ائمہ حدیث نے قنوت وتر کی حدیث ان سے روایت فرمائی ہے اور اسماء الرجال میں ان کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے پس ظاہر ہے کہ ایسا صاحب حفظ ایسے پیارے نانا جان کی صورت جو ہر دم گود میں رکھتے تھے کندھے پر چڑھا لیتے تھے نہیں بھولے تھے بلکہ مزہ لینے کیلئے کہ تذکرہ حضرت کا موجب سرور قلب ہے اور خوب سنکر دل میں اچھی طرح منضبط کریں اس لئے ہند ابن ابی ہالہ سے سوال کیا کہ سناؤ مجکو وصف شکل مبارک کا پس بیان کیا ہند ابن ابی ہالہ نے وہ حدیث طویل جو شمائل میں مذکور ہے اور ہند ابن ابی ہالہ کی نسبت جو یہ لفظ آیا کان وصّافا عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفظ وصّافا صیغہ مبالغہ کا ہے اور مبالغہ کثرت سے ہوتا ہے معلوم ہوا کہ وہ کثرت سے بیان فرماتے رہتے تھے حلیہ شریف کا اور اسی طرح دارمی وغیرہ محدثین ابو عبیدہ سے کہ وہ تابعی ہیں مقبول بین المحدثین روایت کرتے ہیں کہ ابو عبیدہؒ نے پوچھا مسماۃ ربیع صحابیہؓ سے کہ وصف سناؤ مجکو رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ بولی لو رأیتہ لقلت الشمس طالعۃ اور اسی طرح بیہقی نے روایت کی ہے کہ ابو اسحاق جو ایک تابعی جلیل القدر ہے اس نے ایک عورت صحابیہؓ سے پوچھا کہ بیان کر مجھ سے کہ کیسے تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت کالقمر لیلۃ البدر لم ارقبلہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم غرض اس قسم کی بہت سی روایتیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ میں بہت تذکرہ آپ کے اوصاف کا رہتا تھا عہد صحابہؓ میں اور اس زمانہ میں بس اسی قدر فرق ہے کہ اس وقت میں مختصر طور پر روایتیں بیان ہوتی تھیں اب تفصیل اور تطویل سے ہوتی ہیں جس طرح علم حدیث کا حال ہے حضرت شاہ ولی اللہ انتباہ میں لکھتے ہیں کہ صدر اول میں حدیث لکھنے کا دستور نہ تھا یعنی صحابہؓ میں حدیث کا تذکرہ اور یادگاری زبانی ہوتی تھی بعد ان کے حدیثیں لکھی جانے لگیں اور ایک صدی کے بعد بہت اہتمام کتابت کا ہوا پھر دوسری صدی کے بعد پوری طرح پر کامل تصنیفیں ہونے لگیں انتہیٰ غرضکہ یہ جو کتب احادیث میں ہے کہ ایک قسم کی حدیثوں کا باب الگ بنا کر جس قدر حدیثیں ہیں وہ محدثوں نے ایک جگہ جمع کردیں اور کوئی ایک جگہ یہ بات پہلے نہ تھی پس اسی طرح وہ جو روایتیں

قسم کی بہت روایتیں ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر آپ کا صحابہؓ تابعین میں بہت رہتا تھا الخ **اقول** اصل ذکر اور کثرت اس ذکر کا کسی کو انکار نہیں من احب شیئا اکثر ذکرہ ثابت ہے مگر مؤلف کی مراد کا اس میں کہیں نام ونشان نہیں کیوں کہ نفس ذکر کا کوئی مانع نہیں قیود میں کلام ہے نہ ذکر میں یہ مؤلف کی غلط فہمی ہے ہاں ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبقہ عاشق فخر عالم کا تھا بار بار ذکر آپ کا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ عاشق خلاف امر و رضا محبوب کے ہرگز نہیں کرتا تو جو کچھ ان کا ذکر تھا وہ عین محبت تھی اور جس کو انہوں نے اس ذکر میں خلط نہ کیا بلکہ اس کی ذم فرمائی وہ ممنوع تھا پس اس طبقہ کی متروکات ومذمومات جملہ شنیع ہوئی سو قیود مروجہ مجلس ہمارے وقت کی مذموم ہوئی مگر مؤلف کو فہم نہیں **قولہ** عہد صحابہؓ میں اور اس زمانہ میں الخ **اقول** یہ شرح وبسط روایات کی اور تالیف ہونا سنن ومسند

لے برائی

حضرت صلعم کے حلیہ شریف کی بابت اور وقائع میلاد وغیرہا وغیرہ کی بابت صحابہؓ میں کسی قدر متفرق تھیں ایک وقت وہ آیا کہ محدثین کے دل میں آیا ان کو ایکجگہ جمع کر دیجئے، تب محدثین نے ان کو جمع کیا وہ رسالہ بن گئے سیکڑوں رسائل میلاد یہ تصنیف ہو گئے ازانجملہ مولد شریف حافظ شمس الدین محدث دمشقی کا ہے مورد الصادی فی مورد الہادی اور لکھا محمد بن عثمان لؤلؤی دمشقی نے الدر المنظم فی مولد النبی الأعظم اور لکھا امام القراء والمحدثین ابن جزری عرف التعریف فی مولد شریف اور لکھا مجد الدین صاحب قاموس نے نفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ سب کا نام لکھنا طول کو پہنچاتا ہے غرض کہ علامہ سخاوی اور ابن حجر وغیرہ محدثین ہر کسی نے شریک ہونا اس خیر میں اور جمع کر دینا اس قسم کی روایات کا ایک الفاظ پاکیزہ اور ترکیب نفیس میں نظماً و نثراً اپنی مایہ سعادت سمجھا اور پڑھے جانے لگے وہ رسائل محافل میں پھر فارسی عہد ... نے فارسی زبان میں اور بلاد یورپین ترکی زبان میں اور ہندوستان میں ہندی زبان میں ترجمہ ہو کر پڑھے جانے لگے اور یہ ذکر پاک بسکہ موجب فرحت و سرور تھا اس میں بعض سامان سرور مثل زینت مجلس، و استعمال بخور و عطریات اور اطعام طعام و شیرینی و اجتماع اخوان و خلان بھی داخل اور شامل ہو گئے ان امور کے شامل ہونے کو علماء دین نے جائز رکھا اور وہ چند فتوی المجتمع قریب چوبیس صفحہ کے مطبع ہاشمی میں اب مطبوع ہوئے ہیں اس کو صفحہ تیرہ میں ایک عالم محدث نے ان امور زائدہ کی منع پر دلیل قائم کی ہے حق نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمر قال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ قال ابن عمر و انا اقول

کا او رجمع ہونا جوامع و رسائل کا سب حق ہے مگر مؤلف کی غرض کسی سے حاصل نہیں ہوتی قولہ اور یہ ذکر پاک بسکہ موجب فرحت و سرور تھا الخ اقول یہ تو مؤلف بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ سامان سرور قرون ثلثہ میں نہیں ہوئے بلکہ چھ سو کے آخر میں ہوئے پس اگر اس پر وہ قول شرح منیہ کا جو صلوٰۃ رغائب میں ہے پیش کیا جائے کہ ائمہ مجتہدین تک کبھی اس کا وجود نہ ہوا اور یہ علامت بدعت ہونے کی کے ہے تو حجت کافی ہے مگر ہم اس سے درگذر کر کے کہتے ہیں کہ ان سامان سرور کا ادخال اس ذکر مبارک میں اگر کسی نص سے ثابت تھا تو مؤلف کو پیش کرنا اس کا واجب تھا کہ محل اثبات ہے اور اگر محض قیاس ہے تو قیاس خلاف نصوص کے مردود ہوتا ہے پس ہرگاہ کہ بموجب تقریر بالا محقق ہو لیا کہ یہ قیود و تعیین خلاف ما ورد بالشرع کے بدعت ہوتی ہے تو مجوزین علماء دین کی تجویز بزعم مؤلف خلاف نص کے ہرگز معتبر نہیں ہو سکتی لہذا بالضرور بنے حسن ظن سے ہم کہتے ہیں کہ اس وقت میں یہ امور مباح اتفاقاً سرزد ہوتے تھے اور اباحت کے درجہ سے نہ بڑھتے تھے اور عوام کے اعتقاد کے فساد تک نوبت نہ پہنچتی تھی. لہٰذا اس وقت میں علماء نے انکار نہیں کیا تھا مگر اس وقت میں وہ امر نہیں رہا معاملہ قلب ہو گیا یہ سب بدعت و مکروہ بن گیا چنانچہ شرح منیہ کی روایت ہم نقل کر چکے ہیں اور شرح منیہ کے قول کے جملہ علماء مقر ہیں اور جو امور منکرہ اس وقت میں پیدا ہو گئے مثلاً اسراف روشنی اور لباس ممنوع وغیرہ وہ اس وقت میں مطلقاً نہ تھا بس مؤلف کو کوئی حجت باقی نہیں محض سفسطہ ہے اور بس قولہ اور وہ جو چند فتوی المجتمع قریب ۲۴ صفحہ الخ اقول اول مؤلف نے قرآن کی آیت لکھی اور پھر روایات بیان حلیہ کی لکھی. اور پھر بیان تدوین رسائل حالات و سیر فخر عالم کا لکھا اور پھر تراجم اس کے زبانہائے مختلفہ میں ہونا لکھا تو چونکہ یہ سب امور متفق علیہا تھے اور اس سے کچھ بھی مدعا مؤلف کا ثابت نہ ہوتا تھا تو ناچار فعل ملک زیل کا اپنے. مدعا کے واسطے نقل کیا کہ امور سرور اس ذکر میں داخل ہو رہے معلوم ہے کہ ایسے افعال سے کوئی حکم کس طرح ثابت ہو جاوے چنانچہ اوپر کے قول میں اس احقر نے لکھ دیا ہے تو اول تو یہ قول خود مؤلف کے نزدیک بھی قابل حجت نہ تھا مگر کیا کرے جب کوئی دلیل نہ ہو تو ایسے ہی اقوال ساقطہ سے نقش پروری ہو گی پھر بعد اس کے یہ مؤلف نے سوچا کہ مولانا احمد علی صاحب اس ادخال سرور کو اپنے جواب میں باطل فرما چکے ہیں مباحات کا ضم تو ایکطرف وہ خود ضم مستحب کو

الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال رواہ الترمذی یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب العطاس میں ہے اور غرض اس محدث کی اس حدیث سے یہ ہے کہ السلام علی رسول اللہ ایک امر مستحب ہے لیکن چونکہ وظیفہ عطاس برخلاف اس شخص نے یہ کلمہ زائد کر دیا اس لئے عبداللہ ابن عمرؓ نے اس پر انکار کیا بنا برعلیہ مولد شریف میں بھی جو چیزیں زائد ہیں وہ بدعتیں قابل انکار ہیں جواب اس کا یہ ہے کہ مشکوٰۃ المصابیح میں یہ حدیث مذکورہ نقل کر کے لکھا ہے ہذا حدیث غریب شیخ محدث دہلویؒ نے مقدمہ میں لکھا ہے

بھی بلا غیر اذن شرع کے بدعت بنا چکے تو مؤلف کو اس کے جواب کی فکر ہوئی کیوں کہ جب تک وہ قول رد نہ ہو لیوے تو مجلس مولود مؤلف کی ہرگز درست نہیں ہو سکتی لہذا مؤلف نے اس کا جواب لکھنا شروع کیا ہے اور حاشیہ پر مولوی صاحب کی نسبت شرکت مجلس مروجہ اور قیام کی تہمت اور تکذیب اس کی کر ایشان کا منہ کالا ہے اور شہادت حافظ عبدالکریم خاں کی لکھتا ہے اس کا جواب بجز اسکے نہیں دیتا ہوں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین مولانا مرحوم ہر روز اس مجلس کو بدعت فرماتے رہے اور مولانا کا مہری دستخطی یہ فتویٰ موجود ہے پس بندہ اس کے کذب اتہام مندرجہ حاشیہ سے اعراض کر کے اول یہ کہتا ہے ناظرین بغور سنیں کہ سابقًا کلیہ شرعیہ ممہد ہو چکا ہے کہ مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے اور شامی نے بھی صلوٰۃ رغائب میں اس کلیہ کو مسلم کر کے اس کلیہ سے کراہت و بدعت ہونا صلوٰۃ رغائب کا ثابت کیا ہے اب بندہ یہاں کچھ اور بھی مطلب لکھتا ہے بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مسجد میں لوگوں کو صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بدعت ہے حالانکہ صلوٰۃ ضحیٰ سنت مستحب ہے اور مسجد میں جانا بھی مستحب ہے مگر چونکہ بایں اجتماع اس صلوٰۃ کا مسجد میں پڑھنا منقول نہ تھا اسکو بدعت فرمایا اور اس پر انکار کیا اور حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رضی نے جہر بسم اللہ کو فاتحہ کیساتھ نماز میں بدعت منکر فرمایا حالانکہ بسم اللہ ذکر ہے اور جہر بذکر ممنوع نہیں مگر چونکہ یہاں جہر منقول نہ تھا اس کو بدعت فرمایا یہ حدیث ترمذی وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے امام صاحب کے نزدیک عید الفطر میں تکبیر جہر براہ مصلیٰ میں بدعت ہے اس واسطے کہ یہاں ان کے نزدیک تکبیر خفیہ ثابت ہوئی ہے سو جہر غیر مورد شرع میں بدعت ہوا حالانکہ جہر بالتکبیر والذکر مستحسن ہے

امر مستحسن مستحب بہیئۃ لم یرد بہا الشرع بدعت ہو

اور بحرالرائق میں کہتا ہے لان ذکر اللہ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت او بشیء دون شیء لم یکن مشروعا الخ اور عالمگیری میں کہتا ہے یکرہ للانسان ان یخص لنفسہ مکانا فی المسجد یصلی فیہ غرض ان سب سے یہی ثابت ہے کہ کسی اطلاق شارع کو قید زمان و مکان و ہیئت سے مقید کرنا بدعت ہے بدون اذن شارع کے پس اس کلیہ کو جو مسئلہ تمام امت کا ہے اور ان احادیث اور روایات فقہاء مجتہدین سے خوب محقق ہوا کہ کسی حکم کا کسی وجہ سے ذرہ بھی تغیر نہیں چاہیئے کہ کسی سے نہ زیادتی تبدیل وصعت ہے پس مولوی صاحب نے بھی حدیث صحیح ترمذی کی اس اثبات میں تحریر فرمائی تھی تو مؤلف نے اول تو بحث تنقید حدیث میں لکھی اور پھر معنی حدیث میں کلام کی ماشاءاللہ تعالیٰ یہ سلیقہ اور یہ بحث اگر بندہ کی عادت شعر و اشعار یا امثال کے لکھنے کی ہوتی بوجہ اختصار کے نہیں مگر یہاں بے ساختہ طبع یہ شعر لکھنے ظہور حشر نہ ہو کیوں کہ کلچڑی کی ہے حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی،

مولانا احمد علی صاحب کے استدلال بحدیث عطاس پر مؤلف کے کلام بے سروپا ..... کا رد

سبحان اللہ مولانا احمد علی صاحب مرحوم محدث کی حدیث نقل کردہ اور اس کی تنقید میں عبدالسمیع کلام کرے قیامت آئی صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توسد الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعۃ رواہ البخاری، خیر اب سب لوگ مؤلف کے علم کو بطور ملاحظہ فرماویں مؤلف کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر شرم نہیں کرتا کہ خود ضعاف بلکہ موضوعات سے حجت اپنی بدعت چہلم و فاتحہ وغیرہ پر لاتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب

کہ ہو من اقسام الطعن فی الحدیث وھٰذا ھو المراد من قول صاحب المصابیح ھٰذا حدیث غریب اور بعض حدیث غریب صحیح بھی ہوتی ہے اور بعض حسن بھی ہوتی ہے سو عادت ترمذی کی ہے کہ اس کو کھول کر کہدیتا ہے کہ ہٰذا حدیث صحیح یا حسن غریب اور جب بیان کرے لفظ حسن اور صحیح کا تو مراد اس سے وہی مطعون ہوتا اس حدیث کا رہ گیا اور اس حدیث کو ترمذی نے بھی لکھا کہ ہٰذا حدیث غریب پس حدیث مطعون فیہ حجت نہ ٹھیری اور بالفرض والتقدیر اگر مطعون فیہ کو بھی مسلم رکھیں تو جائز ہے کہ یہ بات حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص پر انکار السلام علیٰ رسول اللہ کہنے سے اس لئے کیا ہوگا کہ اس باب میں صیغۂ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے در مختار کی کتاب الذبائح میں ہے قال علیہ السلام موطنان لاذکر فیہما عند العطاس وعند الذبح اور نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں جو چیز ایجاد ہوگی اس کو ہم بھی منع کرتے ہیں کیوں کہ وہ خلاف شرع ایجاد ہوئی اور جس مقام پر نہی شرع وارد نہیں ہوتی وہاں زیادہ کرنا ایسی چیز کا جو مستحسن اور مباح ہوتی ہے فقہاء منع نہیں فرماتے اس کی دو نظیریں لکھتا ہوں

کی منقولہ حدیث صحیح کو محض اپنے جہل سے ضعیف بتاتا ہے اور حق تعالیٰ سے نہیں شرماتا مؤلف وجہ ضعف کی لکھتا ہے کہ ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے اور جہاں غریب مطلق بلا قید صحیح یا حسن کے ہو ضعیف ہوتی ہے مگر یہ قول مؤلف کا محض غلط اور مطلق جہل فن حدیث سے ہے اس واسطے کہ غریب اصطلاح ترمذی وغیرہ جملہ محدثین میں وہ ہے کہ اس کی سند میں کسی جگہ راوی منفرد ہو جاوے چنانچہ خود مقدمہ شیخ میں جو مؤلف کی نظر میں ہے یہ لکھا ہے الحدیث الصحیح ان کان شاذا یسمی غریبا الخ اگر چند سطر پڑھ کر مؤلف دیکھ لیتا تو شاید سمجھ جاتا اور جو کچھ سلیقہ رکھتا تو خود علل ترمذی کو کسی عالم سے پڑھ کر سمجھ لیتا مگر اس کو علم سے تو مساس و بحث ہی نہیں بلکہ یہ حدیث ترمذی کی موافق اصطلاح ترمذی کے غریب اور صحیح ہے کیوں کہ مشکوٰۃ میں ترمذی کے لفظ نقل کرتا ہے ترمذی نے اپنی کتاب میں اس کو غریب کہا ہے اور خود وجہ غربت کی بیان کردی ہے کہ زیاد بن الربیع منفرد ہے حالانکہ زیاد بن الربیع بخاری کی رواۃ میں ہے پس بہرحال لفظ غریب کا [illegible] بند کرکے مؤلف کا حکم ضعف کا کرنا کس قدر جزرۃ و سفاہت ہے دوسرے یہ کہ تمام راوی اس حدیث کے ثقہ اور مقبول ہیں کوئی بھی ضعیف نہیں پس اس کو ضعیف اپنی رائے سے کہدینا جرح ثقات علماء پر کرنا اور طعن ضعف کا مقبولوں پر کرنا کس قدر بددیانتی ہے تیسرے یہ کہ شیخ نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھا ہے والغریب قد یقع بمعنی الشاذ وشذوذ ھو من اقسام الطعن وھٰذا ھو المراد من قول صاحب المصابیح الخ تو مؤلف اس کو نہ سمجھا اور رجما بالغیب ضعف کا حکم دینے لگا اول تو خود شیخ بلفظ قد یقع لکھتا ہے کہ جو ندرت اطلاق پر دال ہو [illegible] نے اس کو قاعدہ کلیہ سمجھ لیا دوسرے یہ اصطلاح مصابیح کی ہے نہ دیگر محدثین اور ترمذی کی پس مشکوٰۃ اگرچہ مستخرج سے ہے مگر صاحب مشکوٰۃ نے یہ لفظ غریب کا تو مصابیح سے نقل نہیں کیا یہ نہیں کہا قال محی السنۃ ھٰذا حدیث غریب جو مؤلف اس اصطلاح پر حدیث کو ضعیف کہدے بلکہ صاحب مشکوٰۃ تو صاف کہتا ہے رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث غریب جس کو اندھا آدمی بھی جان جاوے کہ قائل [illegible] ہے نہ صاحب مصابیح اور یہ اصطلاح مصابیح کی ہے نہ ترمذی کی اور یہ قاعدہ کہ اطلاق غریب کا ضعیف پر ہوئے ترمذی کا قاعدہ نہیں [illegible] مؤلف کو خود مقدمہ شیخ کی بھی فہم نہ ہوئی اور خواہ مخواہ حدیث کو ضعیف لکھدیا اور کچھ غیرت نہ آئی نہ رواۃ کو دیکھا نہ اصطلاح کو سمجھا [illegible] مقدمہ شیخ کو خوب دیکھ لیا نہ خود ترمذی کو دیکھا الحاصل یہ حدیث ہرگز ضعیف نہیں اور حجت اس سے نہایت قوی ہے گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ مدعا سب ناظرین کو مؤلف کی تنقید کا حال تو واضح ہو لیا اور علم کا مایہ جو جہل مرکب ہے بھی محقق ہو گیا کہ علم

ہاں جس شخص کی نظر تنادی پر ہوگی وہ اور بھی نظیریں نکال لے گا ایک یہ کہ سب جانتے ہیں کہ صحاح ستہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود تعلیم فرمایا ہوا واسطے جلسہ التحیات کے یہ ہے اللھم صل علی محمد الی آخرہ لیکن اگر کوئی آدمی اس میں لفظ سیدنا زائد کرنے واسطے آداب تعظیم کے یعنی یوں کہے اللھم صل علی سیدنا محمد اس کو صاحب درمختار نے افضل اور مندوب لکھا ہے وندب ایساد لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فھو افضل من ترکہ دوسری نظیر یہ کہ فقہا زیارت مدینہ منورہ میں زادہا اللہ شرفا وتعظیما یوں لکھتے ہیں وکل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا اس عبارت سے یہی معلوم ہوا کہ رعایت اس بات کی کرنی جو سلف سے منقول ہے وہی ہو نے اور ایک بات بھی زیادہ نہیں

مؤلف کا طاق میں رکھا ہے دسینہ میں اب بحث معنوی سنو مؤلف کہتا ہے کہ بالفرض اگر اس حدیث مطعون فیہ وسلم بھی رکھیں تو جائز ہو کہ حضرت ابن عمر کے بسبب نہی کے طعن کیا ہے کیا خوب فہم مؤلف پر ہزار آفریں اول تو ترمذی میں دوسری حدیث اس کی ہے باب متصل میں ہو عن سالم بن عبید انہ کان مع القوم فی سفر فعطس رجل من القوم فقال السلام علیکم فقال علیک وعلی امک فکان الرجل وجد فی نفسہ فقال اما انی لم اقل الا ما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عطس رجل عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیکم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی امک اذا عطس احدکم فلیقل الحمد للہ رب العلمین الحدیث، تو اب مؤلف بتائے کہ یہاں تو احتمال نہی صریح کا تھا السلام علیکم کے لفظ میں کونسی نہی وارد تھی جو خود فخر عالم نے اعتراض کیا اور خود وظیفہ اس محل کا تلقین فرمایا یہ صاف اس حدیث کی تائید ہوگی کہ جس مقام میں جو ذکر وارد ہے وہیں سے اسجگہ تبدل تغیر نہ چاہیے جیسا تبدل میں تغیر ہے تعقیب میں بھی تغیر ہے دونوں ناجائز ہوئے خواہ زیادۃ سے ہو خواہ تبدیل سے ہو دوسرے یہ احتمال نکالنا مؤلف کا کہ جائز ہے کہ بسبب نہی کے یہ اعتراض حضرت ابن عمر کا ہوا ہو اس وقت درست ہو سکتا ہے کہ تقیید مطلق کا قاعدہ شرع میں کچھ مخفی ہو، ہرگاہ کہ یہ امر فخر عالم سے لے کر تمام مجتہدین تک مسلم رہا تو پھر ایسا ضعیف احتمال نکالنا کس عقل کا کام ہے حالانکہ ابن عمر خود حدیث میں اس احتمال کو رفع فرما رہے ہیں فرماتے ہیں لیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ کہ یوں تعلیم یہاں نہیں فرمایا بلکہ یہ تعلیم فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ نہیانا ان نصلی فی ھذا الموطن جس سے ہر اہل علم دریافت کر لیتا ہے کہ وجہ اعتراض کی زیادہ بالائی تھی مگر مؤلف کو چشم حق بیں کہاں ہے جو سمجھتا اور دیکھتا اس کو تو احتمال خلاف عقل فرض کر لینا اور منہ سے نکال دینا اور اپنا علم مشکوک ظاہر کر دینا ہی آتا ہے تیسرے یہ کہ مولوی صاحب نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ حد مقرر شارع پر بدون اذن کے زیادۃ بدعت ہے اور خوب واضح ہے کہ بدعت منہی عنہ ہے بقول علیہ السلام ایاکم ومحدثات الامور جب آپ نے ایاکم کا لفظ فرمایا تو یہ غایت درجہ کی نہی مؤکد ہے تو بہرحال بدعت بھی منہی ہوئی پس مولوی صاحب بھی یہاں نہی کا اقرار فرماتے ہیں مؤلف نے کیا خاک جواب دیا اور کیا مقصد حاصل کیا مؤلف خود کہتا ہے کہ نہی کے مقابل جو چیز ایجاد ہوگی ہم بھی اس کو منع کرتے ہیں تو بدعت بھی منہی ہے اگر کوئی بدعت ایجاد کرے گا نہی کا مقابلہ یہاں بھی موجود ہے نہایت الامر یہ ہو کہ ایسی صراحۃ نہیں، بلکہ احادیث کی نہی کے ضمن میں ہے وہ بدعت ہو اور جس کی صراحۃ نہیں ہے وہ منہی ہے پھر اس فرق سے کیا نفع مؤلف کو حاصل ہوتا ہے کل بدعۃ حرام وہی نہی رہی، اور زیادہ علی وظیفۃ شرع منہی عنہ اور بدعت ہوا مؤلف بھی اس کو منع ہی کرے گا تو اس جواب کا حاصل ہی کیا نکلا سوائے الفاظ کے کوئی معنی بھی اس کے ہیں بلکہ اور تاکید ہوگئی کہ مولوی صاحب نے نہی دلالۃ فرمائی تھی مؤلف نے صراحۃ نہی کا اس میں اقرار کر لیا آگے یہ کہ دلالۃ نہی کا اعتبار نہیں اور بدعت کا ایجاد درست ہے یہ امر مؤلف تو کیا کوئی مسلمان بھی نہیں کہے گا پس تو حاصل تقریر مؤلف کا یہ ہوا کہ اگرچہ بدعۃ زیادہ وغیرہ کی حرام ہیں مگر یہاں نہی صریح ہے بدعت کہہ کر پس لے صلاح مؤلف کی محض بے سود تطویل ہوئی اور پھر وہ بھی احتمال کے ساتھ اور تعدد

ہ کچھ ضرور نہیں بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ حرکات و سکنات مؤدبانہ کرے گا سب بہتر ہیں ان تعظیمات میں زائد مخیر ہے خلاصہ یہ کہ حدیث
معاً اس میں اس شخص کا زائد کرنا لفظ السلام علی رسول اللہ مقابل نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تھا اس لئے ابن عمرؓ نے اس کو منع کیا اور

لہٰذا کیونکہ لکھتا ہے کہ جائز ہے اس لئے انکار کیا ہوگا تو دوسرا احتمال کہ مؤلف کے نزدیک مسلّم ہے اور دوسری حدیث اور خود اس حدیث کے
خلاف اس احتمال مؤلف کو رد کرتے ہیں بہر حال زائد کرنا بھی مقید کرنا ہی ہے پس یہی تقیید مطلق کا حاصل ہوا اور اعتقاد اور عمل بلا اعتقاد اس تقیید
ہر دونوں منکر ہوئے اس واسطے کہ شارع نے یہاں ایک صیغہ مقرر فرما دیا تھا اب اس کی جگہ دوسرا صیغہ بولنا بھی بدعت اور منہی عنہ ہے خواہ اعتقاداً
ہو خواہ بلا اعتقاد اور اس پر زیادۃ بھی بدعت اور منہی عنہ ہے خواہ اعتقاد ہو یا نہ ہو ہاں بزعم مؤلف کے فقط صیغۂ السلام علی رسول اللہ کے زیادہ الحمد پر بدعت
نہیں بلکہ منہی عنہ ہے مگر بدیہی غور دیکھئے کہ ما احدث علی خلاف الحق ما نشی من الشرع میں جیسا بدعت داخل ہے منہیات صریحہ بھی داخل ہیں احداث
کے واسطے قرن فخر عالم کا انقصار ضرور نہیں سو ایسی جہل کی بات ہے مؤلف کی غرض یہ تھی کہ اگر نہی صریح نہ ہو تو زیادۃ درست ہے اور یہ بالکل غلط محض ہے
کیونکہ جس کی نہی صراحتاً دلالۃً کسی وجہ سے نہ ہو وہ زیادہ درست ہے اور اگر نہی دلالۃً ہووے گی وہ زیادۃ ہرگز ہرگز جائز نہ ہووے گی،

غرض کلیات ہے تو مؤلف کو کچھ علاقہ فہم کا ہوتا ہی نہیں مدار چند جزئیات پر اس کا ہے یہاں دو جزئیہ نے اس کا | لفظ سید نا درود شریف میں ثابت ہے
مدار ہے اول زیادہ لفظ سیدنا کی صیغہ درود شریف میں مگر یہ نہ سمجھا کہ جہاں کہیں اجازت زیادۃ یا تبدیل کی صراحتہً یا دلالۃً موجود ہے وہاں نہی
نہ ہو سکتی ہے وہ تو خود ما ورد بہ الشرع میں داخل ہے سو اجازت زیادہ لفظ سیادۃ کی خود یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ الآیۃ میں موجود ہے
کیونکہ معنی صلوٰۃ کے تعظیم کے ہیں اور صلوا کے معنی عظموا لکھتے ہیں اور دعا کر معنی ہوں اس کو بھی تعظیم لازم ہے کہ جس کے واسطے دعا کیجاوے گی
اس کی توقیر و تعظیم لازم ہووے گی تھوڑی سی عقل کی حاجت ہے سو ہر گاہ کہ تعظیم فخر عالم کی اپنے بندگان سے حق تعالیٰ طلب فرماتے ہیں تو جو لفظ صیغہ
تعظیم کے معنی دیوے گا وہ خود مطلوب ہووے گا جبتک کہ اس کی نہی وارد نہ ہو سو یہ نظیر مؤلف کی کسقدر بے علمی پر شاہد ہے،
دوسرا جزئیہ قول الفقہاء ھو ما کان ادخل فی التعظیم الخ اور یہ بھی مناسب اس آیت کا اور آیت توقیر کے | سو قول فقہاء کل ما کان کما ادخل
ہے کہ حق تعالیٰ توقیر اپنی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرض کرتے ہیں پس توقیر مشروع جسقدر ہو مطلوب ہر | تعظیم الخ اور یہ قول مفید مؤلف نہیں
ہے درجہ فرضیت کا کسی حد سے حاصل ہو جاوے مگر زیادۃ توقیر مشروع سے استحباب کا حاصل کرنا بجز نہ مطلوب شرع کا ہے ہاں جو اس درجہ کی توقیر و
تعظیم ہو کہ شرع سے ممنوع ہو جاوے مثلاً رکوع و سجدہ یا جیسا کفار ہند کا امر تعظیم کا منہ لینا ہے البتہ یہ ممنوع ہووے گا بہر حال ہر دو نظیر مؤلف کی وہ
ہیں کہ نص قطعی سے مطلوب ہیں منہی ان میں کوئی نہیں اور مولوی صاحب نے نہی بدعت کی نظیر لکھی تھی اور مؤلف زیادۃ اپنی طرف سے کرنے کو کہتا ہے
یعنی اور بطن شارع سمجھتا نہیں زیادۃ اپنی طرف سے بدون اذن شارع کے خلاف دلالت نصوص کے مراد ہے اور جو زیادۃ موافق نصوص
حسب اجازت نص کے ہو وہ اپنی طرف سے نہیں ہوتی سو زیادۃ سیدنا کی اور افعال و اقوال ادخل فی التعظیم اپنی طرف سے نہیں بلکہ باذن شارع
ہے اور زیادۃ السلام علی رسول اللہ کی عطس کے جواب میں اپنی طرف سے ہے علیٰ ہذا تمام مسائل میں اور جزئیات میں یہی ہے مگر مؤلف فہم کسکا
لیوے جو سمجھے واہ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب دیا کہ جس کا سر ہے نہ پاؤں مطلب مولوی صاحب کا مؤلف اقرار کرتا ہے اور اپنے زعم میں رد کرتا
ہے جہلکے تفریح مقصود مؤلف کی سنو قولہ خلاصہ یہ کہ حدیث معاً اس الخ اقول پہلے تو مؤلف اس کو احتمال تعدد سے کہتا تھا یہاں اس کو تعیین ہو
گئی صریح کے مقابلہ کی وجہ سے رد حضرت ابن عمرؓ کا تھا مگر اب یہ واضح ہو لیا کہ یہاں بدعت ہونے کی وجہ سے رد تھا اور نہی صریح بھی اگر ہو تو یہی حال

مولد شریف میں جو بعض امور محدثہ ہیں ان کی نہی شرع میں وارد نہیں پس قیاس امور غیر منہیہ پر صحیح نہیں الحاصل محققان بالغ نظر نے ان امور محدثہ کو محفل مولد شریف میں جائز کہا اور وہ جو اعتراض شمول ان امور میں کرتے ہیں، کہ ان لوگوں نے مطلق کو مقید کر دیا اس کا جواب بلعہ سامعہ افتراقات متفرقہ میں بیان کریں گے خلاصہ یہ کہ ان امور مستحسنہ کا جواز کلام علماء ربانی میں موجود ہے از اں جملہ عبارت ملا علی قاری کی جو ان کی کتاب مورد الروی فی مولد النبی میں لکھی جاتی ہے وملما یتبع من السماع واللھو وغیرھما فینبغی ان یقال ما کان من ذلک مباحا بحیث یعین السرور بذلک

زیادہ بدون اذن شارع کے درست نہیں اور نہی خواہ صریح ہو خواہ دلالۃً ہو مانع زیادہ ہے اس تغیر سے مؤلف کو کوئی نفع نہیں ملا محض لغو حرکت

[illegible]

کی ہے اور یہ سب لغو حرکت اور خالی زیب و زینت کے واسطے کرتا ہے [illegible]

کچھ نافع نہ ہوئی اور جو تضعیف حدیث کی کرتا تھا اس سے بھی محروم بے نیل مرام رہا اب اس کی زیب و زینت بدعت محدثہ رہ گئی سو کہ زیب و زینت و شیرینی کی بحث شرح سوال میں ہو چکی ہے اس سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب منہی عنہ نصوص سے اور بدعت منکرہ ہیں اور جو محققان نابالغ نظر مؤلف نے مجوز منہیات شرعیہ کے ہیں اگرچہ نہی دلالۃً ہی ہو وہ ان کا قول بمقابلہ نصوص اور روایت مجتہدین کے ہرگز معتبر نہیں اور تفصیل منہیات کی جو مولود کی مجلس ان کو مشتمل ہے کچھ شرح سوال میں گذر چکی اور کچھ مؤلف کے لمعات باطلات میں ذکر اس کا ہو جاوے گا پس مؤلف کا یہ قول کہ امور محدثہ کی نہی شرع میں وارد نہیں کس قدر جہل شرع سے ہے خلاصہ یہ ہے کہ مانعین علماء تو کلیات نصوص و جزئیات مجتہدین سے منع کر ثابت کرتے ہیں اور مؤلف بجز اس کے کہ علماء دین نے جائز نہ رکھا محققان بالغ نظر نے درست جانا فلاں شریک ہوا فلاں کرتے رہے اور کچھ حجت نہیں اور یہ قول بعد ثبوت ہرگز حجت شرعیہ نہیں ہو سکتا اپنا دل خوش کر لو مگر اہل فہم کے نزدیک کوئی دلیل نہیں اور طرفہ تماشا ہے کہ مولوی احمد علی صاحب نے نفس ذکر کو مندوب جزما کر کے مع مرباح سے اس کا مقید کرنا اور اس کے اطلاق کو تخصیص لگانا حسب قواعد شرعیہ بدعت فرمایا ہے اور خود مؤلف بھی صفحہ ۶ میں بحث فاتحہ میں تقییدِ اطلاق شارع کو بدعت اور قابل زجر و توبیخ کہہ آیا ہے اب پھر یہاں بھول گیا اور براہ مخالفت کی چلا حالاں کہ عقیدہ عوام کا یہاں بھی تعیینات کی ضروری ہونے کا ہے الحاصل قیود محفل میلاد کے اثبات میں مؤلف حجۃ شرعیہ سے تو عاجز ہے ہاتھ پاؤں مارکر ناچار اقوال علماء پر قناعت کرتا ہے اور بے نیل مراد لوٹ آتا ہے کما تقدم

قولہ خلاصہ یہ کہ ان امور مستحسنہ کا جواز الیٰ قولہ از اں جملہ اصل عبارت ملا علی الخ **اقول** مؤلف عاجز ہو کر جب سب نصوص سے بدعت ہونا امور محدثہ کا معلوم ہوا تو قول مورد الروی کا لایا جس سے عوام کو دھوکہ جواز امور محدثہ کا ہو جاوے پس اولاً تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب نصوص و اقوال مجتہدین سے بوجہ تقیید و تعیین کے بدعت سیئہ ہونا ان امور کا ثابت ہو گیا تو بمقابلہ اس کے ملا علی قاری کا قول یا کسی کا قول تعویل نہیں سب فضول ہے مگر چونکہ مؤلف اس قول کے ذریعہ سے اضلال خلق اپنی کج فہمی سے کرنا چاہتا ہے تو اصل مطلب اس کا کہنا مناسب ہوا پس سنو کہ امور محدثہ ذکر مولود کے ساتھ دو قسم کے ہیں یا وہ کہ اول سے ہی حرام و مکروہ شرعی ہیں وہ تو خود ہر حال ممنوع ہیں جیسا روشنی زائد از قدر حاجت کہ اسراف اور حرام ہے قال اللّٰہ تعالیٰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین الآیہ اور حضور امرد کا خصوصاً صبیح الوجہ مجمع شباب و فسقہ میں اور لباس حسن کے ساتھ حرام ہے الامرد کان صبیحا لمکمہ حکم النساء وھو عورۃ من قرنہ الیٰ قدمہ لا یحل النظر الیہ عن شہوۃ فقہی کلام میں حالانکہ یہ در مختار اور حضور فساق بلباس خلاف اور ترک نہی عن المنکر کہ یہ سب حرام ہیں اور دیگر امور پس ایسے امور کا ہونا تو ہر حال اس محفل کو منکر بنا تا ہے اور حاضر ہونا اس میں ممنوع ہے اور بعض امور وہ ہیں کہ اصل :

الیوم فلا بأس بالصلاۃ وما کان حرامًا فھو مکروہ فیمنع اور اس عمل کو تخصیص تھی ساتھ مہینہ مبارک ربیع الاول کے ہر چند وہ تذکرہ رسال
آپ کا قدیم سے یعنی وقت صحابہؓ سے چلا آتا تھا لیکن یہ سامان فرحت سرور کرنا اور اس کو مخصوص شہر ربیع الاول کے ساتھ اور اس
میں بھی خاص ہی بارھواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں اور اول یہ عمل ربیع الاول میں کرنا

مباح ہے مگر بسبب کسی عارض کے کراہت ان پر عارض ہو گئی جیسا شیرینی مباح تھی مگر بسبب تاکید کے یا عوام کے ضروری جاننے کے بدعت ہو گئی
اور بساط اور قنادیل وغیرہ جائز تھے مگر بوجہ اس ہی تاکید و اہتمام کے بدعت ہو گئی پس ملا علی قاری یہ کہتے ہیں کہ جو شئی حسن کل الوجوہ اولا و آخر
مباح ہے وہ تو مباح ہے اور جو شئی دراصل مکروہ تھی یا مباح تھی اور مکروہ ہو گئی وہ ممنوع ہے پس ہر گاہ کہ اس زمانہ کے سب قیود اب بدعت
و مکروہ ہو گئی تو اس عبارت ملا علی قاری سے کس طرح ان کا جواز ثابت ہوتا ہے وہ تو مطلقًا مکروہ کو خواہ اصلی ہو خواہ عارضی ہو ممنوع فرماتے
ہیں سو جو اشیاء ان کے وقت میں داخل ہوئی تھیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس وقت میں اباحت کے درجہ سے نہیں بڑھی تھیں اور
عوام بھی ان کا نہ تھا خلاف اس زمانہ کے کہ اب جملہ مباحات اصلیہ بھی اس مجلس میں عوام کے نزدیک ضروری ہو گئے اور بدعت ہو چکی ہیں پس مؤلف کا
استدلال اس عبارت سے محض سفسطہ ہے ہاں البتہ جو امر کہ اس میں نہ کراہت اصلیہ ہو نہ عارضیہ اور مجمع صلحاء کا ہو جیسا مولوی احمد علی صاحب
نے تحریر فرمایا وہ جائز و مندوب ہوگا جیسا ملا علی قاری لکھتا ہے مگر مؤلف اپنی بدعت کی طرف اس عبارت کو کم فہمی سے لیجاتا ہے خود ملا
علی قاری حدیث ابن مسعودؓ میں فرماتے ہیں من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزمًا ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف
من اصر علی بدعۃ ومنکر انتھی بھلا جب ملا علی قاری مندوب کے اصرار کو ---------------
بدعت کہے مباحات کے اصرار کو کس طرح بدعت نہ کہیں گے پس ملا علی قاری کی عبارت دلیل واضح ہے کہ قولہ ما کان حرامًا مکروہًا عام ہے
کراہت اصلیہ ہو یا عارضیہ سو دونوں مکروہ ہیں اور لحوق مباح کا اس وقت تک درست ہے کہ اباحت کے درجہ میں رہے اور جہاں اصرار تاکید
و وجوب ہوا مکروہ و بدعت و حظ شیطان بنا پس اب اس زمانہ کی شیرینی اور روشنی سب ملا علی قاری نے مکروہ فرما دی اور یہ سب سامان
سرور مؤلف کے بدعت ہو گئے اور یہ عبارت ملا علی قاری کی شاہد مانعین کی بن گئی سبحان اللہ کیا فہم مؤلف کا ہے اور کیا عمدہ دلائل
پیش کرتا ہے کہ بابید شاید قولہ اور اس عمل کو تخصیص الخ اقول اب مؤلف نے دلیل دخال سرور کی شروع کی ہے بعد نقل قول ملا علی قاری کے اور
بعد ازاں دخال سرور کا بیان کرتا ہے یعنی سو کہ زمانہ صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ ہے اور چھ سو سال تک کہ فخر عالم کی ولادت اور وقائع
جن ولادت کا اور بعد ولادت کے حالات اور شرح صدر و نبوت اور بیان احکام و قصص وغیرہا کا تعلیم و تعلم کی طرح ہوتا تھا جیسا درس
تدریس علوم کا ہوتا ہے نہ اس میں عقد مجلس تھا نہ اطعام طعام نہ کوئی امر جیسا کہ فخر عالم کے وقت میں تعلیم ہوتی تھی بعد چھ سو کے سن چار میں
ملک مظفر نے جو محفل مولد ایجاد کی یہ تھا کہ روز ولادت آپ کے مجمع علماء و صلحاء کا ہوتا اور ذکر ولادت وغیرہ معجزات کا کر کے کھانا کھلا کر
رخصت کرتا چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ حسن المقصد فی عمل المولد میں لکھتے ہیں عندی ان اصل عمل المولد الذی ھو اجتماع الناس
وقراءۃ ما تیسر من القرآن ورواية الاخبار الواردة فی مبدأ امر النبی علیہ السلام وما وقع فی مولدہ من الآیات ثم یمد لھم سماط یاکلونہ
وینصرفون من غیر زیادۃ علی ذلک من البدع الحسنۃ الخ پس اس ایجاد میں تعیین تاریخ اور اجتماع اور اطعام طعام کی قید اس ذکر
سے تداعی نئی ہوئی اور بظاہر مطلق ذکر کو مقید کیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زمان سیوطی تک یہی رہا بلکہ بعد تک بھی ہوتا رہا اور اس سلطان

تخصیص اور تعیین کے ساتھ ایسا ہی شہر موصل میں ہوا کہ ایک شہر ہے ملک عراق میں وہاں ایک متقی دیندار شیخ عمر موصلی ہر روزگار سے تھے انہوں نے یہ عمل ایجاد کیا یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ سات سو برس سے مولد شریف نکلا ہے اس کا یہ معنی کہ بعض خصوصیات کیساتھ اسی زمانے سے ورنہ اصل تذکرہ مولد شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت سے چلا آتا ہے اور بادشاہ ہوئے پہلے بادشاہ ابوسعید مظفر نے مولد شریف تخصیص و تعیین کے ساتھ ربیع الاول میں کیا غرضکہ اس بادشاہ نے عمر مذکور کی پیروی اس فعل میں کی ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگا کر بڑی

مظفر اور ابن دحیہ کے حال میں مختلف اقوال ہیں کسی نے ان کو عادل ثقہ کہا کسی نے ان کو فاسق کذاب لکھا مگر بندہ کو اس تحقیق سے کچھ کام نہیں اصل مطلب سے غرض ہے پس اسی وقت ایجاد میں علامہ فاکہانی اور ان کے ہم مشربوں نے اس پر اعتراض کیا اور اس کو بدعت قرار دیا اور ثابت کر دیا کہ اس کی اصل کہیں شرع میں نہیں کہ یوم حدوث نعمت کو ہر روز یوم سرور ٹھیرایا جاوے اور مطلق امر کو مقید کیا جاوے زمانہ اور ہیئت کے ساتھ کہ اس کی اصل کہیں کتاب و سنت سے نہیں بلکہ منع اس کا موجود ہے پس یہ بدعت ضلالہ ہوا اور دیگر جماعت نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا ہر چند کہ یہ عاجز نحیف اس قول علماء کے بدعت حسنہ ہونے کی توجیہہ بسبب حسن ظن کے کر سکتا ہے اور آخر رسالہ میں لکھی جاوے گی مگر ظاہر حال وہی ہے جو علامہ فاکہانی نے فرمایا ہے لہذا اس کی تحقیق کرتا ہے الغرض اس وقت ایجاد میں ہی علماء نے اس پر رد کیا اور پھر طبقاً اور ہر زمانہ میں مانعین برابر رد کرتے رہے اور اس کو بدعت کہتے رہے آج تک کہ سات سو سال گذرے کسی نے کوئی آیت یا حدیث صحیح ہیئت میں ہیئت کی مطلق ذکر ولادت کے فضائل بیان کرتے رہے مؤلف کے بہت سے رسائل جمع کر کے مجتہد العصر ہونے کا مدعی ہوا اس نے بھی مطلق ذکر میں ایک آیت اور تین حدیث لکھ کر پس آئینہ شاید بتانے لگا اور خلاصہ دلیل مؤلف کا یہ ہو کہ تمام علماء کرتے رہے ہیں فلاں نے لکھا ہے اول مجہول دعوی کیا کہ علماء بالغ نظر نے ان قیود کو جائز فرمایا ہے پھر مورد الروی کی ایک عبارت نقل کی کہ جس کا حال معلوم ہوا کہ مؤلف کے مفید مطلب نہیں ہے سلطان مظفر کا قصہ استدلال میں لایا ہے اور محض تطویل بے سود ہو اپنا ورق سیاہ کیا ہو کوئی مطلب کی بات نہیں خلاصہ دلیل اور حاصل غرض اس سے یہ ہے کہ صدہا علماء نے جب اس ہیئت موجودہ اس سلطان کو جائز و بدعت حسنہ کہا تو اجماع ہو گیا گویا ایک حجت قطعیہ اجماع کی ہو گئی اور بہت خوش ہو کر بڑی قطعی حجت ملگئی پس اب ناظرین پر اس کی حجت کی حقیقت معلوم ہوئی ہے بغور سنو کہ شریعت میں چار چیزیں ہیں جس سے جواز اور حلت ثابت ہوتی ہو اول کتاب اللہ تعالی دوسرے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ تیسرا اجماع امت چوتھے قیاس صحیح مجتہدین کا سوائے اس کے کوئی دلیل شرعی ہرگز نہیں پس آیت اور حدیث سے ان دونوں میں اس ہیئت اور تعیین و ایام سرور کی کوئی دلیل نہیں ہاں نفس ذکر کی دلیل استحباب کی ہو مگر ان قیود کی دلیل کوئی نہیں بلکہ پہلے ثابت ہو چکا کہ قرآن و حدیث میں ممانعت تعیین و قیود اور مشابہ کفار اور اختلاط فساق اور سب امور منا کیر کی موجود ہے پس یہ دو حجت شرعیہ تو ہر گز مثبت قیود مر کے جواز کی نہیں بلکہ نافی اور ناہی ہیں تیسرا اجماع امت سو بھی یہاں ہرگز موجود نہیں جلال الدین سیوطی حسن المقصد میں لکھتے ہیں دلیس فیہ نص ولکن فیہ قیاس علی الاصلین پس ہر گاہ بلکہ خود سیوطی باوجود وسعت نظر انکار نص کا کرتا ہے تو کسکا حوصلہ ہے کہ نص جواز کی دے اور اس قول سیوطی سے جیسا قرآن و حدیث سے نص جواز کا ہونا ثابت ہوا اجماع کا بھی انکار لازم ہے کیونکہ وہ بھی حجت قطعیہ ہے و نیز باحاد احادیث سے اقوی و اقدم ہے جب اس سے بھی انکار ہوا جب ہی تو قیاس پر جو ظنی ہے سہارا پکڑا ورنہ اجماع کے ہوتے کیا ضرورت قیاس کی تھی اور محل اجماع میں قیاس کب درست ہو پس صاف سیوطی نے انکار وجود ہر سہ حجت کا جواز ان قیود میں کر دیا اور حال یہ

مجلس کیا کرتا تھا اس کے زمانہ میں ایک عالم ابو الخطاب بن دحیہ جو حضرت دحیہ کلبی صحابی کی نسل اور اولاد میں تھا جس کی بابت شرح علامہ
زرقانی اور دوسری تواریخ عربی میں لکھتے ہیں کہ وہ علم حدیث میں بڑا صاحب پختہ کار تھا علم نحو اور لغت اور تاریخ عرب میں کامل تھا بہت ملکوں میں
پھر کے اس نے علم حاصل کیا تھا اکثر شہروں ملک اندلس میں اور مراکش اور افریقیہ اور دیار مصر اور ملک شام و دیار شرقیہ و غربیہ عراق و خراسان
و مازندران وغیرہ میں خود علم حدیث حاصل کرتا اور دوسروں کو فائدہ دیتا پھر انجام کار ۶۰۴ھ چھ سو چار ہجری میں وہ شہر اربل میں آیا یہاں سلطان

بعد تمام اس تقریر کے واضح ہو جاوے گا اب اور سنو کہ سیوطی نے جو انکار وجود اجماع کا جواز ان قیود اور اس ہیئت میں کیا ہے اس واسطے کیا
ہے کہ اجماع کی تعریف شرع میں یہ ہے کہ اتفاق مجتہدین صالحین من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی عصر واحد علی امر قولی او فعلی انتہی من نور الانوار
والشرط اجتماع الکل وخلاف الواحد مانع کخلاف الاکثر انتہی منار پس ہر گاہ کہ خود اس وقت حدوث میں فاکہانی اور ان کے توابع علماء
نے انکار اس پر کیا اور بدعت ہونا اس کا ثابت کر دیا تو اجماع کا وجود کہاں ہو سکتا ہے شرعاً تو اجماع کے وجود کو ایک فرد کا بھی خلاف مانع ہے
پھر ہر قرن میں علماء خلاف کرتے رہے اور اس کے بدعت ہونے کے معترض ہے لہٰذا وجود اجماع کا ہر گز نہیں ہو سکتا اہل علم تو جانتے ہیں
مگر جہلا ظاہری کثرت کو دیکھ کر اجماع سمجھ جاویں جیسے اکثر عوام سمجھ بیٹھے ہیں پس شرعاً یہ مسئلہ قیاسی ہاں اور ظنی بھی ٹھیرا اجماع شرعی ہر گز ممکن نہیں
مع ہذا اجماع کی بھی ضرورت ہے نص الحسامی قال التوضیح و سند الاجماع خبر الواحد والقیاس عندنا والجمہور علی انہ لا یجوز الاجماع الا عن سند
موجب لہ لان عدم السند یستلزم الخطا اذ الحکم فی الدین بلا دلیل خطاء انتہی مع توضیح پس یہاں سند کے واسطے آیت و
حدیث تو پہلے ہی سے مرتفع ہے اجماع کس شے پر ہو ہاں اگر ان دو اصل پر جو ابن حجر و سیوطی نے استخراج کی ہیں ہو جاتا تو ممکن تھا مگر نہیں ہوا جیسے
کہ معلوم ہو لیا کہ کسی قرون میں اتفاق سب کا نہ ہوا اور پھر یہ دونوں اصل فاسد بھی ہیں لہٰذا ان کو علماء نے قبول کیا بہر حال اجماع کا نہ
ہونا اس ہیئت پر ثابت ہو گیا جو تھی حجت ظنی قیاس صحیح ہے اور وہ بزعم مجوزین اس ہیئت میں پائی جاتی ہے چنانچہ سیوطی خود
کہتے ہیں اگرچہ بے علم لوگ کچھ کہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں قیاس بھی صحیح نہیں اس واسطے کہ منجملہ شرائط صحت قیاس کے یہ بھی شرط ہے کہ
کوئی نص مخالف حکم قیاس کے موجود نہ ہو اگر ایسی نص موجود ہو وے گی تو قیاس باطل ہو جاوے گا اور یہ بھی شرط ہے کہ قیاس فرع میں
نص کو متغیر کرے یعنی مطلق کو مقید مثلاً قال فی التوضیح ولا یصح القیاس ان کان فی الفرع نص لانہ ان کان موافقاً للنص فلا حاجۃ
الیہ وان کان مخالفاً یبطل وان لا یغیر القیاس حکم النص فلا یصح شرط التملیک فی طعام الکفارۃ قیاساً علی الکسوۃ لانہا تغیر حکم قولہ
تعالیٰ فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین ولذا شرط الایمان فی کفارۃ الیمین قیاساً علی کفارۃ القتل یخالف اطلاق النص انتہی پس اب سنو کہ
تحقیق ہو چکا کہ احادیث ثابت ہو لیا کہ مطلق کو مقید کرنا ممنوع ہے کہ تغیر حکم شرع کا ہے اور اس پر اجماع تمام امت کا ہے
شیخ نے بھی اس کو خوب اصح اسی واسطے لکھا تھا اور ذکر فخر عالم کا اور شکر آپ کے وجود کا نصوص میں مطلق وارد ہوا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ
ورفعنا لک ذکرک الآیۃ واما بنعمۃ ربک فحدث الآیۃ واشکروا نعمۃ اللہ الآیۃ پس مطلق نصوص مندوب ذکر فخر عالم کو قیاس بغیر کسی ہیئت میں کرنا کس طرح
درست ہوگا کہ یہ قیاس خلاف حکم نص کے ہے اور مغیر حکم نص کو ہے پس یہ قیاس ہر گز صحیح نہیں ہو سکتا اور حسب قاعدہ اصول شرع
یہ قیاس باطل ہے کہ مغیر اور مخالف حکم نص کے ہے پس معلوم ہو لیا کہ یہاں کوئی قیاس بھی صحیح نہیں جیسا تین حجت سابق نہیں
پس ہر چہار حجت شرعیہ اس امر میں موجود نہیں پس ایجاد اس ہیئت و تعین کا ہر گز جائز نہیں بلکہ بدعت ضلالہ ہے بغور ملاحظہ فرما دیں

ابوسعید مظفر کے لئے مولود شریف تصنیف کیا اس کا نام رکھا کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر اور خاص آپ اس کے سامنے پڑھا ایکہزار اشرفی انعام میں سلطان سے پائی منکرین لوگ اس عالم محدث کو بباعث مولد شریف لکھنے اور پڑھنے کے دشمن جانتے ہیں اور ان کی برائی لکھتے ہیں حالاں کہ کتب معتبرہ میں ان کی تعریف مندرج ہے اور اسی طرح سلطان مظفر کو بھی برا کہتے ہیں کہ اس کی پلٹنوں میں باجا بجتا تھا اس بات سے منکرین نے اس پر مزامیر سننے کا عیب لگایا حالاں کہ وہ پلٹن کا باجا تھا مثل طبل غازی آلات تہیہ جہاد میں داخل تھا اس

اب ان دو اصل کو دیکھو جن کو سیوطی فرماتے ہیں اصل سیوطی کی تو حدیث عقیقہ کی ہے کہ آپ نے اپنا عقیقہ بعد نبوت کے کیا تو سیوطی کہتے ہیں کہ آپ کا عقیقہ تو عبدالمطلب نے کیا تھا اور عقیقہ مکرر نہیں ہوتا تو یہ ذبح شکریہ اپنے وجود پر وجود کا کیا تھا اور اس ذبح کو اس پر محمول کیا جاوے گا اور تشریح امت کے واسطے یہ شکریہ کیا تھا بس برس قیاس ہم کو بھی آپ کے وجود کا شکریہ باجتماع واطعام کرنا مستحب ہوا پس اول تو سنو کہ سیوطی نے اس اصل سے نفس شکر ہی کو قیاس سے نکالا ہے کیوں کہ اس میں ذبح کا ذکر ہے تاریخ کوئی مذکور ہی نہیں اور اجتماع واطعام کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں پس سوائے شکر کے باقی قیود سب کی سب ان کے نزدیک بھی اصل بدعت وکراہت پر مستقر وانکار پر باقی ہیں اس امر کو خوب غور کر لیویں مثلاً تعیین وتقیید مطلق کا اور تشبہ کفار کا اور مداہنت مبتدعہ اور فسقہ کے ساتھ اسراف روشنی کا اور دیگر مکروہات کا اس اصل سے ان کو کوئی بوئے جواز بھی نہیں ملی اور نصوص قطعیہ سے ممانعت ان کی ثابت ہے اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان کے وقت میں اس استحباب کے درجہ تاکد کا بھی نہ تھا اور مباح کو اپنی حالت سے تغیر بھی نہیں تھا بہر حال اس اصل سے مدعا سرور واستحباب قربات مالی وبدنی کا معلوم ہوا اور بس پس مولد مروج اس زمانہ کو کوئی فائدہ اس سے نہیں ہوا اور دوسرے یہ کہ حدیث ضعیف ہے چنانچہ سفر السعادت میں اور اس کی شرح میں شیخ عبدالحق نے فرمایا اور اسناد آں ضعیفی ہست وخالی از بعدے ہم نیست انتہی اور بعض نے اس کو موضوع بھی کہا ہے بہر حال حدیث ضعیف موجب عمل کے نہیں ہوتی پس قیاس اس سے کرنا بھی لائق کے نہ ہوگا تیسرے عقیقہ کے معنی لغوی وشرعی دونوں کو سیوطی نے ترک کر کے ایک معنی مجازی کے لئے کہ وہ شکریہ ہے سو بلا دلیل قوی محض احتمال سے ثبوت حکم مذہب کا اس سے نہیں ہو سکتا چوتھے یہ کہ حق تعالیٰ نے ایجاد وبعثت فخر عالم علیہ السلام منت اور احسان عباد پر فرمایا ہے حق تعالیٰ لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم الآیۃ اور اس منت کا شکر عباد پر واجب کہا ہے بقولہ تعالیٰ واشکروا نعمۃ اللّٰہ ان کنتم الآیۃ اور دیگر آیات سے بھی یہ ثابت ہے پس طلب شکر کو حق تعالیٰ نے مطلق رکھا ہے کسی وقت وہیئت میں مقید نہیں کیا پس قید کسی وقت وہیئت کی مغیر اس نص کی ہووے گی تو بھی قیاس باطل ہوا اور جو محل نص میں قیاس ہوا تو بھی لغو ٹھیرا اور خلاف حکم نص کے تقیید ہوئی تو بھی باطل ہو گیا ہاں مطلق شکر مطلق اوقات میں فرض منصوص ہے سو اس میں کلام ہی نہیں جو کچھ بحث ہے تو تعینات میں ہے اور پھر یاد دلاتا ہوں کہ سوائے افعال شکریہ کے دیگر قیود اپنے حال پر ہیں کہ اس غیر صحیح سے بھی ان کو کچھ علاقہ نہیں پانچویں حدیث ضعیف عقیقہ میں کوئی قید زمانہ کی نہیں کہ کس تاریخ وماہ میں کیا تھا پھر اس سے ماہ ربیع الاول اور تاریخ ولادت ثابت کیونکر ہوتی کہ ایک امر منکر اس ہیئت کا ہے نفس ذبح ثابت ہوتا ہے کہ اما قدم ہے نہ صدقہ نہ کچھ پھر اس سے کوئی قید بھی ثابت نہ ہوئی نہ اطعام سرور باجتماع فقط النسک اور دم ثابت ہے اور بس اور کلام اعادہ سرور میں ہے نہ شکر میں اور تاریخ معین پر اجتماع وہیئت معینہ سے شکر میں پس اس کو کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا پس قیاس بھی اس سے درست نہ ہوگا اور اس ہیئت شکریہ پر کسی صحابی اور تابعین عمدہ سے

کے طبل وغیرہ چیزدیگر ہیں اور مزامیر لہو و لعب چیز دیگر اور محفل میں مدائح مصطفویہ سن کر شدت سرور سے اس کو وجد ہوتا تھا اس کا نام
انہیں مانسوں نے رکھا کہ وہ محفل میں ناچتا تھا اور لوگ اس کی محفل میں خیال گائے جاتے تھے یہ خاک اڑایا اس کا کہ اشعار نعت پڑھے جاتے
تھے اور اشعار کی تعریف خود کتابوں میں تصریحاً لکھی ہے کہ اشعار مقدمات خیالی کو کہتے ہیں پس کہاں تو یہ خیال کہاں وہ ٹپہ اور خیال سہ چشم
اندیشش کہ برکندہ باد چشم عیب نما یدہنرش درنظر خلاصہ یہ کہ یہ صاحبان صافی طینت بدعت مولد شریف کرنیکے لاکھ برائی کریں مگر چلا دیر

مگر یہ فعل تشریع کیواسطے تھا تو کیوں ان قرون میں بالکل متروک ہوا اب بعد چھ سو کے اس پر عمل ہوا یہ اول دلیل اس کی ہے کہ کچھ اصل نہیں رکھتا
پس یہ اعتراض فاکہانی کا کہ اس اطلاق حکم شکر کو زمان وہیئت سے مقید کرنا بدعت ہے کسطرح رفع ہوا اور کیا امر اس قیاس سے ثابت
ہوا اس اثبات سیوطی سے تعجب آتا ہے نہیں نہیں بلکہ فاکہانی کا اعتراض قائم ہے اور یہ قیاس خود باطل ہے اس سے کوئی قید ثابت نہیں
ہوتی کما لا یخفی پس صاف ظاہر ہوگیا کہ ہر سہ نصوص کا تو خود سیوطی اقرار کرتے تھے کہ یہاں موجود نہیں اصل رابع جو سیوطی نے پیدا کئے تھے وہ
بھی لاشے محض ہے خصوصاً ہمارے زمانہ کے مولود کو تو کسی وجہ سے بھی مفید نہیں چنانچہ ہر ذی عقل پر روشن ہے دوسری اصل شیخ ابن حجرؒ کی سنو
کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود کو یوم عاشورا کا روزہ رکھتے دیکھکر پوچھا کہ تم کیوں اسدن روزہ رکھتے ہو یہود نے کہا
کہ اس روز میں فرعون غرق ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکراً روزہ رکھا تھا تو ہم بھی رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا
کہ ہم احق ہیں ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تم سے پس آپ نے روزہ رکھا اس سے معلوم ہوا کہ روزہ منت واحسان کے اعادہ سرور کا شکر کرنا درست ہے
پس سنو کہ قیاس بھی درست نہیں اول تو وہی تقریر سابق یہاں بھی ہے کہ شکر وجود بوجود آپ کا نص مطلق سے مطلق ثابت ہوا ہے پس یہ قیاس
لغو ہے اور بسبب تغیر حکم نص کے اطلاق سے تقیید کیطرف یہ قیاس باطل ہے اور اس اصل سے فقط جواز اعادہ شکر کا یوم ورود نعمت میں ابن
حجر نے ثابت کیا ہے کہ اس کی حقیقت بھی اب معلوم ہو جاتی ہے اور سوائے اس کے کوئی قید قیود مولود مروجہ کی اس سے ثابت نہیں ہوتی پس
بدعت کو کیا نفع ہوا اور خود ہیئت اجتماع جو فاکہانی کا اعتراض ہی قائم ہے اب تحقیق اس واقعہ کی سنو کہ بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم اس روزہ کو قبل ہجرت مکہ میں رکھتے تھے عن عائشۃ قالت کان یوم عاشوراء تصومہ قریش فی الجاھلیۃ وکان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یصومہ فلما قدم المدینۃ صامہ علی عادتہ قسطلانی وامر الناس بصیامہ فلما فرض رمضان فی السنۃ الثانیۃ (قسطلانی)
ترک یوم عاشوراء فمن شاء صامہ ومن شاء ترکہ انتہی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم عاشورا اول ہی سے آپ نے حسب عادت رکھا
تھا قسطلانی خود علی عادتہ لکھ رہا ہے اور خود ابن حجر عسقلانی بھی شرح بخاری میں بھی اقرار کرتے ہیں اور لوگوں کو امر فرمانا بھی بامر اللہ تعالیٰ
تھا کیونکہ افتراض صوم کا بدون امر حق تعالیٰ کے نہیں ہو سکتا پس یہ روزہ علی عادتہ رکھا مگر فرضیت کا حکم اب زائد ہوگیا پھر دوسرے سال
فرضیت منسوخ ہوگئی تو صاف ظاہر ہے کہ شکر نجات حضرت موسیٰ کی وجہ سے یہ روزہ نہ ہوا تھا بلکہ بعادت وافتراض اللہ تعالیٰ تھا دوسرے
حدیث ابن حجرؒ کی اصل یہ ہے عن ابن عباس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینۃ فوجد الیھود صیاما یوم عاشوراء فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ھذا الیوم الذی تصومونہ فقالوا ھذا یوم عظیم انجی اللہ موسیٰ وقومہ وغرق فرعون وقومہ فصامہ موسیٰ
شکرا فنحن نصومہ فقال رسول علیہ السلام فنحن احق باولیٰ بموسیٰ منکم فصامہ وامر الناس بصیامہ الحدیث پس اس حدیث میں اول کلام تو یہ ہے کہ
یہود کا کہنا کہ فنحن نصومہ ای اتباعاً لموسیٰ خود یہود کا روزہ باتباع سنت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھا بوجہ شکر کے کیونکہ شکر روزہ

حاک نہیں پڑتی دیکھو تواریخ عربی میں طومار کے طومار اس کی تعریف میں بھرے ہوئے ہیں یہ موقع طول کا نہیں اس لئے ایک مختصر عبارت علامہ
زرقانی شارح مواہب کی لکھتا ہوں کہ انھوں نے علامہ ابن کثیر کی تاریخ سے نقل فرمائی ہے کان شہما شجاعا بطلا عاقلا عالما عادلا رحمہ اللہ
الحاصل اس بادشاہ کے وقت میں جب ہر سال سے محفل میلاد شریف ہونے لگی ایک مولوی نے اس میں یہ عذر کیا کہ یہ تخصیص کہ خاص ربیع الاول
کی بارھویں تاریخ ہی کو محفل ہوا کرے فرض واجب یا سنت مؤکدہ تو کسی کے نزدیک نہیں باقی رہی یہ کہ مستحب یا مباح ہو سو یہ بھی نہیں اس لئے
کہ بدعت دین میں درست نہیں پس لابد اس کو مکروہ کہیئے یا حرام اور سوا اس ایک عالم کے جس قدر علماء تھے سب نے اس کے قول کو رد کیا اور فتویٰ
دیا کہ یہ مستحسن اور مستحب ہے اور وہ بدعت منع ہے جو سیئہ ہو اور یہ تو حسنہ ہے پس اسی فتوی پر عمل ہو گیا تمام اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ
صوفیہ مولد شریف میں حاضر ہوتے چنانچہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے وکان یحضر عندہ فی المولد اعیان العلماء والصوفیۃ اور رائج ہو گیا
یہ عمل مقبول تمام شہروں اور ملکوں میں ہو گیا چنانچہ ملا علی قاری اور علامہ حلبی قسطلانی وغیرہ نقل کرتے ہیں کلام حافظ ابو الخیر سخاوی سے شہود

نجاۃ کے تھا اور پھر جو شکر نعمت کا مثل سب لعملہ کے ہر دم رہتا ہے اس سے بحث نہیں پس فخر عالم کا روزہ بھی شکر کا نہ ہوا بلکہ اتباع حضرت موسیٰ
کی سنت کا ہوا اور اگر تسلیم کریں اس کو کہ یہود کے کہنے پر روزہ رکھا تھا سو یہود دو کام کرتے تھے ایک صوم کہ وہ سنت حضرت موسیٰ کی تھی یا ان پر
فرض ہو گیا تھا کو معروض من اللہ تھا دوسرے سرور عید یوم النجاۃ سو اس کو خود فخر عالم ؐ نے رد کر دیا تھا چنانچہ حدیث مسلم میں مصرح ہے
اس صورت میں اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس میں اعادہ شکر ہرگز نہیں اور جس فعل میں اعادہ شکر سرور کا ہے وہ شارع نے بوجہ مخالفت
یہود کے چھوڑ ہی دیا تھا دوسرے یہ کہ صحاح میں کہیں کچھ نہیں کہ یہود کے کہنے سے آپ نے روزہ رکھا تھا اور بوجہ نجات حضرت موسیٰ کے رکھا تھا بلکہ اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ بعد سوال یہود اب یہود کے آپ نے روزہ رکھا سو پہلے حدیث خود صاف لکھ رہی ہے کہ بغرض اللہ تعالیٰ وعلی عادۃ تھا پس
احتمال رفع ہو گیا اور احق بموسیٰ منکم ای اتباعاً لا سروراً و شکراً کیوں کہ سرور کا امر تو آپ نے ترک ہی کر دیا وعن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشوراء یوم
یعظمہ الیہود وتتخذہ عیداً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموہ انتم دوسری روایت ہے فاھذا الیہود پس آپ یہود کی عید
کا حکم فرما چکے کہ صوم عید کے خلاف ہوتا ہے اور یہ قول احق بموسیٰ منکم بطریق الزام کے تھا کہ تم کس امر میں متبع موسیٰ کے ہو تم تو ہر امر میں
کے تابع اور مخالف شرع وحکم موسیٰ کے پھر دعویٰ اتباع تمہارا بے محل ہے ہاں ہم متبع موسیٰ کے ہیں پس یہ الزام تھا نہ وجہ صوم کی پس بہر حال
صوم عادہ شکر و سرور کا نہ ہوا اور نہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا پھر قیاس کس چیز پر کیا جاتا ہے عجب ہے کہ ابن حجر جیسا ایسی بات فرماتے ہیں
پھر اس سے اگر کوئی تسلیم بھی کرتا تو اعادہ نفس شکر یوم معین کا نکلتا تا کہبانی کے دو اعتراض تھے سو ہیئت اجتماعی کرتے ہو نا تو اب بھی رفع نہ ہوا
بہر حال اول اس حدیث کے اصل ہونے میں ہی کلام ہے کہ ہرگز اس سے اعادہ شکر و سرور کا یوم معین میں نہیں نکلتا اگر معلوم بھی ہو دوسرے
قیاس کے بطلان کی وجہ معلوم ہو چکی اور مولود مروجہ کو کسی وجہ سے بھی مفید نہیں پس محقق ہو گیا کہ جوانہ قیود میں حجت قیاس سے بھی کچھ ثبوت
نہیں للہذا لگ اولہ سے بدعت ہونا اس مروجہ کا محقق ہو گیا فللہ الحمد اب مؤلف کے اقوال بہ معنی کو دیکھنا چاہیئے قولہ الحاصل اس بادشاہ
کے وقت میں جب الخ اقول تسلیم کیا کہ ایک علامہ عالم نے ہی انکار کیا مگر اس کے انکار کا آج تک کسی سے جواب نہیں دیا گیا اور فقط اس نے
نے اجماع کو جو مزعوم مؤلف کا ہے باطل کر دیا اور قیاس کی کیفیت معلوم ہو چکی کہ یہاں کسی کام کا نہیں قرآن و حدیث سے کچھ ثبوت ہے
نہیں پس سب آپ کے علماء کا فتوی لا یعبار رہا ہو گیا اور بدعت ہونا مقرر ہو گیا اور حاضر ہونے سے مشائخ اور علماء کے کچھ حجت جو رہے

سنال اهل الاسلام فی سائر الاقطار الدین الکبار یحتفلون فی شہر مولدہ ویعتنون بقراءة مولدہ الکریم ویظہر علیہم من برکاتہ کل فضل عمیم اور ملا علی قاری نے کل ملکوں میں مولد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے جس کا جی چاہے ان کے رسالہ میں دیکھے کہ وہ لکھتے ہیں یہ بات کہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً اور ملک مصر اور ملک اندلس اور ممالک مغربی اور ملک روم اور ملک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمال اہتمام اور احتشام سے ہوتی ہیں محفلیں مولد شریف کی اور یہ بھی لکھا ہے ومن تعظیمہا انہم وعلماءہم غفر الودن المعظم والمجلس المکرم انہ لا یابیٰ احد فی حضورہ سبحانہ ... ضمیر غائب لفظ ہم راجع جمیع مذکورین یا دیار و ممالک مذکورہ بالا کی طرف پس معنی یہ ہوئے کہ اس محفل اور مجلس کی تعظیم ان سب ملکوں کے مشائخ طریقت اور علماء شریعت اس قدر کرتے ہیں کہ کوئی اس میں حاضر ہونے سے انکار نہیں کرتا انتہیٰ کلامہ پس مقبولیت اور شہرت اور کثرت اس عمل پاک کی کلام ملا علی قاری اور سخاوی سے ظاہر ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء اور مشائخ میں کوئی انکار نہیں کرتا تھا اس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی ایک دو آدمی اور ادھر انکار کرتا رہا وہ مخالف ہزاروں بلکہ لاکھوں کا اور خلاف سواد اعظم سمجھ کر ہر دورہ اور ہر عہد میں وہ منکر اپنے علماء معاصرین میں غیر مقبول اور متروک العمل رہا چنانچہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں زمانہ قدیم سے ابتک اور ملک روم شام و اندلس اور ممالک مغربی وغیرہ تمام بلاد اسلامیہ میں ہمیشہ سے اس وقت تک ایسی استحباب اور استحسان محفل مولد شریف پر عمل ہے سوائے اس خطۂ پاک حضرت ہندوستان کے کہ اس میں طرح طرح کے انکار پیدا ہو گئے اور زمانہ قدیم میں بھی علماء ہند کے مقبولین معتمدین متقدمین مثل شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور ملا محمد طاہر صاحب مجمع البحار استحباب عمل مولد کے قائل تھے اور نیز بعض قصص و حکایات ہمایوں وغیرہ بادشاہان دہلی سے اور نیز کلام حافظ ابو الخیر سخاوی سے ملک ہندوستان میں رائج ہونا اس عمل پاک کا یقینی طور پر

اگر کروڑوں علماء بھی فتویٰ دیویں بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں اگر کچھ بھی علم و عقل ہو تو ظاہر ہے پس قول سبط ابن الجوزی کا کہ یحضر عندہ فی المولد اعیان العلماء والصوفیہ بمقابلہ نصوص کے ہرگز ملتفت نہیں اور تمام بلاد میں اشتہار اس کا کوئی دلیل شرعی نہیں صلوٰۃ لیلۃ البراءۃ اور رغائب تمام دنیا میں شائع ہوئی اور بدعت بھی ہے پس اشتہار امر غیر مشروع کا موجب جواز کا نہیں ہوتا پس سخاوی کے اس قول میں کوئی حجت شرعیہ نہیں علیٰ ہذا ملا علی قاری کا لکھنا کہ تمام ملکوں میں یہ رائج ہے قولہ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی الخ اقول جو ایک ہی عالم موافق نصوص شرعیہ کے فرمادے اور اس کی تمام دنیا مخالف ہو کر کوئی بات خلاف نصوص اختیار کرے تو وہ ایک ہی عالم مظفر منصور اور عند اللہ مقبول ہوویں گے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی علی الحق منصورین لا یضرہم من خالفہم حتی یاتی امر اللہ طائفہ خود تقلیل شے کا ہوتا ہے اور قلت پر دلالت کرتا ہے پس خود ارشاد فخر عالم ہے کہ جو موافق کتاب و سنت کے کہے وہ طائفہ قلیلہ اگرچہ رجل واحد بھی ہو وہ علی الحق ہے اور اس کی مخالف تمام دنیا بھی ہو تو مردود ہے اور یہاں خود مبرہن ہو لیا کہ یہ مجلس مروج ادلہ اربعہ شرعیہ کے خلاف ہے اور ادلہ اربعہ سے بدعت ہونا اس کا ثابت ہے فماذا بعد الحق الا الضلال اب مؤلف ممالک کی شمار کر کے اپنی کرم کہانی لکھی جاوے بندہ احقر پہلے عرض کر چکا کہ مؤلف کے پاس کوئی دلیل سوائے اس کے نہیں کہ تمام علماء کرتے رہے اور یہ بشرط ثبوت و تسلیم کوئی حجت شرعیہ نہیں حجت وہ ہے کہ ادلہ اربعہ سے پیدا ہووے اب مؤلف کا مایۂ علم اور دلیل اثبات اس کے مدعا کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہمایوں وغیرہ بادشاہوں کی حکایات سے استناد کرنے لگا اور کفار فرنگ کی تعطیل کو بھی حجت جواز بنا لیا کل ایام لیالی کی تعطیل کو حجت جواز ایام لیلہ کی نہ لکھ دیوے استغفر اللہ استغفر اللہ مؤلف کے حواس میں بیشک فتور اور اس کو ضعف دماغ سے مالیخولیا ہو گیا

معلوم ہے انتہا یہ کہ اس وقت میں جو حکام فرماں روا انگریز ہیں کہ ان کو کچھ علاقہ تعظیم وآداب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں باایں ہمہ انھوں نے بھی اپنی کچہری اور محکمہ میں جابجا اہل اسلام کے لئے مثل عید او ربقرعید اور شب برات کے ایک دن چھٹی اور تعطیل کا واسطے خوشی میلاد حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں تاریخ ربیع الاول کو مقرر کر رکھا ہے افسوس صد افسوس کہ حکام انگریز اپنے کاروبار ضروری میں ایسے حرج منظور کریں اور اپنے حقوق خدمت اور کارگذاری کو اس روز کے واسطے بجاآوری مراسم فرحت وسرور وتعظیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے موقوف کریں یہ لوگ اس کے مقابل میں زبان مبارک سے فرمادیں معاذ اللہ منہا کہ یہ فعل بدعت ہے اور ضلالت ہے اس دینداری اور خوش عقیدگی پر افسوس کیا خوب قدر پہچانی حضرت شفیع محشر کی صلی اللہ علیہ وآلہ واتباعہ وبجمیع اجمعین خیر انکار کرنے والے انکار کریں اگر ان کو بھی توفیق ہو کنارہ کریں محفل پاک ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر ہم اس وقت تک کا ثبوت کامل دیکھیں کہ مشرق سے مغرب تک کل ممالک اسلامیہ میں اہل اسلام اس عمل پاک کو محمود اور مستحسن جانتے ہیں پس کافی ہے ہم کو حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ فرماتے ہیں ما رآہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن یعنی جس چیز کو مسلمان لوگ اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور ہندوستان کے کسی نواح یا ضلع میں اگر دس پانچ مولوی اس آخری دورہ میں کہ فتنہ وفساد کا وقت ہے اپنا ایک جرگہ باندھ کر کچھ اس عمل کو برا کہنے لگیں تو

صد افسوس قولہ پس کافی ہے ہم کو حدیث ابن مسعودؓ الخ اقول مؤلف نے الفاظ ہی یاد کر لیے ہیں معنی تو کسی سے پڑھے ہی نہیں یہ سمجھ لیا کہ جس کام میں بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تو وہ امر جائز ہو گیا حالاں کہ مبتدعین فسقہ متبعین سنت سے زائد ہیں اس زمانہ میں ہزار گونہ کی نسبت ہو گئی اور حدیث لا یزال طائفۃ من امتی کو جو لکھی گئی اور حدیث بدا الاسلام غریبا وسیعود کما بدا فطوبی للغرباء الحدیث اور مثل اس کی سب کو پس پشت ڈال دیا ہے کہ ان احادیث میں طائفہ اور غرباء کی مدح ہو رہی ہے اب اپنے حسب عادت ان کو رد کر دے تو اس سے عجب نہیں سو سنو کہ ان احادیث سے تو یہ مراد ہے کہ جس وقت میں تمام دنیا میں حب دنیا وجاہ واتباع ہوی جائے گا اس وقت میں وہی دو چار متبع سنت مقبول ہوویں گے ان کو طوبی ہو اور حدیث ما رآہ المسلمون کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی امر میں نص صریح قرآن وحدیث واجماع امت سابقہ سے نہ ہو اور اس پر باشارہ ودلالت النص تکم علماء جمع ہو ویں کیوں کہ لام استغراق کا المسلمون میں موجود ہے اور اسلام مطلق سے فرد کامل اسلام کے مراد ہے تو مکمل مسلمین علماء مجتہدین ہی ہوتے ہیں پس تمام علماء کملاء اس کو دلالۃ النص سے بوجہ اسلام کامل کے حسن اعتقاد کریں اور جانیں کیوں کہ مشتق منہ علت حکم کی ہوتا ہے پس ایسا امر عند اللہ بھی حسن ہی ہوگا اور اس کے معنی بعینہ وہی ہیں کہ فرمایا لا تجتمع امتی علی الضلالۃ اور یہ اور وہ دو قول حدیث اجماع قطعی کو ارشاد فرماتے ہیں پس مؤلف آنکھ کھول کر دیکھے کہ اجماع کس کا معتبر ہوتا ہے اور اجماع کس وقت اور کس شرائط سے قابل اعتماد ہوتا ہے اور یہاں قیود مروجہ مولود میں وہ شرائط ہیں یا نہیں ابھی بحث ادلہ اربعہ میں کہا گیا ہے اگر مؤلف کو کچھ علم ہے تو دیکھ لیوے تو شاید یہ سمجھ جاوے کہ یہی جرگہ دس پانچ کا طائفہ من امتی اور طوبی للغرباء کا مورد ہے اور یہ مجلس مولود مروج خارج از ادلہ اربعہ ہے زیادہ تطویل کرتا اور بار بار اعادہ مضامین کا کچھ ضرور نہیں مگر اس قدر ہر عاقل سمجھ لیوے کہ ما رآہ المسلمون اس وقت ہے کہ ادلہ ثلثہ شرعیہ سے اس کا کچھ صریح ثبوت نہ ہو ورنہ جب ان ادلہ سے قبح کسی شے کا ثابت ہے تو وہ شے عند اللہ قبیح ہو چکی اب تمام دنیا کے حسن جاننے سے بھی وہ حسن نہیں ہو سکتی مگر ہاں جب ادلہ ثلثہ میں صریح نہیں تو ضرور ضمنی طور پر کچھ ہوگا اس وقت جب سب علماء

لے غرباء سے چھوٹی جماعت سے گروہ سے چاروں دلائل سے جامع۔

توکب عنداللہ مقبول ہو سکتا ہے اس کا تصفیہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے آپ نے ارشاد فرمایا ہے اتبعوا السواد الاعظم اس حدیث کے معنوں میں لاکھ یہ لوگ سر پٹکا کریں اور کسی کسی کے اقوال شاذہ نقل کیا کریں لیکن جو معنی اس حدیث کے جمہور محدثین کے نزدیک ہیں وہ یہی ہیں جس کو مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے اپنے مطبع کے مشکوٰۃ میں ملا علی قاری سے نقل کر کے قائم کیے ہیں سواد اعظم کو لکھا ہے یعبر بہ عن الجماعۃ الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین اور اسی طرح مولوی اسحاق صاحب کے خلیفہ شاگرد رشید نواب قطب الدین خاں صاحب نے مشکوٰۃ کے ترجمہ میں اس حدیث کے یہ معنی لکھے ہیں کہ جو اعتقاد اور قول و فعل اکثر علماء کے ہیں ان کی پیروی کرو چونکہ یہ دونوں عالم اس فرقہ کے نزدیک کمال مستند ہیں اس لئے ان کے قول پر بس کرتا ہوں نقل اقوال اور علماء محدثین کی کچھ حاجت نہیں اور لمعہ ثامنہ

متفق ہو جاویں اور کسی خفی امر سے استنباط کر کے مجتمع ہو جاویں کہ ایک بھی ان سے منفرد نہ ہو تو وہ عنداللہ حسن ہو گیا کہ اجماع ان کا مظہر اس حکم کا ہو گیا ہے تامل درکار ہے پس یہاں تو ادلہ اربعہ سے قبح ان قیود کا ثابت ہو لیا اب مؤلف کے مسلمون کے حسن جاننے سے قبح اس کا رفع نہیں ہو سکتا مؤلف ذرا ہوش کرے کلمہ پڑھ کر سوچے علیٰ ہٰذا قولہ علیہ السلام علیکم بالسواد الاعظم کو مؤلف یہ سمجھا کہ اختلاف مسائل میں جسطرف بہت آدمی ہوں اس کو لیوے اور بظاہر یہی وجہ ہوئی کہ مؤلف نے طریقہ سنت کا چھوڑ کر اگرچہ ظاہر و باہر موافق حدیث موافقہ کے تھا طریقہ بدعت کو اختیار کیا اور تاویلات رکیکہ بعیدہ کو گھڑ کر اس طریقہ کا اثبات چاہا کیوں کہ اہل سنت اس دورہ میں کم ہیں جیسا خود فخر عالم نے فرمایا سیعود غریبا اس کا ظہور ہے اور اہل طغیان کی کثرت ہے سو مؤلف نے اس کو سواد اعظم جان کر یہ عمل کیا ہے حالاں کہ حدیث کے یہ معنی ہرگز ہرگز نہیں قال التوربشتی السواد الاعظم عامۃ المسلمین من امۃ مطلقۃ والمراد بالامۃ المطلقۃ اھل السنۃ والجماعۃ وھم الذین طریقتھم طریقۃ الرسول علیہ السلام والصحابۃ دون اھل البدع انتھی اس سے معلوم ہوا کہ سواد اعظم اہل السنۃ ہیں بمقابلہ اہل البدع والاھواء کے نہ مطلق کثرۃ الرجال جیسا مؤلف نے سمجھ لیا اور اس کی شرح دوسری حدیث کرتی ہے قال علیہ السلام فانہ من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار پس آپ نے ایسے وقت اختلاف میں طریق اہل سنت کے التزام کو تاکید فرمایا تھا کہ وہ سواد اعظم ہے اور بدعت کے اجتناب کی تاکید کی تھی نہ یہ کہ مبتدعین کو کثیر دیکھ کر ان کے ساتھ ہو جانا سو تصفیہ فخر عالم کا تو یہ سنت کا راہ بتانا تھا ورنہ حدیث عرباض کے کیا معنی ہوویں گے پس اب سوچو کہ مؤلف اور سب اس کے مقتدی اور طریقہ مروجہ مولود کو جو سو کا ایجاد کرتے ہیں پھر اس میں اختلاف ہوا تو مانعین تو طریقہ معمولہ مروجہ صحابہؓ کی ہدایت کرتے ہیں اور اس بدعت مروجہ کو خلاف ان کے طریقہ کے ثابت کر کے منع کرتے ہیں اور مجوزین اس کی بدعت ہونے کا اقرار کر کے حسن کو بدلائل واہیہ رکیکہ اثبات کرتے ہیں پس سواد اعظم مانعین ہوئے ہر عاقل جان سکتا ہے اگر کوئی جاہل قواعد شرعیہ سے اتنا ہی سمجھ لیوے کہ اس فعل کے بدعت سیئہ اور حسنہ ہونے میں خلاف ہو تو ترک ہی مناسب اور احوط ہے کیوں کہ یہ فعل مندوب ہی ہے واجب تو نہیں تو یہی کافی ہے متدین کو تو مگر جس کے دل میں بدعت مشرب ہو اس کا کیا علاج چہ جائیکہ یہاں ادلہ اربعہ سے اس مروج کی ضلالت ثابت ہو چکی بہر حال اس ہیئت کذائیہ میں طریقہ صحابہؓ کا حسب ارشادات احادیث کے میزان ہے جس کا طریقہ اور قول و فعل صحابہؓ سے موافق ہے وہی حق ہے الحاصل مثل آفتاب نصف النہار کے واضح ہو گیا کہ اکثر المسلمین اور جماعت کثیرہ اور سواد اعظم اہل السنت والجماعت ہیں اور ان کا طریقہ موجب نجات اور سنت ہے اور اسی کا التزام

متن حدیث ... علیکم بالسواد الاعظم ... لا تجتمع امتی علی الضلالۃ

میں بھی اس کی بحث آئے گی پس موجب فرمودۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحسن ہونا عمل مولد شریف کا ثابت ہوگیا والحمد علی ذالک ابھی
خیال آتا ہے کہ حصول مدعا کے دو طریق ہیں ایک تو اس کا ثبوت دینا دوسرے یہ کہ جو اعتراضات مخالفین کے ہیں انکار کردینا پس ثبوت تو کامل

کا حکم ہے پس جو اس کے موافق ہے اگرچہ ایک ہی عالم ہو وہ سواد اعظم اور حق ہے اور جو اس کے خلاف ہے اگرچہ تمام عالم ہو باطل ہے اور اس مسئلہ
میں اولاد بتجسّر عدم جواز ان قیود کا ثابت ہوگیا پس اصل ذکر ولادت وغیرہ خود فخر عالم کا مستحسن اور جملہ امور عارضہ بدعت ضلالہ ہیں اور کثرت
قلت کا اعتبار نہیں موافق سنت و طریقہ صحابہؓ کے واجب التمسک ہے واللہ الہادی

قولہ پس ثبوت تو کامل طور پر الخ اقول مؤلف کو غیرت و شرم کا تو نام و نشان نہیں سنو کہ ثبوت کامل اس کے معنی ہیں کہ اولاد بعت سے اثبات مدعا ہو سو خدا تعالیٰ کے حکم سے کوئی ایک دلیل بھی امر متنازعہ فیہ میں | تمام عبارات سلف سے اجازت نفس ذکر و کراہت قیود مستنبط ہوتی ہے

مؤلف نے نہیں لکھی ایک آیت اور تین حدیث نفس ذکر میں لکھی تھی سو وہ سب کے نزدیک مسلم ہے اور قیود مروجہ کے باب میں جس کا بدعت ہونا متعین
ثابت کرتے ہیں مؤلف نے اسمیں سوائے قصہ کہانی کے کچھ بھی تو نہیں لکھا اور پھر کہتا ہے کہ ثبوت کامل ہوگیا تو کچھ تو شرم کرے کہ آدمی بوڑھے ہر شخص
اس کے اس رسالہ کو دیکھے نہ معلوم وہ کامل ثبوت حکم مؤلف میں ہے کہ یا صندوق میں اس رسالہ میں تو یہاں مولانا اردی کا قول مذکور ہے جسکے معنی بیان
ہوچکے یہ ہیں کہ سب امور مکروہ و محرم تو اسمیں منع ہیں اور جو مباح و مندوب اپنی حد سے نکلکر مکروہ اور بدعت ہوگیا وہ بھی ممنوع ہے سو یہ عین مطلب
مانعین کی ہے اسمیں کوئی ثبوت قیود مروجہ کا نہیں اور سبط ابن جوزی کا قول کہ مولد میں اعیان علماء حاضر ہوتے تھے اور سخاوی کا قول کہ ہر زمانہ
اہل اسلام شہروں میں محفل مولد کرتے ہیں اور یہ ملا علی قاری کا قول کہ اسمیں حاضر ہونے سے کوئی انکار نہیں کرتا اور چند ممالک کا نام لکھدیا کہ
یہاں ہوتا ہے اور حرمین میں ہوتا ہے اور ہمایوں وغیرہ سلاطین کی حکایت کا اشارہ اور فرنگیوں کی تعطیل کا حوالہ پس مؤلف نے یہ دلائل
لکھی ہیں جس کو اثبات کامل کہتا ہے تو سب کا جواب پہلے اجمالاً لکھا گیا کہ یہ قطعاً محقق ہے کہ اجماع شرعی کہ حجت قطعیہ دین کی ہے اس ہیئت
مجلس مولود پر کہ سلطان مظفر کے وقت میں ہوئی اور سیوطی کو اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں نہیں پایا گیا کیونکہ باقرار مؤلف ہر زمانہ میں ایک عالم
اس کا منکر رہا ہے پس اجماع محال ہوا کہ ایک کا انفراد بھی قاطع اجماع کا ہے پس جو کچھ امر جواز کا تھا وہ قول اکثر علماء کا بقول مؤلف تھا سو وہ
ظنی بحکم قیاس کے ہے جیسا اصول میں مصرح ہے سو بمقابلہ نص کے کہ تعیین مطلق کا بدعت ہوتا ہے کب معتبر ہے ہرگز ہرگز نہیں چنانچہ سب
کتب اصول میں مشرح ہے ذرا علم چاہیئے جب یہ سب اقوال مخالف بمقابلہ نص کے رد ہوگئے اور حجت حکایات سلاطین و تعطیل نصاریٰ کی
مردود ہوگئی تو مؤلف نے کونسا ثبوت کامل دیا ہے جس پر یہ کچھ نخرہ ہورہا ہے سو یہ تو اس ہیئت کا ذکر ہے کہ جلال الدین نے لکھی اور یہ ہیئت اس زمانہ
کی سو یہ تو قطعاً بدعت اور ضلالت ہے اسمیں تو نام و نشان بھی جواز کا نہیں اور اگر ہم تسلیم کریں اور ان منقول کو معتبر بھی رکھیں تاہم اسمیں نفس
محفل مولود کا ذکر ہے اسمیں کہیں بھی اس ہیئت مروجہ کا نہیں کہ اثبات دعویٰ مؤلف کو مفید ہو مطلق سے مقید کا اثبات جواز کس عقیل کے نزدیک
ہو سکتا ہے بہرحال مؤلف کو اس ابلہ فریبی سے کہ دو ورق کہانی کے سیاہ کرکے دعویٰ ثبوت کامل کرتا ہے جہلاء عوام تو شاید دھوکہ کھا دیں مگر
جس کو کچھ بھی علم ہوگا وہ کس طرح اس کو تصدیق کرے گا ایک بھی دلیل شرعی نہیں لکھی اور ثبوت کامل ہوگیا معاذ اللہ عنہ ہذا التدلیس
والتلبیس۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ علامہ فاکہانی نے جو کچھ اس ہیئت محدثہ کو رد کیا کہ جسکو سیوطی نے حسن المقصد میں لکھا ہے تو ظاہر حال
اس کا دیکھکر اور مآل انجام کو لحاظ فرماکر رد کیا ہے مگر ظن یہ ہے کہ ہیئت دراصل مباح تھی کیونکہ اس میں سوائے اجتماع صلحاء و اطعام

نے کثیر جماعت کے چاروں دلائل قرآن و حدیث و اجماع و قیاس کے گمراہی کے دلیل پکڑنا ہے جسمیں اختلاف ہوئے سرگروہ کے ایک ہونا شرط قریب۹ کے منتہی

کامل طور پر ہو چکا اب جو اہانت کے ہذیانات کا ہا یہ کام علمائے اہل سنت بخوبی کر چکے نصرۃ المسلمین اور حق الیقین اور سیف الاسلام اور غایۃ الرام اور اشباع الکلام اور ماطۃ الاذی وغیرہ میں جس کو دیکھنا ہو دیکھ لے لیکن کسیقدر مشتے نمونہ خروارے بیان کرتا ہوں لمعہ ثانیہ تعرض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہر سال محفل کرتے ہیں یہ مشابہت کرتے ہیں کنہیا کے جنم کی اور نیز اسمیں تشبہ ہے نصاریٰ کے بڑے دن کا نعوذ باللہ من ہذا القول والاعتقاد جواب اس کا یہ ہو کہ اگر ہندوستان میں یہ فعل ہوتا تو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے یہ بات سیکھ لی ان کی مشابہت کرنے لگے تم اصل حال سن چکے ہو کہ اول یہ عمل عراق کے شہر موصل میں ایجاد ہوا وہ لوگ تو خود کنہیا کو نہیں جانتے کہ کس چیز کا نام ہے اور اس کے جنم کی مشابہت تو درکنار بھلا اگر ہندوستان کے مسلمان جنم کنہیا کی مشابہت کرتے ہیں تو بیان کرو کہ دم دشام

طعام و قرأت قرآن کے کوئی امر مکروہ نہیں ہوا اور اطعام خود مباح اور قرآن و ذکر مستحب اور تعین تاریخ کا لازم نہ تھا تو یہ اس قدر فی حد ذاتہ مباح ہو تو اسوقت میں وہ لوگ عقیدۃ میں مؤکد جانتے تھے نہ عمل میں مثل مؤکد کے التزام تھا اور عوام کی طرف سے بھی طاغیت بھی تو اسوقت فتنہ حال و مآل کو مرفوع جانتے تھے تو اگرچہ بحکم ظاہر کے فتویٰ فاکہانی کا بجا و سزا تھا مگر فی الواقع یہ امر مباح تھا اور یہی امر معقول بلند مولاروی سے صاف ظاہر ہوتا ہو اور یہی تحقیق سیوطی کی حسن المقصد سے واضح ہے سو حق الامر واضح ہوا کہ اصل مسئلہ میں کچھ تنازع نہ تھی جو وجہ منع فاکہانی نے لکھی وہ دوسرے فریق کو بھی مقبول تھی مگر اصل اباحت اور رفع مانع کے سبب سے بدعت حسنہ کہتے تھے اگر امر عارض فاکہانی کا ان کو بھی معلوم ہوتا تو وہ بھی یہی فرماتے جو فاکہانی نے لکھا مگر وہ اس کو مرتفع جانتے تھے سو نزاع لفظی تھی امر واقع میں نزاع حقیقی اصل مسئلہ میں پس یہ نقول اور اقوال اس زمانہ کے مولود کو ہرگز مجوز و مفید نہیں کہ وہ مانع اب موجود ہو گیا ہے قطعاً اور بہت اشیاء ہیں کہ اختلاف زمانہ سے بدلجاتی ہیں جیسا مؤلف خود قائل اس کا ہے دیکھو اہل میت کو طعام دینا اول روز مستحب تھا اب بسبب رسم کے ممنوع ہو گیا سنن ابن ماجہ میں ہو قال ابو عبد اللہ ما ابالہ سنۃ گی کان حدیثا فترک انتھی پس گو یہ ہیئت مباحہ مذکورہ سیوطی کی اس وقت میں مباح تھی مگر اب مکروہ و بدعت ہو گئی ہے قطعاً پس حکم بھی بدل گیا لہذا یہ اقوال سخاوی وغیرہ کے کسی بھی مفید مدعا مؤلف کے نہیں اور بہر حال یہ مولود زمانہ بدعت ہیں سو اب اہل علم غور و تامل سے دیکھیے کہ مؤلف کی کیا فہم تھی ہو کہ ایک بھی دلیل جائز نہیں لایا اور دعویٰ ثبوت کامل کا لکھتا ہے ہاں تعطیل انگریزاں اس کی حجت باقی ہے کہ وہ کسی نقل سے رد صریح نہیں ہوئی اس پر ہی اعتماد کر کے یہ لکھا ہو گا لاحول ولا قوۃ الا باللہ بہر حال ہم کو قدماء علماء پر حسن ظن ہو اور فاکہانی کا کلام بھی نہایت مستحکم ہے اور قابل تحسین، اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ واحفظنا منہ آمین

تشبہ ناجائز کی حقیقت | قولہ لمعہ ثانیہ اعتراض کرتے ہیں الخ اقول تشبہ اس بات میں ہے کہ یوم ولادت کو عید بنا دیں اور مثل عید کے معاملہ سرور شادی کا کریں جیسا قوم کفار کرتے ہیں سو یہ امر تو مشاہد و محقق ہے مگر مؤلف مشابہت ممنوعہ ہونے سے انکار کرتا ہے تین وجہ سے ایک یہ کہ کنہیا کو اہل عراق عرب جانتے بھی نہیں تو انہوں نے کس طرح تشبہ کنہیا کا کیا سو یہ سنو کہ یہ تقریر مؤلف کی بالکل کم فہمی مؤلف کی ہے اس واسطے کہ پہلے محقق ہو چکا کہ تشبہ حرام فقط یہی نہیں کہ کسی قوم خاص کو دیکھ کر اس فعل کو اختیار کرے نہیں بلکہ عام ہے اس سے اگر کسی امر کو کرتا ہو اور تشبہ عارض ہو جاوے یا معلوم ہو جاوے تو اب بعد علم اور عروض کے بھی ترک اس کا لازم ہو گا اگر طبعی و شرعی امر ہوا اور وہ شعار بھی کفار کا ہو چنانچہ حدیث میں ہو کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مردہ کو لحد میں

کے مسلمان اور حرمین شریفین کے علماء جو یہ عمل کرتے ہیں وہ کسکے حنم کی مشابہت کرتے ہیں نعوذ باللہ منہا پس خوب سمجھ لو کہ ہم اس عمل میں تابع ہیں دستور العمل سلاطین روم اور فرمان روایان ملک شام اور ملوک ممالک مغربیہ اور اندلس اور مفتیان عرب کے سلمہم اللہ الی یوم الدین اب سمجھنا چاہیے جس طرح جنم کنہیا کی اسمیں مشابہت نہیں اسی طرح نصاریٰ کی بھی مشابہت نہیں، اس کی کئی وجہ ہیں ایک تو یہ کہ اگر خدانخواستہ مسلمان لوگ نصاریٰ کے بڑے دن کو ان کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو شعار اس قوم کا ہے اس میں شرکت لازم آتی اور مانند ان کے ہو جاتے اسوقت میں البتہ صادق آتا من تشبہ بقوم فھو منھم کیوں کہ تشبہ کے معنیٰ مانند ہونا اور یہاں یہ بات ہرگز نہیں پھر اعتراض کیا. دوسری یہ کہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع اہل اسلام اور استعمال عطریات و حلویات وغیرہ ہرگز شرع میں

نہ رکھتے قبر پر کھڑے رہتے تھے ایک خبر یہود نے کہا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور یہود کی مخالفت کرو اور دست چپ میں خاتم پہننا جائز بالحدیث تھا جب روافض کا شعار ہو گیا تو اب مکروہ ہو گیا علاوہ قیام یہود سے دیکھکر کرتے تھے اور نہ خاتم روافض سے کسی نے دیکھکر سیکھی تھی پس یہ معنیٰ تشبہ کے مؤلف نے اپنی طبع سلیم سے تراشے ہیں دین اسلام میں تو یہ نہیں پس یہ وجہ مؤلف کی مردود ہے اس کی تحقیق پہلے اصل تشبہ میں ہو چکی ہے اور واضح ہو کہ مانعین نہ فرحت ولادت کو برا کہیں اور منع کریں اور نہ ذکر ولادت کو منع کریں بلکہ ایسے امر مستحب میں تشبہ کو جو نص سے ممنوع ہے منع کرتے ہیں مؤلف مطلب تو سمجھتا نہیں نعوذ پڑھتا ہے یہ سمجھا کہ آپ کی ولادت کا ذکر مثل جنم اور بڑے دن کے ہے نعوذ باللہ من ہذا الفہم الکردی ہدایہ میں لکھا ہے کہ قرآن کو دیکھکر نماز نہ پڑھے کہ تشبہ باہل کتاب ہے اب مؤلف نعوذ پڑھ کر کہے کہ قرآن کو یہود کے فعل سے تشبہ کر دیا بلکہ خود جب فخر عالم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ مقتدی کھڑے تھے تو آپ نے اشارہ کر کے بٹھلا دیا اور پھر بعد نماز کے فرمایا کہ ان کدتم انفا تفعلون فعل فارس والروم یقومون علی ملوکھم وھم قعود الحدیث رواہ مسلم یعنی تم فعل فارس و روم جیسا کرتے تھے تو اب مؤلف وہاں بھی کہے نعوذ کرے کہ نماز کو کفار عجم کے فعل سے مشابہ کر دیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور وہی مولوی عبدالخالق صاحب کی نصیحت ثانیہ میں لکھتا ہے قولہ اور کثرت سے بہت مثل منڈ وغیرہ ہنود کے ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بت خانہ سے تشبہ دینا ہے آخر یہ ہر اس فہم پر الی حال مؤلف نے اگرچہ دستور العمل سلاطین روم وغیرہ کا لیا ہو مگر مشابہت ممنوع حسب قاعدہ شرع کے لازم ہو اگرچہ مؤلف نہیں جانتا قولہ سمجھنا چاہیے الخ اقول مؤلف محض نادان ہو عید کرنا اسلام ولادت میں شعار ہی ہو بعد من کل الوجوہ سب امور میں طابق النعل بالنعل مشابہ ہونا ضرور نہیں ایک شے میں مشابہت کافی ہے چنانچہ اس کی تحقیق ہو چکی ہے خود صلوٰۃ قرآن دیکھکر پڑھنے کو دیکھ لو خود قیام کو دیکھ لو کہ فارس و روم کی مشابہت فقط قیام میں تھی باقی کوئی فعل صلوٰۃ کا ان کے دربار سے مشابہ نہ تھا مؤلف نے تمام عمر ڈھیلے ہی ڈھوے ہیں فہم علم کو نہیں جانتا کہ کیا ہو سو خبر اس رسالہ براہین قاطعہ میں اس کو بہت سے امور بتلا دیئے گئے یہ مسئلہ بھی بتلا دیا جاوے مراد یہ ہے کہ جس شے شعار میں تشبہ ہے اسمیں من کل الوجوہ تشبہ ہو تو منع ہے جیسا تمام وضع نصاریٰ کی ایک کلاہ پہنے تو یہ من کل الوجوہ مشابہ نصاریٰ کی ہو مگر اس کلاہ میں بعض وجہ تشابہ کی ہووے گی تو حرام نہ ہووے گی یہ معنی ہیں ورنہ تمام احادیث و جزئیات فقہ کے مؤلف کے فہم کے موافق ہو تو برہم ہو جاتے ہیں بہرحال یہ قول مؤلف کا بالکل غلط ہے مؤلف نے مانند ہونا ہی یاد کر رکھا ہے اور باقی خیریت ہے قولہ دوسری وجہ الخ اقول یہ دوسری وجہ مشابہت ممنوعہ ہونے کی ہے جو مؤلف لکھتا ہے سو یہ بھی سابقاً مذکور ہو چکا ہے کہ تشبہ بہرحال مذموم ہے مؤلف قرآن کو دیکھکر پڑھنے کی مثال لاوے

سلہ انگو صحیح سکے اعوذ باللہ سکے اس کودھی سے ہم پناہ مانگتے ہیں سکہ بکواس سے لڑپی

آلاتِ حرب جدید میں تشبہ ناجائز نہیں ہے

مذموم یعنی بری بات نہیں ہے اور تشبہ بری بات میں مکروہ ہوتا ہے جو شرعًا قبیح ہووے چنانچہ درمختار اور بحرالرائق وغیرہ کی عبارتیں ذکر
فاتحہ سوم میں ہم نقل کر چکے اور یہی جواب ابن جرزیؒ کی طرف سے ہو سکتا ہے جو تشبہ بالنصاریٰ کا اعتراض ان پر کیا ہے اور ان کی طرف سے
دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ پہلے اہل اسلام میں تیر اندازی تھی جب اہل اسلام کو کفار سے مقابلے واقع ہوئے اور ان کے پاس توپ اور بندوقیں
تھیں اہل اسلام کے لشکر مجاہدین وغزوات میں بھی یہی آلات تجویز کئے گئے چنانچہ تیر اندازی کو فقہا لکھتے ہیں دفع ہذا ما استغنی عنہ
بالمدافع یعنی اب ہمارے زمانہ میں اس کی حاجت نہ رہی بباعث توپوں کے اور جس طرح قواعد حرب پلٹن اور رسالہ وغیرہ کے ان کے یہاں
تھے اس طرف بھی اسی طرح کرکے مقابلہ کیا گیا اس کو تشبہ نہیں کہتے یہ آیت فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم
کی تعمیل ہے اسی طرح ممالک مغربی وغیرہ میں کہ حدود اقوام نصاریٰ سے ملحق ہیں جب وہ لوگ اپنے پیغمبر مسیحؑ کی یوم ولادت میں احتشام وشوکت
ظاہر کرتے فخر دکھلاتے تھے اور ضعفاء اہل اسلام وہ ظاہری شوکت دیکھ کر افسردہ خاطر اور خستہ دل ہوتے تھے تب ملوک مصر واندلس مغربی
نے جو اہل اسلام تھے قوم نصاریٰ سے بہت زیادہ رونق وجلال کے ساتھ اعلاء کلمۃ الحق اور اظہار شان اسلامی کے لئے اپنے نبی مختار صلی اللہ
علیہ وسلم کے روز میلاد ماہ ربیع الاول میں تزک واحتشام ظاہر کیا تاکہ شوکت اسلامی ان کے مقابل میں بخوبی ظاہر ہو اور طرح طرح کے
معجزات کا پڑھنا شروع کیا تاکہ عمدہ طور حضرت کے جاہ وجلال اور جمال وکمال کل عالم پر ہر طرف مشہور و منتشر ہو یہ تشبہ نہیں بحقیقت
یہ پست کرنا ہے مخالفین کا اور فروغ دینا ہے شعار دین کا چنانچہ کلام حافظ ابوالخیر سخاوی میں تصریح ہے اس امر کی حیث قال دحما

صوم عاشوراء کی نظیر یاد کر لیوے کہ نہ قرآن دیکھ کر پڑھنا مذموم ہے نہ صوم اور بحرالرائق اور درمختار کے معنے بھی پہلے لکھے گئے ہیں ہاں
دیکھ لیوے قولہ اور ان کی طرف سے دوسرا جواب الخ اقول مؤلف کو فہم سے علاقہ نہیں کیا کہتا ہے کہ جیسا توپ وغیرہ کے ارتکاب میں کہ
آلات حرب نصاریٰ کے ہیں تشابہ نہیں ایسے ہی عید ولادت میں نصاریٰ کا تشبہ نہیں سبحان اللہ کیسا فہم ہے سنو کہ اعداد آلات جہاد
فرض ہے لقولہ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ الآیۃ پس جس آلہ سے دفع کرنا اس کا ممکن ہو اس کا اختیار کرنا فرض ہوگا اب تیر سے دفع
نہیں ہو سکتا تو بندوق توپ وغیرہ کا بنانا فرض ہوا اور محقق ہو چکا کہ فرائض میں تشبہ معتبر نہیں ہوتا اور اس موقع پر مؤلف کا آیۃ
فمن اعتدیٰ علیکم کا تلاوت کرنا بھی ان کے علم وفہم کی خبر دیتا ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کے ساتھ فعل معصیت کریں تو مسلمان بھی انکے
ساتھ بفعل معصیت پیش آویں معاذ اللہ شرم کی بات ہے کتنی مناسبت نہیں پس اس پر قیاس مؤلف کا یہ ہوا کہ گویا تشبہ عید یوم ولادت
ممنوع ہی ہو جب بھی اس وجہ مذکور سے درست ہے تو معلوم کہ کفار کے صغار کے واسطے مؤلف کیا کیا کر چلے گا توبہ توبہ ہمیشہ سے
احتشام کفار کو رہا ہے بسبب تمول کے اور ہر روز ضعفاء مسلمین بھی تھے مگر کبھی ایسا کوئی امر جائز نہ ہوا اگر کراہت وبدعت تشابہ سے
تا انکسار مسلمین کو رفع کر دیوے اور نہ یہ جواب آج تک کسی کو سوجھا تھا اب کئی سو سال کے بعد مؤلف پیدا ہوا تو اس کو سوجھا تو وجہ یہ
ہے کہ ایسا علم جہل مرکب کسی کو نصیب نہ ہوا تھا جیسا مؤلف کو ملا ہے کہ جس کی بدولت سب نصوص کو برہم کرنے کا قصد ہوا یہود ونصاریٰ کی
شوکت اور اعیاد دو عاشوراء وولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قدیم تھی آج تو حادث نہیں ہوئی حدیث میں ترک عید کو رفع
تشبہ کے واسطے حکم ہوا اور مؤلف اقامت عید کا حکم کرتا ہے بلحاظ تشبہ اور صحابہؓ نے فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے واسطے
بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیویں جیسا کفار کے یہاں ذات انواط ہے ذات انواط درخت تھا کہ کفار ایک دو روز میں اس پر ہتھیار

• جمل سامان لڑائی کی جمع۔ مال دار ہونا۔ خستہ حال۔ عید کی جمع۔

انہ لیس المغرب فلہم فیہ یحتفی فی ربیع الاول لیلۃ تسیر بہا الرکبان ویجتمع فیہا ائمۃ العلماء الاعیان من کل مکان دیعلوبین اہل الکفر کلمۃ الایمان اور اسی طرح ابو سعید بوراقی نے لکھا ہے. علماء از اطراف عالم جمع آیند ودر تعظیم آں شب یعنی شب میلاد شریف ارغام اہل کفر وضلال فرمایند» اور خود کلام ابن جزری میں اس کی تصریح ہے لم یکن فی ذلک الا ارغام الشیطان وسرور اہل الایمان یعنی کہا ابن جزری نے کہ نہیں ہے مولد شریف میں مگر ذلیل کرنا شیطان کا اور سرور اہل ایمان کا تماشا یہ ہے کسی دورہ میں کفار اس عمل سے جلتے تھے اس دورہ آخری میں بعضے نام کے مسلمان جلتے ہیں اور تیسرا جواب اور بھی ابن جزری کی طرف سے ہو سکتا ہے کہ یہ دستور ہے کہ جو کسی نیک کام کی طرف لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں تو اوروں کا ذکر کر کے اہل کا شوق دلاتے ہیں مثلاً گاؤکشی وغیرہ مقدمات دلیہ میں جب اہل اسلام کو بے رغبت دیکھیں تو ان کو یہ کہا جاوے کہ قوم ہنود باوجودیکہ مذہب ان کا باطل ہے وہ تو باطل پر جانفشانی کریں اور تم حق پر ہو کر کچھ نہ کرو تم کو ان سے زیادہ

لٹکا کر اس کے گرد بیٹھتے تھے اور عید کرتے تھے نہ یہ کوئی عبادت تھی بت پرستی تھی بس صحابہؓ نے کہا کہ ہم بھی ایک درخت ہیلا لیا کریں تو آپؐ نے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہ تو تمہارا قول ایسا ہی ہوا کہ جیسا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا اجعل لنا الٰہا کما لہم آلہۃ اور اس قول کو رد کر دیا اور سختی سے منع فرمایا تو شارع علیہ السلام تو یہاں تک ان کی اعیاد اور رسوم سے تبعید فرماتے تھے اور ایک مؤلف دوسرا شارع بنا کر ضد سنۃ اللہ کی قائم کرنے کو رفع انکسار مسلمین کے واسطے جائز کہتا ہے معاذ اللہ بھلا خیر ان ممالک نصاریٰ کے جوار میں یہ حیلہ نزد رہے تو ہندوستان میں کونسے مسلمین کو خستہ دلی ہے کہ ہنود کے جشن اور نصاریٰ کے بڑے دن سے ہو رہے ہیں اور پھر یہ رفع خستگی بھی سلاطین کے مراسم میں ہو تو کوئی صورت بھی ہے مؤلف کے اور ہندوؤں کے مولود میں کہ دو آنہ کی ریوڑی پر جمع ہوتے ہیں کونسا احتشام ہے اگر معصیت کو کوئی اختیار کرے شوکت اسلام اور رفع صغار کیواسطے تو جو کچھ ہے تو جیہ پلید ہے اُس کی کوئی صورت بھی ہو گو خلاف قواعد اسلام کے ہو مگر عرب میں اور ہند میں جو مولود ہوتے ہیں اسمیں کیا احتشام ہوتا ہے اور کونسا طمطراق ہے کہ جس کا ظہور نصاریٰ یا ہنود پر ہوئے کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا ہوا مؤلف کی عقل بالکل سلیم نہیں رہی سلیم بدعت ہو گئی ہے آدمی کچھ سوچکر تو بات منہ سے نکالے کیا عجب عذر ارتکاب تشابہ ممنوع شرعی کا ہے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ جمعہ اور عیدین کا احتشام اور وعظ میں فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال کا اظہار کیا کافی نہیں تھا جو اپنی طرف سے کوئی بدعت قائم کیجاوے پھر سخاوی اور نور الدین کے قول پر وہی کلام ہے کہ اگر مراد اس کی وہ ہے جو مؤلف سمجھا تو خلاف النصوص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں ورنہ اس کی وجہ اوپر بیان ہو چکی اور مؤلف کے مولود کو اس سے کچھ نفع نہیں ملتا بس تماشا ہو کہ بدعات و معاصی سے رنجیدہ ہونا اور اس کو مبغوض و منکر سمجھنا تو فرض شرعی تھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان ولیس وراء ذلک حبۃ خردل من ایمان امر منکر سے جلنا ترک ایمان کا تھا اب مؤلف امر منکر کو عین ایمان بتاتا ہے معاذ اللہ فخر عالمؐ کے ذکر ولادت کو کوئی برا نہیں جانتا ہے منکر کو برا جانتے ہیں جب مؤلف سے اپنے دین منکر کے جواز کی دلیل نہیں بنی تو دھوکہ دہی عوام کیواسطے مطلق ذکر مندوب کو اس کے قائم مقام کر کے اہل سنت کو تبرے کرنے لگتا ہے مؤلف نے یہ روافض وجہلاء سے قاعدہ یاد کر لیا ہے مگر وہ تیر اسیر ہی منقلب اور چسپاں ہوتی ہے کما لا یخفی قولہ تیسرا جواب الخ اقول. مؤلف کیا خوش فہم خوش تقریر ہے سبحان اللہ کہتا ہے کہ ادنیٰ کا ذکر کر کے اعلیٰ کی رغبت دلاتے ہیں سو یہاں ادنیٰ تو عید ولادت حضرت عیسیٰؑ کو ٹھیرایا ہے اور اعلیٰ عید ولادت فخر عالمؐ کو غرض دونوں ایک ہی جنس ہیں اور پھر کوئی عاقل ہم مشرب مؤلف کا اس کو

لہ دور سنانا کہ طریقہ الٰہی کی مخالفت کے بے کار کہ ولادت کہ شغل کہ چھوٹو بلند کرنا کہ ممنوعات کہ برا سعیات کی توڑنا

عرق ریزی بالاجابۃ شماری چاہیئے اس کو کوئی عاقل تشبہ کفار کہے گا اسی قاعدہ پر نازل ہوا قرآن میں ان تکونوا تالمون فانہم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ مالا یرجون اس کی تفسیر دیکھنی چاہیئے اور اسی درجہ میں ہو قول محمد بن مسعود گازرونی کا کہ وہ لکھتے ہیں جب بادشاہ یا امیر وغیرہ لوگ اپنے گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں طرح طرح کے تکلفات وضیافت کریں۔ حالاں کہ وہ ابناء دنیا سے ہے۔ پھر میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں کیوں نہ کیا جاوے کہ سبب نجات ہے۔ پس اسی قبیل سے قول ابن جوزی کا ترغیب محفل میلاد میں واقع ہوا ہے کہ جب نصاریٰ اپنے پیغمبر کے میلاد میں ایسی خوشی کریں ہم ان سے زیادہ مستحق ہیں کہ اپنے نبی کی خوشی کریں اور اسی درجہ میں تو قول ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی واقع ہوا ہے کہ یہود نے جب کہا کہ ہم روزہ عاشورا شکریہ نجات موسیٰ کا رکھتے ہیں آپ نے فرمایا انا احق بموسیٰ منکم یعنی جب تم یہود ان کا شکریہ ادا کرو تو میں زیادہ مستحق ہوں اس کا کیوں کہ مجھکو زیادہ مناسبت ہے موسیٰ سے اور ایک خوبی یہاں ہو رہی ہے کہ اگر ابن جوزی یہ مقولہ فرما کر محفل میلاد شریف کی بنا ڈالتے تو یہ بھی گمان ہوتا کہ اسی دلیل پر یہ عمل مبنی ہوا ہے انہوں نے یہ عمل نہ کیا

تشبہ نہیں کرے گا اس واسطے کہ مؤلف کے نزدیک مشبہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں من کل الوجوہ مساوی ہوتے ہیں چنانچہ پہلے بھی لکھ چکا ہے سو دل تو یہی مؤلف کا علم معلوم ہوا اور دوسرے عید ولادت میں کیا ادنیٰ کی ولادت اور کیا اعلیٰ کی عید نفس عید ہونے میں سب یکساں ہیں پس مؤلف عاقل کے قاعدہ پر تشبہ تو ہو گیا اور تشبہ نفس عید میں ہے، ممنوع ہے پس عید ولادت حضرت عیسیٰ کی تشبہ سے یہ عید ممنوع ہو گئی نہیں معلوم کہ مؤلف کیا کہہ رہا ہے جو دلیل جواز بنجاوے ہاں البتہ اگر مؤلف یہ کہتا کہ عید ولادت حضرت عیسیٰ کی ادنیٰ یعنی ناجائز ہے تو وہ اسقدر خرچ کریں اور اہتمام کریں اور عید ولادت فخر عالم کی اعلیٰ یعنی جائز اور عبادت اس میں کچھ بھی اہتمام نہ ہو تو البتہ کلام فی حد ذاتہ درست ہو جاتی گو یہ محض حماقت ہے کیوں کہ دونوں عیدیں یکساں ہیں دونوں نبی ہیں اور دونوں کی ولادت کی خوشی ہے گو کم زیادہ ہے بس ہو کی شابہت ممنوعہ موجود۔ پس نہ معلوم کہ مؤلف کے دماغ میں کس شئے نے یہ علوم بھر دیئے ہیں کہ ابن جوزی کو ہرگز یہ جواب نہ سوجھے نہ کسی کو ان سے بعد آج تک اب مؤلف نے خوب طرف داری کی ماشاء اللہ واما آیۃ ان تکونوا تالمون میں بھی تو یہی معنی تھے کہ اے مسلمانوں تم کو تکلیف جہاد ہوتی ہے تو دیکھو کفار بھی اپنے کفر پر کسقدر جان و مال خرچ کرتے ہیں، حالاں کہ ان کو محض خسران ہے تم ثواب در موافق پر کیوں نہیں کرتے شش اس کے مؤلف نے ولادتیں کو بنایا ہے، غرض حدیث تشبہ کی مخالفت مدنظر ہے معاذ اللہ، کیوں مؤلف نے اپنی خواری علماء کے سامنے منظور چھپا رہتا ابن جوزی کی مدد گار کیا ضرور تھی، سچ ہے تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد. قول گازرونی کو بھی سنو کہ جو موحیثیت منکرہ کے واسطے یہ قول ہے تو وہی جواب مخالفت نص کا اس کا جواب ہے ورنہ سچ ہے کہ فرحت ولادت فخر عالم میں جسقدر کیا جاوے مشروع وہ تھوڑا ہے پس مجلس میلاد مروجہ سے اسکو کچھ علاقہ نہیں ابن جوزی کا بھی یہی جواب ہے اور فخر عالم کی حدیث عاشورا کی تحقیق گذر چکی یہ مؤلف کا ترجمہ اور مراد بالکل غلط ہے اور یہ واضح ہو لیا تکرار کی حاجت نہیں قولہ اور ایک خوبی یہاں ہو رہی ہے الخ اقول سبحان اللہ خوبی علم و فہم کی ہے مذکور ہو لیا کہ تشبہ میں کفار کے فعل کو دیکھکر اخذ کرنا ضرور نہیں یہ بناء فہم مؤلف کی از سر تا پا غلط ہے تشبہ بے ولاحق سب طرح ممنوع ہوتا ہے اگرچہ ذکر جواب تنزیہ ابن جوزی کا اتفاق سے آئے مگر مؤلف کی بدفہمی کا یہاں بھی اتفاق ہی نہ ہم کی کوئی بات کہہ کر اپنے قاعدہ قدیمہ کے خلاف نہیں کیا۔

--- عبارت سے برابر کی خوشنودی کہ دونوں ولادت جب تک ہو کوئی بات نہ کہے اس کا عیب و ہنر پوشیدہ رہتا ہے سلطان شکستہ،

سے سیکھا ہے حالاں کہ یہ عمل اس کلام سے دو سو برس پہلے بہ تخصیص و تعیین روز میلاد شریف ایجاد ہو چکا تھا اور علماء دین اس کی اصل و نظیر شرع سے نکال کر فتوی دے چکے تھے پس بے سمجھے بوجھے اس شیخ معظم مرحوم پر تشبہ نصاری کا الزام لگانا سخت بے عقلی ہے خیر یہ ذکر واعتراض اس شیخ کا اتفاقی ہو گیا تھا اب ہم رجوع کریں اصل کلام کی طرف اور بیان کریں واسطے ابطال وجہ تشبہ کے وجہ تیسری وہ یہ ہے کہ نصاری کا بڑا دن اور ہندوؤں کا جنم کنھیا معین ہے وہ لوگ اسی ایک دن میں جو کچھ کرنا ہے کرتے ہیں اور اہل اسلام کے یہاں یہ بات نہیں نہ خاص بارہویں تاریخ ربیع الاول کے سوا کسی اور دن محفل سرور میلاد شریف منعقد کریں ربیع الاول کی کل تاریخوں میں مولد شریف ہوتا ہے کسی نے کسی دن کیا کسی نے کسی دن بلکہ علاوہ ربیع الاول اور مہینوں میں بھی اہل اسلام مولد شریف کرتے ہیں اور ہنود اور نصاری میں نہیں مگر اسی ایک دن میں اور یہ مثال ہم اول دے چکے ہیں کہ صوم عاشورا میں ہم اور اہل کتاب شریک ہیں لیکن ایک روز اول میں جو ہم رکھ لیتے ہیں اتنے میں تشبہ اہل کتاب کا جاتا رہتا ہے اور ہمارا فعل ان سے جدا گنا جاتا ہے فقہ اور حدیث کی کتابوں سے معلوم کرو پس جب اس قدر مخالفت کرنے سے تشبہ باطل ہو گیا، حالاں کہ ہم ان کے اصل فعل میں یعنی صوم عاشورا میں شریک ہیں پھر کیا خیال کرتے ہو نصاری کے بڑے دن اور کنھیا کے جنم میں کہ ہم ان کے ان دنوں میں ان کے افعال کے شریک نہیں اور ہم جو محفل میلاد شریف کرتے ہیں اس کے آئین اور ترتیب جدا اور ان کی رسوم و قواعد جداگانہ دن میں شرکت نہ کار و بار میں مشابہت استغفر اللہ نعوذ باللہ من شر الوسواس الخناس یہ جو تھا جواب بجواب ابن جزری کی طرف سے خلاصہ یہ کہ امام القراء والمحدثین علامہ ابن جزری و جمیع اہل سنت والجماعت کا مشرب نہایت صاف اور تشبہات کفریہ سے بالکل پاک ہے ہاں یہ حضرات ایسی تشبیہات جنم کنھیا کی محفل پاک کی نسبت پیدا کر کے کچھ اپنی عاقبت بخیر ہونے کا سامان کر رہے ہیں اگرچہ مجھ کو اکثر متدعین کی تکفیر میں سکوت ہے کہ اگر وہ کافر ہو گئے تو اللہ بس ہے ان کی تعذیب کو میں کیوں منہ اپنا آلودہ کروں ہاں البتہ بعض اہل علم تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے تشبیہ دینے سے اور محفل ذکر پاک سید الابرار کو اس قسم کی اہانت اور استحقار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے پس اہل اسلام کو بہت [illegible]

مشابہت ممنوعہ میں من کل الوجوہ تشابہ ضروری نہیں **قولہ** وجہ تیسری وہ یہ ہے کہ نصاری الخ **اقول** یہ تیسری وجہ عدم مماثلت تشبہ مؤلف کی طبعزاد ہے اور معلوم ہو چکا کہ من کل الوجوہ مماثلت مشابہت ممنوعہ میں ضروری نہیں جیسا قیام مقتدی امام قاعد ہے پس تجدید تاریخ کی ضرورت نہیں نفس تعیید تشابہ کو کافی ہے اور صوم عاشورا کی شرکت بامر اللہ تعالیٰ ہے اور منفرد صوم بھی مکروہ نہیں ایک صوم اول آخر محض تبعید کے واسطے مستحب ہے نہ رفع تشبہ کے واسطے کیوں کہ تشبہ پہلے بھی نہیں تھا ستہ شوال کا کہ بعد عید فطر کے تتابع سے متصل رکھنا حنفیہ کے نزدیک علی المختار بلا کراہت جائز ہے اگرچہ تفریق مندوب ہے کہ روز عید فطر مفرق آگیا ہے یہاں تشبہ نہیں اگرچہ تبعیدا عن التشبہ تفریق اولی ہے پس حدیث دانی اور فقہ خوانی مؤلف کی معلوم ہوئی خلاف اس مسئلہ عید ولادت کے کہ نفس عید میں ہر حال تشبہ موجود ہے ہاں اطعام طعام تعیید نہیں جائز ہے روز ولادت بھی اور غیر روز ولادت بھی اور تعیین کا مسئلہ یہاں بھی خیال رہے استغفر اللہ من تسویل النفس الامارۃ و تلبیس مؤلف کیسا حق کو باطل سے مخلوط کر کے مسلمین کو گمراہ کیا پس کیا کہا جاوے خود ناظرین غور کریں کہ کس کا مشرب تشبیہات کفار سے ہے زیادہ زبان درازی کا جواب دینا ہمارا کام نہیں کوئی علم کی بات نہیں کفر و اسلام سنت و بدعت کا فرق سب

---

۱ طبیعت کی پیداوار ۲ ہر اعتبار سے ۳ دور کرنا ۴ مشابہت کو ختم کرنا ۵ شوال کے چھ روزے ۶ پے در پے ۷ تشبہ سے دور رہنے کے لئے ۸ [illegible]

کو ایسے الفاظ خطرناک سے پرہیز کریں وما علینا الا البلاغ لمعہ ثالثہ اعتراض کرتے ہیں اگر تشبہ کفار اس میں نہیں پھر بھی یہ محفل بدعت سیئہ ضرور ہے کیوں کہ قرون ثلثہ میں نہیں پائی گئی جواب مولوی اسماعیل صاحب اپنی تصنیفات تذکیر الاخوان وغیرہ میں لکھتے ہیں کہ جو عمل ایسا ہو کہ زمانۂ نبوت میں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تینوں زمانہ مابعد صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ میں وہ عمل بعینہ نہ پایا جائے اور نہ ان چاروں زمانوں میں اس کی نظیر اور مثل پائی جائے وہ عمل بدعت ہے اور جو کچھ مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے انتہی پس اس بنا پر کہتے ہیں کہ عمل مولد شریف بدعت نہیں اس کی اصل بھی پائی گئی اور اس کی نظیر اور مثل بھی اصل تو یہ ہے کہ مواہب اور اس کی شرح میں قسطلانی اور زرقانی وطبرانی وغیر محدثوں سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے مدینہ واپس آ چکے مسجد میں آپؐ اور بہت آدمی تھے، حضرتؐ کے چچا عباسؓ نے اجازت لے کر یہ اشعار پڑھے — من قبلها طبت فی الظلال وفی ÷ مستودع حیث یخصف الورق ÷ ثم هبطت البلاد لا بشر ÷ انت ولا مضغة ولا علق ÷ بل نطفة ترکب السفین وقد ÷ الجم نسرا واهله الغرق ÷ تنقل من صالب الی رحم ÷ اذا مضی عالم بدا طبق ÷ وردت نار الخلیل مکتتما ÷ فی صلبه انت کیف یحترق

حسین اور لاحقہ ممنوعہ محفل مولد | **قولہ** لمعہ ثالثہ الخ **اقول** تقریر اعتراض کی یہ ہے کہ اگر اس مولود مروج میں تشبہ نہ بھی ہوتا ہم بسبب قیود مروجہ بدعت ہے اس واسطے کہ یا یہ قیود منکرات امور ہیں یا مباح کہ بسبب تاکد کے مکروہ ہو گئے ہیں اور تقیید مطلق مامور کی بدعت ہے کیوں کہ یہ قرون ثلثہ سے ثابت نہیں ہوتی اور ان کی اصل وہاں سے نہیں معلوم ہوتی تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ ممانعت بسبب قیود کے ہے نہ بسبب ذکر ولادت کے کہ بارہا اس کا بیان ہو چکا ہے پس مؤلف اس کے جواب میں اثبات ان قیود کا واجب تھا جس کو معترض بدعت کہتا ہے ذکر کا مگر مؤلف خوش فہم جواب میں اصل ذکر کو ثابت کرتا ہے ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ مؤلف کس وادی میں ہائم ہو رہا ہے **قولہ** جواب مولوی اسماعیل صاحب الخ **اقول** سب ناظرین بچشم انصاف دیکھیں کہ یہاں مؤلف نے عبارت تذکیر الاخوان کی جو نقل کی یہ ہے کہ جو عمل زمانہ نبوت علیہ السلام اور تینوں زمانہ مابعد میں بعینہ یا نظیر اس کی نہ ہو وہ بدعت ہے اور یہ حد بدعت کی بعینہ وہی قول خاص ہے جو مؤلف نے لکھا ہے لفظاً و معنیً چونکہ یہاں اپنے مدعا پر اس سے استدلال لاتا ہے تو اس کو کامل و تمام بیان کیا اور لمعہ ثانیہ فرد دوم میں ناتمام بیان کیا کیونکہ وہاں طعن کرنا منظور تھا اور وہاں اس کے قبول میں بزعم خود خلاف مدعا ہوتا دیکھا تھا گو یہ خام فہمی تھی پس یہ خیانت دین اللہ اور شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی بدعت کی حمایت کے واسطے کس کا کام ہے اور پھر آخر در دروغگو را حافظہ نباشد خود ہی بول پڑا بدعت مؤلف کو کچھ اس کو مفید نہ ہوئی اور اہل سنت کو مضر نہ ہوئی چنانچہ واضح ہو گیا مگر یہاں مثل مشہور ہے بلی کی ذات ورایت غرض دونوں عبارت کو ملا کر دیکھیں **قولہ** پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں الخ **اقول** مؤلف کے فہم پر غشا وہ ہے ذکر فخر عالم کا اول تو کسی کے نزدیک ناجائز نہیں اور اس کے اثبات کے واسطے زرقانی اور مواہب وغیرہ کی روایت کی حاجت نہیں اور مؤلف نے بڑی جانکنی سے یہ لکھا ہے اس کو خود اہل سنت قبول کرتے ہیں مگر اس میں امر متنازع فیہ کا نام و نشان نہیں اور مطلق ذکر کو کسی نے منع نہیں کیا مؤلف اپنے دماغ کا علاج کرے تداعی اور اہتمام اس ذکر کے واسطے بالخصوصیت مکروہ ہے مثل تداعی نوافل کے اور یہاں مسجد میں مجمع اس قصیدہ کے واسطے جمع نہ ہوا تھا بلکہ خود خدمت فخر عالم میں تھے اور شیرینی وغیرہ کوئی بات نہیں تھی سو یہ سب کے نزدیک جائز ہے یہ تو اول مؤلف آپ دو دفعہ ذکر سے ثابت کر چکا ہے مگر

...ذکر تا کے سرگرداں ہے نا پختہ رہے محنت ملے جس میں اختلاف ہے،

حق احتری بیتا ؎ المهیمن من؛ خندق عیا محتمها المنطق؛ دانت لما رلدت ؎ شرقت الارض؛ وضاءت بنورک الافق؛ فنحن فی ذلک الضیاء و فی؛ النور و سبل الرشاد نخترق۔ اب دیکھئے اس میں حال رسول اللہ صلعم کی اولیت کا اور پھر منتقل ہونا ایک صلب سے دوسری صلب میں اور حضرت ابراہیمؑ اور نوح علیہ السلام کا نجات پانا آپؐ کی برکت سے کہ آپؐ کا نور ان کے ساتھ تھا پھر بعد تقلبات صلبی و رحمی انجام کار پیدا ہونا اور اس وقت نور کا نکلنا پھر اس نور سے تمام عالم کا روشن ہو جانا جو کچھ مولد شریف میں تفصیل ہوتا ہے اس جلسہ میں بالاجمال وہ سب مذکور ہوا ہے پس مردود ہوا قول ان لوگوں کا جو کہتے ہیں بالاستقلال یہ ذکر نہ کرے اگر وعظ کے اندر ذکر میں ذکر بھی کر دے درست ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تنہا پڑھے تو جائز ہے مجمع میں نہ پڑھیں اب لوگوں کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیئے کہ اس مجلس میں کل قصیدہ حضرت عباسؓ کا بالاستقلال اسی ذکر میں ہے اور نہیں اس کے اول و آخر میں پند و موعظت اور عین مجمع میں پڑھا ہے پس یہ تذکرہ بالاستقلال کرنا اور نیز مجمع میں کرنا سنت بالاصالہ ثابت ہوا نہ بدعت۔ باقی جو اس کے امور لواحق ہیں وہ یہ ہیں فرش بچھانا، منبر یا چوکی واسطے قاری کے لگانا، خوشبو کا استعمال اور جو کھانا یا شیرینی دے دینا، سو فرش و منبر تو بدعت ہونے میں کچھ دخل نہیں رکھتے ورنہ مجلس وعظ کے لئے بھی اگر کوئی اپنے گھر میں فرش اور منبر لگاوے تو چاہیئے وہ وعظ بدعت ہو جاوے یہ بات تو کسی کے نزدیک نہیں پس فرش اور منبر سے تو یہ ذکر بدعت نہیں ہو سکتا باقی رہا استعمال خوشبو و عطریات اور کھانا یا شیرینی دینا یہ خاطرداری اور ضیافت مہمانوں کی ہے، صحیحین کی حدیث ہے من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کمال تاکید سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان ہے ...

کلام قیود میں ہے اس کی کوئی سند دینی واجب تھی پس مجمع میں نہ پڑھنا اور فقط استقلالاً اس کا ذکر نہ کرنا مؤلف کا خیال ہے سو وہ مردود ہے بیشک اور قول اہل سنت کا موافق کتاب اور سنت کے ہے لاریب

قولہ باقی جو اس کے امور لواحق ہیں الخ اقول مؤلف نے یہاں بھی خیانت کی قیود نامعہ نا امور لواحق میں سے وہ امور چھانٹ کر لکھے کہ در اصل مباح	فرش و منبر و استعمال خوشبو تقسیم شیرینی سب امور بذاتہا مباح ہیں مگر ان کی ہیئت ترکیبیہ بر رائج محفل مولد بدعت ہے

تا عوام کو فریب دلوے سو ان امور کی بحث تو اب ہو جاوے گی مگر جو امور اصل سوال چہار ورقہ میں اور جواب مولوی احمد علی صاحب مرحوم مصرح ہیں ان کو ہضم کیا تو وہ بعض امور یہ بندہ لکھتا ہے، تداعی و اہتمام زیادہ وعظ و جماعت پنجگانہ سے اور فساق و مبتدعین کی صحبت اور عادات اور لباس وضع کی منکر شرع کا ہونا اور ترک امر و نہی واجب کا اور روایات موضوعہ اور اماردوخوش الحان کا ہونا اور اس مجمع حاضر باشی سے صلوٰۃ فجر میں کوتاہی کا ہونا اور اسراف روشنی میں اور قیام ذکر ولادت کے خصوصاً بعقیدہ فاسدہ یہ امور عشرہ و... سب کے سب یا بعض ان کے بالضرور مجلس مروجہ میں ہوتے ہیں ہرگز نہیں ہوتا کہ سب مرتفع ہو دیں اور ان میں سب کے سب تحریمی اور حرام ہیں کہ ہر ہر واحد کی کراہت اور محظور ہونا ایسا بدیہی امر شرعی ہے کہ کسی ادنیٰ مسلم کو بھی اس سے انکار نہیں نہ ... ہر واحد کے اثبات کی حاجت نہیں اس عبارت شرح مفید پر جو باب صلوٰۃ الرغائب سے شروع نور چہارم میں درج اس ... ہو گئی ہے قناعت کرتا ہوں اور بعض کی بحث شرح سوال میں ہو چکی ہے اور ان بعض قیود اربعہ مذکورہ مؤلف پر بھی شرح سوال میں ہو چکی ہے اب چونکہ مؤلف نے سب طرح سنبھلکر خوب جزم کے ساتھ قیود لکھے ہیں تو ان کا حال سننا لازم ہے قولہ سو فرش و منبر تو بدعت ... یہ دعویٰ مؤلف کا کہ فرش و منبر کو بدعت ہونے میں کچھ دخل نہیں کیسی چشم پوشی حق سے اور انکار سینہ زوری کا ہے کیوں کہ فرش و منبر

۱؎ فضول خرچی ۲؎ ختم ۳؎ ممنوع

کو چاہیئے کہ خاطر داری اور تواضع کرے اپنے گھر آئے ہوئے کی روایت کی یہ بخاری اور مسلم نے اب مجلس کرنے والوں سے پوچھ لیجئے
کہ ان کی نیت بیشک یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ ہم نے تیار کیا ہے شیرینی یا کھجور یا فرینی وغیرہ وہ سب صاحبوں کو جو ہمارے گھر آئیں گے ان کو
کھلائیں گے اور شریعت سے یہ بات معلوم کیجئے کہ ضیافت شرع میں کس چیز کا نام ہے چیز کھانے کی تھوڑی ہو یا بہت جب اس کے لئے آدمی کو
بلاوے گا وہ شرع میں ضیافت کہلاوے گی صحابہؓ روٹی کا ٹکڑا یا کھجور جو ہوتا پیش کرتے اور حدیث میں ہے لو دعیت الی کراع لاجبت
یعنی ایک پارچہ بکری کے لئے بھی کوئی دعوت کرے تو میں قبول کروں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ اخلاق عالی تھا اس اہل ضیافت کا
خوش کردینا منظور ہوتا تھا اپنا پیٹ بھرنا منظور نہ ہوتا تھا چنانچہ فقہاء بھی یہی حکم دیتے ہیں دعوت قبول کرنے والوں کو فتاوی برہنہ میں ہے

مرمباح ہیں جب کہ التزام کی وجہ سے عوام اس کو ضروری اور لازم اس محفل کا جانیں گے تو کیوں ان کے حق میں بدعت اور مرتکب کے حق میں
منہیں ہوگا عوام کے ضروری سمجھنے سے مکروہ ہو جانا مسلم فقہاء کا ہے شرح منیہ میں ہے۔ منہا ان العوام یعتقدونہا سنۃ انتہی، پس اس صورت
میں دونوں مکروہ ہو گئے اور بدعت ہوئے مؤلف مطلق العنان لکھتا ہے کہ ان کو بدعت میں کچھ دخل ہی نہیں اور اب خوب ظاہر ہے کہ عوام
الانعام اس کو ضروری جان رہے ہیں اور خواص کالعوام اس کا تعامل مثل سنن ضروریہ کے کرتے ہیں اور اس میں تعدی حد اللہ تعالیٰ اور تغییر حکم
شرع کا لازم ہے مگر مؤلف خواب غفلت میں ہے عالمگیریہ میں اور شرح منیہ میں ہے کل مباح یودی الی ذلک فمکروہ انتہی اور کراہت مطلقہ تحریمیہ
ہے اور دلیل بھی تحریم کو چاہتی ہے کہ تعدی حد اللہ تعالیٰ ہے قال فی رد المحتار اعلم ان المکروہ اذا اطلق فی کلامہم فالمراد منہ التحریم
الا ان ینص علی التنزیہ انتہی، پس یہ دونوں امر جب مکروہ ہو گئے، تو مجلس مروجہ کو بیشک مکروہ بنادیں گے کما لا یخفی ہاں نفس منبر مباح تھا پس
منا کا ذکر [illegible] لے بے سود ہے کیوں کہ اول تو وعظ کا کون اہتمام کرتا ہے مولود کے البتہ اہتمام ہوتے ہیں اور پھر اگر منبر و فرش وعظ میں بھی ایسا
ضروری جانا جاوے گا لاریب وہ بھی بدعت ہو جاوے گا مگر چونکہ وعظ کا اہتمام کسی کے دل میں نہیں وہاں ضروری کوئی بھی نہیں جانتا صرف واعظ
ہی ہوتے ہیں ہاں مولود کا اہتمام وہ ہے کہ جماعت فرض کا بھی نہیں اور یہ بھی ایک وجہ بدعت و کراہت مجلس مولود کی ہوگئی ہے بہرحال ایسی
صورت موجودہ میں فرش و منبر یا چوکی دونوں بدعت ہیں گو مؤلف اپنی بے شرمی سے انکار کرے علی ہذا اعتراضات و شیرینی کا بلا کم و کاست ہے کہ یہ اصل مباح
مگر قلوب عوام میں سنت ضروریہ ہو گئی پس بدعت مکروہہ ہو گئی۔ شرح سوال میں بھی ذکر اس کا ہو چکا بعد اس کے کہ یہ ہر چہار مباح موافق قاعدہ شرع
مکروہ ہو چکے اب خاطرداری حضار فساق کی لائق سننے کے ہے کہ وہ مستقل ایک امر معصیت کا حق ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے لا تجد قوما یومنون باللہ
والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا آباءہم او ابناءہم او اخوانہم او عشیرتہم الآیۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل
الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ الحدیث پس مؤلف اور اس کے سب اقران جب مولود کرتے ہیں تو سب فسقہ جہلا مبتدعہ کو طلب کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مدا
ہنت فی الدین ہوتی ہے اس کا نام اکرام ضیف رکھا گیا ہے بھلا اگر اکرام ضیف ایمان ہے تو ودّ و محبت مخالفین فاسقین کی کیا ہے ذرا
آنکھ کھولے ہشیار ہوجیے ومن یہدی اللہ فلا مضل لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یاکل طعامک الا تقی الحدیث جس میں
صاحب احیاء العلوم فرماتے ہیں کہ متقی کی ضیافت کرے اور فاسقوں کو کھانا نہ کھلاوے کہ اعانت ان کے فسق کی ہوتی ہے پس فساق تعینہ
ضیافت ہی کسب درست ہے کہ اکرام کرنے کی حدیث پڑھی جاتی ہے یہ حدیث میں اکرام ضیف متقی کا ہے نہ فاسق کا علی ہذا اجابت
یہ ہے کہ جس ضیافت میں کوئی امر خلاف شرع ہو اس ضیافت کی اجابت ہرگز جائز نہیں چنانچہ شرح سوال میں ذکر ہو چکا پس یہ

لہ جانوروں کی طرح ۲ے تجاوز کرنا آگے بڑھنا ۳ے بیشک ۴ے حاضر ہونیوالے ۵ے فاسق کی جمع ۶ے زمانہ سازی ۷ے فاسق ۸ے جاہل ۹ے بدعتی ۱۰ے دخل دینا۔

از جہت بعد و فقر امتناع نیاید و قصد نکند حاجت شکم را بلکہ نیت کند اقتدائے سنت را و خیال سرور دل مسلم، پس اگر کوئی متمول یا معتقد شکم سیر کھانا
کھلانے محفل مولد شریف میں یا کم مقدور نہ الا محض شیرینی اور کھجور ما حضر کے لئے اہل اسلام کو تکلیف دے اس کو ضیافت شرع میں کہتے ہیں اور وہ
لوگ اس کے پاس آنے والے عربی زبان میں ضیف اور فارسی میں مہمان کہلائیں گے اور عطر ملنا ان کی تعظیم اور اکرام ہے مقام غور ہے کہ تذکرہ خود
سنت تھا اور مراسم اکرام ضیف بھی سنت ہیں پھر سنتوں کا نام جو کوئی بدعت ضلالت رکھے اس کو خدا سمجھے ع جو اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت کو خدا سمجھے
دعائے اصلی پر آویں محفل مولد شریف میں وہ چیز کہ اصل عبادت اور بنیاد محفل کی اس پہ ہے وہ ذکر خیر ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا با آداب و تعظیم دلیل اس
کی یہ کہ اگر کوئی فرش اور خیمہ اور شامیانہ منبر چوکی وغیرہ آراستہ کرے اور اسمیں کچھ ذکر نہ ہو اس کو مولد شریف نہ کہیں گے اور اگر کسی موقع میں کوئی شخص کھڑا
ہو کر درود یا مدح پڑھنے لگے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے اسی طرح اگر کوئی آدمیوں کو کھانا کھلا دے یا شیرینی بانٹ دے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے
اسی طرح اگر کسی جلسہ میں بخور سلگایا جاوے یا عطر لوگوں کو ملا جاوے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے پس معلوم ہوا کہ محفل کا نام محفل مولد شریف اس
سبب سے ہوتا ہے کہ اس میں ذکر ولادت شریف مع بعض صفات و معجزات و خرق عادات وغیرہ کیا جاتا ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصل اس محفل کی ذکر
ہے اور یہ ہم ثابت کر چکے کہ حضرت کے چچا عباسؓ نے یہ ذکر پڑھا اور آپ نے اور جمیع صحابہؓ نے سنا پس ثابت ہو گئی اصلیت مولد شریف کی باقی یہ امور
ملحقات جو عارض ہیں یہ نہیں نکالتے اصل سنت ہونے سے مثال اس کی یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تعلیم دین ہوتی تھی اور ب

بحث اور تکلفات ضیافت کی بحث محض کم فہمی مؤلف کی ہے پس اب غور کرنا چاہیئے کہ شرع سے دعوت ضیافت مباح ہے اور اغنیاء کا اکرام روا ہے بعینہٖ
کو سنت کہنا مؤلف کے فہم نارسا نے روا کیا ہے کوئی اہل علم اس کو جائز نہیں کہہ سکتا پس وہ تذکرہ ملحقات سے بھی مکروہ بن گیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ انہ
سنن کا مجموعہ بھی وہی محمود ہوتا ہے کہ خالی کراہت و بدعت سے ہو اور جمیع موافق حکم شرع کے ہو ورنہ جمیع سنن سے بھی کراہت بھی حاصل ہوتی ہے دیکھو
قرآن دیکھ کر پڑھنا سنت تھا اور نماز سنت تھی مجموعہ مکروہ مشابہ باہل کتاب ہو گیا اور رکوع مشروع اور قرآن مشروع جمیع دونوں کا مکروہ وہ مع
علیٰ ہذا اگر مؤلف نے ایک قاعدہ سیکھ لیا ہے کہ جس کی مفردات اجزا مباح ہو دیں گے مرکب بھی مباح ہی رہے گا اور یہ خود ناتمام ہے اور تحقیق اس کی پیچھے
چکی ہے مؤلف نے یہ سن لیا کہ اکرام ضیف سنت ہے اور تکلیل شئے بھی دعوت ہوتی ہے پس عالم بن گئے اور بدعات کو سنت بتانے لگے اب دیکھو یہ جس
کو سنت کہنے والا کون ہے قولہ محفل مولد شریف میں وہ چیز الخ اقول یہ مؤلف کی بے سود تقریر ہے مولود ذکر خیر کا نام ہے مگر اس کے ساتھ اگر کوئی امر مکروہ
منضم ہو جاوے گا تو مجموعہ لاریب مکروہ ہو جاوے گا کہ مجموعہ حلال و حرام کا حرام ہی ہوتا ہے صدہا مثالیں موجود ہیں اور قاعدہ کلیہ فقہ کا ہے
اذا اجتمع الحرام والحلال غلب الحرام، پس ان امور لاحقہ سے بیشک حرمت و کراہت آوے گی یہ بدیہی کا انکار نہایت بلاہت ہے صلوٰۃ قرآن
کو دیکھ کر پڑھنے سے اور اشتمال صما سے اور سدل سے اور ارض مغضوبہ میں اور آگ اور تصویر کے روبرو مکروہ ہو گئی ذرا آنکھ کھول کر دیکھے حرمت
ہے کہ جو قید تغیر حکم شرع کا کر دیوے گی بدعت و کراہت حاصل ہو جاوے گی ورنہ نہیں اور سنت ہونا قید کا مانع بدعت ہونے کا نہیں ہوتا،

مدارس اسلامیہ سے جزوی انتظامات سب ثابت بالسنۃ
ہیں یہ درجہ معارض ہرگز نہیں .... بن سکتے

قولہ مثال اس کی الخ اقول اول تو مؤلف نے مثال امر لاحق کی جوڑی ہے بالکل
ہے کیونکہ مولود میں جو امور لاحق ہیں یا خود مکروہ ہیں یا لحوق و تغیر کے سبب مکروہ
ہو گئے ہیں مگر بہر حال ایک امر زائد علی اصل ذکر ہے اور اس مثال میں کوئی امر زائد تعلیم پر نہیں فقط تعلیم ہی تعلیم ہے ہاں تعلیم کے دو طریق تھے سو
طرز بھی علی زعم مؤلف نہ لحوق امر زائد سو مؤلف کے فہم میں از سر خطا ہے دوسرے یہ کہ زمانہ فخر عالم میں دونوں طریق موجود تھے آپ کی نسبت

لہ ضیف کی جمع مہمان لکہ جائز کے مانند لیے یسانہ سنت کی جمع لکہ شامل لہ لاحق ہونا شامل ہونا،

مدارس اسلامیہ میں ہوتی ہے لیکن اس قدر فرق ہے کہ اس وقت میں استاد پڑھتے تھے شاگرد سنتے تھے چنانچہ بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ یہ سب
محدث لکھتے ہیں کہ ہمارے استادوں نے یہ حدیثیں ہمارے سامنے پڑھیں اور ہم کو تعلیم کیں جا بجا الفاظ حدثنا اور اخبرنا وغیرہ لکھتے ہیں چنانچہ مکہ میں اب
تک تیرہ سو برس ہو چکے وہی دستور جاری ہے کہ استاد پڑھتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں جو شبہ ہوتا ہے استاد سے دریافت کر لیتے ہیں اور ہندوستان کے
مدارس کا یہ طریق ہے کہ شاگرد پڑھتا ہے استاد سنتا ہے پس یہ امر خلاف ان کے تھا اور تعمیر مدرسہ کی نہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ابوبکر نہ عمر نہ
عثمان نہ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اب وہ تعمیریں مدارس کی پختہ کیجاتی ہیں کہ ارادہ کیا جاتا ہے کہ قیامت کے نفخ صور تک بھی ان کی بنا محکم مستحکم رہے
نہ تھا اور پہلے صحابہؓ اور تابعینؒ حتیٰ کہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ و ابو یوسفؒ تک بھی تعلیم علم دین کی اجرت نہ لیتے تھے اب جو مدرس حدیث کا یا فقہ کا
ہوگا کسی کے چالیس روپے ہوں گے کسی کے پندرہ کسی کے بیس اب صرف و نحو وغیرہ کی حدود مقرر ہیں کہ فلاں فلاں کتاب تک پہلے یہ تھا اور

تھے اور یہ کہ صحابہؓ نے عرض کیا آپ نے تقریر فرمادی یہ بھی تھا چنانچہ بخاری نے اس کے لئے باب ہی جدا منضبط کیا ہے پس دونوں طریق سنت ہوئے
ہرگز تبدیل نہیں ہوئے اور پھر آج تک وہی دونوں طریق چلے آتے ہیں اگرچہ ایک کم ہو تیسرے یہ کہ مؤلف نے حدثنا و اخبرنا وغیرہ کو سب کو ایک معنی
تحدیث کی جان کر نقل کیا اور یہ محض ناواقفیت مؤلف کی فن حدیث اور اصول فقہ و اصول حدیث سے ہے کیوں کہ حدثنا وہاں بولتے ہیں کہ استاد
اپنی زبان سے پڑھے اور اخبرنا وہاں کہتے ہیں کہ شاگرد اپنی زبان سے پڑھے استاد سنے پس بخاری و مسلم وغیرہما سب کتب سے ہر دو طریق مستفاد
ہیں اور مؤلف ہر دو لفظ کو ایک تحدیث پر دلیل لاکر فارغ ہوئے دلیل تو کچھ اور مدعا کچھ سبحان اللہ حدیث بھی مؤلف کو خوب آتی ہے پس اور تو
کیا کہوں پس مؤلف کی مثال محض ان کے جہل سے خبر دیتی ہے نہ مثال و ممثل میں مطابقت نہ دعوی و دلیل مطابق نہ اصل مطلب سے خبر کہ کہاں زیادہ بدعت
مکروہ ہے اور کہاں جائز ہے سب کو ایک راہ چلا دیا ماشاء اللہ اور پھر دعوی علم کی نہایت ہی نہیں بہرحال مدارس ہندوستان کا طرز تعلیم حدیث
خلاف زمانہ فخر عالم و قرون سابقہ کے ہونا بالکل غلط ہے دوسری مثال تعمیر مدرسہ کی یہ بھی محض کم فہمی ہے صفہ کہ جس پر اصحاب صفہ طالب
علم دین و فقراء مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہٰذا اصل سنت وہی ہے ہاں تبدل ہیئت مکان کی ہوگئی سو مکان کی ہیئت مطلق ہے
جس ہیئت پر مناسب وقت ہو بنانا جائز ہے المطلق یجری علی اطلاقہ ہاں تشابہ بکفار وغیرہ امور ممنوعہ عارض نہ ہووے پس بنا پر محکم خود امر جائز اور
ضروری ہے کہ بار بار اس کا بنانا مشکل ہے پس کسی وجہ سے یہ مثال صحیح نہیں کیوں کہ یہ عین سنت ہے اور تغیر صورت کا جو ہے سو وہ باطلاق نص
ثابت ہے خلاف امور لاحقہ ذکر مولود کے کہ وہ بالکل شے دیگر ہیں۔ منبائن باقی استحکام مدرسہ میں ایسا کلمہ شاعری کا وہ ایمان مؤلف کا ہے
جس کی یہ زبان کو لائق ہے اور شان فخر عالم میں عمال کو شمار ملتا تھا قرآن میں فرمایا والعاملین علیہا سو وہی امر دینی پر لینا اب بھی ہے کوئی زائد
نہیں ہاں تغیر وصف ہوا ہے کہ اس وقت بطور رزق کفایہ کے تھا اور رزق قضاۃ و ولاۃ و غزاۃ وغیرہ سب یہی قسم ہے اب بطور اجرت کے ہے
اس واسطے امام شافعیؒ اجرت تعلیم کو جائز فرمانے ہیں پس یہاں بھی کوئی امر زائد لاحق نہیں ہوا تغیر وصف کی ہے اور بضرورت ضروریہ اختیار
ہوا ہے پس مثال مؤلف کی باطل ہے اور صرف و نحو و ادب و معانی یہ سب باشارۃ النص سنت ہیں فرمایا علیہ السلام نے علیکم بدیوان العرب
جب آپ نے زبان عرب کے اصل محاورات کو جاننا لازم کہا تو یہ فنون اس کو لازم ہیں یہ بھی کوئی اپنا ایجاد اور اپنی طرف سے زیادت نہیں بلکہ
حکم فخر عالم کا ہی ہے مگر ذکر مولود میں کہیں حکم فرش مکلف اور شیرینی کے انتظام کا نہیں فرمایا بلکہ التزام کو مکروہ فرمایا اور اطلاقات نصوص میں اور علماء

نے زیادہ ہوتی فائدہ حاصل کیا ہوا مخالف نہ ایک چیز تو تھا جس پر سب سے پہلے اسلام کی تعلیم یا قاعدہ مدرسہ کی شکل میں شروع ہوئی صفہ طلبہ ملازم

علاوہ اس کے منطق اور علم ہیئت وہندسہ وغیرہ جن کا سلسلہ یونانیوں تک پہنچتا ہے صحابہؓ کی جوتیوں تک کہاں علوم کی گرد نہ لگی تھی اب تفصیل میں داخل
ہیں اور پہلے جو کوئی روپیہ دیتا تھا مخفی طور پر دینے کو خالی ریا سے جانتا تھا اب چندہ دینے والوں کی نمائش ہوتی ہے ان کے نام سال بسال کتابوں
میں چھپتے ہیں. خلاصہ یہ کہ اس زمانہ کے اطوار تعلیم مدارس کو کہاں تک بیان کروں یک بے کم علم آدمی بھی تامل کرے گا تو معلوم کرے گا کہ بیشک مدرسہ
تعلیم علم دین کا اس ہیئت کذائی اور ہیئت مجموعی کے ساتھ ہرگز قرون ثلثہ میں پایا نہیں گیا لیکن باایں ہمہ جائز کہتے ہیں اس کو فقط اس بات پر نظر کرکے
کہ گویا یہ عوارض اور لوازم بالائے سلف سے نہیں لیکن اصل تعلیم دین تو ثابت ہے ان عوارض سے اس کی اصلیت باطل نہیں ہوتی اور نہیں کہتے

فلسفہ بوجہ مناظرہ کے اور دفع تشکیکات[1] عقائد فلاسفہ کے داخل ہوئے تھے کہ روافض و معتزلہ حکماء کے اصول سے متمسک ہوئے اور خلل دین
میں آیا اُس کا دفع الا الزامی جواب بے اس کے ممکن نہ تھا سو یہ بھی بارشاد فخر عالم کے تھا بقولہ جاھدوھم بایدیکم والسنتکم الحدیث البتہ بلا حاجت
اب اس کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے اور ہیئت وہندسہ حاجت دینیہ میں مبین ہے حساب پر علم فرائض مبنی ہے اور ہیئت سے اوقات صلوٰۃ وغیرہ محقق
ہوجاتے ہیں گو ضروری نہیں غرض یہ سب اعتراضات مؤلف کے اور ان اشیاء کو امور عارض زائد غیر مامور بالحاق اس کا کہنا محض جہل و غبیات سر
ہے اور چندہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود لیا ہے غزوہ تبوک میں مثلاً ترغیب بار بار فرمائی اور جب حضرت عثمانؓ نے چھ سو اونٹ دیئے
تو مجمع عام میں مدح حضرت عثمانؓ کی کرتے تھے بقولہ ما علی عثمان ما عمل بعد ھذا رواہ الترمذی ما ضر عثمان ما عمل بعد
الیوم مرتین سو جہاد اور تعلیم دونوں اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے موضوع ہیں اس میں عند الحاجت چندہ لینا اور رغبت دلانی اور اعلان
اس کا کرکے تحریض کرنا سب عین سنت ثابت بالحدیث ہے اور صدقہ باخفا کو اب بھی کوئی منع نہیں کرتا اور یہ حکم معطی کو ہے کہ باخفا دیوے
مگر آخذ کو اُس کے اخفاء کا حکم نہ معلوم مؤلف نے کس آیت اور حدیث میں پڑھا ہے حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تو یہ ہے ومن کتم کذبہ پس
مؤلف کو دیکھو یہ سب مطاعن احادیث پر کرتے ہیں اور پھر مؤلف کو دیکھو کہ صدقہ نفل کے اخفاء کا حکم افضلیت کا ہے نہ وجوب کا ان تبدوا الصدقت
فنعما ھی وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم الایۃ پس اس کے اظہار کو موجب ملامت جانتا یا امر زائد جاننا ایک سخت جہل ہے کیوں کہ
تو مامور بہ دوسری اخفاء افضل معطی کو ہے نہ آخذ کو چنانچہ معلوم ہوا اشیکہ یہ حکم صدقہ کا ہے اب بھی اگر کوئی طالب علم کو صدقہ کرجاتا ہے
کسی کیفیت میں طبع نہیں ہوتا مگر جو مجمع میں طلباء کو دیتے ہیں وہ حسب رغبت معطی کے طبع ہوتا ہے کتب چندہ میں اور چندہ صدقہ تو نہیں ہے
وہ تو مہتمم کو کہ متولی و قیم شے امانت دیتے ہیں کہ بموقع معلوم خرچ کرے یہ وکیل معطی کا ہے، پس کیفیت میں اس کا حساب لکھا جاتا ہے فخر
عالم علیہ السلام عمال سے محاسبہ کرتے تھے یہ وہ امر ہے کہ خود شارع علیہ السلام نے کیا اور نیز باعث رفع تہمت کا ہے کہ سب کو حساب معلوم
ہوجاوے مہتمم پر تہمت نہ رکھیں اور رغبت دلاتا ہے کہ تمہاری امداد سے یہ نفع ہوا اور یہ سب احادیث صحاح میں صراحتہً مذکور ہیں افسوس
کہ مؤلف کو اس قدر بھی علم نہیں اگر مشکوٰۃ بھی تمام دیکھکر سمجھ لیتا تو کفایت تھا مگر ہاں اُس کے سینہ تابوت کینہ میں جو بغض مدارس دینیہ کا
ہے یہ کلمات بے معنی وہ کہلا رہا ہے اور فرط جہل مزید برآں اور درست ہے کہ مدارس سے شیطان کو سخت غیظ ہے افسوس کہ مؤلف نے اپنے رب
شکوک مدارس کے بیان نہ کئے کہ اُس کے سینے میں خراش رہ گئی اور ہم کو بھی اس کلام فضول پر یہ تحریر اجمالی اس واسطے لکھنی پڑی کہ مؤلف کو
غیظ دوبالا ہوجاوے کہ یا مورد سنت آگے نکلی مدارس اور اُس کے مخالفین کا حال اس آیت میں خوب نکلتا ہے کزرع اخرج شطئہ الایۃ پس یہ

[1] شبہات کے دلیل پیش کرنے والا کسی امر باطل کو ثابت کرنا یا مشکوک کرنا ؏ دینے والا ؏ طعنہ کی جمع ؏ ذمہ دار

کہ یہ تعلیم جو اس ہیئت کذائی سے ہے یہ بدعت اور ضلالت ہے علی ہذا القیاس عارض ہونے اس ہیئت کذائی سے محفل مولد شریف بھی سنت ہونے سے خارج نہیں ہو سکتی اور بدعت ضلالت کہنا اس کا لغو اور ضلالت ٹھیرا یہاں تک تو بیان تھا اس بات کا کہ محفل مولد شریف کی اصل ثابت ہے اب بیان کریں ہم دوسری بات یعنی اُس کی نظیر اور مثل بھی ثابت ہے بیان اس کا یہ ہو کہ عمل مولد شریف ایک شکریہ ہے نعمتِ خداوندی کا چنانچہ امام نووی کے استاد ابو شامہ نے مولد شریف کے حق میں لکھا ہے مشعر بمحبتہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعظیمہ فی قلب فاعل ذلک وشکراللہ علی ما من بہ من ایجاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مولد شریف کرنا خبر دیتا ہے کہ اس کے بانی کو محبت ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تعظیم اُن کی اُس کے دل میں ہے اور جو کہ خدا تعالیٰ نے پیدا کردینے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بابت مسلمانوں پر احسان ظاہر کیا ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً الاٰیۃ یہ محفل مولد شریف کا شکر ہے اس منت خداوندی کا حدیث شریف میں وارد ہے التحدث بنعمۃ اللہ شکر جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اس جلسہ میں اظہار ہے نعمت پروردگار کا کہ اس نے ایسا حبیب ہادی کل ختم رسل ہماری ہدایت کے لئے بھیجا پس اُس کی نظیر جلسہ شکریہ صحابہؓ میں ہوتا تھا چنانچہ صحیح مسلم میں ہے ایکروز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک حلقہ صحابہؓ میں آئے پوچھا تم کیوں بیٹھے ہو کہا ہم بیٹھے ہیں اللہ کی یاد کرتے ہیں اور شکر اس کا ادا کرتے ہیں علی ما ھدانا اللہ بالاسلام ومن بہ علینا یعنی اس بات کا شکر کہ خدا نے ہم کو ہدایت کی طرف اسلام کے اور احسان رکھا ہم پر اس بات کا کہ راہ راست پر لگا دیا ہم کو تب فرمایا حضرتؐ نے تم کو قسم اللہ کی تم محض شکریہ کے لئے بیٹھے ہو انہوں نے عرض کی قسم اللہ کی اسی لئے بیٹھے ہیں آپؐ نے فرمایا میں نے تم کو اس واسطے قسم نہیں دی کہ تم پر یہ گمان ہو کہ تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے یہ خبر دی کہ ان اللہ عزوجل یباہی بکم الملٰئکۃ یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں تمہارا فخر ظاہر ظاہر کرتا ہے کہ دیکھو میری نعمت کا شکر کرتے ہیں اب دیکھئے صحابہؓ میں بھی ثابت ہوا کہ جلسہ اظہار شکر نعمت خداوندی کا ان میں پایا گیا اور جلسہ میلاد شریف بھی شکریہ ہے فرق نعمت میں ہے وہاں نعمتِ اسلام پر شکر ہے یہاں خود اس نعمت پر شکر ہے کہ جو اصل بنیاد اسلام وایمان کی ہے

ظاہر تغییر کردن ہیچ شک نہ کہ علم والا بھی جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور سنت ہیں قرون ثلٰثہ میں موجود تھے صراحۃً ودلالۃً اور علم فرض عین دین کا ہے اور تعلیم بھی فرض ہوا اور اس کی تحصیل میں شارع کی وہ کچھ تاکیدات ہیں کہ کسی ادنیٰ پر بھی مخفی نہیں اور جس ذریعہ مشروعہ سے تحصیل ممکن ہو اس کا کرنا فرض ہوا گو اس میں زیادت بھی حسب زمانہ کیجاوے سنت اور مطلوبؐ فی الدین وما مور من اللہ تعالیٰ ہوگا اور یہ قیود ملحقہ مجلس مولود کی ہرگز اس باب سے نہیں یہ محفل ہی کوئی ضروری نہیں اگر ضروری ہوتی یا شعار دین کا ہوتا چھ سو سال کیونکر اس سے خالی رہتے اور اب بھی کوئی ترقی دین کی اس سے نہیں ہاں تنزل ہوا کہ طرح طرح کی بدعات کا ایجاد اور عبادات فرائض کی سستی اور بے رغبتی کا باعث ہے مولودیوں کے عقیدہ میں نجات کو یہی عمل کافی ہے مؤلف اعمیٰ اگر حق سے اعمیٰ ہو جاوے تو کیا علاج یہ سب امور مشاہدہ ہیں اور علم پر اس ذکر کو قیاس کرنا محض جہل مرکب ہی نماز جمعہ پر قیاس کرنا تھا کہ بہت ظاہر ہے استغفر اللہ ربی ۔۔۔ اعوذ بک من لا علم۔ پس اگر علم دنیا سے اٹھ جاوے اس کا فساد سب پر روشن ہے اور جو مولود اٹھ جاوے کچھ بھی دین میں تغیر نہیں اس کا قیاس اس پر کرکے بزعم فاسد خود بدعات کو جائز کہنا اور ما مور سنن اور مامورات شارع کو تحصیل دین میں مقیس علیہ امور مبتدعہ مولود کا بنانا کس قدر جہل عن قواعد الدین ہے معاذ اللہ غرض فساد فہم مؤلف کا اور بطلان اس کے قیاس مزعوم کا ہر شخص پر ظاہر ہو گیا خلاصہ یہ کہ عبادت مسنونہ لحوق امور مکروہ سے مکروہ اور لحوق امور محرمہ سے حرام ہو جاتی ہے بلا اختلاف مگر مؤلف کو ہرگز علم نہیں اس کا یہ قول کہ امر سنت لحوق مکروہات سے سنت ہی رہتا ہے محض سفسطہ ہی یوں نہیں بلکہ مجموعہ مرکب سنت و حرام

سے حاصل کرنا [1] پوشیدہ [2] دین میں طلب کی گئی [3] اللہ تعالیٰ کی طرف سے محکم [4] قواعد دین سے ناواقفیت [5] بے وقوفی

یعنی حضرت کی اطاعت اور جمیع احکام مان لینے کو اسلام کہتے ہیں بنا برعلیہ ابداس جلسہ شکریہ میں بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ملائکہ
میں فخر با بیان محفل کا ظاہر کرے کیوں کہ علت شکر اس جلسہ منصوصہ اور اس محفل میں مشترک ہے لاجرم یہ بدعت حسنہ ٹھیری اور اگر مثل اور نظیر اس
طرح پر طلب کرتے ہو کہ ایسا جلسہ مسنونہ بتاؤ جس میں چند سنتیں مثل جلسہ مولد شریف کی مجتمع ہوں تو اس کی بھی نظیر شرع میں موجود ہے مثلاً شادی
عروسی کہ اس میں اجتماع ہے مومنین کا اور ذکر اللہ بھی اس میں ہو اس لئے کہ خطبہ نکاح کا جو سنت ہے جلسہ نکاح میں پڑھا جاتا ہے بعد ازاں خرما وغیرہ
تقسیم کر دیا جاتا ہے یا حاضرین کے ہاتھوں لٹا دیا جاتا ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا بأس بنثر السکر والدراہم فی الضیافۃ وعقد النکاح
اور مولوی اسحاق صاحب نے مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں لوگوں کو جمع
کر کے خطبہ پڑھا ایجاب و قبول کیا چھوارے لٹائے اور نیز جس وقت کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ سے نجاشی بادشاہ حبش نے
اپنے ملک حبش میں کیا تو حضرت جعفرؓ اور جمیع مہاجرینؓ کو جمع کر کے خطبہ پڑھا ایجاب و قبول کیا بعد ازاں سب کو کہا کہ ابھی بیٹھے رہو یہ سنت پیغمبروں
کی ہے کہ بعد نکاح کے کچھ کھانا کھاویں تب کھانا منگا کر سب کو کھلایا یہ بھی مسائل اربعین میں ہے اب دیکھئے اگر نکاح میں عقد نکاح کا سر دہرہ

ہی ہوتا ہے گو وہ نفس جو سنت کا سنت ہے قولہ یہاں تک تو بیان تھا الخ اقول مؤلف کس قدر غافل ہے پھر وہی نفس ذکر کی فضل اس قول اور آیا
سے ثابت کرنے لگا اس میں کس کو کلام ہے مگر مؤلف کو ذ معذور ہے اور یہ حدیث حلقہ صحابہؓ کی بھی وہی بیان مطلق ذکر و شکر میں ہے اس سے مؤلف
کو سوائے تطویل کے کوئی نفع نہیں اور مانعین کے کچھ خلاف نہیں لہذا اس کا جواب کیا لکھا جاوے کہ یہ مسلم اہل سنت کا ہے قولہ اگر مثل اور نظیر اس
طرح پر الخ اقول فی الواقع مؤلف کو اثبات مدعا میں ید طولیٰ ہے کیا عمدہ طرح اثبات قیود مولود کو کرتا ہے سننے کے قابل ہے غرض تو اس کی اثبات
جماعت کی ہے اور نظیر کراہت کی لکھی سنو کہ نعین کا تو قول حسب ارشاد شارع کے یہ ہے کہ کسی جائز مطلق کے ساتھ اگر ایسے امور ضم ہو جاویں کہ وہ
ممنوع ہوں تو مجموعہ ممنوع ہو جاتا ہے اور جو ایسے امور منضم ہوں کہ مباح ہیں یا مستحب ہیں تو اگر اپنے درجہ اباحت و استحباب پر رہیں تو درست
ہیں اور جو اپنے درجہ سے بڑھ جاویں تو بدعت ہو جاتے ہیں اور یہ امر تمام کتب میں مصرح ہے پس شادی نکاح میں جو امور سنت سے ثابت ہیں
وہ مستحب ہیں یا مباح پس اگر شادی میں کوئی امر غیر مشروع مل گیا جب بھی وہ مجمع غیر مشروع ہو گیا اور جو ان امور کو واجب جاننے لگے یا واجب
جیسا معاملہ ہونے لگے جب بھی ممنوع اور بدعت ہو کر مجمع بدعت کا ہو جاوے گا اور شرکت وہاں کی منع ہو جاوے گی پس یہی حال اس مجلس
مولود کا ہے بلا تفاوت ہم کو زیادہ شرح کی کیا حاجت ہے مؤلف خود ہی کہتا ہے مگر ہاں -- شادی کی بدعات میں وہ معصیت اور مواخذہ
نہیں، جو مولود کی بدعات میں ہے کیوں کہ وہ امر دنیا کا تھا اور یہ ذکر پاک دین کا اور سرور عالم علیہ السلام کا ذکر اس کی مناہی پر سخت باز پرس
ہوتی ہے الحمد للہ کہ مؤلف کے منہ سے حق بات نکلی مگر بھول کر نکل آئی، پس اگر مؤلف اجتماع امور مباحہ کو مثل مجمع شادی کے جانتا ہے تو اب تاکد
کی صورت میں کیوں ان کے بدعت ہونے سے تامل کرتا ہے کلمہ پڑھ کر اقرار کر لیوے پس مومنین متبعین سنت میں داخل ہو جاوے گا اب ناظرین
مؤلف کے علم کو قیاس کریں کہ ہر دفعہ اثبات قیود کے واسطے عزم کرتا ہے تو مطلق فضائل ذکر مولود کے بیان کر کے کوئی قیاس کی بات یا مجمل
بات قیود میں ذکر کرتا ہے یہاں بھی اسی فکر میں یہ قیاس پیش کیا ہے جو بالکل اس کے مدعا کے خلاف ہے یہ کمال فہم انکا ہے اور صوم عاشورا
کا جواب گذر چکا کہ وہ روزہ بسبب اعادہ شکر کے نہیں تھا۔ بلکہ بایجاب اللہ تعالیٰ تھا اور اعادہ سرور عید کیطرح عادت یہود کی تھی کہ فخر عالم
نے اس کو ترک کرا دیا تھا پس یہ نظیر ہرگز نہیں ہو سکتی تھوڑے سے فہم کی حاجت ہے بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے عرض

ملہ و عوں کی صارت کے شامل کے خدائے تعالیٰ کے واجب کرنے سے۔

یہاں یعنی مجلس میلاد شریف میں اس سے کہیں زیادہ بڑی نعمت یعنی وجود باعث ایجاد عالم کا سرور ہے وہاں خطبہ میں توحید اور اقرار رسالت ہے یہاں بھی وہ مضمون بہ تفصیل و شرح موجود وہاں تقسیم شیرینی و خرما و اطعام طعام ہے یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس یہ باتیں موجود ہیں اور اگر سال بسال دائمی ہونے کی شلیت مطلوب ہو تو محدثین صوم عاشورا کی نظیر دیکھئے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا شکریہ سال بسال کب سے چلا آتا ہے غرضکہ میلاد شریف کی اصل بھی شرع میں موجود ہے اور نظیر اور مثل بھی بنا برعلیہ موافق قول مولوی اسماعیل صاحب کے یہ محفل بدعت نہیں اب ایک دوسری تقریر سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ محفل سنت ہے مولوی اسماعیل صاحب تذکیر الاخوان میں مجتہدوں کی نکالی چیز کو سنت میں داخل کرتے ہیں اور مجلس میلاد اگرچہ بدین ہیئت مجموعی کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدان مطلق نے ایسے عمدہ قاعدے کلیہ ایجاد کئے کہ مجلس ان قاعدوں میں داخل ہو گئی مثلاً حضرت امام مالکؒ حدیث کی تعلیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے تھے پھر فرش جو کی ہوتا مسند بچھتی عود و لوبان وغیرہ بخور خوشبو سلگتی پھر منبر پر بیٹھ کر کمال تعظیم سے بیان فرماتے لوگوں نے پوچھا یہ اہتمام کیوں کرتے ہو فرمایا تعظیم کرتا ہوں حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تب کسی نے اعتراض نہ کیا اور چپ ہو گئے امام مالکؒ خیر القرون میں تھے تابعین میں تھے اور مجتہد تھے ان کے فعل سے یہ آداب ثابت ہوئے پھر جس نے ان پر اعتراض کیا وہ ان کی دلیل معقول سن کر چپ ہوا کہ واقعی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے پس دوسروں کا سکوت کرنا بعد اعتراض کے یہ بھی قول امام مالکؒ کو موید ہو گیا علاوہ بریں اس وقت سے آج تک جمیع کتب حنفیہ مالکیہ شافعیہ میں یہ دستور العمل مکتوب ہو گیا کہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے مکان عالی پر بیٹھنا خوشبو لگانا تعظیم مدنظر رکھنا مستحب ہے مدارج النبوۃ اور مواہب اور شرح مواہب وغیرہ سے یہ بات ظاہر ہے اور معلوم ہے سب کو یہ بات کہ محفل مولد شریف میں احادیث و معجزات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اس میں اس قسم کے آداب کئے جاتے ہیں پس یہاں تک تو محفل مولد شریف فعل خیر القرون میں داخل اور سنت میں شامل ہے باقی رہا درود و سلام و مدح کھڑے ہو کر پڑھنا تعظیماً اس کی اصل بھی مجتہدوں سے ثابت ہے

کہا کہ اگر یہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الآیۃ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس روز کو عید بنا لیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں خود اس روز کو پہلے سے حق تعالیٰ نے عید بنا رکھا ہے اس روز دو عید تھی جو یہ آیت نازل ہوئی عرفہ اور جمعہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یوم حصول نعمت کو یوم عید بنانے کے تھا در ہمارے شرع میں یہ نہیں ہے کہ کسی ان کو ولادت سے لے کر آخر تک شرح صدر اور نبوت اور معراج وغیرہ بافضاء اس امت پر ہوئی مگر شارع نے کہیں کوئی عید حقانی نہ حکم دیا نہ کہیں قرون ثلثہ تک کچھ نہ بس ایسی حالت میں اگر سرور بطور عید کرنے کو یوم ولادت فخر عالم میں تشابہ یہود کا بھی کوئی کھٹکا ہے تو بجا ہے باقی رہا سرور ولادت سو وہ ہر دم لازم ایمان ہے اگر اس کا اظہار بطور مشروع کسی وقت ہو اس کو کوئی منع نہیں کرتا ہاں بدعت کی طرح پر لاریب ممنوع ہے پس ہو گئے سب قیاس درہم ہو گئے محض دعویٰ بے معنی باقی ہے اور بس

مجلس نکاح ورسوم یوم عاشورہ نظیر و مثل مجلس مولد مروج نہیں ہو سکتے جیسا کہ ہر کوئی سمجھتا ہے امام مالک کا عند الحدیث تعطر و تجمر و تادب اہل بدعت کو مفید نہیں

قولہ اب دوسری تقریر سے ثابت کرتے ہیں الخ اقول خلاصہ تحریر کا یہ ہے کہ امام مالکؒ درس حدیث غسل و تطییب کے ساتھ کرتے تھے امام مالکؒ کا حال شرح نخبہ وغیرہ میں منقول ہے۔ و روی عن مالک انہ کان اذا اراد ان یحدث توضأ و جلس علی صدر فراشہ و تمکن فی جلوسہ بوقار و ہیبۃ و حدث و روی انہ کان یغتسل و یتبخر و یتطیب تو اس سے طہارت نظافت و تعطر جو یہاں منقول ہو سب اذکار قرآن و دلائل و حدیث میں باتفاق مندوب

یعنی احمد بن حنبلؒ کے استاد یحییٰ بن سعید منارہ مسجد سے پشت لگا کر بیان کرنا شروع کرتے تھے اور بہت بڑے عالم مجتہد محدث علیؓ ابن مدینی ابن عمار
اور امام احمدؒ وغیرہ کھڑے رہتے تھے اور تحقیق کرتے حدیثیں اور کوئی ان کی ہیبت اور جلال سے نہ بیٹھ سکتا تھا یہ حال قادری برہنہ میں موجود
ہے ان محدثوں اور مجتہدوں کے فعل سے ثابت ہو گیا اگر کوئی شخص ذکر رسول کھڑا ہو کر کرے صحیح ہے اور حضرت حسانؓ منبر پر کھڑے ہو کر فخر بیان
کرتے تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بس اب باقی رہ گیا کھانا یا شیرینی دینا اس کا حال یہ ہے کہ جس وقت ابو سعید مظفر کے وقت میں محفل ہوئی
اور اس میں کھانا نہایت پر تکلف شاہانہ عام لوگوں کو کھلایا گیا اس وقت اگرچہ کوئی مجتہد مطلق یعنی مجتہد فی الشرع موجود نہ تھا مگر مجتہدوں کے
چند طبقے ہیں ان میں سے ایک مجتہدین فی المسائل ہوتے ہیں۔ قوت نظر بیان کی قوی ہوتی ہے اور اپنے امام کی اصل پر نظر کر کے مسائل غیر منصوصہ
میں بنظر اجتہاد حکم دیتے ہیں اس قسم کے مجتہد موجود تھے تو تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت جمیع علماء نے سوائے شیخ تاج الدین کے محفل مولد
شریف کی مع التعام طعام و تعیین یوم میلاد وغیرہ جائز رکھا پس ان خصوصیات کی اسناد بھی مجتہدین تک پہنچ گئی اور مولوی اسماعیل صاحبؒ

ہے اور نصوص سے ثابت ہے نہ معلوم کہ مؤلف کو باوجود نص کے فعل مالک کی کیا ضرورت ہوئی مگر ظاہر ہے کہ جہل ہے اسی واسطے اتنا تکلف
کرنا پڑا اس اول تو چوکی منبر کا حوالہ غلط ہے شاید یہی وجہ اس فعل کے نقل کی ہوئی ہو کہ یہاں تصرف کم ظاہر ہووے گا نصوص تو خوب منصوص ہیں
اس کے تصرف کو ہر ایک معلوم کر لیوے گا پس حجت منبر کی اس سے درست نہیں مگر مؤلف کیوں تکلف کرتا ہے اس کا تو کسی نے انکار نہیں کیا مندوب تعظیم کا
خود نص سے ثابت ہے مالک کے فعل سے بھی ثابت ہو اس کا وجوب ہو جانا بدعت ہو دوسرے یہ کہ مؤلف قرآن اور درود سب کچھ پڑھتا ہے کسی
کو تعطل و تنجیز نہیں ہوتا خاص اسی ذکر میں مندوب پر عمل ایسا کہ ہرگز ترک نہ ہو جو کوئی بولے تو لڑنے کو تیار ہو اور امام مالکؒ کا فعل لکھنے کو موجود یہ تخصیص
کی وجہ کیا ہے یہ وجہ لکھنی تھی تا بدعت کے طعن سے نجات ملتی اب تو مؤلف وہی تیلی کا بیل ہو رہا ہے پھر پھرا یا اسی مرکز پر آ رہا ہے بھلا صاحب
مندوب منبر کا بھی اور تسلیط کا بھی ثابت ہوا مگر اس تخصیص اور تاکید کی وجہ کیا ہے جو مانعین کا اعتراض رفع ہووے واہ رے جو لانی اور علم تحدیث
حدیث میں چوکی پر یا مکان مرتفع پر بیٹھنا کہیں سنت نہیں ہاں وعظ میں یا جہاں مجمع عام میں کوئی امر سنانا ہو تو اس لئے پہنچانے کو یا اور غرض صحیح
کے واسطے مندوب ہے مگر نہ کوئی تخصیص کی وجہ نہ تاکید کی دلیل اس سے نکلی اور نفس مندوب مفید مؤلف کو نہیں اور درود و سلام کا بھی یہی حال ہو کھڑے
بیٹھے جس طرح چاہو پڑھو مگر خصوصیت قیام کے وقت ذکر ولادت کی پوچھی جاتی ہو کوئی مؤلف کو کہے بندہ خدا تعالیٰ کہیں تو سمجھ درود کو قیاماً کس نے
منع کیا ہے بالخصوص ذکر ولادت پر قیام کرنے کو پوچھتے ہیں سمجھ کر جواب دے الحاصل کلام خصوصیات میں تھی اور یہاں ذکر قیود مباحہ کی قسم مؤکد
میں مگر مؤلف کچھ سے کچھ لکھ رہا ہے جو اس درست نہیں علیٰ ہذا حسانؓ کا منبر گو وہ کر مفاخرت مناقبت عمیقاً کفار کے واسطے اور اعلان کے واسطے
تھا غرض صحیح میں قیام تو سب درست ہے مگر مؤلف کو کیا نفع ہے مطلب کچھ خبر اور فہم نہیں تطویل بے سود کرتا ہے کلام خصوصیت میں
اور تاکد مباح میں ہے نہ کہ ان امور کی اباحت میں سو وہ کچھ بھی مؤلف نے ثابت نہ کیا ہمہ شب رواں صبح آنجا کہ ہست

بحث طعام محفل مولد | قولہ اب باقی رہ گیا کھانا الخ اقول کھانے شیرینی کی بحث تو چند دفعہ ہو چکی کہ اصل اس کی مباح اور تخصیص اور تاکد مروج
سے کراہت و بدعت پیدا ہوئی ہے کلام اصل میں نہیں بلکہ اس تاکید میں ہو اور ملک مظفر کے وقت کی ایجاد میں تو بحث ہو ہی چکی ہے اور
پھر مؤلف اس کو ہی دلیل بنا رہا ہے یہ مردود نہ معلوم کہاں سے سیکھا ہے اور بہت طویل کلام اس میں پہلے لکھے گئے اور علامہ فاکہانی کی تحقیق اور
اس کا حق ہونا بظاہر معلوم ہو چکا اور تاویل فعل علماء کے بھی مذکور ہوئے اور معہذا مولود مؤلف کا جائز نہ ہونا بھی ذکر ہو لیا مؤلف کی تکرار اور

لے عطر لگانا ۲ے زبان ور اگرچہ سلانا ۳ے شامل کرنا ۴ے فخر کرنا ۵ے غصہ و غضب ۶ے تمام رات چلے صبح کو وہیں کے وہیں رہے ۷ے مطلب کہ معنی خیر خاک نہ سمجھا

نے مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع کی قید تو لگائی نہیں کیوں کہ ان کی غرض یہ ہے کہ کوئی فعل ایسا نہ ہو کہ عوام یا علماء کم مایہ اس کو پسند کرلیں بلکہ وہ ایسے مجتہد ہوں کہ ان کو قوت نظریہ لائق اصل و نظر پہچاننے کی ہووے اور مولوی اسماعیل صاحب نے تذکیر الاخوان کے باب تقلید میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ اکثر علماء دیندار متقی اس مسئلہ کو قبول کرلیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے انتہی دیکھئے یہاں اجتہاد کی قید نہ لگائی اب ہم کہتے ہیں کہ اس محفل کو اکثر علماء دیندار متقیو نے معتبر رکھا ہے استحباب کا فتویٰ دیا ہے اور ابو سعید مظفر کے عہد میں وہ علماء بڑے عالی درجہ صحیح النظر جامع فروع و اصول تھے یہاں تک کہ بعض ان میں سے اپنے اوپر تقلید ائمہ کی واجب نہ جانتے تھے خود قوت اخذ مسائل کی اپنی عقل میں سمجھتے تھے علاوہ بریں امام شافعیؒ کے قاعدہ میں تحقق مع جمیع خصوصیات و تعینیات مروجہ اہل اسلام داخل ہو وہ قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ سے بیہقی نے یہ روایت کیا ہے کہ نئی بات اگر ایسی ایجاد ہو کہ قرآن اور حدیث اور اجماع کے حکموں کو نہ مٹاتی ہو اور نہ رد کرتی ہو وہ بدعت حسنہ اور محمود ہے اس کو برا نہ کہنا چاہیئے محفل میلاد اس مجتہد کے قول میں داخل ہو گئی کیوں کہ کوئی حکم قرآن و حدیث و اجماع کو رد نہیں کرتی اور اگر رد کرتی ہے تو بیان کرو مدعی نعلیہ البیان الحاصل ہر نہج سے اس کی اسناد مجتہدین تک پہنچتی ہے خواہ تصریحاً خواہ استنباطاً پس یہ محفل سنت میں داخل ہو اور بدعت نہیں موافق قاعدہ مقررہ مولوی اسماعیل صاحبؒ کے سوال تم ساکنان ہندوستان حنفی المذہب ہو امام مالکؒ اور شافعیؒ سے کیوں استدلال کرتے ہو؟ جواب جو مسئلہ ہمارے امام سے تصریحاً بیان نہ ہو اور دوسرے اماموں نے اس کو تصریح کیا ہو اور وہ ہمارے قواعد کے خلاف نہ ہو پس تسلیم کیا جاتا ہے وہ ہمارے مذہب حنفی میں اس کی نظیریں ناظر کتب فقہ کو ملیں گی بالفعل ایک مثال لکھتا ہوں درمختار میں ہے واما تقبیل الخبز فجوزہ الشافعیۃ بانہ بدعۃ مباحۃ وقیل حسنۃ یعنی کہا صاحب درمختار نے کہ روٹی کو چومنا یعنی بوسہ دینا جائز رکھا ہے شافعیوں نے کہ یہ بدعت مباح یا مستحب ہے یہ مذہب شافعیوں کا لکھ کر صاحب درمختار جو مذہب کا حنفی ہے لکھتا ہے کہ وقواعدنا لاتاباہ یعنی ہم حنفیوں کے قاعدے کچھ اس سے مخالفت نہیں رکھتے، پس ثابت ہوا کہ غیر اماموں کے مذہب میں جو بات ایسی ہو کہ ہمارے مذہب میں اس کا ذکر نہ ہو اور ہمارے مخالف نہ ہو اس کا لے لینا درست ہے چنانچہ تقسیم بدعت حسنہ اور سیئہ کی ہمارے کتب فقہ شامی وغیرہ میں برابر مثل مذہب امام شافعی کے مندرج ہے اور اسی طرح قراءۃ حدیث میں لوبان وغیرہ سلگانا خوشبو لگانا، اونچی جگہ پر بیٹھنا با قتدا امام مالکؒ کتب حنفیہ میں

اعادہ نے ہم کو بھی اس تقریر مہمل میں ڈالا غرض یہ نہ حجت فی الدین ہے اور نہ مؤلف کا کچھ فائدہ اس کرنے میں یہ لاحاصل اور عبث کلام ہے پہلے سب کچھ لکھا گیا ہے حاجت اعادہ کی نہیں اور یہ تقریر محض لغو ہے جو مؤلف کا غذ سیاہ کرتا ہے امام شافعیؒ صاحب کے قول کے معنی بیان ہو چکے ہیں مؤلف کمال دلاوری سے یہ کہتا ہے من ادعی فعلیہ البیان اس علم و فہم پر یہ کلمہ اول رسالہ سے یہاں تک قلعی کھلتی چلی آرہی ہے مگر ابھی مؤلف کے دماغ کا کیڑا نہیں گرا اب یہ براہین قاطعہ سب دعووں کی ناک کے بل نکالے دیتی ہے اور مدعی کا بیان ملاحظہ ہوا جاتا ہے، ذرا حواس دماغ کا منتقیہ کر رکھو الحاصل اس ہیئت مروجہ مولود کا ناجائز ہونا ثابت ہو لیا اور مؤلف ہاتھ پاؤں مار کر پھر پھرا کر قیود کے اثبات میں سوائے اس کے کوئی حجت نہیں رکھتا کہ بہت علماء نے اس کو کیا ہے اور جائز رکھا ہے مگر یہ بھی اس کے مولود کو نافع نہیں اگر عقل ہو تو سمجھے اب اس کے بعد مؤلف نے جو سوال جواب بے محل بے سود لکھا ہے نہ اس کا کچھ محل تھا نہ یہ کسی کی مخالف بھی اپنا علم جتلانا تھا سو اس سے بھی کم مناسبت ہونا مؤلف کا فہم علم سے معلوم ہو گیا

قولہ لمعہ رابعہ الخ اقول خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ ایسا التزام کرنا اور تعیین تاریخ کرنا	تعین وقت میلاد میں مؤلف کا استدلال آیت ربنا انزل علینا

ے دین کے معاملہ میں حجت سے دعوئ کی جمع

موجود ہے لمعہ رسالیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ محفل کبھی کبھی کرنی جائز بھی ہو تو خیر لیکن یہ بات کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ میں کرنا اس کا اور وہ بھی ہر سال التزاماً کریں اس کی تو کوئی دلیل نہیں جواب دلیل اس کی یہ ہے کہ شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے کہ جس کسی نعمتِ عظمیٰ کا ظہور ہو اس کو عید کریں ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں۔ قرآن شریف میں اس تعیین یوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آسمان سے ہمارے لیے خوان کھانے کا اترے تب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا اللهم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیداً لاولنا واخرنا کہا امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں کہ اس کے یہ معنی ہیں یا اللہ اتار ایک خوان کھانے کا آسمان سے کہ ہو جائے وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید یعنی جس دن وہ مائدہ اترے اس کو ہم عید بنالیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوویں وہ بھی اس کو عید بنادیں اس دن کی تعظیم جاری رہے پس اترا مائدہ اتوار یعنی یکشنبہ کو پس بنالیا نصاریٰ نے اس کو خوشی کا دن کہ اس میں خوشی کرتے ہیں انتہیٰ یعنی وہ لوگ اپنی عبادت گاہ میں جمع ہوتے ہیں یکشنبہ کو مثل جمعہ اہلِ اسلام کے اور اس روز اپنے محکموں میں تعطیل کرتے ہیں۔ استراحت چلتے ہیں دیکھیے قرآن شریف سے اصل ثابت ہوئی کہ روز حصول نعمت کو ابتداً عید بنالیا جاوے اور حدیث سے یہ سند ہے کہ ابن حجر محدثؒ نے مسلم اور بخاری کی حدیث نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے یہود کو دیکھا کہ عاشورا محرم کو روزہ رکھتے ہیں آپ نے پوچھا کیوں رکھتے ہو بولے یہ وہ دن ہے کہ اس میں ڈبو دیا اللہ تعالیٰ نے فرعون کو بچالیا موسیٰ علیہ السلام کو پس روزہ رکھا موسیٰؑ نے شکراً فنحن نصومہ شکراً للہ تعالیٰ یعنی ہم اس دن کو روزہ واسطے شکر گزاری اللہ تعالیٰ کے رکھتے ہیں

موجب تاکد کا ہو جاوے درست نہیں مؤلف جواب دیتا ہے کہ شرع میں روزِ ظہور نعمتِ[1] عظمیٰ کو عید بنانا درست ہے۔ کیوں کہ اس کی اصل پائی گئی ہے اور دلیل اس کی آیۃ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء الآیۃ لکھتا ہے پس سو کہ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں ایک یہ بھی ہے جو مؤلف نے لکھا مگر دوسرے اقوال چونکہ مفید مدعیٰ نہ تھے ترک کر دیے اس کو موافق مطلب کے دیکھ کر نقل کر دیا ہے مگر اس سے بھی مؤلف کو کچھ مس نہیں کیوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ یوم یکشنبہ کو نزول مائدہ تھا اس دن کو بحکم خدا تعالیٰ عید بنایا ہے تو اول تو یہ دیکھو کہ یہ عید کا قرار دینا بدعا عیسیٰ علیہ السلام کے ہوا اور بحکم حق تعالیٰ اس کا اقرار و اجرا ہوا ہے تو اس تعیین میں تو کلام ہی نہیں کہ شارع کی طرف سے فرض ہو جاوے تم پر جمعہ فرض ہوا ان پر یوم احد فرض ہوا فغد الیہود وبعد غد للنصاریٰ الحدیث کلام اس میں ہے کہ اپنی رائے سے کوئی عید مقرر نہیں کر سکتا اگر مؤلف کا یہی اجتہاد ہے تو پھر نصاریٰ کے شرع میں کیوں گیا جمعہ اور پنجگانہ دعوات سے ہی دلیل لاتی تھی اس میں بھی نعمائے خفیہ بندوں پر مبذول ہیں دوسرے یہ کہ یہ شرع عیسیٰ علیہ السلام کی ہے اب احکام منسوخ ہو گئے اس پر قیاس درست نہیں اس لیے کہ جب خود منسوخ پر عمل جائز نہیں اس پر قیاس بطریقِ اولیٰ ناجائز ہووے گا شریعت آدم میں بہن سے نکاح درست تھا تو اس پر قیاس کر کے کسی محرم سے نکاح کرنا شاید مؤلف جائز کہہ دیوے اگر کہے کہ نکاح محرم تو ہمارے شرع میں حرام ہے تو تقیید بالرائے بھی ہمارے شرع میں ناجائز ہے۔ تیسرے یہ کہ شکر وجود فخرِ عالم کا ہم پر فرض موقت بوقت نہیں بلکہ دائمی ہے پس غیر موقت مطلق کو کسی قیاس سے موقت کرنا باطل ہے اول تو محل نص میں قیاس ہی لغو ہے پھر وہ قیاس کہ مطلق کو مقید کرے اور شریعتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو شرع سابق منسوخ نہیں کر سکتی بلکہ وہ خود منسوخ ہے چہ جائیکہ اس پر قیاس کر کے نسخ کریں اور تقیید بھی نسخ ہی ہوتا ہے علماً یا عملاً یہی وجہ ہے کہ تقیید آیۃ مطلق کی بخبر واحد منع ہے پس مطلق شکر کو موقت بتاریخ ورود نعمت کرنا باطل و ممنوع ہو گیا جو کہتے ہیں کہ خود معلوم

[1] بڑی نعمت کے ظاہر ہونے کا دن [2] تعلق [3] پوشیدہ نعمتیں [4] ختم [5] رائے سے مقید کرنا [6] علم کے اعتبار سے ہو یا عمل کے اعتبار سے

حضرتؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا تمہاری بہ نسبت ہم کو زیادہ مناسبت ہے موسیٰؑ سے تب آپؐ نے روزہ عاشورا رکھا اور صحابہؓ کو بھی حکم دیا یہ حدیث صحیح ہے مسلم اور بخاریؒ میں موجود ہے اب دیکھئے کہ کب فرعون ڈوبا اور کب موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی اور جب سے اب تک وہ شکریہ اس نعمت کا جاری ہے کہ جب وہ روز عاشورا محرم کا آتا ہے ہر سال اہل اسلام اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ نزول مائدہ عیسیٰؑ اور نجات موسیٰ علیہ السلام سے کہیں فائق اور افضل اور اکمل ہے پس یہ دن ہر سال آوے کیوں کہ اس میں فرحت و سرور ظاہر نہ کیا جاوے اور شکر الٰہی کیوں نہ ادا کیا جاوے جب روز معین کا ہر سال ؟ موجب اعادہ سرور ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا تو روز میلاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو نہایت درجہ کو قابل اس کے ہے کہ اس کو یوم سرور کیا جاوے علاوہ ان دلائل کے ربھی حدیث صحیح درباب تعیین و قرار پانی یوم سرور بباعث ظہور نعمت علمائے محققین نے مثل مفتی سعد اللہ وغیرہ نے بیان فرمائی ہے اور یہ بات تو اس قسم کی ہے کہ ابو عبد اللہ بن الحاج جن کو یہ صاحب فہرست مانعین میں لکھتے ہیں اور اپنا طرف دار شمار کرتے ہیں یعنی ان کو مانع عمل مولد شریف جانتے ہیں انہوں نے اس تخصیص افضلیت ماہ ربیع الاول کو مسلم رکھا ہے عبارت ان کی مدخل میں یہ ہے هذا الشهر العظيم الذي فضل الله تعالى وفضلنا فيه بهذا النبي الكريم الذي من الله تعالى علينا فيه بسيد الاولين والآخرين كان يجب ان يزاد فيه من العبادة والخير شكر له على ما اولى نابه من هذا النعم العظيمة وقد اشار عليه الصلوة والسلام الى فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله عليه السلام للسائل الذي سأله عن صوم يوم الاثنين فقال له عليه السلام ذلك يوم ولدت فيه فتشريف هذا اليوم متضمن لتشريف هذا الشهر

ہو گیا۔ باقرار مؤلف کہ یوم نزول مائدہ کو نصرانیوں نے عید بنایا اب یوم ولادت کو عید بنانے میں تشابہ بالنصاریٰ سے ہونے کی یہ دوسری وجہ پیدا ہوتی ہے اور ہماری شریعت میں ہرگز جائز نہیں کہ یوم ورود نعمت کو عید بنایا کریں چنانچہ بالا بیان اس کا ہو لیا پس یہ قول و دعویٰ مؤلف کا باطل ہے ہرگز ہمارے شرع میں کوئی اصل اس کی نہیں لہٰذا یہ تعیدؔ درست نہیں سو قرآن سے تو استدلال لانا مؤلف کا باطل ہوا اب صوم عاشورا کی دلیل کو دیکھو کہ پہلے اس کی خوب تحقیق ہو چکی ہے کہ فخر عالم علیہ السلام نے یہ روزہ عادۃً اور بافتراض اللہ تعالیٰ رکھا ہے نہ شکراً النجاۃ موسیٰؑ پس یہ استدلال مؤلف کا بھی باطل لاشئے ہے اور ایک تصرف مؤلف نے اس حدیث میں کیا ہے نحن نصومہ شکراً للہ تعالیٰ یہ کسی حدیث میں نہیں یہ مؤلف نے زیادہ کی ہے حدیث نحن نصومہ ہے فقط بس زیادۃ لفظ شکراً کی افترا علی الحدیث ہے مگر پھر بھی کام نہیں چلے گا جیسا پہلے مذکور ہو لیا پس عید ٹھیرانا یوم سرور کو سنت ہوئی یہود کی اور سنت ہوئی نصاریٰ کی اور متروک ہے ہمارے اس شریعت میں پس تعید یوم ولادت میں اپنی رائے سے تشبہ یہود و نصاریٰ کا ہوتا ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ نفرت کہ عاشورا کی عید میں فرمایا خالفوا الیہود وصوموا انتم وعن ام سلمۃ قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم يوم السبت ويوم الاحد اكثر ما يصوم من الايام ويقول انهما يوم عيد المشركين فانا احب ان اخالفهم کہ مخالفت عید نصاریٰ اور یہود کے واسطے ان دونوں یوم کا روزہ رکھتے تھے اور مؤلف صاحب اس فعل یہود و نصاریٰ کی حجت لاکر مقیس علیہ بناتے ہیں سو یہ عین مخالفت شارع کی ہے یا نہیں ذرا مؤلف آنکھ کھولے ہوشیار ہو دے پس ایسی ہی غلط و خلاف شرع توجیہات سے اپنے ابتلا کو رواج دیتا ہے اور نہیں سمجھتا اور دیگر احادیث جواز تعید کی مؤلف نے نقل نہ کی وہ ان کا بھی حال اس کو معلوم ہو جاتا پھر اس ثبوت پر مؤلف بے خبر کیسا خوش ہوتا ہے ماشاء اللہ

صوم یوم عاشورا کا نقش بر آب ہونا عبارت مدخل مفید تعیین وقت میلاد نہیں | قولہ ابو عبد اللہ ابن الحاج الخ اقول مؤلف کو نقل عبارت

ـــ دسترخوان کے نازل ہونے کا دن ـــ عید منانا ـــ فرض قرار دینا ـــ پس ہم روزہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ـــ جس پر قیاس کیا جائے۔

یعنی یہ مہینہ ربیع الاول کا بزرگ ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا کہ ایسا سید الاولین والآخرین اسمیں پیدا کیا جب یہ مہینہ آیا کرے ہم کو چاہیئے کہ بہت
زیادہ اس میں نیکیاں کیا کریں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بزرگی کی طرف اشارہ کر دیا کیوں کہ آپ روزہ پیر کا رکھا کرتے تھے جب کسی نے
پوچھا کیوں رکھتے ہو آپ نے فرمایا اس روز پیدا ہوا ہوں پس اسی سے ثابت ہو گیا جب پیر کا دن بباعث پیدا ہونے آپ کے مشرف اور مکرم
ہو گیا کل دنوں کی نسبت[1] تو بدرجہ اولیٰ وہ مہینہ بھی مکرم اور معظم بنظر اکل مہینوں میں یہ معنی ہیں کلام ابن حاج کے اور ایک اعتراض دوسرا جو وارد ہوتا تھا کہ یہ
مہینہ اگر افضل تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیوں اس میں اظہار شکریہ وغیرہ نہ کیا اس بات کا جواب بھی اس میں حضرت ابن حاج نے مدخل میں
دے دیا والعلة ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم لم یزد فیہ علی غیرہ من الشهور شیئا من العبادات وما ذلك الا لرحمته صلی اللہ علیہ وسلم بامته ورفقا
بہم لانہ علیہ السلام کان یترك العمل خشیة ان یفرض علی امته عبارت پہلی عبارت سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم کو واجب ہے ربیع الاول میں زیادہ
کرنا نیک کاموں کا اگرچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی بات زیادہ اس مہینہ میں نہیں فرمائی یہ اس واسطے تھے کہ آپ بعض کام چھوڑ دیا کرتے تھے کہ
میرے سبب سے امت پر یہ کام فرض نہ ہو جاوے کیا تماشا ہو کہ ایسے محقق مثبت دلائل جواز مولد شریف کو یہ لوگ منکر مولد شریف قرار دیتے ہیں حالاں کہ ان
کے کلام میں خود خاص کرنا ربیع الاول کا ساتھ مزید خیرات وحسنات کے پایا جاتا ہے بباعث ولادت شریف صلی اللہ علیہ وسلم کے اور محفل مولد شریف
میں کچھ نہیں سوائے خیرات وحسنات کے معجزات کا پڑھنا اطعام طعام یا تقسیم حلویات وثمر وغیرہ اور کثرت ذکر درود وسلام و تعظیم اور مدح نبوی صلی
اللہ علیہ وسلم پس ان کے اس محقق مسلم الثبوت کا کلام اعتراض تخصیص ربیع الاول کی دفع میں کافی ووافی ہے الحمد للہ علی ذلك دوسری دلیل

مدخل سے کچھ نفع نہیں کیوں کہ اس کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شکر وسرور وجود فخر عالم علیہ السلام کا دائما مسلمان کو لازم ہے اور اس ماہ میں زیادہ
چاہیئے بسبب برکت اس ماہ کے اور اس کا انکار کس کو نہیں یہ تو تعین نہ ہوا بلکہ دوام ہوا اور اس ماہ میں زیادہ ہوئی اس کو تعین نہیں کہتے جیسا ہر
ماہ میں عبادت افضل ہے اور رمضان میں بہت افضل تو اس کو تعین نہیں کہتے کیوں کہ اس میں کوئی زمانہ خاص اس فعل کے واسطے نہیں کیا اور نہ
کسی وضع کی قید ہے بلکہ مطلق ہے جیسا تھا اور نہ کوئی ہیئت نئے تشبہ کی پھر مؤلف کو اس سے کیا نفع ملا اور اس عبارت منقولہ مؤلف سے پہلے
صاحب مدخل یہ لکھ چکا ہے ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه في المولد
وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات جملة الخ اس عبارت میں صاف معلوم ہوا کہ مولد بسبب احتوا بدعت کے بدعت ہو جاتا ہے مؤلف کہتا
تھا کہ سنت لحوق امور زائدہ سے بدعت نہیں ہوتی سنت ہی رہتی ہے پھر اس کے بعد پڑھ کر یہ عبارت منقولہ مؤلف کی مدخل میں ہے کان یجب ان
یزاد فیہ من العبادات والخیر شکرا للہ تعالی پس اس میں تخصیص اس ماہ کی نہیں بلکہ زیادہ ہے تاکید درکار ہے اور مطلق خیرات مبرات کو کہتا
ہے نہ کسی ہیئت خاصہ کو نہ کسی بدعت مروجہ پھر ربیع الاول کی شرافت لکھتا ہے آپ کی ولادت کے سبب اور تعیین کا کچھ حکم نہیں پس یہاں
تک کوئی امر خلاف رائے مانعین کے نہیں ہوا اور نہ مطلب مؤلف کا کچھ اس سے حاصل ہوا نہ معلوم کیوں اس کا استدلال ہے پھر آگے بڑھ
کر وہ لکھتا ہے فان خلا منه وعمل طعاما فقط ونوى به المولد ودعا اليه الاخوان وسلم من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نيته فقط لان ذلك زيادة
في الدين وليس من عمل السلف الماضين واتباع السلف اولى الخ پس مؤلف نے اس عبارت کو شاید ملاحظہ نہیں کیا یا حذف کر دیا مضر مطلب
جان کر الحاصل صاحب مدخل تو مطلق خیرات ومبرات کو اور زیادہ کو اس ماہ مبارک میں لکھتا ہے اس کا نام تخصیص مؤلف کی اصطلاح
کم فہمی کی ہے اور مؤلف کہتا ہے کہ محفل مولد میں کچھ نہیں سوائے خیرات ومبرات کے سو اس کا دعویٰ کذب پہلے محقق ہو چکا ہے اعادہ کی

[1] مشابہت سے مستثنیٰ ہونا کہ لاحق ہونا کہ نیکیاں سے دہرانا،

اس عمل کے التزام [۱] الدوام یعنی ہر سال کرنے کی یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آگیا ہے احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل یعنی اللہ کو بہت پیارا وہ عمل ہے جو سدا کو ہووے اگرچہ تھوڑا ہووے، پس جو شخص سال بھر میں ایک دو مرتبہ محفل کرے گا تو ظاہر ہے کہ تین سو ساٹھ دن میں ایک دن یا دو دن اس عمل پاک کے حصہ میں آئے پس یہ قلیل ہے جب قلیل ہوا تو اب اس کو دائمی بھی نہ کرے تو کیا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگا ابنا بر علیہ طالب حسنات کو لازم ہے کہ یہ عمل ہر سال کیا کرے تیسری دلیل اس کے التزام کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا ہے ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا یہ آیت جس طرح بدعتِ حسنہ کے جواز کی دلیل ہے اسی طرح اس پر بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی نیک کام اپنی طرف سے ایجاد کرے تو اس کا نباہ اور حق ادا کرنا بھی ضرور ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اپنی نفس کشی کے واسطے اپنی طرف سے یہ ایجاد کیا کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اکیلے جا بیٹھتے موٹے کپڑے پہنتے نکاح نہ کرتے لیکن انجام کار پوری حق گذاری ادا نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ انہوں نے یہ بدعتیں ہماری رضامندی کے لئے [۲] ایجاد کیں اور ہم نے حکم نہیں دیا تھا ان کا پھر ان کو نہ نباہا جس طرح چاہیے نباہنا۔ دیکھیے اس میں یہ دلیل پیدا ہوئی کہ بعضی بدعتیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے

حاجت نہیں، غرض دلیل اول مؤلف کی کس خوبی کی بھری ہے سبحان اللہ اور اس پر آپ شکر کرتے ہیں فقط **قولہ** دوسری دلیل اس عمل کی الخ **اقول** پہلے محقق ہوچکا کہ دوام جائز اور واجب ہے اور التزام واصرار اور وہ دوام کہ عوام کو مضر ہے بدعت ہے اور دوام اس عمل مولد کا موجب فساد [۱] عقیدہ عوام کا ہے اور پھر جو عمل موافق سنت کے ہو اس کا دوام احب الی اللہ تعالیٰ ہے نہ عمل بدعت کا کہ اس کا ایک دفعہ بھی کرنا ابغض الی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے سو یہ مؤلف کی بھی کم فہمی ہے اور غرض حدیث کی تو یہ ہے کہ ادوام احب الی اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ قلیل ہو یعنی اگر اکثر ہو گا تو بطریق اولیٰ احب ہوگا مؤلف کہتا ہے کہ یہ قلیل ہے اگر دائم بھی نہ کرے تو احب کیوں کر ہوگا اس کو مفہوم میں فساد ظاہر ہے مگر ہم کو غرض ایسی تقریر سے نہیں بہر حال اس دلیل کو مؤلف کے دعوی سے کوئی مناسبت نہیں

یت ورہبانیۃ ابتدعوھا الخ رتداعی اہتمام تر دیکھے سے جواز التزام محفل مولود نہیں مستحق ہوتا

قولہ تیسری دلیل الخ **اقول** سابق معلوم ہوچکا کہ بدعت حسنہ سنت ہی ہوتی ہے اور اس کو بدعت ظہور وتشریع کہا جاتا ہے۔ پس اس میں اور سنت میں حداً اور وصفاً وحکماً کوئی فرق نہیں اور سب مفسرین متفق ہیں کہ نصاریٰ پر عتاب بوجہ ترک ... واجب کے تھا نہ بوجہ ترک مستحب کے کسی نے اس ابتداع و نذر کہا جس کا نکث حرام ہے کسی نے عدم رعایت کو کفر سے تعبیر کیا کسی نے بعد ابتداع کے فرض ہو جانا قبول کیا بہر حال عدم رعایت کو ترک واجب پر حمل کیا جاتا تھا، مگر مؤلف مجتہد خاص پیدا ہوا ہے اس نے ترک بدعت حسنہ پر عتاب کا اختراع کیا ہے حالانکہ حدیث و تمام امت کا اجماع اور قیاس سب متفق ہیں اس بات پر کہ ترک مستحب پر ہرگز عتاب نہیں خواہ وہ سنت صریحہ سے ثابت ہو خواہ دلالت سے جس کو بدعت حسنہ اصطلاح بعض میں بولتے ہیں اب بولو کہ یہ اجماع قطعی کے خلاف حکم مجتہد العصر جاہل کا کہ مستحب بدعت حسنہ کے ترک کرنے میں یا دوام ترک میں عتاب کا اندیشہ ہے کس حکم کے لائق اور مستوجب ہے اس سے در گذر کر کے دیکھو کہ معترض تو خود یہ کہتا ہے کہ ایسا دوام مستحب کا جو عوام کو مضر عقیدہ دیوے جیسے شرح منیہ سے لکھا گیا مکروہ ہوتا ہے بحکم شرع علی ہذا لتعین تو اس کا جواب یہ دینا کہ فلاں دلیل سے دوام مکروہ نہیں نہ یہ کہ ترک کرنا عدم رعایت ہے اس میں اندیشہ عتاب ہے پس یہ کس اعتراض کا جواب مؤلف نے دیا ہے اعتراض میں کراہت کو دلیل سے ثابت کیا تھا مؤلف عدم رعایت کے معنی ترک احیاناً بنا کر تفسیر بالرائے سے جواب دیتا ہے اس عقل کو خیال کرو کیوں کہ معترض تو شرع

---

[۱] عقیدہ عوام کے فساد کا سبب [۲] پسندیدہ [۳] ایجاد کی [۴] توڑنا [۵] ثابت

نے بھی ہوتی ہیں دوسرے یہ کہ اگر ایسی بدعت نکالے تو اس کا پوری طرح نباہ کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات پر ملامت نہ
فرمائی کیونکہ انہوں نے یہ بدعتیں ایجاد کیں بلکہ اس بات پر ملامت فرمائی کہ انہوں نے نہ نباہا حق نباہنے کا جب یہ مضمون قرآن سے ثابت ہو گیا
تو معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح تین رات پڑھ کر چھوڑ دی تھی نہ اس میں یہ بیان ہوا تھا کہ اول شب میں ان
کو پڑھنا چاہیے یا آخر شب میں اور تمام رمضان کی راتوں میں پڑھنا چاہیے یا کسی رات میں پڑھ لینا کافی ہے علاوہ اس کے مقدار قرأت کا بیان
ہوا تھا کہ ختم قرآن ہو یا نہ ہوا اور نہ یہ بیان کہ اپنے گھر میں پڑھیں یا مسجد میں اور نہ کچھ اس کے لئے تمام اہتمام ...... و اہتمام جماعت کا
ارشاد ہوا تھا اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے دورہ میں بھی رہا پھر حضرت عمرؓ نے اس میں اہتمام زیادہ کیا اور حکم دیا تمیم داری کو کہ عورتوں کو تراویح
پڑھاویں اور ابی بن کعبؓ کو حکم دیا کہ مردوں کو نماز تراویح پڑھاویں اور مردوں کو مسجد میں جماعت تراویح کا حکم دیا اور پہلے صحابہؓ اپنے اپنے گھر
میں بلا جماعت پڑھتے تھے اور حضرت عمرؓ نے مسجد میں قندیل روشن کئے اور حجۃ البالغہ میں ہے کہ یہ بھی حکم دیا کہ بعد عشاء کے شروع رات میں پڑھا
کرو یعنی بطور تہجد پچھلی رات کو مت پڑھو غرضیکہ حضرت عمرؓ نے اس نماز کو کہ حضرت ... نے کچھ پڑھ کر چھوڑ دی تھی جاری فرمائی اور بعض خصوصیات
وتعینات اس میں زائد فرمائیں تب بباعث عارض ہونے ہیئت کذائی جدیدہ کے آپ نے بزبان خود اس کو بدعت فرمایا لیکن تعریف کے ساتھ
یعنی یہ فرمایا نعمت البدعۃ یعنی یہ اچھی بدعت ہے اس وقت صحابہؓ میں یہ اشارہ کیا کہ دیکھو اس نماز کو تم نے اہتمام اور جماعت اور قیود کے ساتھ خود
ایجاد کیا ہے اب اس کو ترک مت کیجو اور خوب مداومت کے ساتھ پڑھو ایسا مت کیجو جیسا بنی اسرائیل نے کچھ باتیں ایجاد کر کے پھر اس پر پورے
عامل نہ ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا فما رعوہا حق رعایتہا کہ انہوں نے نہ نباہا حق نباہنے کا یہ قصہ کشف الغمہ میں اور تفسیر روح
البیان کے سورہ حدید میں لکھا ہے وکان ابو امامۃ الباہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول احدثتم قیام رمضان ولم یکتب علیکم فدوموا علیہ
فعلتم ولا تترکوہ فان اللہ عاب بنی اسرائیل فی قولہ ورہبانیۃ ابتدعوہا ما کتبناہا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوہا حق رعایتہا
انتہیٰ جب معنی آیت کریمہ کا استدلال صحابہؓ اس آیت سے درباب جواز احداث بدعت حسنہ اور تاکید مداومت اس کی سن چکے تو اب مسئلہ
شریف کا حال سنو کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا ابن حاجؒ نے اس کا عذر بیان کیا ہے کہ حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے کہ مبادا سبب کرنے سے امت پر فرض ہو جاوے لیکن اشارہ اس کی فضیلت کا کر دیا کہ میں پیر کے دن اس لئے روزہ رکھتا
ہوں کہ اس میں میں پیدا ہوا ہوں یعنی اس میں امت کو اشارہ نکل آیا کہ جب ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک عمل عبادت شکریہ ہو گیا تو

سے خود ترک احیاناً بھی حق رعایت ثابت کر رہا ہے اس واسطے کہ جو دوام موجب معصیت ہو وہ خود ممنوع ہے سو وہاں ترک کرنا احیاناً ...
ہوگا، اور یہی حق رعایت بحکم شرع ہوگا علی ہذا امر کرنے میں تغیر حد اللہ[1] ہو کر معصیت ہووے گی پس ترک معصیت بھی حق رعایت بحکم شرع ...
اس سفسطہ کے جواب کو غور کرنا لازم ہے اور جو مراد مؤلف کی ترک مستحب احیاناً سے کسی ثواب ہے تو پھر یہ وہی دوسری دلیل ہوئی تیسری ...
ہو جاوے گی اور وہ فرق دوام واصرار کا یہاں بھی یاد کرنا ضرور ہے الحاصل مؤلف صاحب عقل و فہم کے دشمن ہیں اور تراویح کی تحقیق سنو ...
خود فرما چکے ہیں کہ سنت لکم قیامہ الحدیث من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ الحدیث اور اس کا فعل ابتداءً بھی کر دکھایا، تو اب ...
مطلق[2] قول سے جس قدر امور صلوٰۃ تراویح کے ہیں سب ثابت ہو گئے المطلق یجری علی اطلاقہ تو مؤلف کے وجوہ مذمت البدعت کے[3] ...
اتباع سے لکھے سب لغو ہو گئے کیونکہ یہ سب امور بعد ترک النص ثابت ہیں مقیدات مطلق کے سب ظاہر کہلاتے ہیں بلکہ بدعت ...

[1] حد الہٰی کا بدلنا [2] مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے [3] بار بار

وقوع ولادت کے پس برس دن کے بارہ مہینوں میں ایک وہ مہینہ بھی بلاشک محل عبادت شکریہ ہوگا جس میں میلاد شریف ہوا اس بنا پر اور اصل پر اہل اسلام نے اس مہینہ میں مجلس شکریہ جو مشتمل چند عبادات بدنی و مالی پر ہے ایجاد کی اور علاوہ بر علماء محدثین اور فقہاء جن کا نام ہم خاتمہ میں شمار کریں گے اس کے بانی اور مجوز اور ثنا خواں ہوئے اولیاء اللہ جو اہل کشف تھے انہوں نے مکاشفات اور منامات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حامی پایا غرضکہ علمائے طریقت اور شریعت کا اتفاق ہے یہ عمل مستحسن بغیر ایک صادق آیا اس پر یہی مضمون آیۂ کریمہ ابتدعوہا ما کتبناہا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ اور مطابق ہوا اس پر قصہ صحابہؓ کا در باب تراویح پس اگر ہم اس عمل پاک پر مداومت نہ کریں اور ہر سال بطور لزوم اور اوقات معینہ کے التزام نہ کریں تو ہم کو اندیشہ ہوگا مبادا ہم پر جناب باری کا وہ عتاب جو بنی اسرائیل پر ہوا تھا اور جس عتاب سے صحابہؓ ترک تعیینات تراویح میں ڈرتے تھے کہ ما رعوہا حق رعایتہا

لمعہ خامسہ اعتراض کرتے ہیں کہ قیام بدعت سیئہ اور ضلالت بلکہ شرک ہے بچند وجہ اول یہ کہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا محفل میں شرک ہے اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور خاص صورت نماز کی ہے اور کرنا عبادت کا غیر اللہ کے واسطے شرک فی العبادت ہے دوسری قباحت یہ کہ لکھا نجم الدین قرحی نے کہ قیام کرنے والے یوں سمجھتے ہیں گویا اسی وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم عالم سے تشریف باہر لاتے ہیں اور یہاں حاضر ہیں یہ کفر اور شرک ہے تیسری قباحت یہ کہ یوں سمجھتے ہیں کہ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے یہ اعتقاد شرک ہے جواب ان امور کا یہ ہے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول اگر کوئی کرے گا تین حالت سے خالی نہیں یا کھڑا ہو کر کرے گا یا بیٹھ کر یا لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تینوں حالتوں کی بہ نسبت یہ ارشاد ہوا ہے فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم۔ ولیکن لیٹ کر تو وہ اذکار ہیں جو خاص وقت سونے کے احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ یا کوئی تھکا ہوا سستی سے پڑا ہوا ہو یا مریض ہو اس لئے کہ جب آدمی تندرست اور چاق ہوتا ہے تو ذکر اللہ اور ذکر رسول لیٹ کر کرنا ادب نہیں سمجھتا چنانچہ نماز میں بھی قیام وقعود تجویز ہوا لیٹنا نہ ہوا مگر واسطے مریض کے۔ پس عبادت کے لئے حالت ادب دو مقرر ہوئیں قیام اور قعود اب اس کی تین شکلیں ہیں یا کل ذکر قیام میں کرے یا کل قعود میں یا کچھ قیام میں کرے اور کچھ قعود میں تینوں شکلیں

وجہ بمعنی لغوی وہ ہی ظہور وشیوع اور ماخذ دوام مثل سنن موکدات کے ہے اور سنت موکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو باتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے اور قاعدہ شرع سے محقق ہو گیا کہ ترک سنت موکدہ میں عتاب ہوتا ہے پس معنی قول ابو امامہ کے یہ ہیں کہ تم نے اس سنت موکدہ کو اختیار کیا ہے تو خدوث سے حدوث اختیار وفعل ہے نہ حدوث ایجاد جیسا موٴلف سمجھا کیوں کہ ایجاد تو صراحۃً اس کا مخبر عالم کر چکے تھے اور یہ امر سنت موکدہ ہے اس کو دائم رکھنا ورنہ خدشہ عتاب ہے پس اب دیکھو کہ موٴلف کو نہ سلیقہ فہم قرآن کا اور نہ اقوال سلف کا خواہ مخواہ خلاف قواعد شرعیہ سلف کے اقوال کو بے معنی بناتا ہے اور ضلوا واضلوا کا مصداق ہوتا ہے۔ پس اس سے بھی بدعت حسنہ مستحبہ کا التزام ودوام نہ نکلا البتہ سنت موکدہ کا نکلا اب دلیل تیسری موٴلف کی ایک لغو کلام بلکہ کچھ اور ہو گئی یہ بس تطبیق مولد مروجہ کی اس کے ساتھ خود بے معنی بن گئی اگرچہ اس میں بھی چند احتمال موٴلف کے ظاہر اور خطائیں باہر ہیں مگر تطویل بے سود ہے کیا حاصل ہے حوصلہ علم موٴلف معلوم ہو گیا اور دعوی تبحر وہمہ دانی کا لائحہ ہو لیا **قولہ** لمعہ خامسہ اعتراض کرتے ہیں الخ **اقول** معترض نہ ذکر اللہ سے بحث کرتا ہے نہ مطلق قیام کو مطلق اس کے نزدیک مندوب ہے بلکہ ایک فرد خاص قیام کی تعظیم غیر اللہ میں کہ جس میں شرک وبدعت لازم آجاوے اس کو منع کرتا ہے جو ذکر مخبر عالم پر بحث اور سوا اس کے قیام وقعود سے استفسار مگر ایک فرد خاص میں کلام ہے۔ پس یہ سب تقریر موٴلف کی فضول ہے جواب سے کسی کو تعلق نہیں لہذا اس کو ترک کرتا ہوں مگر مطلق میں کسی فرد کو خاص کرنا بدعت ہے خواہ ذکر اللہ تعالیٰ میں واقع ہو خواہ ذکر رسول

۔ حق کو تاہم بت کی تمنا کے پیدا ہوتا تھا اندیشہ تھے گمراہ ہوئے اور گمراہ کیا تھے سب کچھ جانتا تھا سمت جاتا۔

مضمون کلام اللہ میں داخل ہیں ان میں ایک شکل قیام بالکل منطبق ہے حلیہ مولد شریف پر کیوں کہ اس میں کچھ روایات و معجزات بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور کچھ درود و سلام یا مدح کھڑے ہو کر پس یہ ایک مضمون ہوا منجملہ تین مضامین مندرجہ آیت کریمہ کے اور ایک فرد ہوا افراد ثلثہ ثابتہ بالکتاب سے پس لفظ بدعت کا اطلاق اس پر درست نہیں بدعت وہ ہے جس کی کچھ سند نہ ہو نہ کتاب سے نہ سنت سے نہ لفظاً نہ اشارۃً جیسا کہ مولوی اسحاق صاحب نے مأۃ مسائل میں لکھا ہے ہاں ایک وجہ خاص کے سبب کہ وہ قیام اسی وقت کیا جاتا ہے کہ جب میلاد شریف کا ذکر آتا ہے نہ قبل اس کے اور نہ بعد اور نیز بباعث مداومت کے کہ دائمی قیام کیا جاتا ہے اس موقع میں اگر لفظاً بدعت کا اطلاق اس پر کریں صحیح ہے، لیکن بدعت موافق مذہب صحیح مفتی بہ جمہور اسلام کی دو طرح ہے سیئہ اور حسنہ، سیئہ وہ جو مخالف قرآن یا حدیث یا اجماع کے ہو سو یہ بات تو اس قیام میں نہیں اصلاً کہ اگر کوئی آیت قرآن کی یا کوئی حدیث اس بات میں آئی ہوتی کہ ایسے موقع میں کھڑا ہو کر مدح اور سلام پڑھنا منع ہے یا اس بات پر علمائے امت کا اجماع ہو گیا ہوتا. تب تو اس کے مخالف یہ حکم استحباب قیام کا بدعت سیئہ ہوتا اور جبکہ تو ہرگز وارد نہیں اور اس موقع خاص کی نہی تو کیا علی العموم قیام تعظیم کے لئے شرع میں نہی وارد نہیں ہوئی سوائے قیام مروجہ عجمیوں کے چنانچہ

صلی اللہ علیہ وسلم میں اور اگر اپنے اطلاق پر ہے تو جائز پس خاص ذکر ولادت پر ہی قیام کرنا (ہونا) اور مجلس مولود میں خصوصاً معترض تو اس کو کہتا ہے اور پہلے ثابت ہو چکا اور مؤلف بھی مقر ہے کہ کسی فرد مطلق کو مخصوص کرنا بدعت ہے، اب مؤلف کے قول کو دیکھو کہ کہتا ہے ایک شکل اس قیام کی مولد پر منطبق ہے یہ کلام کس قدر بے معنی ہے کیوں کہ کلام خصوصیت معلومہ میں ہے کہ افراد مطلق کے علی الاطلاق سب افراد جائز. مگر ہر دفعہ ایک فرد کو ایک حالت اور ایک وضع میں اختیار کرنے کا اعتراض ہے اور اس کا جواب درکار ہے مگر فہم خدا داد مؤلف میں نہیں کہ سمجھ کر کچھ جواب دیوے اور آخر کلام میں خود فرد خاص کی مداومت کو قبول بھی کرتا ہے کہ بدعت ہے، مگر سیئہ ہونا نہیں مانتا قولہ لیکن بدعت موافق مذہب صحیح الخ اقول یہ اول جہل مؤلف کا ہے کہ اس تقسیم کو مذہب مفتی بہ صحیح کہتا ہے تو تعامل اس کا غیر صحیح ہوا اور معلوم ہو چکا کہ فقط فرق لفظی و اصطلاحی ہے معنی میں کوئی فرق نہیں، پس یہ کس قدر کم فہمی ہے دوسرے کہتا ہے کہ تخصیص دائمی قیام کی میں ممانعت اور کراہت شرع سے نہیں اور یہ محض غلط ہے کیوں کہ اطلاق کا مقید کرنا کسی فرد میں جب عموماً منع ثابت ہو گیا، تو جملہ افراد و کلیات میں یہ حکم ظاہر ہو گیا، مثلاً جب یہ حکم ہوا کہ قیام ذکر خیر الخلائق میں مندوب ہے تو ہر ہر فرد میں ندب قیام کا ثابت ہو گیا اب اگر کوئی احمق پوچھے کہ یہ کس نص میں آیا ہے کہ وقت ولادت کے قیام مندوب ہے تو محض جہالت ہووے گی، علیٰ ہذا جب یہ حکم ہو کہ کسی ہمارے حکم مطلق کو مقید مت کرو تو یہ بھی حکم ہو گیا کہ حکم ندب قیام کو مقید مت کرو تو یہ ثابت ہو گیا کہ ندب قیام مقید بذکر ولادت مت کرو، پس ایسے موقع پر مؤلف کا مطالبہ نص کا کرنا سب اہل علم جان لیویں کہ علم ہے یا جہل فرد فرد کے حکم کی نص تو آج تک کسی جاہل نے بھی نہیں ہو گی اور تماشا یہ ہے کہ تخصیص فرد کو بدعت خود بھی کہتا ہے اور تعدی حد اللہ ٹھیراتا ہے اور پھر بایں عذر کہ اس فرد خاص کی نہی تعیین مؤلف کو نظر نہیں آئی تو ممنوع نہ ہوا کیا عجب تقریر ہے کہ مضحکہ صبیان سے بھی اعلیٰ ہے پھر کہتا ہے کہ نہی تو ہرگز وارد نہیں سبحان اللہ جب تقیید کی نہی بزعم مؤلف اس میں وارد ہو چکی تو ہر ہر فرد کو نہی کہیں منصوصاً ہوتی ہے معاذ اللہ سو یہ ایک قاعدہ جس مرکب کا تمام احکام کلیہ کے ہدم اور رفع کو کافی ہے تامل درکار ہے! اور پھر قول مؤلف کا اور اس موقع خاص کی نہی تو کیا علی العموم قیام تعظیم کی نہیں کیا کلام خبط ہے کیوں کہ

---

۱ لازمی طور پر ۲ اقرار کرنے والا ۳ ہمیشگی ۴ ہماری ۵ چلانا ۶ دلائل ۷ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ قیام کا استحباب ۹ بچوں ۱۰ عام طور پر،

شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے پس جب کہ نہی ثابت نہ ہوئی تو موافق اصول قواعد مقررہ مسلمہ علماء فقہ کے جن کو علامہ شامی اور محقق ابن ہمام وغیرہ لکھتے ہیں کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے یہ قیام مباح امر ٹھہرا اور جب کہ اس مباح امر میں نیت کی گئی تعظیم شان رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تو باعث مقرون ہونے اس نیت حسنہ کے یہ قیام مستحسن اور مستحب ہو گیا، چنانچہ مولد کبیر ابن حجر اور سیرت حلبی اور تفسیر روح البیان وعقد الجواہر وغیرہ میں اس کے استحسان پر تصریح ہے، اور عمل ہے اسی پر حرمین شریفین اور جمیع بلاد اسلامیہ میں جن ملکوں کا ذکر اس رسالہ میں ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے نقل کیا گیا ہے بھلا جو عمل باتفاق سواد اعظم مستحب اور مستحسن ہوا اس کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت کہنا کس قدر آئین انصاف و تدین کے خلاف ہے اور شرک اور کفر کہنا اس کا تو محض خرفت اور مالیخولیا ہے اس لئے کہ شرح عقائد نسفی میں معنی شرک کے یہ لکھے ہیں کہ شرک اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو خدائی میں شریک کریں۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ایسا ہی کسی دوسرے کو مستقل بالذات واجب الوجود سمجھے یا جس طرح خدا کو مستحق عبادت جانتے ہیں دوسرے کو مستحق عبادت جانے انتہی اور وقت ذکر ولادت شریف کھڑا ہو کر مدح وسلام پڑھنے میں یہ دونوں باتیں نہیں پھر شرک کیسا؟ اور اگر معتقدمین یعنی عقائد نسفی کا کلام نہیں سنتے اپنے متاخرین ہی کا کلام

قیام تعظیمی کی مذہب کو تو گو یا معترض تسلیم کرتا ہے خصوص کو بھی بوجہ تخصیص بدعت کہتا ہے مگر مؤلف ہنوز فہم مطلب سے عاری ہے اس کی زیادہ شرح بسط فضول معلوم ہوتی ہے کہ اس کلام مخبوط کا حال اہل علم پر روشن ہی ہو چکا ہے کہ معترض کچھ کہتا ہے اور مؤلف اور ہی کچھ بک رہا ہے استغفر اللہ استغفر اللہ پس اب تفریع مؤلف کی کہ جب کہ نہی ثابت نہ ہوئی الخ بے ہودہ کلام ہو گئی کیوں کہ نہی تو کلیہ میں ثابت ہو چکی اور ہم مطلع کر چکے اباحت اصلیہ میں ہرگز مفید نہ موجود ولاحول ولاقوۃ الا باللہ ایسا کلام خبط بھی کسی نے نہ دیکھا ہو گا **قولہ** اور جب کہ اس امر مباح میں الخ **اقول** قیام مباح تو تھا مطلقاً اور تعظیم شان ذکر فخر عالم علیہ السلام کے واسطے مستحب بھی تھا مگر جہلاء کی تقیید و تخصیص اور عوام کی سنت و وجوب سے بدعت و مکروہ ہوا تھا اے مؤلف کہیں تو سمجھ کیا تجھ پر ای بلادت ختم ہو گئی پس اصل اباحت و ندب معارض اس بدعت عارضیہ کی نہیں اور مولد کبیر وغیرہ میں جو مستحسن کہا ہے تو اصل مطلق کی فرد کی وجہ سے کہا ہے بطن غالب وہاں عروض اس قیود تاکد کا نہ ہوا تھا، بخلاف ہمارے زمانہ کے کہ جہلاء کا حال مشاہد ہے پس اب ہرگز وہ امر مندوب نہیں، بلکہ اب مکروہ و بدعت ہے اگر تقیید و تاکد کو یہ علماء مذکورہ بدعت نہیں کہتے تو ہرگز ان کا قول معتبر نہیں بلکہ بمقابلہ النصوص کے مردود ہو گا۔ پہلے اس کا ذکر ہو چکا مگر مؤلف کا فہم غلط ہے۔ علی قاری کا قول شرح حدیث ابن مسعودؓ میں صاف دلالت کرتا ہے کہ ان کی مراد وہی ہے جو بندہ عاجز لکھتا ہے اور سواد اعظم کی بحث بھی ہو چکی اب یہاں مؤلف بد فہم کے واسطے بار بار لکھا جاوے گا مالیخولیا کا علاج نہیں **قولہ** اور شرک اور کفر کہنا الخ **اقول** کوئی صفت خاصہ حق تعالیٰ کی کسی میں ثابت کرنا بھی شرک ہے اور کوئی کام عبادت غیر اللہ کے ساتھ کرنا بھی شرک ہوتا ہے اور شرک دون شرک بھی محقق ہے قال فی شامۃ الالوھیۃ الاتصاف بالصفات التی لاجلھا استحق ان یکون معبوداً ای صفاتہ التی توحد بھا سبحانہ لاشریک لہ فی شیئ منھا انتہیٰ شرح مواقف میں ہے والتوحید اعتقاد عدم الشریک فی الالوھیۃ وخواصھا انتہیٰ وفی الحدیث من حلف بغیر اللہ فقد اشرک الحدیث الریاء شرک الحدیث پس قیام دست بستہ بخشوع ۔۔ جو کہ ایک رکن نماز ہے کہ حق تعالیٰ کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں تو اگر اسی طرح فخر عالم کو حاضر بعلم استقلالی محفل مولد میں جان کر دست بستہ کھڑا ہو گا جیسا جہلا کا عقیدہ ہے ضرور بیک شرک ہووے گا پس معترض کا یہ کلام جہلاء کے عقیدہ پر ہے اگرچہ فہیدہ کی نسبت شرک حقیقی نہیں مگر بدعت سے خالی

ع ۃ ضبط جس کا مطلب صحیح نہ ہو سکے ۔ دقوتی کنندہ ہن سے تعینات عقلمند کے ساتھ۔

سنو مولوی اسماعیل صاحب تقویۃ الایمان کی فصل شرک فی العبادت میں کہتے ہیں اللہ کی سی تعظیم کسی اور کی نہ کی چاہیے اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں اور ونکے واسطے نہ کیجیے انتہی کلامہ اب قیام کو دیکھنا چاہیے کہ خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے یا اور کسی کے واسطے بھی ہے اور قیام دست بستہ عبادت بھی ہے یا نہیں مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی پارہ عالم میں لکھتے ہیں۔ در حقیقت چیزیکہ نماز از غیر نماز تمیز پیدا کند ہمیں دو فعل اند رکوع و سجود و قیام اختصاص بہ نماز بلکہ بعبادت ہم ندارد انتہی اور علامہ حلبی نے لکھا ہے شرح کبیر منیہ ہ وا القیام لم یشرع عبادۃ وحدہ وذلک لان السجود غایۃ الخضوع حتی لو سجد لغیر اللہ یکفر بخلاف القیام ،، شاہ صاحب اور حلبی کی عبارتوں سے ظاہر ہوگیا کہ قیام خود فی نفسہ عبادت نہیں اور نہ کچھ نماز اور عبادت کے ساتھ اس کو خصوصیت پس اللہ کی خاص تعظیموں میں قیام کو شمار کرنا خود اپنے بزرگ کے کلام کو رد کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ نماز میں جو قیام عبادت گنا جاتا ہے سو بباعث اشتمال چند قیود کے عبادت گنا گیا ہے طہارت کاملہ اور استقبال قبلہ کا شرط ہونا اور قرارت کا واقع ہونا اور وسیلہ لکرار رکوع و سجود ہونا اگر نماز میں ان باتوں کا خیال نہ ہوتا تو نماز میں قیام مشروع نہ

بھی نہیں کیوں کہ بدون اس عقیدہ کے بھی تخصیص مطلق تو حاصل ہی ہے پس وقت ذکر ولادت کے قیام دست بستہ بدین[1] عقیدہ شرک ہو کہ صفت علم خاصہ حق تعالیٰ کی فخر عالم میں ثابت کی اور استحقاق[2] عبادت کا بسبب حصول صفت خاصہ کے ہی ہوتا ہے پس مؤلف نے شرح عقائد تو پڑھی مگر سمجھا نہیں اگر سمجھ لیتا تو ایسے کلام نہ کرتا بہر حال قیام اس عقیدہ کی وجہ سے شرک ہوجاتا ہے اور تقویۃ الایمان کی عبارت سے یہ امر خود واضح ہی ہے

مطلق قیام تعظیمی بدعت نہیں بلکہ اس مطلق کی تقیید ممنوع ہے ؛ قیام محلہ کا بعض افراد شرک ہیں اور گناہ کبیرہ ہے تو کسی حال خالی نہیں

قولہ اب قیام کو دیکھنا چاہیے الخ اقول قیام بھی صلاۃ کا رکن فرض ہے اور طاعت و عبادت ہے بقولہ تعالیٰ وقوموا للہ قانتین. پس نفس قیام اگرچہ عام ہو عبادت و غیر عبادت سے مگر قیام دست بستہ بخشوع و قنوت کے عبادت ہے اور تفسیر عزیزی میں یہ فرماتے ہیں کہ قیام اختصاص بعبادت نہیں رکھتا یعنی قیام بغیر عبادت کے بھی ہوتا ہے مگر قیام دست بستہ بخشوع نہیں فرماتے کیوں کہ وہ عبادت ہے کہ تذلل پر دال ہے اور اعلیٰ تذلل عبادت ہوتی ہے پس قیام عام ہے اور قیام دست بستہ بخشوع مؤلف آنکہ نہیں کھولا کہ معترض مطلقاً قیام کو نہیں لکھتا بلکہ قیام دست بستہ بخشوع کو کہ عقیدہ حضور[3] علم مستقل ہو اور شرح منیہ میں قیام کو عبادت مقصودہ سے نکالا ہے بقولہ لم یشرع عبادت وحدہ نہ عبادت ہونے سے اسی واسطے نفس قیام غیر کے واسطے جائز ہے خلاف قیام موصوف کے پس قیام موصوف کی عبادت غیر مقصودہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ غیر کے واسطے جائز ہو پس قیام موصوف غیر کے واسطے اگرچہ شرک حقیقی نہ ہو. مگر تشابہ تو ہے بقولہ علیہ السلام ان کدتم انفا تفعلون فعل فارس والروم یقومون علی ملوکہم وہم قعود فلا تفعلوا انتہی قال النووی فیہ النہی عن قیام الغلمان والاتباع علی رأس متبوعہم الجالس بغیر حاجۃ انتہی علی قاری شرح عین العلم میں لکھتے ہیں فکما لا یجوز ان یسجد احد لاحد لا یجوز ان یرکع وکذا القیام علی ہیئت الوقوف فی الصلوۃ لحدیث من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوء مقعدہ من النار انتہی. پس جب وعید بالنار اس میں ہے تو کبیرہ ہونے سے تو کسی حال خالی نہیں ہو سکتا بہر حال شرک ودون شرک سے خالی کسی طرح نہ ہوا الحاصل قرآن سے قیام قنوت کا عبادت ہونا محقق ہو گیا اور حلبی نے عبادت مقصودہ ہونے کا انکار کیا نہ عبادت ہونے کا اور تفسیر عزیزیہ نفس قیام کا مختص بعبادت نہ ہونا دریافت ہوا نہ قیام مخصوص کا تو اب مؤلف ذرا فکر کرے کہ حلبی اور عزیزی خلاف قرآن شریف کے نہیں کہتے مؤلف خود نہیں سمجھا بدون سوچے استدلال فکر شرک کو ایمان بتاتا ہے اور قرآن کو معاذ اللہ رد کرتا ہے الحاصل قیام دست

[1] اس عقیدہ [2] ثابت ہوتا ہے [3] فرماں برداری عاجزی [4] انکساری [5] تنہا کوئی عبادت مشروع نہیں

ہوتا بخلاف سجدہ درکوع کے کہ یہ خود عبادت اصل مقصود ہے اور خاص خدا تعالیٰ کا حق ہے اس لئے قرآن و حدیث ناطق ہیں اس پر کہ غیر اللہ
کو سجدہ جائز نہیں اب اس سجدہ کا حال کتب معتبرہ سے سنیئے مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل کے مسئلہ سی و ہشتم میں لکھتے ہیں ،، سجدہ
کردن غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر حرام و کبیرہ است و اگر بجہت عبادت غیر خدا را سجدہ کند موجب کفر و شرک است انتہیٰ، اور یہی مضمون
تفسیر عزیزی پارہ الم میں ہے اب دیکھئے ان کے بزرگوار تو عین سجدہ میں بھی تفریق کرتے ہیں کہ عبادت کے لئے دوسرے کو سجدہ کرنا شرک ہے اور
اگر نیت عبادت کی نہیں تو حرام ہے شرک نہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ جلد ثانی مکتوبات کے مکتوب نود و دوم ۹۲ میں لکھتے ہیں ،، بعض از فقہا ہر
چند سجدۂ تحیت بسلاطین تجویز نمودہ اند اما لائق حال سلاطین عظام آنست کہ دریں امر بحضرت حق سبحانہ تعالیٰ تواضع نمایند انتہیٰ ،، اس
عبارت سے معلوم ہوا کہ بادشاہوں کے لئے بھی بعض فقہاء نے سجدہ کرنا جائز لکھا ہے، لیکن حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ بادشاہوں

بستہ بخشوع غیر کے واسطے شرک ہوا اگرچہ وہ شرک غیر حقیقی ہی ہے عند البعض اور عوام کے حق میں کہ عقیدہ علم مستقل کا رکھتے ہیں شرک
حقیقی ہوا سو معترض اس کو بھی شرک کہتا ہے اس سے نفس قیام کا شرک ہونا لازم نہیں آتا اگر مؤلف کچھ تامل کرے تو ظاہر ہے وہاں زیارت
فخر عالم علیہ السلام تو ملی قاری نے دست بستہ سلام عرض کرنے کو جائز لکھا ہے سو وہاں استقبال قبلہ تو نہیں بلکہ استدبار ہے اس واسطے
جائز لکھا ہے اور پھر وہ بھی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کے غیر کے واسطے درست نہیں اور یہ خلافی مسئلہ ہے دُرِّ مضیہ میں لکھا ہے ھل
یضع یمینہ علی شمالہ ام لا فقیہ خلاف انتہیٰ قال الکرمانی یضع وقال غیر الاولی الارسال لئلا یشبہ بالمصلی انتہیٰ کذا فی نسیم
الریاض شرح شفاء سو جب یہ خلافی مسئلہ ہوا اور جن کے نزدیک جائز ہے وہ خصوصیت پر حمل کرتے ہیں تو غیر زیارت میں اگر حضور موقوف
یعنی حضور بعلم مستقل کا عقیدہ ہو تو شرک ہوا اور غیر اس عقیدہ کے مشابہ بشرک ہوتا ہے اور معلوم ہو لیا کہ حکم شرک کا معترض نے علم غیب
کے ساتھ جہلا پر ہی کیا ہے پس معترض پر مؤلف کا کوئی نقض نہیں اب مؤلف سجدہ کی بحث میں شروع ہوتا ہے اپنی غرض فاسد کے اثبات کی غرض سے
سجدہ تحیہ غیر اللہ کو حرام ہے قولہ سجدہ کا حال الخ اقول سجدہ اگرچہ تحیہ کا ہو حرام ہے اور مشابہت بشرک ہے اس کو بھی شرک کہنا درست
ہے جیسا حلف بغیر اللہ کو شرک حدیث میں فرمایا پس ایسا ہی قیام بخشوع میں ہو تو کیا بعید ہے اور تفریق سجدۂ عبادت و تحیت میں بسبب
شرک حقیقی کے کرتے ہیں ورنہ حرمت اور اطلاق شرک میں دونوں برابر ہیں شرح فقہ اکبر میں ملی لکھتے ہیں وفی المحیط اذا قال اھل الحرب
لمسلم اسجد للملک والا قتلناک فالافضل ان لا یسجد لان ھذا کفر صورۃ والافضل ان لا یاتی بما ھو کفر صورۃ وان کان فی حالۃ الاکراہ
جب اس کو معلوم ہوا کہ کفر کی صورت بھی سخت بد ہے کہ قتل ہونے پر صورت کفر کو ترجیح دے کر اولیٰ ترک لکھا پس دست بستہ بخشوع کھڑا
ہونا بھی مشابہ ہر خصوص شاملم حضور میں کہ وہ خود شرک ہے پس مؤلف کی ایسی روایات کا نقل کرنا سوائے اضلال خلق کے اور کیا کہا
ہوئے، جن فقہاء نے سجدہ سلاطین کو جائز لکھا وہ قول ان کا مردود ہے قرآن و حدیث کے اطلاقات سے، پس ایسے اقوال ہائے
رفقاء سے حجت لانا اہل علم کا کام نہیں پس افسوس مؤلف کی زبان درازی اور کوتاہی فی الدین پر کہ کس طرح قرآن کے رد کرنے پر اور
حدیث کی مخالفت پر اور تمام عالم کی معاندت پر ایسی بیہودہ مردود روایات سے کمر باندھے بیٹھا ہے کہ خلق کو ورطۂ استحلال حرام
میں ڈالتا ہے قولہ واضح ہوا الخ اقول اول تو سجدہ ملائکہ اور اخوۂ یوسف میں خلاف ہے، بعض انحناء لکھتے ہیں اور بعض وضع الجبہۃ
۔۔۔ جو کچھ ہے وہ سب اس امت میں حرام ہو گیا خواہ کسی نیت سے ہو اطلاق شرک کا اس پر ہو وے گا پس ایسی روایات سے استخفاف

بعضوں کے نزدیک ہاتھ باندھ کر انکساری کے ساتھ مخلوق کو گمراہ کرنا بھتر ، حلال کو حرام بتانا

کو تواضع اور عاجزی چاہیئے لوگوں سے سجدہ نہ کرادیں جب عبادت مخصوصہ جو خاص خدا کا حق تھا یعنی سجدہ بغیر نیت عبادت کے شرک نہ ہوا بلکہ بعض فقہاء نے جائز بھی رکھا افسوس ان زبان درازوں کی تعدی اور عدم مبالات پر کہ فقط قیام جو ہرگز اصل عبادت نہیں شرک اور کفر کس طرح ہو سکتا ہو واضح ہو کہ پہلی امت میں سجدہ بھی دوسروں کو واسطے تعظیم کے جائز تھا یوسف علیہ السلام کے پاس جب ان کے باپ یعقوب علیہ السلام اوران کی خالہ اور سب بھائی ملک مصر میں آئے جب ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو اس وقت کا حال قرآن شریف میں ہے خروا لہ سجدا یعنی حضرت یوسفؑ کے والد اور خالہ اور بھائی یہ سب حضرات یوسفؑ کے آگے سجدہ میں گر پڑے تعظیما اور اسی طرح جب آدم ؑ کے لئے فرشتوں کو حکم یا سجدہ کا قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لآدم اس وقت سب فرشتوں نے سجدہ آدمؑ کو سوائے شیطان ملعون کے چنانچہ قرآن شریف میں ہے فسجدوا الا ابلیس یہ ذات شریف اس وقت غرور میں رہے سجدہ نہ کیا جہنمی بن گئے لعنت کا طوق گلے میں پڑا امام فخر الدین رازی نے پارہ تلک الرسل میں لکھا ہے ان الملٰئکۃ امروا بالسجود لاجل ان نور محمد علیہ السلام فی جبھۃ آدم اور شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ فرشتوں نے جو سجدہ کیا آدم علیہ السلام کو اور اخوان یوسفؑ نے یوسف علیہ السلام کو وہ عبادت کے لئے نہ تھا ایسا سجدہ کبھی جائز نہیں ہوا کیوں کہ یہ محرمات عقلیہ سے ہے اور محرمات عقلیہ کبھی نہیں بدلتے۔ بلکہ وہ سجدہ تعظیمی تھا اب اس امت میں وہ بھی حرام ہو گیا صحیح یہی ہے، اس مقام پر ایک لطیفہ یاد آیا یعنی منکرین اپنے رسائل میں بابیان محفل میلاد شریف کے مذہب کو لکھتے ہیں،، ایں مذہب قابل ہمین است کہ سندش تا ابولہب رسانیدہ شود بلکہ تا ابلیس لعین انتہی کلامہ،، اب ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے تو جس طرح کوئی سفینہ بے عقل بڑھا نکتا اور بے اصل باتیں کہتا چلا جاتا ہے منہ اٹھا کر ابلیس تک ہمارے مذہب کو پہنچا دیا اور کوئی کامل ثبوت نہ دے سکے، لیکن ہم لاریب ان منکرین کا سلسلہ بخوبی شیطان ملعون تک پہنچا کر آنکھوں کے سامنے دکھادیں گے یعنی موافق قول امام رازی کہ آدم کے لئے جو حکم سجدہ ہوا تھا اس میں تعظیم تھی نور محمدی کی جو ان کی پیشانی میں تھا سو جمیع ملائکہ مقربین نے سجدہ ادا کیا تعظیم نبیؐ بحکم الٰہی بجالائے پس ہم لوگ تو ملائکہ کے حال میں ہم رنگ ہیں کہ انہوں نے تعظیم رسولؐ ادا کی ہم بھی کرتے ہیں فرق اتنا ہے کہ اس وقت سجدہ جائز تھا انہوں نے سجدہ کیا ہمارے عہد میں سجدہ ممنوع ہے ہم بآداب تعظیم کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں، نفس تعظیم میں ہم اور ملائکہ مشترک رہے اور جو لوگ قیام تعظیمیٔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں تغلیظا و تشددا و رکلام لا یعنی پیش کرتے ہیں اور نہیں کرتے قیام تعظیمی وہ ابلیس کے ہم مذہب ہیں، علت مشترکہ یہ تعظیم کے دونوں منکر لیکن چونکہ وہ متقدم ہے اور یہ لوگ متاخر بنا بر علیہ مقدم تو امام ٹھہرا اور تابعین متاخر اس کے مقلد پس خوب پہنچ گیا سلسلہ اس مذہب خبیث کا ابلیس لعین تک اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ابلیس مغرور نے یہ سمجھا کہ اس قدر ملائکہ مقربین کے پرے بندھے ہوئے سجدہ میں گرے ہیں میں ایک حقیر ناچیز کیا ہوں جو سجدہ نہ کروں شدت غرور شقاوت سے تابع جمہور نہ ہوا سجدۂ تعظیمی نہ کیا صاحب تعظیم کی شان میں تو فرق نہ آیا مگر یہی کم بخت خوار و ذلیل ہو گیا اسی طرح یہ گروہ منکر قیام جو اپنے خیالات فاسدہ میں مغرور ہیں جمہور اہل اسلام کو نہیں خیال میں لاتے یہ نہیں سمجھتے کہ حرمین الشریفین و بیت المقدس روم و شام کے تمام علمائے قدسی نفوس قیام کرتے ہیں استحباب کا فتویٰ دیتے ہیں ہم ان کے آگے کیا چیز ہیں، غرض کہ تمام عالم قیام تعظیمی کرے یہ جرگۂ مخصوصہ کبھی نہ کریں گے اس تکبر اور تفرقہ میں بھی ان صاحبوں کو شرکت اس لعین کے ساتھ ہے اور ہم کو اتباع جمہور میں ملائکہ

معصیت میں عوام کو مطلع کرتا ہے البتہ نیابت شیطان کی اس کو مسلم ہے کیوں کہ الاستخفاف بالمعصیۃ کفر قاعدہ اصول کلام کا ہے

ؔ یعنی ہلکا سمجھنا گناہ کو کفر ہے ۱۲

ملا علی کے ساتھ اتفاق ہے تیسرے یہ بات کہ تفسیر ابن مخلد میں تصریح کی ہے کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے شیطان رونے جھینکنے لگا اور جلس میں ہے کہ اس روز سروش غیبی بشارت دیتے پھرتے تھے کہ دار المصطفے المختار یعنی پیدا ہوئے مصطفے پسند کئے ہوئے اور چنے ہوئے اللہ کے انتہی پس ہم لوگ جو خوش ہو کر تذکرہ ولادت شریف کا کرتے ہیں سروش غیبی کے ساتھ ہیں اور جو اس تذکرہ اور محفل کرنے سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوتے ہیں وہ اس شیطان کی ملت پر ہیں اس طرح بھی ان منکرین کا سلسلہ ابلیس سے ملگیا ہر چند کہ اس عاجز کا طرز و انداز سے یہ گفتگو نہایت بعید ہے لیکن چوں کہ ابتدا ادھر سے ہے اس لئے یہ چند کلمات لکھے گئے اور وہ بھی اس عبارت پر کہ جو کچھ ان کلمات کی شامت ہے وہ سب اسی ابتدا کرنے والے کی گردن پر ہے میں بری الذمہ ہوں ہمارے مخبر صادق مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں جس کو مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ المستبان ما قالا فعلی البادی قصہ دراز ہوا تقریر مسلسل کہیں سے کہیں پہونچی مقصد اصلی برباد دیں۔ بحدہ تعظیمی اس امت میں حرام تو ہے لیکن شرک اور کفر نہیں جب عبادت خاصہ مخصوصہ باری تعالیٰ کا یہ حال ہو پھر قیام کس طرح شرک ہو سکتا ہے اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک ہوتا کبھی علمائے دین واسطے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جائز نہ رکھتے قبر شریف کی زیارت میں صاحب جذب القلوب لکھتے ہیں در وقت سلام آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم وقوف دراں جناب با عظمت دست راست بر دست چپ بہند چنانچہ در حالت نماز کرمانی کہ از علمار حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ انتہی، اور ملا علی قاری نے بھی کرمانی سے یہ ہاتھ باندھنا مثل نماز کے نقل کیا کتاب در المعنیہ میں اور جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ یہاں اسی پر عمل ہے اور اس کے خلاف ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو منع کریں ہرگز عمل نہیں اور علامہ محمد بن سلیمان مکی شافعی نے کتاب حاشیہ مناسک خطیب شربینی میں لکھا ہے ولا ولی لہ ضع یمینہ علی یسارہ کالصلوۃ کما قتصر علیہ فی الحاشیۃ واقرہ ابن علان وجزم علامہ فی الجوھر یشیر الی المیل الیہ انتہی اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے در باب زیارت قبر شریف رتقف کما یقف فی الصلوۃ اب دیکھئے کتب ہمارے شافعی و حنفی نماز کے ساتھ تشبیہ دیکر کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اسیطرح حضرت کے روضہ مبارک کے

ب لطیفہ کثافت طبع مولف کا جواب قلم انداز کرکے آگے چلتا ہوں،

| ...ت روضہ مطہرہ کے وقت قیام دست
...ئے قیام مولد قیاس کرنا فاسد ہے |

قولہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک ہوتا الخ اقول پہلے قول میں تصریح ہوئی کہ یہ مسئلہ قیام کا مختلف ہے اور دونوں روایات نقل ہوئیں اور کرمانی مجیز اس کا ہے، شیخ عبد الحق بھی اس کو نقل کرتے ہیں اور علی قاری نے بھی یہاں اس کو اختیار کیا ہے معہذا علی قاری شرح عین العلم میں اس کو حرام لکھتے ہیں اب فرق مجوزین کے نزدیک یہاں یہ ہے کہ اس جگہ استقبال قبلہ نہیں وہ قبلہ کہ معین اور مشخص ہو رہا ہے پشت کے پیچھے ہو جاتا ہے تو قطعاً مخالفت ہیئت صلوٰۃ کی ہو گئی اور مقتدا مشرک بھی نہیں کہ حیوۃ النبی موجود ہیں اور یہاں مولد میں کوئی جہت مشخص نہیں دوسرے مضاف ... ہے کہ عوام کا عقیدہ حاضر ہونے کا ہے پس اس میں اور اس میں فرق ہو گیا معہذا اگر شرک نہیں تو مشابہ شرک کے اور عوام کے عقیدہ ... کا باعث ہے لہذا ناجائز ہوا اور اطلاق شرک اس پر مجاز ہو گا اور حرج کا شرک کہنا اوپر معلوم ہو چکا کہ جہلار کی نسبت ... اگر نیت فاسد نہ ہو تو شرک نہ ہو گا، پس تعامل محض زیارت میں حسب روایات اجازت کی اگر ہے تو فارق موجود ہے اور پھر خلاف ... ہو دیکھو کہ صلوٰۃ جنازہ مشابہ بشرک ہو گیا اجازت ہو گئی تو اب امام صاحب غائبانہ صلوٰۃ جنازہ کو جائز نہیں کہتے اور تکرار کو ... کرتے ہیں پس زیارت پر قیاس کر کے اس قیام کی اجازت نہیں نکل سکتی قولہ اب اس میں دو احتمال ہیں الخ اقول دونوں احتمال

• ... قرار دینے والا کے عمل کے وجہ فرق

سامنے باادب کھڑا ہو اب اس میں دو احتمال ہیں یا تو یہ علماء سمجھے ہیں کہ با ادب ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا یہ کچھ عبادت نہیں اور نہ مخصوص خدا کے ساتھ جیسا کہ کلام شاہ عبدالعزیز وغیرہم سے ہم نقل کر چکے ہیں پس جب کہ مخصوص خدا کے ساتھ نہیں تو کیا مضائقہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ایسا کیجئے ہوا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا خاص ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو شاید یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ کی تعظیم میں کھڑا ہونا غیر اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ یہ گویا خود اللہ کی تعظیم ہے چنانچہ بعض آیات سے یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے قرآن شریف میں ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی اور دوسری جگہ فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے انتہیٰ اور تفسیر روح البیان میں ہے کان المقصود بالمبایعۃ منہ علیہ السلام المبایعۃ مع اللہ لانہ علیہ السلام انما ھو سفیر ومعبر عنہ تعالیٰ وبھذا الاعتبار صار وا کانہم یبایعون اللہ وبالفارسیۃ. آنانکہ بیعت می کنند با تو جزیں نیست کہ بیعت می کنند با خدا چہ مقصود بیعت اوست وبرائے طلب رضائی اوست انتہیٰ کلام روح البیان اور وقت بیعت جو رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھ پر تھا اس کو قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے ید اللہ فوق ایدیہم شاہ عبدالقادر نے معنے اس کے لکھے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے اور تفسیر مدارک میں ہے یرید ان ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی تعلو ایدی المبایعین ھی ید اللہ تعالیٰ واللہ منزہ عن الجوارح وعن صفات الاجسام وانما المعنی تقریر ان عقد المیثاق مع الرسول کعقدہ مع اللہ من غیر تفاوت بینہما یعنی رسول کی بیعت گویا اللہ کی بیعت ہے کچھ فرق نہیں خلاصہ کلام یہ کہ اگر یہ قیام دست بستہ عبادت نہیں چنانچہ مذہب علماء وقول فقہاء یہی ہے تو محفل مولد شریف میں کھڑا ہونا شرک اور کفر ہرگز نہ ہوا اور اگر اس کی زبان درازی سے خواہ مخواہ خلاف علماء دین کے عبادت قرار دیتے ہو تو بھی ہم جواب دیں گے کہ اگر یہ عبادت ہے تو بھی اللہ ہی کے واسطے ہے یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا ہمارے لئے بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس وقت

نہیں سو کفت کی خطاء فہم کا لیقین ہے یہ امر خلاف قیاس ہے کہ روضۂ مطہرہ پر سلام عرض کرنے میں منقول ہوا ہے وہ ملا علی قاری کہ یہاں جائز کہتے ہیں وہی اس کو اور مواقع میں حرام کہتے ہیں صلوٰۃ جنازہ میں مردہ کو آگے رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے حالاں کہ دوسری جگہ درست نہیں نور الانوار میں کہا ہے دکن ھذہ صلوٰۃ الجنازۃ فی نفسہا بدعۃ متشابہۃ بعبادۃ الاصنام اور شرح منیہ اور تفسیر عزیزی کے کلام سے کچھ ثابت نہیں پہلے گذر چکا اور تعظیم فخر عالم کے واسطے قیام درست تھا مگر یہاں مولد میں مظان شرک ہو لہٰذا نا جائز ہے گو جہلاء کے حق میں خود شرک ہے اور دوسرا احتمال مؤلف کا محض سفسطہ اور اثر قلبی مؤلف کا ہے کیوں کہ اطاعت سفیر کی عین اطاعت امیر مرسل کی ہوتی ہے اور اس کی اہانت امیر کی اہانت کیوں کہ سفیر مبلغ ہوتا ہے اس کا قول قبول کرنا عین اطاعت و قبول قول مرسل کا ہے علیٰ ہٰذا بیعت اصل سے ہوتی ہے اور وکیل سفیر محض واسطہ ہوتا ہے پس یہی معنی روح البیان وغیرہ کے ہیں معہٰذا تعظیم سفیر و امیر میں فرق ہے کہ تعظیم امیر کی سفیر سے زائد ہوتی ہے اور خاص تعظیم امیر کی سفیر کے ساتھ درست نہیں ہوتی اس کو ہر اہل و نا اہل جانتا ہے پس اطاعت و بیعت کو مقیس علیہ بنا کر تعظیم حق تعالیٰ کی فخر عالم کے ساتھ کرنا اور اس کا درست جاننا عین شرک ہے سجدہ کرنا آپ کو حرام ہے اتفاقاً مگر یہ قاعدہ مؤلف کا چاہتا ہے کہ آپ کو سجدہ بھی درست ہو جیسا مؤلف قیام میں کہہ رہا ہے اور یہ قول باطل و شرک ہے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کہا ما شاء اللہ وشئت تو آپ نے فرمایا جعلتنی للہ ندا بل ما شاء اللہ وحدہ ایک حدیث میں ہے لا تقولوا ما شاء اللہ وشئت

۱؎ شرک کے گمان کا موقع ۲؎ حاجت ۳؎ بھیجنے والا۔

اس ظہور نعمت کا بیان ہوتا ہے ہم تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں بدیں معنی کہ اے اللہ تعالیٰ ہم نے تیری اس نعمت بھیجی ہوئی کو عظیم جانا اور سلیں
دو باتیں حاصل ہوئیں ایک یہ کہ تعظیم نقلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کیوں کہ آپ کی تشریف آوری عالم دنیا کا ذکر سن کر بہیئت تعظیم
کھڑے ہوگئے دوسرے یہ کہ یہی تعظیم رسول اللہ علیہ وسلم بعینہ تعظیم ہوگئی اللہ تعالیٰ کی کیوں کہ نعمت کی تعریف خود منعم کی تعریف ہے اور
نعمت کی تعظیم سراسر منعم کی تعظیم ہے پس یہ دست بستہ کھڑا ہونا درحقیقت منعم حقیقی کے سامنے ہے شکریہ عطائے نعمت میں اب خیال
فرمایئے کہ اس معنی کو شرک اور کفر سے کیا علاقہ فماذا بعد الحق الا الضلال ایک قباحت کا جواب ہو چکا اب دوسری قباحت کا جواب
سنیے کہ تمام مولد شریف پڑھنے والے اپنی زبان سے خوب تصریح و توضیح سے تعین یوم ولادت کی شرح کرتے ہیں شاہ سلامت اللہ صاحب
کے مولد شریف میں ہے بارہویں تاریخ ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت پیر کے دن حضرت پیدا ہوئے اور مولد شریف غلام امام شہید
میں ہے بارہویں تاریخ ربیع الاول دوشنبہ کے دن وقت صبح صادق بعد چھ ہزار سات سو پچاس برس کے زمانہ آدم سے اس قسم کی عبارتیں
راحۃ القلوب وغیرہ رسائل میلادیہ اردو زبان میں ہیں اور عربی مولد برزنجی میں ہے ولما تم من حملہ التسعۃ اشہر قمریۃ ولد فیہ صلی اللہ
علیہ وسلم متلالٔ الاسنا اور علامہ عزب مدنی کے مولد میں ہے ساعۃ اثنان عشر من ربیع الاول فی یوم الاثنین المعظم ذی المجد پس مکتوب
ہونا ان رسائل میں روز و شہر و سال ولادت کا صاف اقرار ہے کہ آپ اس زمانہ میں پیدا ہوئے نہ یہ کہ اب محفل میں پیدا ہوئے نعوذ باللہ
منہا منکروں کے بہتان اور افترا کا جواب سوا اس کے کہ خدا قیامت میں جھوٹوں کا منہ کالا کرے اور کچھ نہیں ایک آیت کلام مجید اور
فرقان حمید کی اس مقام میں بس کرتی ہے انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون اب تیسری قباحت جو یہ لوگ قیام میں پیدا کرتے ہیں کہ
روح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کہ یہ لوگ حاضر ناظر جانتے ہیں یہ شرک ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ روح انبیاء کا چلنا پھرنا فقہ اور حدیث

بلکہ قولوا ما شاء اللہ ثم شاء محمد۔ اس سے شرک دون شرک بھی ثابت ہوا اور مشابہ شرک کی ممانعت بھی نکلی اور مماثلت
تعظیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کی تعظیم کیساتھ بھی رد ہوگئی اور مؤلف کا احتمال شرکیہ بھی باطل ہوگیا اور قاعدہ مؤلف
بھی مردود ہوگیا بہر حال عبادۃ اللہ کا رسول کو کرنا بہر حال شرک ہے اور اطاعت اور بیعت کو اس سے کچھ مناسبت نہیں مؤلف
کی بے فہمی محض ہے اب مؤلف کی جرارت بیانی اور بے باکی سب ناظرین ملاحظہ کر کے لاحول پڑھیں اور اس کی چربوز تقریر دیکھیں
قولہ اب دوسری قباحت الخ اقول معترض کے کلام کو مؤلف نہیں سمجھا وہ صراحتہً کہتا ہے کہ گویا اب پیدا ہوئے یعنی جو عین پیدائش کا
وقت قیام تعظیم کا معاملہ اب کرتے ہیں اور دوسرا امر علم حضور مجلس اور اس میں ہوتا ہے تو شرک امر ثانی کی وجہ سے کہتا ہے اور پہلے امر
کو مشابہ نقل ہنود کے فرضی امر کرنے میں ہی کہتا ہے معترض یہ نہیں کہتا کہ اس وقت پیدا ہونا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ
یہ تو گویا لکھ رہا ہے پس یہ مؤلف کا جواب اس کے اعتراض کا جواب نہیں قولہ کیونکہ ہم صراحتہً نام تاریخ اور سن کا لیتے ہیں
یہ عقیدہ نہیں الخ اقول سو یہ اعتراض سے کیا مناسبت رکھتا ہے وہ اعتراض یہ کرتا ہے کہ فرضی امر کو اصلی جیسا بنا کر اصلی کا
معاملہ کرتے ہیں مؤلف کچھ اور ہی جواب دے رہا ہے پس ناظرین اس فہم مؤلف پر تحسین کہیں اور انصاف کریں کہ معترض کون
ہے قولہ تیسری قباحت الخ اقول اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ یہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں
ہے اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آ سکتے ہیں

ے بے کار سے تہمت لگانے والا۔

سے ثابت ہو معراج کی حدیثوں میں وارد ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے تئیں انبیاءؑ کی جماعت میں دیکھا یہ موسیٰ ع نماز پڑھتے ہیں، یہ عیسیٰ ع پڑھتے ہیں یہ ابراہیم ع پڑھتے ہیں فحانت الصلوٰۃ فامتہم یعنی اتنے میں نماز کا وقت آگیا میں ان کا امام ہوا روایت کیا اس کو مسلم نے اور قرطبی نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر کل انبیاء کو جمع کر دیا سات جماعتیں حضرتؐ کے پیچھے تھیں اور فتاوی سراجیہ کے باب مسائل متفرقہ میں ہے امامتہ النبی علیہ السلام لیلۃ المعراج لارواح الانبیاء علیہم السلام کانت فی التافلۃ ان روایات فقہ وحدیث سے ثابت ہوا کہ سب پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقامات سے بمشکر بیت المقدس میں حاضر ہو گئیں اور نماز یہاں آکر پڑھی اور مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ چلے جاتے تھے مکہ اور مدینہ کے بیچ میں جب ایک جنگل میں گذرے پوچھا حضرتؐ نے یہ کونسا جنگل ہے صحابہؓ نے کہا یہ وادی الازرق ہے فرمایا حضرتؐ نے گویا میں دیکھتا ہوں موسیٰ علیہ السلام کو پھر حضرتؐ نے اُن کا رنگ اور بالوں کا حال بیان فرمایا اور فرمایا موسیٰ ع رکھے ہوئے ہیں دونوں کانوں میں انگلیاں یعنی جس طرح اذان میں اور آواز بلند ہے ان کی ساتھ لبیک کے گذرے چلے جاتے ہیں اسی جنگل سے کہا ابن عباسؓ نے کہ ہم آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے۔ پوچھا حضرتؐ نے یہ کونسی گھاٹی کون سا پہاڑ ہے صحابہؓ نے کہا یہ پہاڑ ہرشا ہے یا لفت ہے آپ نے فرمایا گویا میں دیکھتا ہوں یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر سوار پشمینہ کا جبہ پہنے ہوئے اور ان کی اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے اسی جنگل میں چلا جاتا ہے حج کے لئے لبیک کہتا ہوا روایت کی یہ حدیث مسلم نے کہا شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہ چوں اتفاق است بر حیات انبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی دو دنیاوی لیکن محجوب انداز نظر عوام پس بحقیقت نمود ایشاں را حبیب خود صلے اللہ علیہ وسلم بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال الخ

اور صلوٰۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمالِ امت آپ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے دنیا کے احوال کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس کہ میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت و نداء اور عرض حالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدون اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہ سب اشیاء کا علم حق تعالیٰ نے ان کو دیا ہے اس کو بھی قبول نہیں کرتے بلکہ جس قدر علم دیا جاتا ہے اس قدر کو جانتے ہیں اور پس ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں ثم اعلم ان الانبیاء علیہم السلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما علمہم اللہ تعالیٰ احیانا فذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی یعلم الغیب انتہیٰ پس معترض کی تیسری قباحت یہ ہے کہ یہ سمجھے ہیں کہ روح آپ کی یہاں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے تو معترض دوام تشریف آوری کہتا ہے یعنی فعلیت کا دوام نہ امکان و وقوع احیاناً پس مؤلف اگر اس امر کو ثابت کر دیوے کہ آپ کرتے ہیں دائماً تو اس کا جواب ہووے گا ورنہ امکان حضور سے کچھ فائدہ مؤلف کو نہ ہووے گا اور سب نقول اس کی فضول ہو دیں گی قولہ ارواح انبیاءؑ کا چلنا پھرنا فقہ اور حدیث سے الخ اقول ان روایات معراج سے ارواح کا بیت المقدس میں جمع ہونا اور آسمانوں پر جانا باذنہ تعالیٰ ثابت ہے مگر مولود کی مجلس میں آنا مجوث ہے نفس حرکت و تقلب ہے یہ خاص تشریف آوری ثابت نہیں ہو سکتی اور قیاس کا محل نہیں باب عقائد قیاس سے خارج ہے حدیث مسلم سے استدلال مؤلف کا اس سے باطل ہوا اور مشکوٰۃ کی حدیث مفرح کی کہ وادی ارزق میں دیکھنا حضرت موسیٰؑ کا اور ہرشا پر حضرت یونسؑ کا سو یہ تو ظاہر ہے کہ آپ نے اس وقت نہیں

ٹ ظاہر ٹ خبردار کرنا ٹ کبھی کبھی ٹ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ٹ موضوع بحث ٹ پھرنا

قسطلانی نے بھی مواہب میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے وقیل ھو علی الحقیقۃ لان الانبیاء احیاء عند ربہم یرزقون فلا مانع ان یحجوا
فی ھذہ الحال کما فی صحیح مسلم عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای موسیٰ قائما فی قبرہ یصلی قال القرطبی حبب الیہم العبادۃ فہم یتعبدون بما یجدونہ
ان احادیث اور عبارات محدثین سے معلوم ہوا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام اور نماز وغیرہ عبادتیں کرتی پھرتی ہیں جو ان کے دل میں آوے اور مشکوٰۃ کے باب المعراج
میں بخاری اور مسلم کی حدیث سب کو یاد ہوگی کہ اس میں بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے آسمان پر حضرت آدم ملے دوسرے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام
اور عیسیٰ تیسرے میں حضرت یوسف چوتھے میں حضرت ادریس پانچویں میں حضرت ہارون چھٹے میں حضرت موسیٰ ساتویں میں حضرت ابراہیم اب دیکھئے آسمان پر
جانے سے پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام ارواح کل انبیاء کی بیت المقدس میں ملی تھیں اور نماز حضرت کے پیچھے پڑھی تھی اب یہ ارواح انبیاء علیہم السلام
آسمانوں پر ملیں یہ کسقدر حرکت ہوئی ہر آسمان اسقدر دور ہے جسقدر پانسو برس کا رستہ ہوتا ہے اور زمین سے آسمان تک اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کا
رستہ ہے پس اس تحقیق کے موافق ایک ذراعہ میں آدم علیہ السلام کی روح ایک ہزار برس کا رستہ اور عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی روحیں دو ہزار برس کا رستہ
علیٰ ہذا القیاس ابراہیم کی روح سات ہزار برس کا رستہ طے کر گئے اس سرعت سیر کو یاد رکھو عنقریب ہم کچھ فائدہ اس پر مرتب کریں گے اور لکھا شرح مواہب
لدنیہ میں خاتمۃ المحدثین علامہ زرقانی نے لا یمتنع رؤیتہ ذاتہ علیہ السلام بجسدہ وروحہ وذلک لانہ وسائر الانبیاء صلی اللہ علیہم وسلم ردت الیہم ارواحہم
بعد ما قبضوا واذن لہم فی الخروج من قبورہم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی نقل کی یہ کلام زرقانی نے تنویر الحلک تصنیف جلال الدین سیوطی
سے کہ شاہ ولی اللہ کے سلسلہ اساتذہ و مشائخ میں ہیں اور خود شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں ورایتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اکثر الامور یتجلی
فی صورتہ الکریمۃ التی کان علیہا مرۃ بعد مرۃ فتفطنت ان لخاصیتہ من تقویم روحہ بصورۃ جسدہ علیہ السلام انہ الذی اشار الیہ بقولہ ان الانبیاء لا یموتون
انہم یصلون فی قبورہم ویحجون انہم احیاء اور حضرت مجدد الف ثانی جلد اول مکتوبات کے مکتوب دو سو بیست و ہشتاد و دوم میں لکھتے ہیں، امروز در حلقہ بلید ا...

سمجھا تھا بلکہ آپ حکایت کرتے تھے دیکھنے ماضی کی کیونکر فرماتے ہیں، "کانی انظر" گویا دیکھ رہا ہوں اور نہ فرمایا، "فانی انظر" پس غالب درباع اس میں
یہ ہے کہ معاملہ رؤیا کا ہو اور اگر تیقظ کا ہو تاہم حرج نہیں معترض تغلب ارواح کو باذن اللہ قبول کرتا ہے کلام یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ یہ
جس جگہ چاہیں یا کرتے ہیں اور نصوص سے جو چلنا پھرنا متحقق ہوگا اس میں کچھ عذر نہیں یہاں قیاس کا باب مسدود ہو پس اس کو کچھ ثبوت مدعا نہیں ہوتا علی ہذا شیخ
عبدالحق کا قول اور مواہب کا حج کرنے کو جانا اور معراج کی شب میں آسمانوں پر جانا مؤلف کو مفید نہیں اور باب زرقانی پر کچھ دلالت اس کو نہیں اور زرقانی کی عبارات جو
تنویر الحلک سیوطی سے نقل کی اس میں بھی صریح ہے کہ خروج عن القبر باذن اللہ تعالیٰ ہے بقولہ واذن لہم الخ مگر تنویر الحلک کی عبارت میں ایک قلیل تفاوت
ہے کا ہم اس کی عبارت یوں ہے واذن لہم فی الخروج من قبورہم والتصرف فی الملکوت الخ واو عاطفہ ہے نہ لام جارہ اور تصرف کے معنی بھی چلنا پھرنا
ہیں القاموس تصرف تقلب تنقلب ما مشکل تصرف فی طلب الکسب انتہی مؤلف نے لام جارہ لکھا اور تصرف کے معنی عربی اردو کے بتلائے ہیں مگر تاہم اس
۔ مدعا کو مفید نہیں چلنے پھرنے سے عالم علوی سفلی میں تشریف آوری مجلس مولود کی لازم نہیں آتی خصوصاً یہ مجالس بدع و مکروہات اور پھر یہاں مشہور
مری حدیث سے کام چلنے کا نہ ایسے قول کو اور عبارت فیوض الحرمین میں کیسی وہی مضمون نکلا جو حدیث مسلم میں تھا حج اور حج کرنا اور اپنے
نے شکل مبارک کا دیکھنا کہ مدینہ طیبہ میں مرقد مبارک پر حاضری کا قصہ ہی جدا تھا جب بھی کوئی مطلب ان کا نہیں نکلتا جیسا آگے آتا ہے
حضرت مجدد کی دونوں عبارتوں میں تعلق روحانی ہے اس میں انتقال کی ضرورت نہیں اور متجدد ہونا اور انتقال کرنا بھی ہو تو بھی غرض مؤلف
۔ سے حاصل نہیں ہوتی اور پھر ان مکاشفات کو قبول کرنا احکام شرعیہ میں مزید نہیں ان سے حکم ثابت ہو مؤلف کا ایسے موقع استدلال میں

۔ ب سکھے داری سکے ارواح ا پھرنا سکھ بند

می بینم کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بصورت روحانیاں حاضر شدند و تعلیم روحانی حضرت خضر فرمودند کہ ما از عالم ارواحیم حضرت
سبحانہ تعالیٰ ارواح ما را قدرت کاملہ عطا فرمودہ است کہ بصورت اجسام متمثل شدہ کارہائے کہ از اجسام بوقوع می آید از ارواح ما صدور می یابد ،، اور اسی جلد
اول مکتوب دو صد و ہشتم میں ہے دریں ایام عنایت خداوندی در رسید حقیقت معاملہ ایشاں بعینہ وانمود روحانیت حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ
والسلام کہ رحمت عالمیانست دریں وقت حضور ابتدائی فرمودہ تسلی خاطر حزیں نمودہ اند سیوطیؒ انتباہ الاذکیا میں احادیث و آثار صحابہؓ سے لکھتے ہیں کہ حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اطراف و زمین میں کی مدد وقت برکت کے ساتھ فرماتے ہیں اور انبیاءؑ کا مرجانا یہی ہے کہ وہ ہماری نظر سے چھپ گئے ، مثل فرشتوں کے
نظر نہیں آتے مگر جس ولی اللہ کو دکھائے انتہیٰ ، و امام غزالی گفتہ کہ ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در یقظہ ملائکہ و ارواح انبیاء کذا فی اشعۃ اللمعات فی
کتاب الرویا اور اسی جگہ لکھا ہے شیخ عبد الحق لمعات شیخ ابو السعود کہ مصافحہ میکرد با حضرت را بعد از ہر نماز ، اور اسی جگہ لکھا ہے شیخ نے قصہ غوث پاک کا
کہ روزے غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ بر کرسی نشستہ بود وعظ می فرمود قریب بدہ ہزار کس پائے کرسی حاضر بودند و حاضر بود شیخ علی ابن ہیتی
در زیر پائے کرسی شیخ نشست ناگاہ شیخ علی ہیتی را خواب برد پس شیخ عبد القادر قوم را فرمود ساکت باشید ہمہ ساکت شدند تا آں کہ جز انفاس ایشاں
شنیدہ نمی شد پس فرمود و آمد شیخ از کرسی و بایستاد باادب پیش علی مذکور و می نگریست در وے پس بیدار شد شیخ علی و گفت شیخ عبد القادر باوے
کہ دیدی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را گفت نعم فرمود از ہیں جہت ادب ورزیدم با تو و ایستادم در پیش تو فرمود بچہ وصیت کرد ترا آں
حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفت بملازمت من مجلس ترا پس شیخ علی گفت آنچہ من در خواب دیدم شیخ عبد القادر در بیداری دید و روایت کردہ اند
کہ ہفت کس از مرداں بودہ و ہماں روز از عالم رفتند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ، اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں ایک تو روح پاک مصطفویؐ کا مجلس
خیر میں آنا دوسرے تعظیم روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت غوث اعظم سے پیر دستگیر کا کھڑا ہو جانا یہ سند ہوئی استحباب قیام کے واسطے تشریف
آوری ارباب فضل و کرم کے تیسرے حضرت غوث پاک کی علو شان اور قوت ادراک دوسرا آدمی خواب میں دیکھیں آپ نے بیداری میں دیکھا قصہ مختصر

نقل کرنا ان حکایات و مکاشفات کا خالی نا واقفیت قواعد دین سے نہیں چنانچہ یہ مصرح ہو کہ الہام و کشف اولیاء کا مفید حکم اور حجت قطعیہ
نہیں ہوتا امام غزالی مشاہدہ کو فرماتے ہیں سو مشاہدہ کے واسطے ارواح کا مشاہدؒ کے گھر میں آنا ضروری نہیں قلب جو بعید دیکھتا ہے مثل قریب کے باذن
اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے حق تعالیٰ علیٰ ہذا مصافحہ کرنا علیٰ ہذا قصہ شیخ عبد القادر گیلانی کا کشف روحی اور رویا روحی ہے اس میں تنزل کی
کی کچھ حاجت نہیں اور وقت انکشاف کے جب حضور ہو گیا تو ادب ضروری ہوگا پس مؤلف کا یہ کہنا کہ روح مصطفویؐ کا مجلس میں آنا قطعی
نا واقفیت معاملہ کشفی سے ہے اگر کوئی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے تو مؤلف حکم کرے گا کہ آپؐ اس کے گھر تشریف لائے ہیں تب عقل مؤلف
کو دیکھنا چاہیے اور استحباب قیام کہنے والے کیواسطے ثابت ہے معترض نے کب انکار کیا یہ مؤلف کی عقل پر غشاوہ ہے اب شہود کے وقت مثل حیوۃ
کے معاملہ ہونا چاہیے کلام اس میں نہیں سو مؤلف کو اصل مطلب فہمی ہی کام ہی نہیں اگر اہل محفل میلاد کو زیارت فخر عالمؐ کی ہو تو قیام کو کون منع کرتا ہے
اور معترض اعتقاد آیا کرتی ہے پر شبہ کرتا ہے غرض اعتراض کچھ ہے اور دلائل مؤلف کے کچھ اور عجب تر ہے قولہ اور اگر کوئی یہ سمجھے الخ اقول مؤلف نے آپ کو
حریف بنایا کہ آپ مستغرق مشاہدہ میں ہیں تو جانب الدنیا کیوں کر ہو سکتی ہے اور آپ ہی جواب دیا کہ آپ کی وسعت علم کو یہ ملتی نہیں اور تفسیر
عزیزی و زرقانی سے حجت لایا مگر عجب ہے کہ اس کا نہ معترض مانع تھا اور نہ مؤلف کو کچھ فائدہ عبث اوراق سیاہ کرتا ہے معترض عوام تشریف دیگر
روح پاک کا اور مجالس میں انکار کرتا ہے مؤلف امکان علم و حضور ثابت کر رہا ہے نہ گھر کی خبر نہ اپنے ہوش اور حضرت عزرائیل کی مثال بیہودہ

۱؎ غیر کے مقابلہ میں دلیل ۲؎ مشاہدہ کرنے والا ۳؎ پردہ ،

کہ روح نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر آمد و رفت فرماتی ہے اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق ان کو دنیا کی طرف کب توجہ ہوتی ہوگی جواب اس کا یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ فرماتے ہیں والقمر اذا اتسق کی تفسیر میں " و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ باین سمت نمی گردد " جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال تو بدرجہا اس سے فائق ہوگا چنانچہ خاتمۃ المحدثین زرقانی صفحہ ۶۴۳ مقصد عاشر میں لکھتے ہیں ولا ریب ان حالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البرزخ افضل واکمل من حال الملائکۃ ھذا سیدنا عزرائیل علیہ السلام یقبض الف مائۃ روح الا ادنیٰ فی وقت واحد ولا یشغلہ قبض عن قبض وھو مع ذلک مشغول بعبادۃ اللہ تعالیٰ مقبل علی التسبیح والتقدیس فنبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی ویصوم ویشاھد ولا یزال فی حضرۃ اقترابہ فی منازل اسماع خطابہ ولکن لما ان شاءہ وعاد منہ فی الدنیا یفیض علی امتہ من نتیجۃ الوحی الالٰہی مما اعطاہ اللہ ولا یشغلہ ھذا الشان وھو شان افاضۃ الانوار القدسیۃ علی امتہ عن شغلہ بالحضرۃ الالٰہیۃ یعنی آپ کا قبر میں یہی حال ہے اور دنیا میں بھی یہی تھا کہ امت پر فیضان جاری رہتا تھا اور خدا سے ملے رہتے تھے ادھر کی مشغولیت سے ادھر کی مشغولی میں فرق نہ آتا تھا اور اللہ سے واصل اور مخلوق میں شامل " خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا سا، اور توسع ادراک علم و قوت استعداد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ظاہر اور روح انبیاء کی سرعت سیر معلوم کہ حضرت ابراہیم معراج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات بیت المقدس سے ساتویں آسمان پر سات ہزار برس کا رستہ طے کر کے ادنیٰ فرصت میں پہنچ گئے چنانچہ ہم روایت اس کی بیان کر چکے پھر کیا اشکال و بال جان ہو رہا ہے منکرین کو کہ صرف چند محافل میلاد یہ جو چند شہر متعددہ میں منعقد ہوتی ہیں ان میں بسرعت سیر حاضر ہو جانے کی قدرت روح پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہیں مانتے وہ پیغمبر سید المرسلین جو ابراہیم خلیل اللہ سے بھی افضل بالاتفاق ہیں مفضول تو سات ہزار برس کی راہ طے کرے ایک دم میں اور افاضل افضل چند مقامات کی سیر نہ کر سکے کمال کم فہمی کی بات ہے اور اس پر طرہ یہ کہ جو ایسا اعتقاد کرے اس کو مشرک قرار دیں سبحان اللہ شرک کے معنی بھی یہ حضرات خوب سمجھے واضح ہو کہ بہت مقامات میں حاضر ہو جانا ایک لمحہ میں روح مبارک کا جس کو یہ لوگ شرک کہتے ہیں اس کی تشریح اس رسالہ میں گذر چکی جہاں چاند سورج اور ملک الموت کی تمثیل ہے اور کتاب دافع الاوہام میں کلام محققین مستندین سے ثابت کیا گیا کہ روح کاملین کی آن واحد میں مقامات متعددہ میں جا سکتی ہے جسے کو دیکھنا ہو وہیں دیکھے اب ہم تماشے کی بات سناتے ہیں ہٹ دھرمی اسی کا نام ہے مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے پیر کے واسطے کتاب صراط مستقیم میں روح خواجہ عالیشان اور روح غوث پاک کو بغداد و بخارا سے مہینہ بھر تک آنا بیان فرما دیں وہ تو آمنا اور صدقنا اور دوسروں کے واسطے ممانعت

پہلے جو اب اس کا ہو چکا کہ حق تعالیٰ نے حضرت عزرائیل کو ایسی قوت و علم دیا ہے اور ان کے متعلق یہ خدمت کی ہے کہ اگر فخر عالم کو اس سے صدہا گونہ زائد ہو تو کیا عجب ہے مگر کلام تعلیت میں ہے کہ یہ ہوتا ہے یا نہیں اب خلاصہ و نتیجہ دلائل و جواب مؤلف کا دیکھو قولہ پس اور توسع ادراک علم آنحضرت سبحان اللہ فہم مؤلف پر عجب ہے کہ توسع ادراک کا ذکر نہ سرعت سیر کا انکار کلام فعلیت حضور میں اور تشریف آوری دائمی میں ہے اور قیاس عقلی مؤلف کا امکان میں حالانکہ عقائد کا ثبوت نص قطعی سے ہوتا ہے چند اقوال بھی خارج مبحث ذکر کر کے آنکھ بند کر کے ایک ڈھکوسلا لکھ دیا کچھ تو شرم کرنی تھی کہ عقائد کا مسئلہ اور اعتراض کے خلاف کیا اثبات کرتا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں اور کیا واجب تھا اب باقی کلام لایعنی کا جواب ضرور نہیں چاند سورج ملک الموت کا جواب سب مذکور ہو چکا اور سید صاحب کے قصہ کے عدم فہمی کی بھی اطلاع ہو چکی ومن لم یجعل اللہ لہ نورًا فما لہ من نور۔

بنا بریں کھولا جاتا ہے کہ من تقل من الارواح للشایخ حاضرۃ متدوبیکون اس جلسۂ بری اور مجیت پر کمال افسوس سوال حاضر ہو جانا روح کا ممکن الوقوع
تو ہے لیکن امکان وقوع کو وقوع لازم نہیں ہے پھر کس طرح معلوم ہوا کہ ان محفلوں میں آجاتی ہے جواب ارواح کا آنا کوئی امر حسی آنکھوں سے دیکھنے کا
نہیں کہ ہر کوئی دیکھ سکے بلکہ امر باطنی قسم عالم امر سے ہے اس کا ثبوت ارباب مکاشفہ کو ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کا قلب صاف اور نفس ان کا کدورت
سے پاک اور نظر باطنی ان کی تیز پس اس قسم کے آدمیوں کو منامات میں بھی بشارت ہوئی کہ حضورؐ کا گذر مولد شریف میں ہوتا ہے اور بعض صلحاء مجلس
میلاد میں مشرف بزیارت بھی ہوئے محمد بن یحییٰ جو کہ معظمہ میں مذہب حنبلی کے مفتی تھے علما و اعلام و مقتدایان دین اسلام سے نقل کرتے ہیں کہ عند ذکر
ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یحضر روحانیتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح علامہ زین العابدین برزنجی جن کا مولد شریف منظوم دیار عرب
کی محافل میں پڑھا جاتا ہے وہ مقام قیام میں لکھتے ہیں بیت لقد سن اہل العلم والفضل والتقی۔ قیاما علی الاقدام مع حسن امعان۔ بتشخیص
ذات المصطفیٰ وہو حاضر۔ بای مقام فیہ یذکر بل دان الخ اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں تین مقام پر ایک جگہ موقع سلام میں
دوسری جگہ خصائص میں تیسری جگہ تعلیم آداب تصور جمال روی مبارک میں تصریح کی ہے ساتھ حاضر ہونے روحانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
اور شعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بھی یہ ذکر فرمایا ہے جس کے دیدہ بینا ہوں ڈھونڈ کر نکال لے یہ دونوں کتابیں کثرت سے موجود ہیں اطراف ملک

اگرچہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور سنتے بھی ہیں مگر ہر وقت یہ بات ضروری نہیں۔ کشف کی حقیقت اور یہ کہ کشف سے احکام ثابت نہیں ہوتے

قولہ وہاں حاضر ہو جانا روح کا ممکن الوقوع الخ اقول مؤلف نے یہ عبارت نقل کیں اور فی الحقیقت اصل مدعا کو اس سے کچھ مساس نہ تھا یہ بھی ایک
فریب دہی ہے کہ عوام تو جان جاتے ہیں کہ بہت سی روایات سے یہ مدعا ثابت کیا ہے مگر اہل علم سمجھ جاویں گے کہ یہ محض تطویل بے سود ہے لہٰذا
بندہ نے ہر عبارت پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس کو مدعا سے علاقہ نہیں آخر مؤلف کو خود ہی شرم آئی تو سوال جواب کر کے اس کو دفع کرنا چاہتا ہے
خلاصہ سوال تو ظاہر ہے کہ سب روایات سے تقلب ارواح کا معلوم ہوتا ہے پھر مجلس مولد میں آنا کس طرح معلوم ہو کیوں کہ معلوم ہونے کے
طرق معتبر دین میں تین ہیں یا حواس سو وہ تو یہاں نہیں دوسری عقل سو ظاہر ہے وہ یہاں مفقود ہے کیوں کہ یہ امر عقل سے ثابت نہیں ہو سکتا،
تیسری خبر رسول سو بھی اس باب میں غیر موجود پس مدعا پر دلیل کس طرح ہو سکتی ہے اب مؤلف کا جواب قابل سننے کے ہے کہ کہتا ہے کہ یہاں
آنکھوں سے علم ہو سکتا ہی نہیں یعنی حواس کا کام نہیں کہ اس کو دریافت کرے اور اخبار متواترہ خبر رسول کی جو قطعی ہوں وہ بھی مفقود مگر ارباب
مکاشفہ سے ثبوت ہو سکتا ہے الغرض مؤلف نے اقرار کیا کہ ہر سہ امر طریق علم کے جو معتبر شرع میں ہیں یہاں نہیں پائے جاتے اب باب مکاشفہ کی خبر
معلوم سے اور رویا سے ثابت ہوتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ مؤلف نے اس قدر تطویل بے سود کر کے کہا تو یہ کہا کہ خواب میں اور مکاشفہ میں لوگوں
کو معلوم ہوا ہے اور خود محقق ہے کہ دین میں علی الخصوص اعتقاد میں رویا اور کشف کا اعتبار نہیں اور اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا خصوصاً مسئلے
عقائد کو اب سب ارباب عقل غور کریں کہ فقط مدار عقیدہ مؤلف کا خوابوں اور مکاشفات پر ہے پھر اس قدر روایات بے سود نقل کرنا اگر فریب
دہی نہیں تھا تو کیا تھا اول ہی لکھ دینا تھا کہ خواب سے یہ معلوم ہوتا ہے جو آخر کہا اول سے کہتا پس اب ہم کو جواب میں یہ کافی تھا کہ یہی کہہ دیتے
کہ شرعاً یہ سب غیر معتبر ہیں خدا تعالیٰ مؤلف کو ہدایت کرے کہ گزشت آنچہ خوردہ حلق خود بدرید۔ اور آل کار اس کا اپنی اصل پر آ گیا اشارہ:
رویا اور دعویٰ کو دلیل کو مناسبت نہیں اور جواب کو اعتراض سے علاقہ نہیں توبہ توبہ اور شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ میں بعض حکایات
اولیاء کی نقل کر کے یہ آخر میں لکھ دیا ہے کہ، بالجملہ دیدن آنحضرت بعد موت مثالی است چنانچہ در نوم مرئی شود در یقظہ نیز می نماید و آں شخص خرید

۱؎ ارواح کا پھرنا ۲؎ وہ احادیث جن کی سند متواتر کو پہونچی ہو ۳؎ خواب۔

کی زنگ ہزاروں آلودہ کلام شاہ ولی اللہ صاحب میں موجود ہے فیوض الحرمین میں اپنے مشاہدہ کے بیان میں جو مدینہ طیبہ میں جاکر حاصل ہوئے فرماتے ہیں ورأیتہ مستقرا

کا انہ ما حق متوجہا الی الخلق ذہابا ایاس عظمت فانما توجہ الیہ الانسان یمہل الا اورید الانسان الی الہمۃ فتطابق کلہ کما یشتاق الی شیٔ

ویتوجہ الیہ بقصدہ وشوقہ فانہ یبتی لہ الیہ سراتہ صلی اللہ علیہ وسلم　　اس عبارت میں صاف بیان ہے کہ حضرت کا خوب دل کھلا ہے خوشی ہے اس کے طرف

جو مدح پڑھے حضرت کی اور درود وسلام بھیجے اور جب کوئی مشتاق عشق دل سے جمعیت لگاتا ہے اور متوجہ ہوتا ہے حضرت کی طرف تو آپ انزاتے ہیں اس کی پاس

یہ خلاصہ مضمون شاہ ولی اللہ صاحب کا بعینہ ان کے الفاظ میں ہے اور جو کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو اصل کتاب فیوض الحرمین کی طرف رجوع کرے پاوے گا اسمیں

زیادہ تر تشریح اور توضیح اس مطلب کی سوال ، روح مبارک کا حاضر ہوجانا تو چنداں بعید نہیں لیکن حاضر جب ہو سکتی ہے کہ یہ خبر ہو وے کہ کہاں

کہاں مجلس ہے اور غیب کی خبر کسی کو نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ نمل میں قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ اور نیز حکم

کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ اعراف میں کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے کہو ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر

وما مسنی السوء اگر جانتا میں علم غیب کو بہت حاصل کرتا میں منفعت اور نہ پہنچتا مجکو نقصان جواب اس کا یہ ہے کہ اگر آپ صاحبوں کو ان آیتوں پر

ایمان ہو تو بہت اچھی بات ہے لیکن آدمی کو قرآن پر ایمان لانے سے مسلمان ہوتا ہے ایسا تو نہ چاہیے کہ کسی آیت پر ایمان ہو اور کسی سے انکار ہو جیسا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض پس تم کو چاہیے کہ دوسری آیتوں کو بھی جانو سورہ آل عمران میں ہے وما کان اللہ لیطلعکم علی

الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء یعنی اللہ یوں نہیں کرتا کہ تم کو خبر دیوے غیب کی لیکن اللہ تعالیٰ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے

اور سورہ جن میں ہے عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول یعنی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اپنی غیب کی بات کسی کو نہیں کھولتا

مگر جو پسند کر لیا کوئی رسول ان چاروں آیتوں کے ملانے سے اہل سنت والجماعت کا جو مسئلہ اعتقادی ہے وہ کھلتا ہے یعنی اصل علام الغیب اور علام

الغیوب اللہ تعالیٰ ہے زمین وآسمان میں کوئی ایسا نہیں جو یقینی طور پر کسی بات کو بلا تعلیم والہام حق جان لے ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے برگزیدہ

رسول کو جس کو چاہے خبریں غیب کی بتا دیتا ہے پس جو شخص یوں کہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھی غیب کی بات نہیں جانتے وہ منکر ہوا

کہ در مدینہ آسودہ ومی است ہماں متمثل می گردد در یک آں خواص را در یقظہ عوام را در منام انتہی . پس دیکھو حقیقت انکشاف کی یہ ہے کہ ایک بے قطرہ

عالم کے مخیلہ میں تمثیل ہوتا ہے اور خواب بجائے خود ہیں اور تشریف آوری اور حضور کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ان وقائع سے مؤلف تشریف

آوری ثابت کرتا ہے اور ناواقفیت حقیقت کشف سے خود شیخ اس کے معتمد نے تو کھلے سب دلائل ذکر دیے مؤلف محض خواب خیال پرانی

عقائد اپنے اور خلق کے برباد کر رہا ہے . افسوس ، علی ہذا شاہ ولی اللہ صاحب جو شخص قبر مبارک پر متوجہ ہوتا ہے اس کا حال فرماتے ہیں اور اگر دور سے پیام

ہو تو پھر یہی تمثل ہے اور پھر یہ کشف والہام کا ہے جو شرع کی دلیل نہیں اور مدح وصلوٰۃ وسلام میں خود وارد ہے فان صلوتکم معروضۃ علی

الحدیث اور احادیث میں تبلیغ . ملائکہ کی موجود ہے پس مؤلف نے بغیر حقیقت کشف اور منام کے مطلع ہوئے اپنے فہم ناتمام سے تراش لیا کہ خود روح

مبارک ہی صاحب کشف کے گھر آجاتی ہے اور محبت بنا کر لکھدی کچھ غیرت نہ کی معاذ اللہ . وائے بر دین تو رخنہ گری پیدا شد ، اور کشف الغطاء

میں لکھا ہے کہ یہ سب منام و یقظہ دیکھنا مشاہدہ تمثالی ہے نہ عین حقیقت آپ کی پس سب تفوہ مؤلف کا ہدم و باطل ہو گیا قولہ سوال روح مبارک

کا حاضر الخ **اقول** یہ سب جواب محض تطویل اور کم فہمی ہے یہ کوئی نہیں کہتا اور اس اطلاع سے جو مؤلف نے لکھی حضور روح مبارک کا ہرگز

ثابت نہیں ہوتا ایک لغو تقریر ہے بذریعہ ملائکہ کے درود وسلام کا پہنچنا اور کشف واطلاع باذنہ تعالیٰ سب کچھ درست مگر اصل مدعی کا باطل

---

۱ اس لے کہ تمہاری تاز میرے سامنے پیش کی گئی ۔ ۲ معاذ اللہ نبی کے دین میں اس طرح رخنہ ڈالتے ہیں یہ ڈینگ .

اللہ تعالیٰ کے کلام کا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے چھانٹ لیتا ہے واسطے اخبار غیبی کے جس کو چاہے اور نیز منکر ہوا وہ حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا کہ مشکوٰۃ کے باب المعجزات میں روایت ہے عمرو بن اخطب انصاری سے کہ نماز جماعت پڑھائی ہم کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی اور منبر پر چڑھے ہم کو نصیحت فرمائی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا تب اترے منبر کر اور نماز پڑھی پھر چڑھے منبر پر فرماتے رہے نصیحت پھر عصر کا وقت آگیا پھر اترے اور نماز پڑھی پھر چڑھے منبر پر یہاں تک کہ چھپ گیا سورج اس دن بتادیا ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ہونے والا قیامت تک اب ہم میں زیادہ عالم وہ ہے جس کو اس وقت کی زیادہ باتیں یاد ہیں روایت کی یہ حدیث مسلم نے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بہت خبریں غیب کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہیں علاوہ اس کے بہت حدیثیں اس باب میں وارد ہیں بباعث طول کے اعراض کر کے شاہ عبدالعزیز صاحب کے کلام پر اعتماد کرتا ہوں شروع سیقول میں فرماتے ہیں کہ جو کچھ حضرت نے خبر دی ہے حاضر غائب کی سب پر اعتقاد واجب ہے اور یہی لکھا ہے اسی جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہر امتی کو جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ کا آدمی ہے فرشتے حضرت کو خبر پہنچاتے رہتے ہیں اور نور نبوت سے حضرت پہنچاتے ہیں سب امتیوں کو یہ عبارت ہم نقل کر چکے ہیں نور اول کی لمعۂ ثانیہ میں اور نقل کر چکے اسی مضمون کی روایتیں بزاز و زرقانی و قسطلانی وغیرہ سے اسی مقام میں جب یہ باتیں ثابت ہو چکیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو جانا محافل میلاد کا کون بڑی بات ہے علاوہ اس کے محفل میلاد شریف میں مدح اور کثرت سے درود و سلام پڑھا جاتا ہے جب یہ کثرت سے جلسہ کا درود و سلام فرشتے حضرت کو پہنچاتے ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے پھر کیوں نہیں خبر ہوتی ہوگی اس جلسہ کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور شاہ ولی اللہ کا کلام فیوض الحرمین میں سے ہم نقل کر چکے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ ہیں خلق کی طرف اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کی توجہ ہوتی ہے وہ ادنیٰ چیز پہنچنے میں جھک جاتا ہے اس کی طرف اور یہ بھی انہوں نے لکھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے ہیں اس سے جو ان پر درود سلام اور مدح اور نعت پڑھتے ہیں پس خبر پالینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اس طرح بخوبی ہو سکتا ہے نہ اہل سنت والجماعت پر یہ دھبہ لگتا ہے کہ یہ لوگ رسول مقبول کو عالم الغیب جانتے ہیں اور نہ یہ کہ ہر جگہ ان کو حاضر و ناظر جانتے ہیں اب ذکر کرنا چاہیئے ان حدیثوں میں جن کو علامہ زرقانی اور اسماعیل آفندی وغیرہما علماء حدیث و تفسیر نقل کرتے ہیں اس طرح کہ سب پیغمبروں کو ان کی امت کے اعمال پر اور والدین کو ان کی اولاد کے اعمال پر ہر جمعہ میں مطلع کرتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دو بار اطلاع کرتے ہیں ایک روز جمعہ اجمالاً جس طرح اور سب پیغمبروں کو امتوں کے حالات پر مطلع کرتے ہیں اور دوسرے ہر روز صبح و شام بطور تفصیل دو بار آپ کے آگے اعمال امت پیش کرتے ہیں گویا یہ درجہ حضرت کا دوسرے پیغمبروں پر زائد ہوا کہ آپ کو بروز جمعہ اجمالاً مطلع کیا اور نیز دو بار تفصیلاً ہر روز پس جو کوئی محفل کرتا ہے اکثر تو یہ ہے کہ ایک دو دن پہلے سے اس کی اطلاع ہوتی ہے اور اس کے سامان شروع ہوتے ہیں ورنہ یہ تو ضرور ہوتا ہے کہ اگر شام کو محفل ہو تو صبح سے کچھ انتظام شیرینی یا کھانے وغیرہ کا ہونے لگتا ہے اور اگر صبح کو محفل ہو تو شام کو شروع ہو جاتا ہے اور اطلاع آدمیوں کو شروع ہو جاتی ہے تو سمجھنا چاہیئے جب کہ روز دو مرتبہ صبح و شام حضرت کو خبر اعمال امت کی پہنچائی جاتی ہے جس کے گھر میں شام کو محفل ہوگی جو کچھ اس نے صبح کو سامان کیا ہوگا یا کسی کو نہ

اوپر کے قول سے معلوم ہو چکا کہ محض بنا رسم و کشف پر ہے اور پھر وہ بھی محض قیاس عقل کا تمام مؤلف کا اور یہ حجت شرعیہ نہیں کیونکہ عقیدہ میں مذکور ہے اور یہ امر مشہور ہے مخفی نہیں مگر مؤلف کو علم نہیں سو اس کی فضول طویل کلام خود لغو ہو گئی مطلب سے کچھ علاقہ اس کا نہیں ظن تخمینہ کا عقیدہ مؤلف کا ہوا آپ ہی ایک دفعہ کہتا ہے بقولہ حضور بھی احسان و نوازش فرماتے ہوں گے اور پھر آپ ہی کہتا ہے بقولہ جلوہ فرماتے

ہو گی وعمل صبح کو حضرت کے پاس فرشتوں نے اسی وقت پہنچا دیا ہو گا پس حضرت کو پہلے ہی خبر پہنچ گئی کہ شام کو محفل ہمارے فلاں امتی کے گھر ہوگی اور فلاں کے گھر صبح کو محفل ہونے والی ہے اور شام کو اس شخص نے اسباب فراہم کیا ہو گا یا کسی کے سامنے منہ سے نکلا ہو گا کہ میں صبح محفل کرونگا اس کی بھی خبر اس قدر قبل انعقاد حضرت کو فرشتوں نے پہنچا دی ہو گی پس حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جان گئے کہ علی الصبح محفل ہو گی علاوہ اس کے تیسرا طریق اور چوتھا طریق حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خبردار ہونے کا اور بھی ہے لیکن وہ دونوں دقیق ہیں عام فہم نہیں ہیں اس لئے ان سے سکوت کر کے ان ہی دو طریق پر اکتفا کیا، اب جاننا چاہئیے جب کہ خبر ہو گئی ان وسائط سے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حضرت خود متوجہ امت کی طرف ہیں موافق قول شاہ ولی اللہ صاحب کے اور نیز آپ کی تعریف قرآن مجید میں ہے بالمومنین رؤف الرحیم تو ہرگز حضور صلہ رحمی سے محروم نہ رکھیں گے اور احادیث میں آیا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیا تھے یہ قرآن آپ کا اخلاق تھا اور ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں یہ لفظ موجود کہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان تو یہ لا بد اس آیت کی تعمیل بھی آپ کے اخلاق میں ہو گی اس طرح خوانی اور درود وسلام وتعظیم وآداب کے مقابل میں حضور بھی احسان ونوازش فرماتے ہوں گے چنانچہ ارباب مکاشفہ نے ان خیرات وبرکات کی خبر دی ہے الحاصل آیات واحادیث واقوال علماء سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ انعقاد محافل میلاد کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر بعض واسطوں سے پہنچ جاتی ہے اور نیز روح مبارک ارباب محفل پر براہ عنایت وکرم جلوہ فرما ہو جاتے ہیں اب دیکھئے اس بیان کو حقیقت کفر وشرک سے شمہ بھی لگاؤ نہیں ہے اور طرفہ تر یہ ہے کہ بانیان محفل میلاد علی العموم یہ اعتقاد نہیں کہتے کہ روح مبارک ہر جگہ موجود ہو جاتی ہے خواہ اس محفل میں قاری مولد کوئی مرد دین دار محب رسول ہو یا کیسا ہی آدمی ہو سامعین مہذب باداب ظاہر وباطن ہوں یا نہ ہوں روایات اس میں صحیح طور پر بیان کیجاتی ہوویں یا موضوع جھوٹی باتیں مشاعروں کی گھڑی ہوئی پڑھتے ہوں کھاتے اور شیرینی اور عطر میں مال زہد اور محنت کا کمایا ہوا ہو، یا رشوت اور سود اور غصب کا مارا ہوا ہو، دلوں کو بھی طرح اشتیاق کے ساتھ حضور کے تصور میں لگا رکھا ہو یا نہیں حاضرین جلسہ خوش اعتقاد ہوں یا نہیں ہم نے بہتری مجالس میں دیکھا ہے کہ کسی کسی وجہ سے بعض منکرین بدطینت وبد اعتقاد بھی آجاتے ہیں حالانکہ ایسے شخصوں کا حاضر ہونا ایک

بیجا سوا ایسے تردد کا عقیدہ مؤلف کو مبارک ہو،

تشریف آوری روح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں مؤلف کی غلطیاں

قولہ طرفہ تر یہ کہ بانیان الخ **اقول** کیا طرفہ تماشا ہے کہ معترض تو خود یہ کہتا تھا کہ اہل مولود کا یہ اعتقاد ہے کہ روح مبارک محفل میں آیا کرتی ہے اور حاضر ہے اب یہ مؤلف بہت گرما گرمی وزور شور سے زلیات بیش کر کے سر ہوئے اور نا چار ہو کر منامات مکاشفات پر تنزل کیا جب اس سے بھی کام چلتا نہ دیکھا تو اور کچھ غیب خپ مار کے ظن وتخمین پر آیا اور کہا کہ آیۃ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان لا بد آپ کے اخلاق میں ہو گی معاذ اللہ مؤلف کو کچھ تردد بھی ہے کہ فخر عالم علیہ السلام اس آیت پر عامل ہیں یا نہیں کہ بلفظ ہو گی بیان کرتا ہے استغفر اللہ پھر قطعی حکم لگایا کہ جلوہ فرما ہوتے ہیں پس یک دفعہ پلٹی کھائی تو کیا کہتا ہے کہ جس کا خلاصہ ہے کہ اس زمانہ کی مجالس میں ہرگز نہیں تشریف لاتے، سبحان کس قدر تعجب انگیز اور حیرت خیز تقریر ہے کہ جس کے مسلسل ہونے کا مؤلف بھی دم بھرتا ہے اور ناظرین کو تو طرب ہوتا ہی ہے، گہی بر طارم اعلیٰ نشینم ۔ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم ۔ ایک ثبوت ایک مسئلہ اس قدر اول تحویل سلو کر مؤلف دعوی کرتا ہے کہ قاری اگر دین دار محب ہو گا تو روح پاک آوے گی اور سامعین مہذب باداب ظاہر وباطن نہ ہوں گے تو بھی نہ آوے گی یا موضوع روایت۔ یا شاعری کا مضمون ہو یا شب کے مال کو شیرینی وغیرہ ہو یا حضور علیہ السلام کے تصور میں دل نہ

ے خواب سکے اترانا ۱۲

قسم کی کدورت محفل پاک میں پیدا کرتا ہے تانا استغفار میں جو طلب رحمت الٰہی کے واسطے ہوتی ہو فقہا رشمار کرتے ہیں کہ عین نماز میں جب اہل اسلام ایک خستہ اور شکستہ حال کے ساتھ روتی ہوئی اور عجز و نیاز کرتے ہوئے نکلیں کوئی کافر اہل کتاب وغیرہ اپنے ساتھ دلیویں کیوں کہ وہ لوگ مستحق غضب الٰہی ہیں ان کو نزول رحمت کی موقع میں ساتھ لینا اپنا نقصان کرنا ہے چنانچہ یہ مضمون ہدایہ کی عبارت سے صاف واضح ہے ولا یخرج اھل الذمۃ لاستسقاء لانہ لاستنزال الرحمۃ وانما تنزل علیہم اللعنۃ مجالس محفل میں آداب ضروریہ جن کا ہم ذکر کر چکے مد نظر نہ ہو نگے اور ہر قسم کے آدمی منکر و غیر منکر داخل ہوں گے یہ شکلیں روح مبارک حضرت رحمۃ للعالمین کی تشریف آوری کی نہیں علاوہ بریں تقویٰ اور اخلاص پر بھی مدار ہو زمانہ سلف میں جو محفلیں ہوتی تھیں ان میں لکھا ہو۔ یحضرہ بعض العلماء ومشائخ الطریقۃ ویکون فیہ اجتماع الصالحین اور اس زمانہ میں آدمیوں کی صلاحیت اور عشق الٰہی اور تقویٰ اور اجتناب مناہی کا حال معلوم اور عمل کا ثواب باعتبار درجات قوت تقویٰ کے مختلف ہوتا ہو قاضی ثناء اللہ صاحب آخر کتاب مالا بد میں لکھتے ہیں۔ چوں قلب اخلاص بہم رسانید دو رکعت او بہتر از یک رکعت دیگراں باشد ہم چنیں صوم وصدقہ او رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ اگر شما مثل کوہ احد زر در راہ خدا خرچ کنید برابر یک سیر یا نیم سیر جو نباشد کہ صحابہ در راہ خدا دادہ اند ایں از جہت قوت ایمان واخلاص شان است انتہٰی کلامہ اور اسی طرح نماز کے باب میں وارد ہوا ہے حدیث شریف میں ان العبد اذا قام الی الصلوٰۃ رفع اللہ تعالیٰ الحجاب بینہ وبینہ وقابلہ بوجہہ الکریم یعنی جب بندہ نماز پر کھڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتا ہو حجاب اپنا اور اس کے بیچ میں سے اور سامنے اس کے کردیتا ہو اپنا وجہ کریم اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے شیطان اس کر دور ہو جاتا ہو زمین کے کناروں تک بھاگ جاتا ہو اس ڈر سے کہ یہ بندہ اپنے بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے جب وہ وضو کرکے کہتا ہے اللہ اکبر چھپ جاتا ہے ابلیس، اور اللہ جل شانہٗ اس بندے کے سامنے ہو جاتا ہے اور ایک اور احادیث میں آیا ہے عبادت کرو اللہ کی اس طرح کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے خلاصہ کہ یہی نماز ہم غافل لوگ پڑھتے ہیں ہم کو نماز میں کچھ بھی نظر نہیں آتا اور ایک اولیاء اللہ کی نماز ہے کہ ان کو نماز میں مشاہدہ ربانی حاصل ہوتا ہے اور تجلیات عطا ہوتے ہیں اسی طرح مقبولیت محافل میلاد کے درجات ہیں ع وانہ بخیر شنام ہر میوہ ؎ نہ شخل زہیدہ ست ہر بیدہ۔ روح مبارک کا تشریف لانا اعلیٰ درجہ کی بات ہے پس ہر محفل میں کہ خواہ وہ کیسی ہی وضع سے مرتب ہو تشریف آوری کا دعویٰ کون کرتا ہے اگر خوش اعتقاد و سامان پاکیزہ اور مال اپنے زور بازو کا کمایا ہوا صرف کرے اور روایات صحیحہ اور اشعار جائزہ بالحان خوش و نیت نیک اعتقاد درست و ہیبت ادب و تعظیم شوق و ذوق کیساتھ پڑھے اور سامعین مشتاق قلب خاص کر متوجہ ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت مد نظر ہو دل کو اسی طرف لگادیں تو کیا مضائقہ ہو کہ جس طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے فانہ فیتدلی الیہ کا مضمون یعنی ع من آیم بجان گر تو آئی بہ تن

ن ظاہر یا حاضرین خوش عقیدہ نہ ہوں تو بھی ورود روح مبارک کا نہیں ہو سکتا لیس ایسی محفل ہندوستان میں تو شاید کہیں ہو کہ ان سب امور سے خالی ہو خود مؤلف صدر الصدور کی محفل میں بھی فساق و مبتدعین ہر روز ہوتے ہیں عرب کی اور شام و مصر وغیرہ کی بھی محافل میں قطعاً یہ بات نہیں، تو اب کہو کہ مؤلف نے قطعاً انکار حضور روح پاک کا کر دیا اور ان محافل کو محل نزول ہونے سے بھی خارج بنا دیا تو اب یہ عقیدہ بیان کرنا اور تقیید حضور بست بستہ ہونا شرک ہوا یا نہ ہوا مؤلف کے منہ میں جلیبی دینی چاہیئے، کہ بڑی محنت و جانکاہی کرکے اور تمام عالم کا دور اور تلاش کرکے مدعیٰ ثابت کرکے تھک کر پڑے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ بریں عقل و دانش ببایہ گریست وہ کونسی محفل ہو کہ آداب ظاہری و باطنی سے کلمل اور سب حاضرین ایسے ہوں ہاں اولیاء اور اقطاب اس دور کے جمع ہو کر کریں تو ممکن ہو پس جب نہیں تو حسب زعم مؤلف کے

ل نیک بختوں اہل بدعت کے ہاتھ باندھ لینا کے تعلیہ کی جمع

ظہور فرمائے۔ سابقاً جو بعض اولیاء کو منامات اور واقعات میں حال تشریف آوری روح مبارک کا ظاہر ہونا اور عبارت محمد بن یحییٰ اور زین العابدین کا ذکر ہم کر چکے ہیں وہ محمول اسی طرح کی محافل مقدسہ مہذبہ کے لئے ہے اور مگر یہ باتیں حاصل نہیں تو پھر دعویٰ روح مبارک کے آنے کا ہر محفل کے لئے نہیں لیکن یہ بات کل کیواسطے کہی جاوے گی جو کوئی یہ محفل کریگا بلاؤں سے نجات اور حصول مرادات کا ثمرہ پاوے گا ہر اخلاص کے موافق یعنی عام طور پر اور خاص خاص طور پر نفع اٹھائیں گے اور یہ خوب سمجھنا چاہیئے کہ قیام کرنا وقت ذکر ولادت موقوف روح کے تشریف لانے پر نہیں۔ عالم الائمہ مقتدا الائمہ امام تقی الدین سبکیؒ اور ان کی مجلس میں اکابر علماء تھے ایک شعر مدح کا سن کر کھڑے ہو گئے چنانچہ سیرت حلبی میں مذکور ہے اس میں روح کا آنا کچھ بھی مذکور نہیں بلکہ یہ ہے فقام الامام السبکی رحمۃ اللہ وجمیع من فی المجلس فحصل انس کبیر اسی طرح نقل کیا اسماعیل آفندی نے تفسیر روح البیان میں اور سیرت شامی میں ہے جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا بذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یقوموا تعظیماً یعنی کہ محبین رسول صلے اللہ علیہ وسلم جب سنتے ہیں ذکر ولادت شریف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں یہ نہیں لکھا کہ روح مبارک کو دیکھکر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور سابقاً جوہری مولد النبی الازہر میں امام برزنجی نے لکھا ہے قد استحسن القیام عند ذکر ولادتہ الشریفۃ ائمۃ ذوو روایۃ ودرایۃ اور یہ نہیں فرمایا استحسن القیام عند رؤیۃ روحہ او عند قدوم روحہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلاصہ یہ کہ یہ قیام محض واسطے قدوم روح مبارک کے نہیں اگر یہ ہوتا تو جس کو روح مبارک نظر آتی وہ کھڑا ہوتا جس کو نظر نہ آتی نہ کھڑا ہوتا حالانکہ کل جمیع بلاد اسلامیہ کا عرب و عجم مشرق و مغرب میں اسی بات پر ہے کہ بلا ادعاء ظہور روح مجرد سماع ذکر ولادت شریف جمیع اہل محافل کھڑے ہو جاتے ہیں اگر کوئی یہ کہے اگر روح مبارک تشریف نہیں لاتی پھر تعظیم کس بات کی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ قیام فقط تعظیم تشریف آوری کے لئے نہیں بلکہ شرع شریف میں چند مقامات پر قیام پایا گیا ہے ایک آنے والے کی تعظیم میں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وقت تشریف لانے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام فرمایا کرتی تھیں کذا فی المشکوٰۃ دوسرا وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لئے کھڑا ہونا ترمذی نے روایت کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وضو کر چکے بچا ہوا پانی پیا کھڑے ہو کر اور یہ کہا مجھکو پسند آیا کہ دکھاؤں تم کو کس طرح وضو کرتے تھے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی کھڑے ہو کر پیتے ہوں گے

بھی ان امور سے کوئی محفل خالی نہیں ورنہ مانعین تو حسب روایت شائع فیہا اس کو کراہت و بدعت سے خالی سمجھتے ہی نہیں لہٰذا معترض کا اعتراض مقبول و مسلم مؤلف کے نزدیک ہوا قصہ طے ہوا اب مؤلف کی کج فہمی کا کیا بیان کرو اور اس کے ذیل کی روایات استفسار اور اخلاص کا ہم کو کیا تعاقب کرنا ہے کہ وہ ان روایات سے اپنا ہی گھر برباد کرتا ہے

ویز قیام مولد میں مؤلف کے قیاسات کا رد | قولہ لیکن یہ بات کل کے واسطے الخ **اقول** یہ کلام محض لغو غلط ہے جبکہ وہ محل نزول روح مبارک کا نہیں تو بالضرور ملوث بمعاصی ہے وہاں حصول ثمرات کہاں وہ تو موجب سیئات ہے وہاں جانا شریک ہونا ناجائز ہے بقولہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین چنانچہ سابقاً ذکر ہو چکا تو یہ فقرہ مؤلف کا بالکل مخالف نص قطعی کے ہے سوائے عدم رضا حق تعالیٰ کے ایسی مجالس کا ثمرہ ہرگز کچھ نہیں اور مجمع مولد کے معاصی و منکرات کا مشاہدہ سب کو حاصل ہے پس معصیت و منکر کے درخت کو عصیان کا ثمر لگے گا فالحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے مدعا مانعین کا مؤلف کے منہ سے ثابت کرا دیا وکفی اللہ المؤمنین القتال قولہ اور یہ خوب سمجھنا چاہیئے الخ **اقول** مؤلف نے ناچار قول معترض کا قبول کیا اب پھر زرا طلا کر اثبات قیام کا کرنا ملمع بیانی سے چاہتا ہے مگر سخت سطحی ہے اور فہم سے بیگانہ جس موقع پر قیام مستحسن ہے کوئی بھی اس کو منع اور انکار نہیں کرتا اور یہاں جو منع ہے بوجہ تعین و تقید مطلق کی وجہ سے مکروہ کہا تھا پھر

یہ بچا کرنا ہے گناہوں سے آلودہ۔

تیسرے، زم زم کا پانی کھڑا ہو کر پینا بخاری اور مسلم میں روایت ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں پلایا میں نے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانی زمزم کا
پس پیا آپؐ نے کھڑے ہو کر الحاصل فقہاء رحمہم اللہ ان دونوں پانیوں کو قبلہ رو کھڑا ہو کر پینا مستحب اور مندوب لکھتے ہیں اس لفظ سے صاف
تعظیم معلوم ہوتی ہے اور بعضوں نے یہ مسئلہ ان الفاظ سے لکھا ہے پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ نہیں اس سے بھی قیام تعظیمی ثابت ہو گیا یعنی کھڑے
ہو کر پینے کی جو کراہت شرع میں تھی وہ بباعث عظمت ان دونوں پانیوں کے ساقط ہو گئی اس لئے کہ زم زم کا پانی حصول شفا کا سبب ہے
اور اسی طرح وضو کا پانی بچا ہوا موجب شفا ہے شامی نے لکھا ہے کہ میرے بزرگ عبدالغنی نابلسی جب مریض ہوتے تھے وضو کا باقی پانی بارادہ
حصول شفا پیتے تھے موافق فرمان سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمیشہ آرام ہو جاتا تھا ان کو انتہی کلام الشامی، یہاں ایک بات اور بھی
حاصل ہوئی یعنی کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے شرع میں لیکن جب آب زم زم اور آب بقیہ وضو کی عظمت پر خیال کر کے کھڑا ہو کر پیئے تو قصد
تعظیم کے سبب کراہت جاتی رہتی ہے پس بفرض محال اگر قیام تعظیمی مکروہ بھی ہوتا تب بھی جو لوگ بارادہ تعظیم شان مصطفائی کھڑے ہوتے ہیں
چاہیے ان کے لئے درست ہو جاوے مکروہ یا شرک یا حرام ہونے کے کیا معنی؟ چوتھا کھڑا ہونا جس وقت عمامہ باندھے بعض فقہا اس کو
مستحسن کہتے ہیں پانچویں کھڑا ہونا وقت سماع اذان کے درمختار میں ہے ویندب القیام عند سماع الاذان، وہ فتاوی برہنہ آوردہ
چوں آواز اذان برآید کہ باید کہ ماشی بایستد ونشستہ نالوزند برجہ بتعظیم نزدیک ترکند چھٹا کھڑا ہونا واسطے تعظیم مطلق ذکر کے تفسیر
میں ابن عمر اور عروہ بن زبیر اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ وہ سب نکلے اور گئے عیدگاہ میں پھر وہ ذکر اللہ کرنے لگے ان میں سے بعضوں
نے یہ کہا کہ کیا فرمایا نہیں اللہ تعالی نے یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً تب وہ سب کھڑے ہو گئے اور ذکر اللہ کرنے لگے کھڑے ہو کر ساتواں
کھڑا ہو کر مدح اور مفاخر رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پڑھنی صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت حسانؓ منبر پر کھڑے ہو کر اشعار فخریہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کے پڑھتے تھے آٹھواں کھڑا ہونا دست بستہ وقت زیارت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے روضۂ مطہرہ کے علی صاحبہا الصلوٰۃ
والسلام الی یوم القیام جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے نواں جب کوئی اپنا پیشوا مجلس سے اٹھے اس کی معیت میں تعظیماً کھڑے ہو جانا چنانچہ
مشکوٰۃ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے جب آپؐ اٹھتے ہم بھی سب کھڑے
ہو جاتے تھے اور جب تک آپ گھر میں داخل نہ ہو جاتے ہم کھڑے رہتے تھے علاوہ ان آٹھ مقامات کے اور بھی مواضع میں قیام
آیا ہے جس کی نظر فتاوی اور احادیث پر ہوگی وہ دیکھ لے گا الحاصل ان تمثیلات سے یہ ثابت ہو گیا کہ قیام مخصوص فقط تعظیم آنے والے
کے لئے نہیں بلکہ اور بھی مقامات میں قیام پایا گیا ہے اور قدر مشترک سب میں یہ مضمون ہے کہ قیام جس امر کے لئے کیا جاتا ہے اس امر کی تعظیم کا فائدہ دیتا

بسبب فساد عقیدہ عوام کے ترک تک کی نوبت پہنچی سو علامہ سبکی کا شوق میں کھڑا ہو جانا محل انکار نہیں اور اس خصوصیت مجوزہ قیام پر
کچھ اس سے ثبوت واستدلال نہیں اگرچہ یہ قیام مولود بوجہ تشریف آوری روح مبارک کے نہ ہو تو خصوصیت کی کراہت تو موجود ہے مگر
مؤلف کی کوتاہ فہمی غضب ہے اب حضور ہی کو پلہ باندھ لیا اور سب امور سے اعراض اور نسیان ہو گیا اور استحسان قیام میں خصوصیت
سے تو در اصل منکر ہوئی ہے مگر مؤلف سے کسی اعتراض اور کسی مسئلہ کا جواب او لشار لجہ سے نہیں دیا جاتا وہی ایک داب ہے کہ علما نے یوں
کہا ہے یوں کیا ہے سو اس کا جواب بھی چند دفعہ ہو لیا کہ دلیل شرعی کے مقابلہ میں کسی کا قول لائق التفات کے نہیں اگرچہ صد ہزار ہوں مع
حسن ظن سے ہم ان کا فعل کو محل حسن پر حمل کرتے ہیں جیسا مذکور ہو چکا کیا بار بار تکرار کیا جاوے مؤلف کا تو یہی تمسک نظیر اہر ہے

۱؎ تراشی ۲؎ چلنا علت ملا کل ۳؎ عمدہ معنی ۴؎ دلیل

اسی واسطے بزرگانِ دین طرح طرح کے مواقع تعظیم میں پایا گیا از انجملہ احمد ابن حنبل و علی بن مدینی وغیرہ جلسہ تعظیم حدیث میں کھڑے ہو جاتے تھے چنانچہ ہم یہ روایت سابقاً لکھ چکے از انجملہ بہاء الدین ملک ظاہر کا وزیر قصیدہ بردہ کو برہنہ پا اور برہنہ سر کھڑا ہو کر سنا کرتا تھا اور اس کے گھر میں بہت خیر و برکت دین و دنیا کی اس سے حاصل ہوئی، کشف الظنون میں در باب قصیدہ بردہ لکھا ہے ولما بلغت الصاحب بہاء الدین وزیر الملک الظاہر استنسخہا ونذر ان لا یسمعہا الا حافیا واقفا مکشوف الراس وکان یتبرک بہا ہو واہل بیتہ ورأوا من برکاتہا امورا عظیمۃ فی دینہم ودنیاہم از انجملہ کھڑا ہونا ہمارے شیخ الطریقت امام الشریعت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطے تعظیم روضۂ مرشد کے شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے پیر قطب صاحب کے ملفوظات مسمّٰی بہ فوائد السالکین میں لکھتے ہیں کہ ایکبار خواجہ معین الدین قدس سرہ در باب سلوک وعظ فرما رہے تھے جب داہنی طرف نظر پڑتی تھی کھڑے ہو جاتے تھے ایک سو بار کھڑے ہوئے لوگ حیرت میں تھے بعد اختتام جلسہ ایک بے تکلف آدمی نے یہ عرض کی کہ آپ کیوں بار بار کھڑے ہوتے تھے فرمایا جب میری نظر میرے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کے روضہ پر پڑتی تھی میں کھڑا ہو جاتا تھا اس لئے کہ پیر کی تعظیم حالت حیات و ممات میں برابر واجب ہے بلکہ بعد موت کے زیادہ انتہی کلامہ از انجملہ جس وقت کسی صاحبِ معرفت کو عشق الٰہی میں وجد صادق ظاہر ہو تو جمیع حاضرین کو کھڑا ہو جانا چاہیئے، ذکر کیا یہ مسئلہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے احیاء العلوم میں عرد منصف حق مطلب کو مجموعہ ان احادیث و آثار صحابہؓ اور فعل مشائخ طریقت و مشایخ حدیث سے جو کچھ ہم نے یہاں تک لکھا خوب واضح ہو جاوے گا کہ بیشک قیام تعظیمی مخصوص کسی کے آنے کے ساتھ نہیں بلکہ اور امور کی تعظیم میں بھی قیام پایا گیا پھر کیا ضرور ہے کہ قیام مروجہ محفل میلاد شریف کو تعظیم قدوم روح فیض لزوم کی وجہ سے کیا جاوے بلکہ اس میں محض تعظیم شان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نظر رکھی جاوے اور بیان اس کا یہ ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب یعنی جو کوئی تعظیم کرے نشانیوں اللہ تعالیٰ کی یہ دلوں کی پرہیزگاری ہے، جو مولوی اسمٰعیل صاحب نے اولیاء اللہ کی محبت کو تعمیل اس آیت اور تعظیم شعائر اللہ میں شامل کیا ہے عبارت ان کی صراطِ مستقیم مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۲۱ میں یہ ہے « اگر نیک تامل کنی دریابی کہ محبت امثال ایں کرام خود شعار ایمان محب و علامت تقوی اوست وذلک من تعظیم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب انتہی کلامہ جب اولیاء اللہ شعائر اللہ ہوئے تو رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معظم شعائر اللہ ہوئے چنانچہ محبت اللہ میں شاہ ولی اللہ نے بھی صفحہ ۱۷ مطبوعہ بریلی میں آپؐ کو معظم شعائر اللہ میں شمار کیا ہے، جب آپؐ معظم شعائر اللہ ہوئے تو پیدا ہونا آپؐ کا گویا ظہور ہے اعظم شعائر اللہ کا اور ہم کو

ہر جگہ وہی مستنزاد پڑھتا ہے پس کسی نے نہیں کہا کہ رویت مقدم روح پر قیام منحصر ہے، محض مؤلف کی سوء فہمی ہی نہیں ہر ہر قسم قیام میں کسی فرد کی تخصیص دائمی پر کراہت و بدعت کا دعویٰ اور اثبات ہے مگر مؤلف کم فہم کے فہم کی کوتاہی ہے بعد اس کے مؤلف نے مواقع قیام شمار کیے ہیں ہم کو ان کے رد و قدح کی ضرورت نہیں کیونکہ یا ان مواقع میں نص ہے یا ادب استحسان مشائخ کا کہ مستنبط نص سے ہے اور وہ مواقع مندوب اس محل سے مناسبت نہیں رکھتے کلام تخصیص میں ہے اگر کسی فرد قیام کی قیام منصوص و مندوب میں بھی تخصیص ہو وے مثلاً کسی فرد و صورت میں خصوصاً تو وہ بھی مکروہ ہو وے گا، جیسا تخصیص سورۃ کی صلوٰۃ میں بحث ہو چکی پس یہ کلام محض لغو ہے اور مسلّم ہے کہ قیام حضور و قدوم میں حصر نہیں مگر تخصیص فرد کی تو سب انواع قیام

ے ا تھاد کا ایک قسم سلو ستونزم

چاہیے کہ تعظیم شعائر اللہ کی عظمت دل میں پیدا کریں اور اس نعمت عظمیٰ کو بہت عظیم سمجھیں، جس کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اور احسان رکھا اللہ تعالیٰ نے ہماری گردنوں پر ان کے وجود باجود کا حیث قال تبارک وتعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا الایۃ پس جس وقت تذکرہ آپ کا باداب وتعظیم اور ظہور جاہ وجلال جو وقت ولادت باسعادت آفاق عالم میں وہ انوار وآثار جلوہ گر تھے بیان ہوتا ہے دل کے رگ وریشہ میں اس وقت کا جلوہ سما جاتا ہے اور آنکھوں کے آگے نقشہ حضور ملائکہ وحور عین کا جو وقت میلاد شریف کا سماں بندھ جاتا ہے تا بدل بھر جاتا ہے عظمت شان حضور سے اور پیدا ہوتی ہے دل میں تعظیم عظیم اس وقت کھڑے ہو جاتے ہیں سب باداب وتعظیم اور بدلتے ہیں ہیئت جلوس کو قیام کر چنانچہ شرع شریف میں ظاہر کو عنوان باطن قرار دیا ہے اگر قلب میں توحید اور رسالت کی تصدیق ہے تو اقرار باللسان اس کی تطبیق ہے اسی طرح اگر دل میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی خواہش اور حاجت ہو تو دعا میں دونوں ہاتھ بھیک مانگنے والوں کی طرح پھیلا دینا سنت ہے تاکہ نقشہ ظاہر وباطن کا ایک ہو جاوے اسی طرح جو بائے غوامض کو بہت مثالیں شرع شریف سے مل جاویں گی انا نجملہ چند مثالیں دافع الاوہام میں درباب زینت محفل مذکور ہیں خلاصہ یہ کہ اس وقت اظہار عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جو کہ دل میں بھری ہوئی ہے قیام کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر وباطن دونوں ایک ہو جاویں جس طرح دل کے اندر حضور کی عظمت ہے اور اسی طرح قیام باداب وتعظیم اس عظمت کا نقشہ اور صورت ہے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجلس میں حاضر نہ ہوں لیکن آپ کا ذکر ظہور تو موجود اور ظاہر ہے ذکر ظہور کی تعظیم بعینہٖ آپ کی تعظیم ہے اور آپ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے صفحہ حجۃ اللہ میں لکھا ہے حتی صار تعظیمہا عندہم تعظیم اللہ یعنی ان شعائر کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم ہے ان کے نزدیک اور موافق اس مضمون کے ہم آیتیں بھی لکھ چکے ہیں ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ، ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ سوال جب قیام واسطے تعظیم ذکر کے ہوا تو ذکر اول سے آخر تک آپ ہی کا ہے یہ شروع میں یا تمامی یا کسی وقت میں قیام ہو جایا کرے خصوصیت وقت ذکر ولادت شریف کی کیا ہے؟ جواب جس سبب سے اس محفل کا نام محفل مولد شریف ہوا ہے وہ یہی ذکر ولادت باسعادت ہے کیونکہ مولد میں معنیٰ ولادت کے موجود ہیں یہ ذکر نہ ہو اور تمام جہاد اور بہادری اور معراج وغیرہ کا حال پڑھ دیا کریں اس کو عرف

میں بدعت ومکروہ ہے۔ معلوم کہ اس بحث سے کیا فائدہ اور کیا حاصل سوائے تطویل کے حاصل ہو بس یہی جواب سب کا ہو کہ جس قدر انواع موجب نے شامل کی ہر ایک نوع میں گو تخصیص کسی فرد کی ہو دیگی مکروہ ہوگا اور قیام ذکر ولادت کا اگرچہ بلا عقیدہ حضور کے شرک نہیں مگر تعیین کی بدعت سے بھی خالی نہیں ہو سکتا پس ساری طویل تقریر مؤلف کی محض تکرار بے سود ہے اور اس قیام تعظیم کا جس کو وہ ثابت کرتا ہے کوئی منکر نہیں قولہ سوال جب قیام واسطے الخ اقول ہم لوگ فہم رسا کے دھندھ میں بہت کچھ سر ملا مگر کراہت تخصیص رفع نہ ہوئی سو یہ سوالات ثلثہ لکھ کر اس کو رلانا ملانا چاہتا ہو مگر سوائے حرمان کے اور ظہور خوبی فہم عالی کے کوئی ثمرہ نہیں، مؤلف جواب اول تعیین کا یہ دیتا ہے کہ یہ مجلس اس کے نام کو مسمیٰ ہوئی اور ذکر ولادت کے واسطے ہی منعقد ہوئی تو غرض موضوع لہ مجلس کا ذکر ولادت ہے اور وجہ تسمیہ بھی یہی ہے اس واسطے مقصود اصلی پر قیام کی تخصیص ہوئی۔ یہ جواب کوئی مؤلف کے منہ میں شکر ڈالے کہ موضوع لہ اور مسمیٰ ہونے سے خصوصیت کا ہونا بھی تو وہی تخصیص مطلق کی ہے اس تخصیص کی کیا دلیل ہے موضوع لہ ووجہ تسمیہ محفل کا ہونا تو دلیل شرعی نہیں پس یہ تو عین تقیید نص بالرائے واصطلاح ٹھیری اور یہ خود حرام ہے اور جو اس پر کوئی حجت ہے تو پیش کرے سبحان اللہ کیا عجیب عذر ہے اس کو بھی کہتے ہیں کہ عذر گناہ بدتر از گناہ کہ تعظیم مطلق ذکر کے واسطے قیام مندوب تھا مگر موضوع لہ محفل کا ولادت کا ذکر ہونا مخصص ہو گیا اور جس سے بھاگتا تھا وہی طوق

ے فروکا ے نتیجہ ے دلیل قطعی کی رائے سے مقید کرنا ے گناہ کا عذر گناہ سے بدتر ہے

میں محفل مولد شریف کوئی نہیں کہے گا اور جو کوئی کہے گا تو اسم مطابق مسمیٰ کے نہ ہوگا اور دوسری وجہ یہ کہ ایجاد اس محفل کا بھی اسی بنا پر ہے کہ حمد اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے پیدا کر دیا ہمارے لئے ایسا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا کہ علامہ ابو شامہ استاد نووی نے فرمایا ۹ دو وجہ کے سبب جو موقع اسی ذکر خاص یعنی ولادت کا ہوتا ہے اسی وقت اظہار سرور فرحت اور تعمیل آداب عظمت زیادہ ترکیجاتی ہے کیوں کہ اصل منشا محفل کا یہی ذکر خاص ہے باقی اور فضائل کا بیان اول و آخر تبعاً ہوتا ہے **سوال** نام حضرت کا اذان وغیرہ بہت موقع میں آتا ہے وہاں نہیں کھڑے ہوتے **جواب الزامی** یہ ہے کہ ایسے معترضوں کو یہ کہا جاوے کہ اچھا اگر ہم ہر بار جب ذکر حضرت کا آوے اور کہیں آوے کھڑے ہونے لگیں تم قائل ہو جاؤ گے اور ہمارے ساتھ ہر دفعہ تم بھی کھڑے ہوا کرو گے یا نہیں اگر وہ کہیں کہ ہم تو جب بھی نہیں کھڑے ہوں گے تو جواب ان کو دیا جاوے کہ تم پھر کمی بحث کیوں کرتے ہو تم تو ایمان لانے والے ہی نہیں پھر خواہی نخواہی معترض ہو اور سمع خراشی سے کیا حاصل اور اگر وہ کہیں کہ ہاں اگر تم ہر بار کھڑے ہوا کرو گے تو ہم بھی کھڑے ہوا کریں گے تو جواب دیا جاوے کہ جس دلیل سے تم ہر بار کھڑا ہونا جائز سمجھو گے وہی اس محفل کے قیام میں بھی دلیل جاری کرو اور جواب تحقیقی وہ ہے جو اوپر گذرا اور بالتفصیل جواب دافع الاوہام میں ہے **سوال** اگر یہ قیام واسطے ذکر ولادت شریف کے خاص ہوا کہ اس میں معنیٰ قدوم کے ہیں تو بہت وقتوں میں ذکر مقدم شریف احادیث وغیرہ میں ہوتا ہے مثلاً قرآن شریف میں ہے لقد جاءکم رسول اور حدیث ہے ولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مختوناً اس وقت کیوں نہیں کھڑے ہوتے علاوہ بریں بہت مشعر آپ کی ولادت شریف کا مضمون کسی شعر میں یا فقرہ سطر میں چلتے پھرتے زبان پر آجاتا ہے وہاں بھی کوئی نہیں کھڑا ہوتا؟ **جواب** بنی آدم پر غفلت طاری ہے اللہ تعالیٰ کے نام کسی خاص موقع میں جیسے دل راغب الی اللہ ہوتا ہے وہاں تو شوق و ذوق سے کہتے ہیں جل جلالہٗ جل شانہٗ وعم نوالہٗ باقی اکثر اوقات میں دل اس کے جلال سے بے خبر ہوتا ہے سیکڑوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے جل جلالہٗ وغیرہ

تعین مطلق کا گلے میں پڑ گیا۔ گویا جواب اعتراض کا خود اعتراض ہی کو بتاتا ہے اس فہم کو غور کرنا لازم ہے دوسرا سوال بھی بعینہٖ پہلا ہی سوال ہے کہ اہلا سارے ذکر فخر عالم سے ایک ذکر ولادت کی تخصیص تھی یہاں مطلق ذکر نام فخر عالم میں سے ذکر ولادت کی تخصیص ہے مطلب وہی تخصیص فرد کی ہے مگر مؤلف عوام کے نزدیک اور اپنے زعم میں اپنا وسعت ذہن و علم جتلاتا ہے اور علماء کو ہنساتا ہے اور اظہار اپنی کم مائگی اور جہل کا کر کے تماشا دکھاتا ہے تو اب اس جواب کو غور کرنا کہ اگر مانعین ہر دفعہ کے قیام کو قبول کریں تو دلیل جواز قیام مخصوص کی ہو جاوے گی دیکھو اس کم فہمی کو کہ مانعین ہر دفعہ کے قیام کو مندوب کہتے ہیں اور تخصیص کو مکروہ تو ہر دفعہ کا قیام دلیل تخصیص کی کس طرح ہو سکتی ہے وہ تو دلیل کراہت تخصیص کی ہے مطلق قیام علی الذکر تو ذکر ولادۃ کے قیام کی دلیل بے شک ہے کیوں کہ مطلق کا جواز دلیل ہر ہر فرد مقید کے جواز کی ہوتا ہے مگر جواز مطلق کا تو تخصیص فرد کی کراہت کی دلیل ہے نہ دلیل جواز کی مؤلف کی کم فہم و عدم علمیت کی بحث کس قدر ہویدا ہے علم ہے پھر اس پر دعویٰ افراغ علمی کا، دوسری شق کہ اگر تم ہر دفعہ نہیں اٹھتے تو کیوں معترض کرتے ہو یہ بھی نادانی مؤلف کی ہے کیوں کہ تعین گر مندوب پر دواماً عمل نہ کریں تو بدعت تخصیص کو منع بھی نہ کریں یہ کون سا قاعدہ دین کا ہے کہ یا تو تم اس مندوب پر التزام کرو ورنہ ہم بدعت تخصیص پرست زجر کرد، سبحان اللہ کیا مؤلف کا علم ہے مندوب تو مندوب ہی ہے واجب نہیں پس مؤلف کے نزدیک ترک مندوب اگر نہی عن المنکر کرے تو بیجا کرتا ہے اور عاصی کو یہ جواب پہنچتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، مؤلف کا فہم خبط ہو گیا ہے

---

۱ ظاہر ۲ وسعت ۳ ہمیشہ ۴ ڈانٹ ڈپٹ ۵ ممنوع سے روک

الفاظ تعظیم کچھ بھی زبان پر نہیں لاتے بس اسی طرح حال قیام ہے کہ بعض حالات میں نام رسول آتا ہے دل کو ذہول اور غفلت ہوتی ہے برخلاف مجلس کے کہ یہاں تو ہر قسم کے سامان آداب و تعظیم موجود ہیں خواہی نخواہی ہر عاصی کی بھی آنکھیں کھلجاتی ہیں تعظیم بجالاتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم قیام کو فرض یا واجب کہتے تب یہ اعتراض پڑتا کہ کسی موقع میں بھی ترک جائز جب فرض نہیں بلکہ مستحب اور

تیسرا سوال بھی وہی سوال اول ہے کہ ذکر ولادت محفل کو مطلق ذکر ولادت سے کیوں مخصص بقیام کیا اور وہ بھی تخصیص مطلق کی یہاں بھی ہے تو اس کا جواب مؤلف نے نہایت عجیب علم و فہم کے ساتھ دیا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیام تا ذہول واشاہ ہوتا ہے مجلس میں یاد آجاتا ہے پس اول تو وجہ تخصیص قیام ہی کی ذکر فخر عالم میں .. کیا ہے ذکر اللہ تعالیٰ احق تھا پھر ذکر فخر عالم میں ذکر ولادت کی کیا تخصیص ہے کہ کسی طرح کا ذکر ہو اس میں قیام ہووے پھر ولادت میں بھی مجلس ہی کی کیا وجہ تقیید ہے کسی وقت ہو اور پھر مجلس میں بھی خاص اسی وقت میں کہ ذکر کیفیت ولادت کا آوے ان سب خصوصیات کو حذف اور پس پشت ڈال کر ایک خصوصیت کا ذکر کرتا ہے اور یہ غفلت تمام عالم خاص و عام پر ایسی کہ کبھی ہرگز آنکھ نہیں کھلتی کیسا ہی آپ کے نام و احوال مذکور ہوں سوائے وقت مخصوص کے ہوش نہیں آتی اور ذکر حالات میں بھی جو ذکر ولادت ہو جاوے جب بھی خبر نہ ہو خاص کیفیت مخصوصہ کے وقت غفلت رفع ہو یہ کسقدر کذب محض ہے اور معہذا شان فخر عالم سے کسقدر اظہار اپنی غفلت کا ہے اور اس معصیت کے بیان میں کیسی جرارت ہے اور پھر دعویٰ اتباع اور محبت کا معاذ اللہ اور حق تعالیٰ کے نام پاک پر تو کبھی رات دن میں ایک آدھ دفعہ جل شانہ یا کوئی کلمہ نکل بھی جاتا ہوگا مگر فخر عالم کے نام یا ذکر و حالات ولادت پر تو قیام کبھی یاد آتا ہی نہیں اور قیام حق تعالیٰ کے نام پر تو گویا مشروع رہا ہی نہیں غرض فخر عالم کی ولادت اور ولادت بھی خاص ایک وقت و کیفیت سے ہو گیا ہے کیسا کذب محض اور جرارت ہے گویا تمام دنیا میں غفلت کا ابر چھا گیا معاذ اللہ نہیں بلکہ یہ سب معاصی رات دن اپنے اوپر لینا اور تمام دنیا کو غافل بنانا محض اپنی بدعت عذر کذب کے واسطے ہے اور بس مؤلف کو شرم نہیں آتی کیسے عجیب ... گستاخ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسے لوازم تعظیم دیکھ کر خواہی نخواہی ہر عاصی کی بھی آنکھیں کھلجاتی ہیں سوا اول تو خواہی نہ خواہی اسی وقت آنکھ کھلتی اس شوخ چشمی کو دیکھو دوسری کی عام تو کیا مؤلف اور جملہ خواص کی بھی خواہی نخواہی اسی وقت آنکھ کھلتی ہے اور باقی تمام عمر غافل تعظیم سے رہتے ہیں اور جو یہ کہے کہ اور تعظیم درود و سلام کی کرتے ہیں قیام کی نسبت یہ ہے تو اگر قیام تعظیم ضروری ہے تو پھر وہی تخصیص کا اعتراض رہا اور جو بدون اس کے تعظیم ہو سکتی ہے تو بھی اس کی یہاں خصوصیت مناقشہ طلب رہی جواب ہی کیا خاص مؤلف نے اپنے منہ میں بھرا ایسا شوخ کلام بھی کیا شان فخر عالم سے اپنی غفلت و بے پروائی بھی بیان کی اور پھر کچھ بھی نہ ہوا اور کیسی غفلت کہ کوئی مذکر ہی اس کا نہیں سوائے سامان عشرت اور اختلاط بدعت کے لاحول ولا قوۃ الا باللہ لہٰذا اس خواہی نخواہی قیام تعظیم کو بدعت ضلالۃ مانعین کہتے ہیں جس کے بیان تخصیص میں مؤلف جگر کھاتا ہے اور اپنے دین و دنیا کو خراب کرتا ہے اور ان پر بلا وجہ نقص کیسے گستاخی کا کرتا ہے اور اپنی شوخی و گستاخی کو خیال بھی نہیں کرتا جو حق واقعی ہے استغفر اللہ اور دوسرا جواب کہ قیام فرض نہیں کہ ہر دفعہ کرنا ضرور ہو جہاں سب اسباب تعظیم ہیں اسے بھی کرتے ہیں تکمیل کے واسطے ورنہ جہاں کوئی نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو تو کیا حرج ہے استغفر اللہ استغفر اللہ یہ جواب کس قدر مانع اور بے ادب ہے کیونکہ مانعین کب فرض کہتے تھے وہ سب جگہ اس کو مندوب ہی کہتے ہیں کہ سب جگہ تو ایسا مندوب کہ بالکل متروک ہی ہے اور یہاں یہ مندوب ہے مجلس میں تکمیل آداب کے واسطے کرتے

مثل واجب کے ہو گیا سب جگہ کا ترک نہ آتا تھا اور یہاں اسکا اثبات ضابدعت پر تو مؤلف کم عقل کہتا ہے کہ جب

١ غفلت سے تو زیادہ تر ہے گناہ سے اعتراض

٣ ایسا مفروض کہ مذہب کا درجہ ہی اُسکو نہ رہا

مستحسن کہتے ہیں تو موقع محفل میں کہ وہاں جمیع امور استحسان وآداب موجود و مہیا ہیں قیام بھی کرتے ہیں تاکہ لوازم اکرام بتمامہ مکمل ہو جاویں اور جہاں جمیع لوازم آداب منتفی ہیں وہاں یہ بھی نہ ہوا تو کیا حرج ہے خالی قیام کیا پکار کرے گا باقی رہی یہ بات کہ تلاوت قرآن شریف وقرأت حدیث میں جو یہ ذکر آوے وہاں کیوں نہیں کھڑے ہوتے جواب اس کا یہ ہے کہ ہر عمل کی ایک خصائص ہوتی ہے کہ وہ سب جگہ نہیں کئے جاتے اس وقت ایک مثال کہی جاتی ہے اور مثالیں اس کی بہت ہیں شاہ ولی اللہ صاحب قول جمیل میں لکھتے ہیں، جب کوئی کسی زبردست سے ڈرتا ہو جس وقت اس کے سامنے جاوے پڑھے کہیعص کیفیت اور ہر حرف پر ایک انگلی داہنے ہاتھ کی بند کرتا جاوے پھر پڑھے حمعسق کمیت اور ہر حرف حرف پر ایک انگلی بائیں ہاتھ کی بند کرتا جاوے پھر اس حاکم کے سامنے دونوں مٹھی کو کھولدے انتہٰی اب سمجھنا چاہیئے کہ یہ مٹھی کا بند کرنا اور

ہیں اور جگہ نہ ہوا تو کیا حرج ہے وہی اعتراض کو تسلیم کرلیا تو گویا کہا کہ ہاں بدعت ہے تو کرتے ہیں کیونکہ یہاں تکمیل کے واسطے ہر روز اگا ہوتا ہے تو مثل واجب کے ہوا اور جب کہ نہ ہونے میں کچھ حرج نہیں تو کبھی ہوتا ہی نہیں یہی تو بدعت تھا یہی تو معترض کہتا تھا اس کو ہی مؤلف تسلیم کر رہا ہے بھلا اس عقل کو دیکھنا چاہیئے اس سے بڑھ کر یہ کہتا ہے کہ جہاں سب اسباب تعظیم مرتفع ہوں تو یہ بھی نہ ہو تو حرج نہیں یہ کیسی سخت گستاخی ہے کیونکہ تعظیم آپ کی ہر دفعہ واجب ہے گو ایک مجلس میں تداخل کا مذہب ہے مگر ہر جلسہ میں ایک دفعہ آپ کے نام وذکر پر تعظیم ضروری ہے جب سب اسباب تعظیم مرتفع ہوں تو قیام ہی کرنا چاہیئے تاکہ عظمت بالکل خالی نہ رہے یہ کہتا ہے کہ کوئی امر تعظیم ہو تو قیام بھی نہ ہو تو حرج نہیں تو تمام اوقات میں سوائے وقت خاص کے تعظیم کی اگر کوئی فرد بھی نہ ہو تو مؤلف کم عقل کے نزدیک حرج نہیں الہٰی توبہ الہٰی توبہ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا اور پھر کہتا ہے کہ خالی قیام کیا پکارے گا تو معلوم ہوا کہ قیام تعظیم کی فرد کچھ معتد بہ نہیں لغو ہے کہ تنہا کچھ پکار نہیں کرتی اس کو دیکھ کر شگفت ہے، اگر مؤلف کے نزدیک یہ قیام کچھ تعظیم کی پکار نہیں کرتا تھا تو کیوں اس قدر اوراق اپنے سیاہ کئے اور ایسی حرکت لغو کے اثبات میں وقت ضائع کیا افسوس انہماک بدعت نے مؤلف کو ایسا خوار کیا کہ شان فخر عالم میں بھی گستاخ کلامی کرائی اور فہم کلام غیر سے تو عاری تھا ہی اپنے کلام کا حاصل ومآل نہیں سمجھتا اگرچہ یہ کہے کہ قیام تکمیل تعظیم ہے خود امر تعظیم نہیں تو قطع نظر اس قول کے غلط فاحش ہونے کے پھر وہی نقض ہوگا کہ تکمیل تعظیم سوائے ذکر ولادت کے کیوں نہیں ہوتی یہاں کیوں مثل واجب ٹھہری اور دوسری جگہ کیوں مثل مکروہات کے متروک بنی غرض یہ کیسی واہی بے معنٰی اور گستاخ کلام ہے کہ العظمۃ للہ تعالٰی اب زیادہ کیا لکھوں مگر تعجب ہے کہ اول اولیاء وعلماء پر زبان درازی کی تھی اب رفتہ رفتہ فخر عالم کی شان میں بھی زبان چل گئی گو قصد گستاخی نہ ہو مگر زبان جس امر کی معتاد ہوتی ہے اور جو کچھ قلب میں بھرا ہوتا ہے وہی نکلتا ہے الاناء یترشح بما فیہ، دعویٰ علم کا اور کبر وخود پسندی کا اپنا ظہور سب جگہ کرتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ قولہ باقی رہی یہ بات کہ تلاوت الخ اقول خصوصیۃ اعمال اخروی وعبادت کی شارع کے ارشاد سے معلوم ہوتی ہے عقل کو دخل نہیں ثواب وعقاب اور حدود وتعظیم اور محال توقیر کما کیفما سب خلاف قیاس ہیں شارع کے امر بغیر معلوم ہرگز نہیں ہو سکتے اگرچہ صحابی ہی ہو عقل سے نہیں کہہ سکتے پس یہ خصوصیت قیام خاص میں کس نص سے معلوم ہوئی مؤلف بتا دے تمام نصوص تو اس تخصیص کو بدعت بتلاتے ہیں، مگر ہاں مؤلف نے عمل آخرت کو مثل دنیا جیسا ہی جانا ہے کہ مثال عمل قول جمیل کی دیتا ہے یہ قول جمیل کا عمل امور دنیا کا ہے اس میں کوئی ثواب عقاب کی بات نہیں عقل سے یہ امور نکالے ہیں دنیاوی امور میں امور آخرت تو ایسے نہیں ہوتے ذرا ہوش کرے مولود تو مؤلف کے نزدیک نجات آخرت کے واسطے تمام اعمال سے بڑھا ہوا ہے گیا اب اس تقریر

کھولنا خاصہ اس عمل کا ہو تو اب اگر کوئی اس کو کہنے لگے کہ یہ تو قرآن شریف کے حروف ہیں جب کوئی قرآن میں کہیعص. حمعسق پڑھا کرے وہاں بھی انگلیاں بند کیا کرے اور کھولا کرے سب عاقل کہیں گے کہ اے بھائی وہ تو خاصہ اُس عمل کا ہے اسی عمل کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہیے جب قرآن پڑھیں تب قرآن کے اداب ملحوظ رکھنا چاہئیں پس اسی طرح مولد شریف ایک عمل ہے واسطے حصول خیر و برکت وغیرہ کے چنانچہ ابو سعید بُرانی و سخاوی و ملّا قاری وغیرہم نے اس عمل کرنے سے برکات کثیرہ کا حاصل ہونا بیان کیا ہے کہ حصولِ منافع دینی و دنیوی کے لئے اس عمل کو بہت اہلِ اسلام بلاد اسلامیہ میں کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کسی سے مخفی نہیں کہ مشائخ عظام اور علمار کرام نے اس عمل میں خاصۃً نزدیک ذکر ولادت کے قیام کیا ہے پس خاصہ ٹھیر گیا یہ قیام اس عمل کا اس موقع میں بنائر علیہ جاری نہ کیا جاوے گا یہ قیام جمیع مواقع خارجی میں مثل تلاوت قرآن اور حدیث کے پس قرآن شریف پڑھتے جب جو کچھ وعظا یا تلاوت قرآن کے آداب معینہ ہیں وہ بجالاویں گے اور اس عمل میں خصائص اس عمل کے اور جواب اس اعتراض کا دافع الاوہام میں دوسری تقریر سے مذکور ہے طالب حق کو چاہیے اس کو بھی دیکھ لے واضح ہو کہ پیش کیا تھا اس عاجز پر ایک عالم منطقی نے یہ اعتراض جس وقت پایا مجھ سے یہ جواب ساکت ہوا اور باقی اعتراضات متفرقہ درباب قیام و مجلس میلاد لمعہ سابعہ میں آویں گے **لمعہ سادسہ** یہ اعتراض کہ محفل مولد شریف میں اشعار مخاطب حاضر کے پڑھتے ہیں بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاں کہ آپ غائب ہیں نظر سے یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کفر ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ عالم الغیب بالذات وہی ایک ہے جل جلالہ آسمان و زمین میں کوئی نہیں جو بغیر اللہ کے الہام و کشف کر دینے کے خود بخود یقینی طور پر امور غیبیہ کو جان لے اور یہ بھی کہ کوئی ایسا نہیں جو عرش سے لے کر تا تحت الثریٰ

بدعت کے حکم میں اگر بھول گیا یہ عمل تو ابولہب کافر بخس کو بھی تخفیف[1] دینے والا ہے پس اس کی خصوصیات رائے سے کس طرح ثابت ہو دیں گی بالآخر جب کچھ کام نہ چلا تو مؤلف پابہ بندی تجویز اس قیام میں کہتا ہے کہ یہ عمل ہے خیر و برکت کا پس اگر محض دنیا کی زیادۃ کا عمل ہو تو قصہ طے ہوا اور جو مرکب ہے تو پھر بوجہ آخرت کے عمل ہونے کے خصوصیت کے واسطے نص واجب ہے الحاصل خبط کلامی مؤلف پر تمام ہولی الذسو رفہم کا اس پر خاتمہ ہے ایک گھر بناتا ہے دس گھر گراتا ہے آگے پیچھے کی کچھ تمیز نہیں اور نہ فہم سے کچھ تعلق محض الفاظ کی تطویل مد نظر ہے اور پھر آخر میں مؤلف نے علمار کرام کو اپنی کم فہمی کا شریک بنلیا اور وہ ہی فعل علمار کی حجت لایا کہ بدون اُس کے کوئی چارہ و مفر اس کو نہیں ملتا اور نہ کوئی اس کے پاس دلیل سوائے اس کے ہے اور اس کا حال بھی لکھا گیا کہ ان علمار کے فعل کو مؤلف نہیں سمجھتا پس اب طالبین حق کا تو دل مؤلف کی ہی تقریر سے سیر ہو گیا اور سب حب فخر عالم کی اور اتباع اور دیانت اور علم و فہم اس کا واشگاف ہو گیا اب دافع الاوہام بھی مؤلف صاحب ہی تالیف و نتیجۂ افکار والا ہے اس کو دیکھ کر سن کر کیوں کان کے کیڑے جھاڑیں گے اور کسی طفلِ جاہل کو شاید ایسے یہ جواب دیا ہوگا ورنہ عالم تو اس تقریر سے کیا ساکت ہوتا ہاں اگر مؤلف کو لا یعقل جان کر ساکت ہو گیا ہو تو کیا عجب ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ندا و خطاب غائب کی کون سی قسم ناجائز ہے اور اس کے جواز میں مؤلف کے دلائل بے اصل ہیں

قولہ لمعہ سادسہ یہ اعتراض کہ محفل مولود میں الخ **اقول** چونکہ مؤلف کی عادت ہے کہ سائل کے سوال کو ناتمام سمجھ کر نقل کرتا ہے لہٰذا اصل تقریر کرتا ہوں کہ ناظرین اس کو خیال رکھیں یہ عقیدہ اتفاقی ہے کہ ندا و خطاب اگر فخر عالم کو اس عقیدہ سے کرے کہ آپ بلا واسطہ استقلالاً سنتے ہیں شرک ہے خواہ بضمن صلوٰۃ ہو خواہ بغیر اس کے کسی وجہ سے ہو اور جو یہ عقیدہ نہیں بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ جب حق تعالیٰ چاہے جس شے کو چاہے آپ پر

[1] سہولت [2] طرافت [3] ظاہر [4] بے وقوف.

بر مکان ہر زبان ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہو لیکن یہ معلوم نہیں ان لوگوں پر کون سی کتاب نازل ہوئی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ غائب کی بہ نسبت الفاظ حاضر بولنے کفر ہیں ہم اس بات میں جزئی خاص پیش کرتے ہیں قسطلانی و زرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں ہو منها ان المصلی یخاطبہ بقولہ السلام علیک ایها النبی والصلوٰۃ صحیحۃ ولا یخاطب غیرہ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نمازی عین نماز میں خطاب کرتا ہے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حاضر کا لفظ بولتا ہے کہ السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یعنی التحیات میں کہتا ہے سلام ہو تجھ پر اے نبی اور اس خطاب کرنے میں نماز صحیح ہے اور دوسرے کو نماز میں خطاب نہیں کر سکتا یعنی اگر کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے انتہیٰ اور بعضے آدمی جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو نقل نکالتے ہیں قصہ معراج کی اس میں خطاب بحضرت کا مراد نہیں سو رد ہو گیا اس کا قول اس عبارت سے جو ہم نے نقل کی کہ اس میں صریح لفظ یخاطبہ موجود ہے علاوہ ازیں شامی نے بھی رد کیا ہے کہ لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج اور درمختار میں بھی رد کیا ہے ویقصد بالفاظ التشہد الانشاء کانہ یسلم علی نبیہ اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے السلام علیک ایها النبی کی اس طرح شرح کی ہے کتاب تنبیہ میں یعنی یا محمد علیک السلام غرضکہ جمیع معتبرین فقہاء و محدثین اس قول کو رد کرتے ہیں اور تحقیق یہی ہے کہ اس میں ارادہ کرے خطاب نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ سلام ہو آپ پر یا نبی اللہ اور اگر حکایت قصہ معراج کا ارادہ کرے گا تو کم نصیب محروم رہے گا تعمیل امر الہی سے جو لفظ سلموا قرآن میں وارد ہے اس لئے کہ قرآن میں سلام اس شخص سے خود مطلوب تھا اس نے اپنی طرف سے سلام نہ کیا بلکہ نقل حکایت کا ارادہ کیا الحاصل یہ دیکھئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظر سے غائب ہیں پھر بھی آپ کو خطاب حاضر ہوتا ہے نماز میں بعض کہتے ہیں یہ امر تعبدی ہے معقول اسی طرح ہوتا ہے جواب یہ کہ امر تعبدی

منکشف کر دیا اور ملائکہ درود اور سلام پہنچاتے ہیں اور اعمال امت کے بھی آپ پر پیش ہوتے ہیں تو درست ہے اور جو محض شوق میں یہ کلمات بدون اس عقیدہ سابق و لاحق کے وہ بھی جائز اور یہی مؤلف بھی کہتا ہے اس عقیدہ میں مؤلف خلاف مانعین کے نہیں پس سنو معترض کہتا ہے اگر بعلم استقلال مخبر عالم کے ندا اور خطاب ہے تو شرک ہے اور جو بدون اس عقیدہ کے ہے تو عوام کے فساد عقیدہ کی تائید ہے کہ عوام کا یہی عقیدہ علم مستقل کا ہے اور اس مجمع میں ہر قسم کا مبتدع و فساق موجود ہوتے ہیں لہٰذا اگر عقیدہ قاری کا درست ہو مگر عوام کی وجہ سے مکروہ ناجائز ہے اور بوجہ فساد عوام کے شرح منیہ سے نقل ہو چکا کہ صلوٰۃ رغائب براءۃ مکروہ ہوئی ہے درمختار میں ہے وکرہ بحق رسلک اس کی شرح میں توجیہات جواز کی لکھ کر لکھا ہے ولکن ایہام اللفظ ما لا یجوز کاف فی المنع کما قدمناہ انتہیٰ اور درمختار نے تحقیق لفظ معقد العز من عرشک میں لکھا ہے ان فیما یوہم اللفظ المعنی المحال کان فی المنع من التلفظ بھذا الکلام وان احتمل معنی صحیحا ولذا عاب المشائخ بقولہم لانہ یوہم ونظیرہ ما قالوا فی التمرتاشی من انشاء اللہ تعالیٰ فانہم کرہوا ذلک وان قصد التبرک وردت المتعلق لما فیہ من الایہام کما قررہ التفتازانی وابن الہمام انتہیٰ اب دیکھئے کہ ایسا لفظ موہم معنی ناجائز کا بولنا مکروہ ہوا پس خلاصہ اعتراض یہ ہوا کہ عوام کا عقیدہ شرک کا ہے ایسے مجمع میں خواص کو صالح عقیدہ سے بھی بولنا ایسے کلمہ کا ناجائز ہے پس اب مؤلف کے جواب کو ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ اس اعتراض کا جواب نادارد ہے بلکہ اعتراف عقیدہ معترض کا ہے مگر خواہ مخواہ ایک جزو لکھ ملا کہ جس کو اعتراض کے جواب سے کوئی مناسبت نہیں قولہ لیکن یہ معلوم نہیں ان لوگوں پر الخ اقول مانعین پر کتاب اللہ نازل ہوئی ہے کہ جس میں علم غیب مطلق خاصہ حق تعالیٰ کا لکھا ہے اور مؤلف بھی مقر ہے پس اس عقیدہ کا خطاب شرک ہے باعتراف مؤلف اور معترض بھی اس کو ہی شرک کہتا ہے اور بدون اس عقیدہ کے بسبب ایہام شرک کے مکروہ کہتا ہے چنانچہ درمختار سے نقل ہوا اور جو کچھ مؤلف

ہونے سے کام تمہارا نہیں چلتا اس لئے کہ خطاب جائز کہنے کی روایت تو موجود ہے اب یہ بتاؤ؟ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت اور کراہت پر کونسی آیت یا حدیث سے پیش کرو. عقلی گھڑی ہوئی باتوں کو الگ کرو اور یہ سمجھو کہ جب عبادت میں شریک کرنے کا حکم نہیں اور خاص اسی نماز میں خطاب آپ کا شریک کیا گیا تو باہر منع ہونے کی کیا دلیل اب ہم سے جواز کی روایت سنو شاہ ولی اللہ صاحب واسطے پڑھنے اوراد فتحیہ کے انتباہ میں لکھتے ہیں۔ فریضہ نماز بامداد گزارد وچوں سلام دہد باوراد فتحیہ خواندن مشغول شود کہ از برکات انفاس مرادِ چہار صد ولی کامل شدہ است الخ سالانکہ اوراد فتحیہ میں جس کا دل چاہے شمار کرے ستر بار ندائے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الفاظ سے ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یاحبیب اللہ یاخلیل اللہ الی آخرہ علاوہ اس کے خود مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں ۔اگر کسی یارسول اللہ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است انتہی، یہ دیکھئے علماء باہر نماز کے بھی خطاب کرنا رسول اللہ کا جائز لکھتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب تو خود امر کرتے ہیں لیکن ابھی تک مانعین کو گنجائش ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطاب تو درود وسلام کے ساتھ ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں اس لئے ہم ایسی نظیر پیش کرتے ہیں جس میں درود وسلام کے بھیجنے کی نیت کو خطاب نہیں بلکہ وسیلہ پکڑتا ہے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف حاجت میں ابن ماجہ قزوینی باب صلوٰۃ الحاجت میں روایت کرتے ہیں عثمان بن حنیف انصاری صحابیؓ سے کہ ایک اندھا آدمی رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کہ میری آنکھوں کے لئے دعا کیجئے آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہے اسی طرح رہنے دے یہ تجھ کو اچھا ہے اور اگر چاہے دعا کراتا تو دعا کردوں اس نے کہا دعا فرمایئے آپ نے حکم دیا اچھی طرح وضو کرو دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا پڑھا اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللّٰھم فشفعہ۔ یعنی یا اللہ میں اپنی حاجت مانگتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف وسیلہ پکڑ کے حضرت محمدؐ کا جو نبی رحمت ہیں یا محمد میں متوجہ ہوتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف آپؐ کا وسیلہ پکڑ کے اپنی اس حاجت میں تاکہ روا کی جاوے حاجت یا اللہ حضرتؐ کی شفاعت

نے زرقانی سے نقل کیا ہے جس میں یہ عقیدہ شرکیہ ہے اور نہ بسبب واجب ہونے تشہد کے ایہام کی کراہت ہو سکتی ہے کیونکہ فرائض وواجبات میں ایسے امور کا لحاظ درست نہیں کہ واجب من اللہ تعالیٰ ہو چکا ہے مگر مدح خوانی مجمع جہلا وعوام میں کونسی حدیث سے ایسے خطابات واجب ہیں مؤلف اس کو بتا دے تاکہ یہ بھی درست ہو جاوے اور منع ایہام کا رفع ہو دے اور پھر تشہد اخفا سے بھی ہے خلاف اشعار مدح کے ہاں اگر تشہد میں بھی کسی کا عقیدہ علم غیب کا بالاستقلال ہو وے گا وہ بھی شرک ہو جاوے گا اس میں کیا کلام ہے اطلاقات نصوص[2] قطعیہ اس کی شاہد ہیں پس ناظرین دیکھیں کہ مؤلف کا جواب کس اعتراض کا جواب ہے خواہ مخواہ روایت نقل کردی ہیں بس حکایت کی تقریر کی ضرورت نہ اس تعبدی کے کہنے کی حاجت خواہ مخواہ ایک طویل کلام کرتا ہے معترض کا مطلب آیہ قرآن شریف سے ہے اور روایت فقہ سے ثابت ہو لیا کوئی عقلی بات نہیں کہی البتہ مؤلف کی عادت ہے کہ عقل ناتمام کے تکی گھڑا کرتا ہے جیسا جہلم وغیرہ میں اور مولود میں لکھتا ہے قولہ اب ہم سے جواز کی روایت الخ اقول اوراد فتحیہ میں سب جگہ صلوٰۃ سلام میں خطاب ہے جیسا تشہد میں بعینہا علیٰ ہذا مولوی محمد اسحاق صاحب کے کلام میں درود وسلام میں ہی جواز ندا و خطاب کا ہے اور یہ بوجہ ایصال ملائکہ کے ہے چنانچہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں مصرح ہے مگر اس میں بھی عقیدہ شرکیہ ہو دیگا حرام ہو جاوے گا بلا خلاف پس جواب معترض کا اس سے بھی حاصل نہیں ہوا قولہ ابن ماجہ قزوینی الخ اقول اس وقت میں تو خود فخر عالم زندہ اس عالم میں تھے اور آپ کے

سلہ وہم میں ڈالنا ملائکہ کا مطلق ۔۔ ہونا سلہ وہ امر جومن جانب اللہ ۔ پھر عائد ہوا اور اس میں غلطی کا کچھ دخل نہ ہو گے تصریح شدہ

شفاعت قبول کیجئے میرے حق میں انتہی، اب دیکھئے یہ نماز حلِ مشکلات کے لئے حضرت نے تعلیم فرمائی اور اس میں اپنا خطاب یعنی یا محمد کہنا تعلیم فرمایا ہے اس مقام میں ایک تماشا ہوا ہے یعنی ایک بڑے عالم مشہور و معروف نے اس حدیث میں اعتراض کیا اور لکھدیا کہ اس کی اسناد میں ایک راوی عثمان بن خالد بن عمر آیا ہے اور تقریب میں اس کو متروک الحدیث لکھا ہے اس عاجز نے ابن ماجہ اور ترمذی میں یہ حدیث نکال کر اس کی اسناد نکالی تو ان دونوں محدثوں کی اسناد میں عثمان بن عمر نکلا اس کو تقریب میں متروک الحدیث نہیں کہا اور عثمان بن خالد بن عمر کو بیشک متروک الحدیث لکھا لیکن وہ اور آدمی ہے والحمد للہ علیٰ ذلک اور یہ حدیث تو محدثوں کی پرتالی ہوئی ہے یہ کس طرح ضعیف اور غیر معتبر ہو سکتی ہے لکھا ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح اور نیز صحیح کہا اس کو بیہقی نے کذا فی شرح المواہب اور نیز لکھا ابن ماجہ نے قال ابو اسحٰق ہذا حدیث صحیح اور روایت کیا اس حدیث کو آٹھ ائمہ حدیث نے، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، حاکم، بیہقی، طبرانی۔ ابونعیم نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بھلا ایسی حدیث میں زبان درازی کرکے اگر کوئی مغالطہ دینے لگے تو کب ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ جب اس اندھے نے نماز پڑھ کر یہ دعا مانگی تو بخاری اور بیہقی کی روایت میں ہے فقام وقد ابصر یعنی وہ اندھا اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی روشن ہو گئی اور روایت کی طبرانی نے کان لم یکن بہ ضر یعنی ایسی روشن ہو گئی گویا اس میں کچھ خلل ہی نہیں ہوا تھا واضح ہو کہ یہ دعا اور نماز اور خطاب یعنی یا محمد کہنا آپ کے زمانہ مبارک میں خاص آپ کی تعلیم سے ہوا اور شرح ابن ماجہ میں اور نیز جذب القلوب میں ہے کہ یہ عمل عہد صحابہ میں بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بھی کیا گیا ہے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عثمان ابن عفانؓ سے ایک حاجت تھی بار بار جاتا حضرت عثمانؓ اس کی طرف التفات نہ فرماتے اس آدمی نے عثمان بن حنیف انصاری صحابیؓ سے شکایت کی عثمانؓ بن حنیف نے کہا وضو کر کے مسجد میں آ دو رکعتیں پڑھ پھر دعا پڑھ اللّٰھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فتقضی حاجتی اور یہ دعا پڑھ کے تو اپنی حاجت کو عرض کیجیو، غرضکہ وہ آدمی موافق تعلیم عثمان ابن حنیف کے گیا اور وضو نماز دعا جس طرح اس نے بتائی تھی پڑھی، بعدازاں حضرت عثمان ابن عفانؓ کے در دولت پر حاضر ہوا اس وقت دربان نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنی مسند خاص پر پاس بٹھلایا اور پوچھا کیا حاجت ہے اس نے بیان کی آپ نے پوری کردی اور یہ فرمادیا آپ نے جو کچھ مشکل یا حاجت پیش آیا کرے مجھ سے آکر بیان کیا کر وہ آدمی بہت خوشحال حضرت عثمانؓ کے پاس سے نکلا اور عثمانؓ ابن حنیف کے پاس شکریہ ادا کرنے کو گیا اور کہا جزاک اللہ خیرا میری طرف عثمانؓ نظر بھی نہیں فرماتے تھے اب شاید تم نے ان سے کچھ میری سفارش کی ہے عثمان ابن حنیف صحابیؓ نے جواب دیا قسم اللہ تعالیٰ کی میں نے حضرت عثمانؓ سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایکبار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا ایک اندھا آیا اس نے فریاد کی یا رسول اللہ میری آنکھ جاتی رہی آپ نے فرمایا صبر کر وہ بولا کوئی میرا ہاتھ لاٹھی پکڑ کر لیجانے والا نہیں مجھ پر بڑی مصیبت ہے تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ان کو اور یہ دعا تعلیم کی تھی وہی قصہ جو ترمذی ابن ماجہ والا جو ہم اوپر بیان کر چکے عثمانؓ بن حنیف نے بیان کیا الحاصل بعد وفات صلی اللہ وسلم کے عہد صحابہؓ میں بھی اس خطاب یعنی یا محمد کہنے پر عمل ہوا اس وقت سے اب تک یہ نماز تعلیم ہوتی چلی آتی ہے اور

کے ہی حکم سے یہ عمل ہوا تھا آپ کی خدمت میں ہی حاضر تھے تو اس وقت میں تو کوئی ضرورت جواب و توجیہ کی نہیں اور بعد آپ کی جو معمول ہو تو اسی طرح سمجھ کر ہے کہ آپ کی خدمت میں تبلیغ ہوتی ہے ملائکہ پہنچاتے ہیں علم استقلالی اس میں نہیں لیکن اس عقیدہ سے پڑھنا سکا

جزری رحمۃ اللہ علیہ کتاب حصن حصین میں فرماتے ہیں من کانت لہ ضرورۃ الخ یعنی جس کسی کو ضرورت اور حاجت مشکل آ پڑے پڑھے نماز
حاجت اور یہ دعا پڑھے اور کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کی تعلیم ہے ابراہیم حلبیؒ نے شرح کبیر منیہ میں جو نوافل تعلیم کئے ہیں ان میں صلوٰۃ الحاجت
دو لکھی ہیں ایک کو بیان کیا اور لکھا کہ یہ ضعیف ہے اور دوسری یہ نماز لکھی جو عثمان بن حنیف کی روایت سے ہم ذکر کر چکے ہیں حلبی نے اس کو لکھ کر
اس کی تخریج بیان کی کہ قال الترمذی حسن صحیح الحاصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور صحابہؓ کی تلقین اور محدثین کی تعمیل اور فقہاء کی
امتثال اور تصحیح سے اب تک یہ خطاب یا محمدؐ ہی جاری ہے علاوہ بریں اور بھی خطاب کے صیغے ہم نقل کرتے ہیں اشعار وغیرہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی پھوپھی صفیہؓ نے بعد وفات آپ کے بہت اشعار غم میں پڑھے ان میں سے یہ ہیں سے الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا ٭ وکنت بنا برًّا
ولم تک جافیا ٭ فلوان رب الناس ابقی محمدًا ٭ سعدنا ولکن امرہ کان ماضیا اور حضرت حسان صحابیؓ نے آپ کی وفات کے غم میں یہ پڑھا
سے کنت السواد لناظری ٭ فعمی علیک الناظر ٭ من شاء بعدک فلیمت ٭ فعلیک کنت احاذر اسی طرح اور بھی صحابہؓ کے اشعار پائے
گئے ہیں جن میں خطاب ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور قاضی عیاض نے کتاب شفا کے باب لزوم محبت میں روایت کی ہے کہ ایکبار
پاؤں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا سو گیا یعنی سنسنانے لگا اور بے حس و حرکت ہو گیا کسی نے کہا ایسے آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت پیارا ہو تب وہ چلا کر
پکار اٹھے یا محمداہ اسی وقت ان کا پاؤں درست ہو گیا اور قوت آ گئی انتہی یہ عبد اللہ ابن عمرؓ کیسے جلیل القدر صحابی اتباع سنت میں نہایت عالی دیکھئے
حالت غیبوبت میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلفظ حاضر یا محمداہ خطاب کرتے ہیں اور فتوح الشام میں صفحہ ۱۹۰ میں ہے جب کہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ
نے قنسرین سے کعب بن ضمرہ کو بارادہ حلب روانہ کیا ایک ہزار سوار دیکر اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی اس کی پانچ ہزار سپاہ تھی اور یہ
لڑائی ہو رہی تھی کہ پانچ ہزار سپاہ سپاہ یوقنا کی اور دوسری طرف سے مسلمانوں پر آ پڑی غرضکہ دس ہزار کا مقابلہ ٹھہر گیا اس وقت مسلمان جان
بازیاں کر رہے تھے اور کعب بن ضمرہ نہایت بے آرام اور بے چین گرد آواز دیتے تھے اور پکارتے تھے یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل
اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے یا معاشر المسلمین اثبتوا انما ہی ساعۃ وانتم الاعلون یہ ایک نظیر ہے خطاب کی حالت غیبت میں اور یہ
کعبؓ بن ضمرہ بھی صحابہ میں ہیں رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو کر بھی انہوں نے جہاد کئے تھے غرضکہ صحابہؓ کے وقت سے یہ خطاب اور ندا
رسول اللہ باوجود غیبت کے جاری رہی علامہ شرف الدین بوصیریؒ متوفی ۶۹۴ھ جو مقبولین روزگار سے تھے ان کا قصیدہ بردہ اور مشائخ وسادات
میں داخل نہایت مقبول بابرکت ہے اور بہاء الدین وزیر کا حال ہم نقل کر چکے کہ وہ کمال تعظیم سے برہنہ سر برہنہ کھڑا ہو کر اس قصیدہ مقبولہ
کو سنا کرتا تھا اور حلبی اور ... اور قسطلانی سب صاحب بردہ کے مدح ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس قصیدہ کو پڑھ
الاسناد حاصل کی اور رسالہ انتباہ میں لکھتے ہیں واما القصیدۃ البردۃ فاخبرنا بہا ابو طاہر عن شیخ احمد النخلی عن محمد بن العلاء البابلی الی ان
قال عن ناظمہا شرف الدین محمد بن سعید بن حماد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ انتہی الحاصل اس مقبول قصیدہ میں خطاب حاضر ساتھ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے جا بجا ہے از انجملہ دو مقام میں تو خاص ندا بطور فریاد اور داد خواہی کے موجود ہے سے یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ ٭
سواک عند حلول الحادث العمم ٭ رسول صلی اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا کرتے ہیں کہ اے بزرگ ترین خلائق کوئی میرا نہیں جس کی پناہ

درست تو ایسی حالت میں یہ بھی شرک ہو جاوے گا ورنہ اس میں کچھ عوام کا خدشہ کیوں کہ جیسے کہ اس کو پڑھتے ہیں نہیں پس اعتراض بحال خود اور صلوٰۃ مؤلف
کو غیر مفید ہے علی ہذا اشعار حضرت صفیہؓ کے اور حسانؓ کے اور دیگر صحابہؓ کے اور معاملہ پاؤں سونے کا ابن عمرؓ کا اور قصہ فتوح الشام کا اور دیگر تمام قصص لہ

پڑھا دوں سو آپ کے وقت اترنے بلانے عام دوسرا شعر یہ ہے ؎ ولن یضیق رسول اللہ جاہک بی ۔ اذا الکریم تجلی باسم منتقم
اس میں رسول اللہ منادیٰ اور ندا محذوف بقاعدہ عربیت یعنی کچھ کم نہ ہوگی شان آپکی یا رسول اللہ ہماری شفاعت کرنے سے جس وقت اللہ
تعالیٰ ظہور فرماویگا صفت انتقام سے انتہیٰ اور اسی معنی کے تیسرے شیخ شرف الدین مصلح المعروف بسعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ جو واصلین طریقت
اور کاملین شریعت سے تھے حضرت خضر سے ملاقات کی ساتوں ولایت پھرے بارہا پیادہ حج کیا یہ عالم فاضل ولی کامل خطاب حاضر کرساتھ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں شعر لکھتے ہیں ؎ چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے ۔ ز قدر رفیعت بدرگاہ حے ۔ کہ باشند مشتے
گدایان خیل ۔ بمہمان دار السلام طفیل ۔ چہ وصفت کند سعدی ناتمام ۔ علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام ۔ اور نیز مولانا احمد تھانیسری کہ امیر تیمور
کے عہد میں بڑے فاضل کامل مشہور تھے صاحب ہدایہ کے نبیرہ شیخ الاسلام سے جب ایک موقع میں انکی گفتگو ہوئی امیر تیمور نے جو دیکھا کہ شیخ الاسلام
کو دبایا اس کی عظمت کیلئے یہ کہا کہ یہ نبیرہ ہیں صاحب ہدایہ کے۔ مولانا نہ ڈرے اور یہ کہا کہ ان کے دادا نے ہدایہ میں چند محل پر خطا کھائی اگر انہوں
نے اسوقت ایک خطا کھائی کیا ڈر ہے، غرضکہ یہ بڑے عالم فاضل اور عارف کامل تھے قلعہ کالپی میں انکا مزار ہے بہت لوگ زیارت کو آتے ہیں
انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے اسمیں سے دو تین شعر لکھتا ہوں ؎ یا حیوٰتی و یا روحی و یا جسدی:
و یا فؤادی و یا ظہری و یا عضدی ۔ مالی الیک تقطع البید من قبل ۔ ولیس لی باصطبار عنک من مدد ۔ دیکھئے اس میں بھی ہندوستان سے خطاب
حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو رہا ہے اور نیز مولانا نظامی متوفی ۵۹۲ھ علم معقول و منقول میں فاضل کامل تارک الدنیا عارف صاحب
دل سلاطین روزگاران سے برکت چاہتے وہ کسی کے در پر نہ جاتے غرضکہ یہ جامع شریعت و طریقت بھی اشعار میں خطاب حاضر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کرتے ہیں ؎ من از کمترین امتان خاک تو ۔ بدین لاغری صید فتراک تو ۔ نظامی کہ در گنجہ شد پائے بند ۔
مباد از سلام تو نا بہرہ مند ۔ گنجہ شہر ہے ایران میں، وہاں سے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو رہا ہے اور مولانا عبد الرحمٰن ابن احمد
جامی متوفی ۸۹۸ھ جنکا فضل و کمال کسی سے مخفی نہیں، شرح ملا اور شرح فصوص الحکم اور شرح نقایہ و شرح لمعات وغیرہ کتب مصنفہ ان کی
مشہور ہیں اپنے اشعار میں حضرت کو خطاب حاضر کرتے ہیں ؎ ز مہجوری برآمد جان عالم ۔ ترحم یا نبی اللہ ترحم ۔ ۔ آخر رحمۃ للعالمینی ۔ ز مہجوراں
چرا غافل نشینی ۔ ملک خراسان میں ایک روایت جام ہے جو وطن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبت
میں وہاں سے ہو رہا ہے اور یہ بھی نہیں کہ مثل اہل کشف کے روئے مبارک حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت مناجات کے ان کے سامنے
تھا اس لئے کہ یہ شعر بھی انکا انہیں اشعار کے ساتھ ہے ؎ شب اندر رہ ما راہ گرداں ۔ ز رویت روز ما فیروز گرداں ۔ تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی بر حال لب خشکاں نگاہے ۔ از انجملہ مولانا عبد الحق محدث دہلوی صوفی صافی مشرب محدث فقیہ حنفی مشرب جن کی ایک سو بیس کتابیں
فارسی اور عربی میں تصنیف ہیں، تاریخ ولادت انکی شیخ اولیا ۹۵۸ اور تاریخ وفات فخر العالم ہے اپنے قصیدہ میں جو کہ اخبار الاخیار
کے آخر میں مطبوع ہے لکھتے ہیں ؎ بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما ۔ بلطف خود سر و سامان جمع بے سر و پا کن ۔ محب آل و اصحاب
تمام کار من حیران ۔ بلطف خویشتن ہم امروز ہم صد روز فرما کن ۔ اور حضرت شاہ ابو المعالی صاحب فرماتے ہیں ؎ گر نبودے یا رسول اللہ ذات پاک تو
سکہ پیغمبر نبردے دولت پیغمبری ۔ اب اس دورہ آخری میں بھی جو علماء و صلحاء اہل سنت والجماعت ہیں وہ خطاب حاضر یا رسول اللہ کہنا

خطابات قصیدہ بردہ کے اور سعدی کے اور مولانا احمد تھانیسری کے اور مولانا نظامی اور مولانا جامی اور شیخ عبد الحق دہلوی اور شاہ ابو المعالی کے
جبکہ سب میں نداء شوقیہ ہرگز عقیدۂ حضور کسی کا نہیں پس مؤلف کے ان نقول سے نہ مسلم کو نفع اس کا ہوا اور معترض کا اعتراض کی طرح

جائز رکھتے ہیں چنانچہ حاجی امداد اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب مصنف تحذیر الناس اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی مدرس دیوبند وغیرہم چند علماء کے پیر و مرشد ہیں اپنی کتاب ضیاء القلوب مطبوعہ مطبع مجتبائی کے صفحہ ۹۴ میں واسطے حصول زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھتے ہیں، بدیں عبارت کہ بعد نماز عشاء با طہارت کامل و جامہ نو و استعمال خوشبو با ادب تمام روئے بسوئے مدینہ منورہ نشیند و التجی از جناب قدس حقیقت محمدی برائے حصول زیارت جمال مبارک صلی اللہ علیہ وسلم شود و دل از جمیع خطرات خالی کردہ صورت آنحضرت صلعم بلباس بسیار سفید و عمامہ سبز و چہرۂ منور مثل بدر بر کرسی نور تصور کند و الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ راست و الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ چپ و الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ در دل خود ضرب کند الیٰ آخرہ، اور نیز انہی حاجی صاحب سلمہ اللہ نے ایک قصیدہ اردو زبان میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؂ ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ ÷ مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ، اس قصیدہ کے چند اشعار بعد خامسہ نور دوم میں منقول کر چکے ہیں اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے اشعار بھی وہاں نقل کئے گئے ہیں جس میں یا نبی اللہ وغیرہ الفاظ خطاب موجود ہیں **توجیہات جواز خطاب یا رسول** واضح ہو کہ بعض محبین درجۂ عشق کو پہنچے ہوئے ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے حضرت ابو الحسن شاذلی وغیرہ کہ ان سے ایک دم مشاہدۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت نہ ہوتا تھا ایسے آدمی اگر خطاب کریں تو ان کے نزدیک تو وہ خود حاضر ناظر ہیں حاضر کے معنی موجود اور ناظر کے معنی دیکھنے والا جب موجود ہوئے تو دیکھنے والے بھی ہوئے ایسے شخصوں کے حق میں تو خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ محل کلام ہی نہیں باقی رہے دوسری طرح کے آدمی کہ ان کو حضوری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل نہیں ان کے حق میں بھی خطاب کرنا درست ہے، قطب ربانی امام شعرانی میزان میں لکھتے ہیں کہ محمد بن زین ایک مداح رسول تھا اکثر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں زیارت کرتا تھا ایک بار اس سے ایک آدمی نے اپنے واسطے سفارش حاکم سے چاہی یہ گئے اور حاکم نے انکو اپنی مسند پر بٹھلایا اسی دن سے دیکھنا منقطع ہو گیا اس مقام میں خاص عبارت میزان کی یہ ہے، فلم یزل یتطلب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرویۃ حتی قرأ لہ شعراً فتراءی لہ من بعید فقال تطلب رویتی مع جلوسک علی بساط الظلمۃ فلم یبلغنا انہ راہ بعد ذلک حتی مات یعنی پھر ہمیشہ وہ مداح سوال کرتا رہا حضرت سے کہ اپنا دیدار مبارک دکھا دیجئے یہانتک کہ ایک دفعہ شعر پڑھا تب حضرت صلعم دور سے کچھ دکھائی دیے اور فرمایا تو دیدار کا سوال کرتا ہے اور بیٹھتا ہے ظالموں کے فرش پر پھر ہم کو خبر نہیں ملی کہ انکو حضرت صلعم پھر نظر آئے یہانتک کہ وہ مر گیا انتہی، اب دیکھئے کہ محمد بن زین مداح باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نظر سے غائب تھے اور نظر نہیں آتے تھے وہ اس حالت غیبت میں بھی حضرت سے سوال کیا کرتا تھا کہ صورت مبارک دکھا دیجئے انتہی، پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر اور آدمی جنکو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آتے وہ بھی درخواست کریں اور کہیں ؂ ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ ÷ مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ، تو صحیح اور جائز ہے اگرچہ ملا خطرۂ ایمان اسکو شرک بتا دے اور یہ کہے کہ تم رسول اللہ کو عالم الغیب جانتے ہو کیونکہ اصل عالم الغیب بالذات اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی خبر دیدیتا ہے تو انکو خبر ہو جاتی ہے حضرت شاہ عبد العزیز کا کلام جو انکی تفسیر میں ہے یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کے درجے کو پہچانتے ہیں

رفع ہوا علیٰ ہذا نقل شغل ضیاء القلوب جس میں نداء و خطاب صیغۂ صلوٰۃ و سلام میں ہے اور قصیدہ کے اشعار شوقیہ میں ہیں بعد اس کے جس قدر منقول یا محمولف نے چند اوراق لکھے کوئی اصل اعتراض کو نہیں اٹھاتا اعتراض بحال خود ہے اور مؤلف لکھ کر

کہ اس کا ایمان کس درجہ پر ہے اور فرشتے سب اُمت کے اعمال حضرت کے پاس پہنچاتے ہیں انتہی کلامہ، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہرقل بادشاہ روم کو نامہ رقم فرمایا تھا بروایت بخاری اس کے الفاظ یہ ہیں اما بعد فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم اس میں خطاب حاضر کا ہے بادشاہ روم کو حالانکہ آپ ملک عرب میں تھے اور وہ روم میں تھا اور وہ اصحاب کشف سے نہ تھا کہ حضرت کا خطاب وہاں سے معلوم کر لیتا لیکن چونکہ یہ بات تھی کہ قاصد اس خط کو لیجا کر اس کے ہاتھ میں دیگا یہ خط اس کی نظر کے سامنے گذریگا خطاب صحیح ہو جاویگا، اسی طرح ابتک رسم جاری ہے کہ ہم خط میں مکتوب الیہ کو الفاظ خطاب کے لکھدیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیجدو اور تاکید جانو فقط اسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط انکو دیگا تو ہمارا خطاب حاضر لکھنا صحیح ہو جاویگا جب قاصدوں کی پہنچی رسانی کے اعتماد پر یہ خطاب حالت غیبوبت میں جائز ہو ملائکہ جو ہرگز اللہ کا عصیان نہیں کرتے اور جانکو خدمت سپرد ہوتی ہے ممکن نہیں کہ ان سے تخلف ہو جاوے ان کے اعتماد پر کس طرح خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز نہ ہو جب بواسطہ ملائکہ ہمارا قول انکو صبح و شام پہنچتا ہے تو وہ مثل حاضر کے ہیں اگرچہ ہماری آنکھوں کے سامنے جمال مبارک نہیں پس خطاب حاضر کرنا جائز ہے اور اگر ضعیف الایمان آدمی اس تقریر پر بھی راضی نہوں تو تیسری توجیہ اور بھی ہے یعنی جس کو کسی کا عشق ہوتا ہے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھرا کرتا ہے اس اعتبار سے بھی حاضر جانکر خطاب کر دیتے ہیں اشعار عرب میں یہ بات کثرت سے ہے از انجملہ دو شعر عبد السلام ابن یوسف کے جذب القلب نقل کرتا ہوں ؎ علی ساکنی ابطن العقیق سلام ؛ وان اسهر نی بالفراق دنا موا ؛ حظرتم علی النوم وهو محلل ؛ وحللتم التعذیب وهو حرام ۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بی بی زلیخا کا حال جو مولوی جامی نے لکھا ہے وہ سب کو یاد ہوگا کہ شروع عشق میں جبتک نکاح نہ ہوا تھا کس طرح تصورات میں باتیں کیا کرتی تھی از انجملہ اس مقام کے دو شعر لکھتا ہوں ؎ خیال یار پیش دیدہ بنشاند ؛ ہم از دیدہ ہم از لب گوہر افشاند ؛ کہ اے پاکیزہ گوہر از چہ کانی ؛ کہ از تو دارم این گوہر فشانی ؛ دلم بردی و نام خود نہ گفتی ؛ نشانے از مقام خود نہ گفتی ۔ یہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے غیبوبت میں خطاب کر رہی ہیں نہ یہ شرک ہے نہ کفر پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بطور خطاب حاضر کے ہیں وہ بھی لکھی ہیں چونکہ تصور آپکا دل میں بندھا ہوا ہے غلبہ اشتیاق میں خطاب حاضر یہ بباعث تصور فی الذہن کے کرتے ہیں لیکن چونکہ تم لوگوں کو ایسا تصور اور ایسا خیال بندھا ہوا نہیں تمہاری سمجھ میں یہ بھی نہیں آ سکا تو بوالہ حبطوا اعلہ کلام الہی سچا ہے اب ہم چوتھی توجیہ خطاب کی اور بتادیں قرآن شریف میں وارد ہے یا حسرۃ علی العباد یہاں لفظ یا حرف ندا ہے جس سے مخاطب حاضر کو پکارا کرتے ہیں یہ لفظ یا داخل ہوا ہے حسرت پر اور حسرت ایسی چیز ہے ادراک و شعور کہ اسکو قیامت تک کبھی خبر نہوگی کہ مجھ کو کوئی پکارتا ہے امام رازی کا کلام اس مقام میں یہ ہے المقصود من ذلك وقت الحسرة فان النداء مجاز والمراد الاخبار غرضکہ سب مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں کہ یہ نداء کلام عرب میں شائع ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ یہ وقت حسرت کا ہے یعنی یہ نہیں کہ حسرت کو پکارتے ہیں اور بلاتے ہیں اس مقام پر ندا مجاز ہے جب یہ بات ثابت ہوئی کہ کہیں ندا مجاز ہوتی ہے اور مراد اس سے خبر دینا ہوتی ہے پھر اسی طرح اس مقام میں سمجھ لو کہ جو کوئی کہتا ہے ؎ تمہارے نام پہ قربان یا رسول اللہ ؛ فداك تم میری جان یا رسول اللہ ؛ اسکا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہو مراد اسکی جملہ خبریہ ہے گو کہ اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے یہ کیا ضرور

معلوم ہوتا ہے کہ کو لفظ لفظ کا جواب تحریر مناسب ہوئی اور چند خطا جو اس تقریر میں مؤلف نے ۔ چونکہ تطویل بے سود ہے اور ہمارا مقصود کے کچھ خلاف ہیں اور مؤلف کا علم سب ظاہر ہی ہو چکا ہے ان چند خطا پر موقوف نہیں اور جو کچھ زبان درازی نسبت مانعین بدعت کے کی ہے اس کا

غیر مفید تفصیل ہے

ہے کہ یوں کہو یہ شخص خدا کی طرح حاضر ناظر جانکر پکارتا ہے ہاں البتہ یہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگونکی ذہن میں جماتے ہو یہ کہکر کہ لفظ یا نہیں
ہوتا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے کلام صحابہ میں غائب کو خطاب اور ندا موجود ہے روایت ہے کہ حضرت علیؓ
جب وقت خلافت حضرت عثمانؓ میں ایک رات مسجد کی طرف آئے دیکھا چراغ مسجد میں کثرت سے روشن ہیں تو حضرت عمرؓ کو دعا دی اس دعا کے الفاظ
سیرت حلبی جلد ثانی صفحہ ۳۲ میں یہ ہیں نورت مساجدنا نور اللہ قبرک یا ابن الخطاب یعنی روشن کیا تو نے ہماری مسجد کو اللہ روشن کرے تیری
قبر کو اے بیٹے خطاب کے، دیکھئے یہاں حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ خطاب فرماتے ہیں بعد وفات عمرؓ اور یہاں حضرت عمر کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا
یا بلانا جو فائدہ ندا کا ہوتا ہے مقصود نہیں غرض انکی دعا دینی ہے یعنی اللہ روشن کرے عمرؓ کی قبر کو چنانچہ بعض راویوں نے جو روایت بالمعنی کرتے
ہیں معنی مقصود کو قالب غائب میں ڈھالکر روایت کر دیا ہے نور اللہ قبر عمر کما نور مساجدنا اب ایک مسئلہ فقہ کا بھی لکھتا ہوں درمختار اور قہستانی
وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جس وقت اذان میں مؤذن کہے الصلوۃ خیر من النوم یعنی نماز پڑھنا اچھا ہے سونے سے اسوقت چاہئے سامعین جواب
اسکا اس طرح دیں صدقت وبررت یعنی تو نے سچ کہا اور بھلا کہا لکھا فقیہ شامی نے کہ یہ جواب بناء حدیث میں آیا ہے واضح ہو کہ یہ جواب دینا کتب فقہ
میں ہرگز مقید اس بات کے ساتھ نہیں کہ مؤذن کے پاس آکر جواب دیں ورنہ نہ پڑھیں لیکن اسی واسطے یہ دستور ہے کہ جس وقت صبح صادق کو مؤذن اذان
کہتا ہے اور آدمی اکثر اس وقت اپنی اپنی منازل و مکانات میں ہوتے ہیں نہ انکو مؤذن وہاں نظر آتا ہے غائب ہے نظر سے اور نہ مؤذن خود ان کے
جواب اور ان کے خطاب کو سن سکتا ہے باوجود اس حالت غیبوبت میں جہاں مؤذن نے کہا الصلوۃ خیر من النوم سب مسئلہ دان آدمی جواب دیتے ہیں
صدقت وبررت یعنی تو نے سچ کہا اور بھلا کہا یہ غائب کے خطاب جائز کا ہوتا ہے پس چاہئے ان فقہائے آخر الزماں کے نزدیک سب جواب دینے والے کافر ہوں
حالانکہ وہ مستحق ثواب ہوتے ہیں اگرچہ انہوں نے خطاب کیا لیکن مراد انکی یہ غرض کہ مؤذن نے سچ بات کہی پس اسی طرح جو شخص کہتا ہے کہ ماسوائے تو
یا رسول اللہ ۔ از برائے تو یا رسول اللہ ۔ اگرچہ خطاب کیا ہے لیکن مراد یہ ہے کہ ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے واسطے یعنی انکے سبب پیدا کیا ہے
اور جو کوئی قطعہ یہ لفظ کہے کہ یا رسول اللہ اسکی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ شرح ملا اور غایۃ التحقیق وغیرہ میں ہے کہ لفظ یا معنی ادعوا ہے اور ادعوا کے معنی ہیں
ہندی میں کہ میں پکارتا ہوں پس جب کہا یا رسول اللہ اس کے معنی قاعدہ عربی سے یہ ہوئے کہ پکارتا ہوں رسول اللہ کو یعنی انکو یاد کرتا ہوں انکا نام لیتا
ہوں کہو اس میں کیا شرک کیا کفر ہو گیا اللہ پناہ دے کج فہمی معاندین سے الحاصل ہم خطاب کو چند توجیہات سے ثابت کر چکے اور نیز ثبوت کامل دیکھئے
عہد رسالت سے اسوقت تک آنحضرت کو بالفاظ خطاب بصیغہ حاضر یاد کرنا نماز میں اور خارج نماز دعا اور غیرہ دعا میں نظم و نثر میں صحابہ رضوان اللہ
علیہم اجمعین اولیاء و علماء صلحا و مقبولین کا اب دیکھنا چاہئے کہ یہ سب مقبولین باوجود حالت غیبوبت کے خطاب کرنیوالے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ
معاذ اللہ منکرین کے نزدیک کافر ہیں یا خود وہی کافر ہیں جو انکو کافر قرار دیں کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے من دعا رجلا بالکفر او قال
عدو اللہ ولیس کذلک الا حار علیہ متفق علیہ یعنی صحیح مسلم اور بخاری میں ہے جو شخص کسی کو کافر یا دشمن کہیگا حالانکہ وہ ایسا نہیں تو وہ کفر اور
لعنت اسی کہنے والے پر الٹ آتی ہے انتہی اب چاہئے کہ مانعین اپنے ایمان کی خیر منا دیں ایسا نہ ہو پرائی بد شگونی میں اپنی ناک کٹے **لمعہ سابعہ**
اعتراضات متفرقہ کہتے ہیں کہ جب مولد شریف پڑھتے ہیں منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور قرآن شریف ہمیشہ نیچے بیٹھ کر پڑھتے

بھی جواب لکھنا ضروری نہیں لہذا ختم کرتا ہوں ناظرین کو حال سخن فہمی مؤلف کا معلوم ہو لیا اور سلیقہ جواب نویسی روشن ہو گیا مؤلف اپنے منہ میاں مٹھو ہیں
ہو بیشک شرح سوال میں بھی اسکی بحث گذر چکی ہے کہ منبر کے بارے میں مانعین کے اعتراض کا نہ سمجھنا | قولہ لمعہ سابعہ اعتراضات متفرقہ کہتے ہیں جب مولد شریف پڑھتے ہیں
اقول چوکی منبر فی اصلہ غرض صحیح کے واسطے جائز ہے معترض یہ کہتا ہے کہ یہ مجلس مولود میں اگرچہ قلیل آدمی ہوں کہ حاجت بلند مکان پر ہو قاری کو لوگوں کی نہ ہو جب

کتاب مولد شریف کا درجہ قرآن سے بھی زیادہ کر دیا جواب تحقیقی اس کا یہ ہے کہ درجہ قرآن نہایت عظیم ہے قرآن کو ہاتھ لگانا بے وضو جائز نہیں اور کتاب مولد شریف کو اگر کوئی بغیر وضو ہاتھ میں لیلے تو اس کو گنہگار نہیں کہا جاویگا یہ دلیل صریح ہے کہ ہم کلام اللہ کو بڑا سمجھتے ہیں اور منبر چوکی پر بیٹھ کر پڑھنا ایک سبب ہے تاکہ قاری مولد سب اہل مجمع کو نظر آوے اور سب اسکو نظر آویں اور اوپر بیٹھنے سے آواز اپنی حالت پر بلندی کی ہر طرف پہنچتی ہے نیچے بیٹھنے سے آواز کسی قدر دب جاتی ہے اور تلاوت قرآن میں یہ باتیں مقصود نہیں ہاں اگر کوئی موقع ایسا ہو کہ قرآن اعلان سے لوگوں کو سنایا جاوے تب اس کیلئے بھی منبر مناسب ہوگا اور جواب الزامی یہ ہے کہ یہ اعتراض مجلس وعظ پر کیوں نہیں جاری کرتے ہیں مولوی عبدالرب صاحب وغیرہ کے وعظ میں جا کر دیکھو کہ ان کے وعظ میں قرآن شریف کی آیتیں کس قدر پڑھی گئیں اور قصے حکایتیں کس قدر اور طعن مقابلین پر کس قدر اور پھبتی اور ضلع بازی کس قدر اور شعر کس قدر پھر ان صاحبوں کا حال یہ ہے کہ اس قسم کا وعظ تو سب اوپر بلند جگہ پر بیٹھ کر کہتے ہیں اور خالص قرآن شریف کو نیچے پڑھتے ہیں جو جواب اس کا ہو وہی ہمارا

اعتراض جب قرآن پڑھتے ہیں نہ فرش بچھا دیں نہ خوشبو لگا دیں نہ کچھ سامان کریں مولد شریف میں کیا کیا سامان کیا جاتا ہے

جواب عیدین کی نماز کیلئے جو فرض نہیں ہے نہانا کپڑے عمدہ بدلنا خوشبو لگانا طرح طرح کے تکلفات ہوتے ہیں پانچوں وقت کی نماز جو فرض قطعی ہے اس کیلئے کچھ بھی نہیں سوائے وضو اور استنجا کے وجہ اسکی یہی ہے کہ وہ برس دن میں دو بار یہ ایک ایک دن میں پانچ بار عید

بھی اہتمام سے چوکی منبر کی تدبیر ہوتی ہے اور اسی واسطے مثل لوازم ضروریہ مجلس کے ہو گیا ہے اور اگر قرآن کسی حافظ قاری کو سنیں تو باوجود کثرت کے بھی اسکا انتظام نہیں ہوتا جیسا اور انتظام کا حال ہے کہ اس مجلس کیواسطے سب طرح کا اہتمام لباس فرش تعطر[1] سب کچھ قصداً ضروری ہوتا ہے خلاف قرآن کے لیں سو جبکہ معترض کہتا ہے کہ بوجہ اس اہتمام کے اس مجلس میں و عدم اہتمام کے قرآن میں ایہام تفضیل مولود کا قرآن پر ہوتا ہے بلکہ عوام کا اعتقاد ہی یہ ہو گیا ہے اور یہ بگڑ گیا اور بدعت ہے پس مؤلف کا جواب دیکھو کیا خوب کہتا ہے کہ آواز پہنچانے کے واسطے اور دیکھنے دکھانے کیواسطے اوپر بیٹھتے ہیں سبحان اللہ معترض تو تصریح کرتا ہے کہ اگر ایسی حالت ہو کہ بدون چوکی کے بھی آواز پہنچے اور ترائی متحقق ہو جب بھی اہتمام اس کا ضرور ہوتا ہے اور دوسرے عوام کا ضروری جاننا اور ایسے اہتمامات سے مولود کا افضل قرآن سے اعتقاد کرنا موجود ہے مگر مؤلف کچھ نہیں سمجھتا اور لکھ دیا کہ رفع صوت[2] اور ترائی کیواسطے ہے اور کراہت التزام و فساد عقیدۂ عوام کا نہ جواب نہ فہم اور خود جو سمجھے اس کے بھی آئین غائین محض اعتراض کا اقرار اور مس بلا وضو کرنے سے اپنا عقیدہ افضلیت قرآن کا لکھ دیا حالانکہ معترض اس معاملہ کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے پس دیکھو کہ جواب کو سوال سے کچھ بھی علاقہ نہیں عجب جواب ہے سو یہ تو تحقیقی جواب تھا اللہ اکبر الزامی تو کیا کہنا اگر وعظ میں ایسا ہی حال ہو جاوے تو معترض اس کو کب جائز کہتا ہے اس کے نزدیک یہ وعظ موصوف اور ایسی حالت کی چوکی منبر بھی مکروہ اور بدعت ہے یہ الزام جب ہو کہ معترض اس کی تصویب[3] کرتا ہو

خوشبو و دیگر سامان مولد پر مانعین کا اعتراض | **قولہ** اعتراض جب قرآن پڑھتے ہیں نہ فرش الخ **اقول** تقریر سوال تو پہلے اعتراض میں ہو چکی کہ غرض سائل کی وجہ اہتمام سے ایہام تفضیل بلکہ خود تفضیل عوام کے نزدیک مولود کی قرآن پر ہے مگر مؤلف کا جواب عجب قابل غور کے ہے سنو کہ عیدین میں بحکم شارع علیہ السلام کے احسن لباس[4] اور غسل اور تطییب وغیرہ بوجہ عید اسلام ہونے کے مستحب ہے کہ یہ لوازم سرور[5] سے ہے اور طبع بھی ایسی حالت میں مائل حسن لباس و ہیئت کے ہوتی ہے اور صلوٰۃ خمسہ میں عید نہیں لہذا وہاں حکم استحباب

---

[1] عطر و خوشبو [2] آواز کی بلندی [3] درست قرار دینا [4] عمدہ لباس [5] خوشی کے لوازم

کی طرح سے سامان کرنے میں حرج ہے اور حرج کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اٹھا دیا ما جعل اللہ فی دینکم من حرج پس یہی سمجھ لو
قرآن شریف کا پڑھنا روزمرہ ہے مولد شریف ایک آدمی برسوں میں ایک دو بار یعنی کبھی کبھی کرتا ہے اور جو بات کبھی کبھی کرنے میں ہو سکا
کرتی ہے وہ روزمرہ میں نہیں ہو سکتی اعتراض حضرت کا نام سن کے کھڑے ہو جاویں اور اللہ تعالیٰ کے نام پر کھڑے نہیں ہوتے
حضرت کو اللہ تعالیٰ سے بھی فوقیت دیدی جواب یہ کمال کم فہمی ہے اول تو یہ کہ حضرت کے نام پر ہر جگہ تو کھڑے نہیں ہوتے صرف وقت
ذکر ولادت شریف کے کھڑے ہوتے ہیں اس میں مناسب یہ ہے کہ ولادت کے معنی یہ ہیں کہ آپ عالم بطون سے عالم ظہور میں آئے
اور آنیوالے کی تعظیم کو کھڑا ہو جانا مستحب ہے پس چونکہ حضرت کی شان عظیم ہے تو کچھ بادشاہ یا امیر کی عین قدوم میں تعظیم دیجاتی ہے وہ آپکے ذکر
قدوم وجودی میں دیجاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی نسبت تو ایسے قدوم کا ذکر نہیں کیا جاتا کیونکہ اسکی شان مقدس یہ ہے کہ لم یلد ولم یولد پھر [illegible]

احسن لباس کا نہ ہوا پس دونوں میں فرق ظاہر ہے اور یہ امر کہ عیدین بعد سال کے ہیں اور صلوات پانچ بار اس میں حرج ہے یہ بھی درست ہے
مگر قرآن اور مولود دونوں ایک حال میں ہے بایں وجہ کہ ذکر میں نظافت[1] و تطییب[2] مستحب ہے اور جملہ صلوات اور اذکار اس میں مشترک ہیں اور
لباس حسن نہ مولود میں مستحب ہوا اور نہ قرآن وغیرہا میں اور جو ہے تو سب جگہ برابر پس مثل عید کے مولود میں سامان ہو اور قرآن اور صلوات و
اذکار میں نہ ہو | عیدین کے احکام پر مولود کو قیاس نہیں کر سکتے | یہ وجہ اعتراض کی تھی نہ تو مولود میں عید ہے اور نہ خصوصاً حکم شارع کا ہے پس وجہ
تخصیص کی مکروہ ہوئی اور یہی وجہ عوام کے فساد عقیدہ کی ہو گئی اور یہ فرق مؤلف کا کہ مولود سال میں ایک دو دفعہ ہوتا ہے اول تو قرآن کا مجمع بھی کبھی سال
میں ہی ہوتا ہے نہ ہر روز جس کی وجہ سے عوام کو شبہ ہو اور معترض کی غرض ایسے مجمع کی قرآن کی ہی ہے دوسرے یہ کہ اگر ایک شخص سال میں دو بار مولود
کراتا ہے تو مجموع جماعت مولودیوں کی تو دو دفعہ اگر کریں تو ہر روز ہی ہو جاتا ہے آج کسی کے کل کسی کے علی ہذا سال کے سال ہر روز ہوتا رہتا ہے پس
اس مجمع کیواسطے تو ہر روز بھی لباس و ہیئت میں حرج نہوا اور قرآن کے واسطے سال بھر میں ایکبار بھی حرج ہے غرض یہ عذر محض غلط ہے اور
بہر حال تطہیر تطییب سب جگہ برابر اور قرآن میں احق ہے سو اس میں نہ ہوا اور مولود میں لازم ہو گیا اور مجمع کا قرآن تو گاہ گاہ اور مولود مجموعاً ناسکا اکثر
پھر قرآن میں نہ ہوا اور مولود میں ہو یہ اعتراض تھا مؤلف نے ایک سفسطہ جواب دیا کہ عیدین اور صلوٰۃ خمسہ[3] پر قیاس کیا حالانکہ وہاں فارق موجود
ہے بخلاف یہاں کے پس اس علم و فہم کو دیکھنا چاہیے اور جو علت جمع کی قائم کی ہے وہ بھی بیجا اور دھوکا ہے کیونکہ مولود ایک شخص کا مراد لیا اور قرآن کا
پڑھنا شہر الیا حالانکہ معترض کی مراد مجموعہ ناس کی مجالس مولود کی ہے کہ ہر روز دو کر روز واقع ہوتی رہتی ہے اور مجمع کا قرآن جو کبھی ہو جاتا ہے
پس غور کرنا چاہیے کہ کیسا عجیب جواب مؤلف دیتا ہے الغرض ان توجیہات[4] رکیکہ[5] سے یہانتک نوبت پہنچی کہ عموماً عوام کے قلب
میں قرآن شریف کی عظمت نہ رہی اور مولود کو قرآن اور صلوات سے بھی افضل جان گئے اور کیا قصور عوام کا ہے جب علم کے مولوی ایسا
اہتمام کریں کہ جو کچھ مولود کے واسطے ہر روز سہل ہے قرآن شریف اور صلوٰۃ کے واسطے برسوں میں بھی آسان نہ ہوا اسی واسطے شارع
نے سب کچھ انتظام فرمائے تھے ایکے نام کے مولویوں نے اس کو توڑا اور مشاقہ امر شارع کی اور خلق کو خوار کیا

تکملہ کے قول پر مؤلف کا [illegible] قول اعتراض حضرت کا نام سنکر کھڑے ہو جاویں الخ اقول معترض مخالفت کہتا ہے کہ قیام تعظیم ذکر اللہ میں بھی مستحب ہے جیسا ذکر فخر عالم
میں بس خصوصاً ذکر ولادت فخر عالم میں تو کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تعظیم اور ذکر اللہ کی احق ہے یہاں قیام کبھی نہ ہوا اور ذکر ولادت فخر عالم
دائماً ہو اسمیں ترجیح ہے تعظیم فخر عالم کو حق تعالیٰ کی تعظیم پر اسکا جواب مؤلف نے دیا مگر کمال علم و فہم ظاہر کیا اول کہتا ہے کہ ذکر فخر عالم

---

[1] پاکی [2] خوشبو لگانا [3] پنج وقتہ نمازیں [4] کسی لفظ معنی ظاہری کے علاوہ کسی معنی پر محمول کرنا [5] کمزور ۱۲

مع الفارق کا اعتراض کیسی نادانی ہے اور خداوند کریم کی شان ہمارے سب کے نزدیک رسول اللہ سے بڑی ہے وہ خود ہمارے افعال سے بلکہ لو کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہر روز نماز فرض واجب و نوافل میں ساٹھ ستر سے زیادہ سجدے کرتے ہیں یہ کیسی بڑی تعظیم ہوئی کہ ماتھا زمین پر رگڑتے ہیں ہر روز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے صرف اس قدر کہ ذکر ولادت شریف پر تعظیماً نظر برہ التعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں اب خیال کرو کہ تعظیم رسول خدا کی زیادہ کہاں ہوئی اعتراض مطبع ہاشمی میں جو چند تحریرات مولد شریف کی چھبیس صفحہ پر چھپی ہیں اسکے صفحہ ۱۲ میں ایک عالم نے تحریر فرمایا ہے یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی جو عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت وقوع ولادت شریفہ کے ہونا چاہئے اب ہر روز کون سی ولادت مکرر ہوتی ہے ای ان قال اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے بلکہ یہ شرع میں

میں ہر جگہ تو ہم کھڑے نہیں ہوتے فقط ذکر ولادت پر کھڑے ہوتے ہیں پس اس قول مؤلف کو دیکھو کہ یہ تخصیص تو خود بدعت ہے اور یہ اعتراض تخصیص کا بھی یہاں ہے اس واسطے کہ مؤلف استحباب قیام کو مطلق ذکر اللہ میں قبول کر چکا ہے اور مناقب مفاخر فخر عالم میں بھی ذکر کر چکا ہے پھر منشا اعتراض تو یہی ہے کہ تخصیص بعض ذکر کی کیوں اپنی رائے سے کی گئی چنانچہ چند دفعہ لکھا گیا پس تعظیم اللہ میں قیام کا ایسا ترک کہ کہیں بھی اور کبھی نہ کیا جاوے اور ولادت میں خاصۃً التزام کر رکھا ہے ترک نہ ہو اور بقول مؤلف تکمیل تعظیم کے واسطے ضروری ہو اور حق تعالیٰ کی تکمیل تعظیم کی حاجت نہ ہو یہ تقصیر شان تعظیم حق تعالیٰ کی ظاہر ہے بہرحال اس تخصیص سے اور اس تاکید سے یہ قیام بدعت ضلالہ ہو گیا چنانچہ نظائر تقیید مطلق کی پہلے چند بار لکھی گئیں تو یہ فقرہ جواب مؤلف کا کس قدر بے معنی ہوا اور خلاف عقل و شرع کے ٹھہرا گویا اعتراض کو ہی جواب میں ذکر کر آیا پھر مؤلف وجہ تخصیص کی لکھتا ہے کہ مناسبت یہ ہے کہ اس میں معنی قدوم کے ہیں پس اس مناسبت کو دیکھو کہ کیسی چیرہ زبانی ہے اول تو ولادت قدوم نہیں بلکہ بمعنی قدوم ہے پس اصل قدوم کے ذکر میں تو قیام ہرگز کبھی نہیں ہوتا حالانکہ تعظیم قدوم میں قیام کو خود مستحب لکھتا ہے اور جو اس کے معنی میں ہے اس کے ذکر میں ایسا التزام قیام کا ہوا کہ مثل واجب کے ہو گیا دوسرے یہ کہ تعظیم قیام کی قدوم محکی کے واسطے ہوتی ہے اور حکایت کو حکم محکی کا کہیں شرع میں نہیں دیا گیا یہ قاعدہ شرع میں جدید مؤلف نے خلاف امر شارع کے وضع کیا ہے اور وہی تعین مطلق اور تعدی حکم اللہ پھر بھی رہی اور جو حکایت کو ذکر محکی کا کہتا ہے تو ذکر ذکر سب یکساں ہیں سب میں استحباب قیام کا ہے اور ذکر اللہ احق ہے دہاں ترجیح اور تخصیص پھر لازم آئی پھر مؤلف کہتا ہے کہ حق تعالیٰ قدوم وجودی سے پاک لم یلد ولم یولد ہے سو وہاں یہ تعظیم کیونکر ہو سکے پس اس فقرہ کو مؤلف کے دیکھو کہ تعظیم قیام کو حصر کرتا ہے ولادت کے قدوم میں تو گویا جو ولادت کر کے وجود میں آئے اس وقت اس کے واسطے تو قیام ہو یا اس کی حکایت میں ہو ورنہ نہیں اول تو یہ خود اپنی تحریر کے خلاف کہتا ہے کہ مطلق ذکر اللہ ور ذکر فخر عالم میں تعظیم قیام مستحب لکھ آیا ہے دوسرے پھر وہی تعین بالرائے اور تقیید مطلق ہوئی اور زیادت تعظیم فخر عالم کی حق تعالیٰ پر لازم آئی کیونکہ یہ فرد تعظیم فخر عالم میں تو ایک ذکر خاص پر پائی جاتی ہے لزوماً اور حق تعالیٰ کے واسطے کہیں بھی کبھی نہیں ہوتی وہی محذور پھر لازم آیا اور پھر اپنی تعظیم کو جتلاتا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں فخر عالم کو نہیں کرتے سو یہ بھی کم فہمی ہے معترض کب کہتا ہے کہ فخر عالم کو من کل الوجوہ اعلیٰ حق تعالیٰ سے بنا دیا ہے وہ تو اس تعظیم کی وجہ سے کہتا ہے کہ اس تعظیم خاص میں فوقیت دیتے ہیں غرض مؤلف صاحب کے فہم کے قربان ان کے اتباع کے کوئی بھی بات سیدھی نہیں بولتے اصل اعتراض کا جواب کچھ نہیں اس کا اعتراض

ے نظیر کی جگہ معنی مثال ہے ١٢ کے مکرر غلط ١٢ کے جس کی حکایت بیان کیجائے ١٢ کے حکم الٰہی سے تجاوز کرنا ١٢ ھ راجح قرار دینا ١٢ لے نہ جنتا ہے نہ جنا گیا ١٢

حرام ہے لہٰذا اس وجہ سے یہ قیام حرام ہوا ہذا کلامہ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں الحمد للہ آپ کی زبان سے اتنا تو نکلا کہ قیام کرنا وقت ذکر ولادت شریفہ کے ہونا چاہیے خیر اس قدر آپ کا تسلیم کر لینا بھی بس ہے عمرت دراز باد کاین ہم غنیمت است، بعد اس کے یہ فرمانا آپ کا کہ ہر روز کونسی ولادت مکرر ہوتی ہے نعوذ باللہ منہا یہ بڑی بیباکی ہے اور اس کے بعد جو خرافات فرضی اور کنہیا کا سا وغیرہ الفاظ لکھے ہیں وہ تو نہایت درجہ کی بے ادبی اور گستاخی ہے یہ خیال نہ کیا کہ کیسی عالیجناب کا ذکر ہے آدمی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہوشیار ہو کر الفاظ سوچ کر منہ سے نکالے ع ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را۔

اور دوسرا اعتراض ذمہ رکھ لیا اور پہلے لکھے کا خیال نہیں اور اس کے مخالف قاعدہ گھڑ لیا سبحان اللہ

جز قیام کی کوئی وجہ مولود میں نہیں پائی جاتی قولہ اقرار مطبع ہاشمی میں الخ اقول اس فتویٰ کی نقل اول تو بے جا ہیں کی گئی کہ سائل نے اس قیام مخصوص کو پوچھا تھا مجیب نے اس کے جواب میں سب شقوق قیام کو لکھ کر ایک ایک شق کا حکم شرعی لکھ دیا مگر یہ کہ مطلق ذکر فخر عالم میں قیام مندوب ہے بلا قید و تخصیص یہ نہیں لکھا کہ سوال سائل میں استفسار نہ تھا پس اس ایک شق کا یہ جواب لکھا ہے کہ اگر قدوم روح مبارک کی وجہ سے یہ قیام ہے کہ وہ ظہور مبنی قدوم کے ہے اور قدوم پر تعظیم مندوب ہے تو یہاں اس وقت قدوم نہیں بلکہ ذکر قدوم معنوی کا ہے کیونکہ ولادت مکرر نہیں ہوتی ایک دفعہ ہو چکی اور اب اگر ذہن میں ولادت فرض کر کے قیام کرتے ہیں تو اسکی کوئی نظیر شرع میں نہیں کہ فرضی امر کیساتھ معاملہ اصلی شے کا کیا جائے تو مؤلف کہتا ہے کہ قولہ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں الخ اقول مؤلف کو فہم مطالب تو ہونی بعید ہی ہے کہتا ہے کہ الحمد للہ آپکے منہ سے یہ بات نکلی یہ فقرہ مؤلف کا محض نادانی ہے کیونکہ یہ اس وقت لائق تھا کہ اول یہ ثابت کر دیتا کہ قیام تعظیم قادم کو مجیب منع کرتے ہیں اور ہر گاہ کہ یہ امر ثابت نہیں تو پھر یہ کلمہ تعجب کا خود مؤلف کے فہم متعجب کا ثمرہ ہے مؤلف مقر ہو چکا ہے کہ حکم مقید کا بوجہ قید کے ہوتا ہے پس یہ قول مجیب کا اگر اصل قیام وقت ذکر ولادت کے الخ خود دلالت کرتا ہے کہ یہ قیام مخصوص بوجہ خصوصیت کے مورد تقسیم احکام کا ہے قیام مطلق اس سے خارج ہے پس اپنے مسلم قاعدہ کے خلاف کہنا کس قدر تعجب اور دیانت سے دور ہے معہذا صریح اس فتویٰ میں مذکور ہے کہ یہ بات کہ خود جناب علیہ الصلوٰۃ کے واسطے کوئی کھڑا ہوا خارج بحث ہے الخ مگر مؤلف کے چشم حق بین کہاں ہو کہ دیکھے پس ہر گاہ کہ مجیب کا یہ مذہب ہے کہ جس مقام میں قیام تعظیم شرعاً ثابت ہو وہاں مندوب اور جہاں کوئی وجہ منع کی ہو ممنوع اور قادم کیواسطے بشرط عدم مانع کے اور ذکر اللہ تعالیٰ اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیواسطے مندوب مگر تخصیص مطلق کی بدون نص کے بدعت ہو تو پھر گنجائش اعتراض کی مؤلف کو کہاں ہو بلکہ یہ محض عناد ہے قولہ بعد اس کے یہ فرمانا آپ کا الخ اقول مؤلف کو فہم مطلب سے تو کبھی کام نہیں ہوتا بے سوچے جو چاہا کہدیا نہ شرم نہ لندللہ آخرت بھلا مؤلف جو ایسا سر پھلا کر تعجب کرتا ہے اور گستاخی کا بہتان لگاتا ہے وہ کونسی گستاخی ہے مجیب نے یہ کہا کہ یہ قیام مخصوص اگر بوجہ تشریف آوری روح پاک عالم غیب سے عالم شہادت میں ہے تو یہ قیام وقت ولادت شریفہ کے ہوتا اب جو اہل بدعت کرتے ہیں تو کیا اس وقت ولادت مکرر ہوتی ہے پس یہ فقرہ استفہام انکاری کا ہے کہ ولادت مکررہ نہیں ایسمیں کونسی گستاخی ہو یہ امر صحیح اور درست ہے پھر مجیب نے کہا پس یہ ہر روز اعادۂ ولادت الخ یعنی ہر گاہ کہ تعظیم تو ولادت کی ہے اور ولادت یہاں کہیں موجود نہیں تو اہل بدعت گستاخ اعادۂ ولادت فرضاً کرتے ہیں یہ معنی کہ معدوم ماضی کو موجود فرض کر لیا اور فرضی موجود کو حقیقی تصور کر لیا جیسا ہنود کرتے ہیں پس ایسا کام کرنا سخت گستاخی اور زبون حرکت ہے معاذ اللہ تو شان فخر عالم میں کس نے گستاخی کی مجیب نے ہرگز نہیں کی وہ اس فرضی ولادت کو گستاخی کہتے ہیں اور منع کرتے ہیں تو گستاخی کرنے

له دریافت ۲ه تشریف آوری ۳ه اختلاف ۴ه آئیز الا ۵ه سرکشی ۶ه بُری ۱۲

لیکن خیر جب آپ زبان پر لائے تو جواب اسکا دینا ضرور ہوا، اے حضرت جس چیز کا ذکر آدمی بیدار دلی سے کرتا ہی اسکا تصور بالضرور ہوتا ہے اسوقت دو نظیریں لکھتا ہوں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو قبل احرام باندھنے کے خوشبو لگائی تھی جب حضرت عائشہ نے بعد ہ اس حال کو ایک موقع میں روایت کیا تو فرماتی ہیں کانی انظر الی وبیص الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی گویا میں دیکھ رہی ہوں چمک خوشبو کی سر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱ھ یہ حدیث صحیحین میں ہے اور ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سرخ حلہ پہنے ہوئے تھے کانی انظر الی بریق ساقیہ یعنی گویا میں دیکھ رہا ہوں چمک پنڈلیوں نورانی کی یہ حدیث جامع ترمذی کی باب الاذان میں ہے ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جنکو محبت ہوتی ہے انکو وقت ذکر محبوب کے یہی شان جمال محبوب پیش نظر ہوتی ہے پس تو ان آپکا کہ اب کونسی پیر روز ولادت

مولودی ہیں نہ حبیب اور جو اس ذکر پر قیام کو تشبیہ دینا گستاخی ہے بزعم مؤلف کے تو بھی بیجا ہے کیونکہ اس وجہ مخصوصہ پر تو قیام مشابہ فعل ہنود کے ہی ہے کہ وقت ولادت کنھیا کے ہنود بھی ولادت فرضی کر کے ایسی تعظیم کرتے ہیں گویا اب پیدا ہوا ہے سو یہ قیام خود ممنوع ہے تو اس فعل منع کو تشبیہ دینا کس طرح گستاخی ہوئی مؤلف کو فہم نہیں معذور ہے **قولہ** تو جواب اس کا دینا ضرور ہوا الخ **اقول** مؤلف نے دو روایتیں نقل کیں دونوں میں تصور حلیہ فخر عالم کا ہے اور کانی کا لفظ مذکور ہے پس مؤلف ہوش کر کے سن لے کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ آدمی جب کسی گذشتہ امر کو حکایت کرتا ہے تو وہ محکی[1] ذہن میں پیش نظر ذہن کے ہوجاتا ہے تو صحابہ جب حالات فخر عالم کے بیان کرتے تھے تو وہ محکی پاک نظر میں آجاتا تھا خواہ وہ حلیہ ہوتا خواہ اور کوئی قصہ ہوتا اور اس کی یاد پر سر دریا رقت[2] یا کوئی حال مناسب آتا تھا اور یہ اب بھی سب انسان میں بدیہی ہے اور احادیث میں بکثرت موجود ہے پس یہ امر تو دونوں روایت سے معلوم اور مسلم ہے مگر یہ تو دیکھو کہ اس حکایت اور صورت ذہنیہ کے ساتھ معاملہ خود محکی کا ہوا ہو یہ ان دونوں روایتوں سے ہرگز کچھ ثابت نہیں ہوتا اگر کسی روایت میں یہ معاملہ ثابت ہوا ہو تو مؤلف اور اسکے معتقد[3] اس کا نشان دیویں کہ ولادت کے ذکر میں یا گھر سے باہر تشریف لانے کے ذکر میں یا غزوات سے آنے کے ذکر میں کسی نے وقت اس ذکر کے قیام کیا ہو یا مصافحہ کیا ہو یا سلام علیک یا کچھ اور معاملہ محکی کا ذکر حکایت سے کہیں ہوا ہو پس ان دونوں روایت میں فقط یہ مذکور ہونا کہ گویا میری نظر میں ہے مؤلف کے مدعی کو کیا مفید ہوا اثبات تو اس بات کا کہ حکایت سے معاملہ محکی کا ہو مؤلف پر واجب ہے اور مجیب نے یہ انکار نہیں کیا کہ وقت حکایت کے محکی ذہن حاکی میں نہیں آتا تا کہ مؤلف ان دونوں روایت سے اسکا اثبات کرے بلکہ اس تصور کے ساتھ معاملہ تعظیم محکی کا نہیں ہوتا یہ لکھتے ہیں سو یہ ان دونوں روایت سے ہرگز ثابت نہیں ہوا لہذا مؤلف ہوش کرے دو روایت مؤلف نے اپنی عادت کے موافق دھوکا دہی کو نقل کر کے اپنی عقل کے تیر چلانے لگا کہ بے شک محبوب کی شان پیش نظر ہوتی ہے مگر اس شان پیش نظر کے ساتھ شرع سے یہ ثابت کرنا واجب ہے کہ محبوب کا سا معاملہ اُسکے ساتھ شرع میں ثابت ہو یا عقل میں درست ہو اگر عاشق فریفتہ اور مجنون ہوجاوے وہ قاعدہ شرع و عقل سے خارج ہے اسکا ذکر ہی نہیں پس مؤلف کا قول کہ اگر ولادت مکرر نہیں تو ذکر ولادت تو مکرر ہے کس قدر بے معنی و لغو ہے کیونکہ ذکر ولادت کے مکرر ہونے سے قیام کا ثبوت کس طرح ہوجاویگا نہ مؤلف کی دو نظیر سے ثابت نہ کسی حدیث سے نہ عقل کا تقاضا کہ حکایت کو قائم مقام محکی کا کر کے محکی کا معاملہ کرے اس ہی حماقت نے راہ بت پرستاں کا مارا ہے اور صورت حاصلہ[4] فی الذہن علم کو کہتے ہیں علم شئ کا خود شئ معلوم ہو کر معظم و مکرم خارجی اعضاء سے مثل معلوم خارجی کے ہونے لگے[5] یہ درجہ تو مشرکوں سے بھی بڑھ گیا انہوں نے تو خارج میں ایک تصویر قائم مقام بھی کر دی تھی یہاں وہ بھی نہیں معاذ اللہ من ہذا الفہم الردی الحاصل

[1] معنی حکایت [2] خوف و نرمی کی حالت [3] جن کی پیروی کیجائے [4] وہ صورت جو ذہن میں حاصل ہو [5] اس خراب عقل و سمجھ سے خدا کی پناہ ۱۲

ہوتی ہے اے حضرت اگر ولادت مکرر نہیں ہوتی ذکر ولادت باسعادت تو مکرر ہوتا ہے اور اس وقت جو ظہور انوار و برکات و عجائب
حالات ہوا تھا وہ تو مکرر مذکور ہوتا ہے اور وہ نقشہ جاہ و جلال اور حسن و جمال کا تو ہر بار گفتگوئے تازہ سے دل میں تازہ ہوتا ہے
اور آپ فرما چکے کہ قیام کرنا وقت وقوع ولادت کے ہونا چاہئے تو جب تذکرہ کرنیسے پھر وہی تعظیم محبان رسول کے قلب میں طاری و ساری
ہوگئی اور قیام کر دیا فرمایئے کون سی دلیل شرعی اسکے منع پر قائم ہے اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا کہ اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ امر
فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اسکے ساتھ کیا جاوے، اے حضرت ذکر ولادت شریف تو کوئی امر فرضی نہیں یہ تذکرہ تو امر حسی موجود
فی الخارج ہے زبانوں پر اس کے الفاظ جاری کانوں میں اسکی صورت طاری دلوں میں اس کا ذوق ساری پس اسوقت میں اگر اصل
حقیقت کی طرح تعظیم دی جاوے اس کی نظیریں تو انشاء اللہ تعالیٰ شرع شریف میں مل جاویں گی از انجملہ صوم عاشورا ہی کہاں

ذکر مبارک آپکا لاریب موجب کمال سرور مؤمن کا ہے مگر اس ذکر کے وقت صورت حاصلہ فی الذہن سے معاملہ خود ذات مبارک
معلوم کا ہونے لگے یہ ہرگز جائز نہیں ہاں کوئی عشق و وجد[1] میں کھڑا ہو جاوے یا لوٹ جاوے یا بے اختیاری میں کچھ کرے وہ اس بحث سے
خارج ہے جیسا ملا شبلی کا قصہ ہے اور کچھ امر ولادت پر ہی منحصر نہیں سب آپکے حالات میں ہی ہم نے اہل وجد میں اسکو ملاحظہ کیا ہے اب مؤلف
ذرا غور کرے کہ ان دو حدیث سے اور دلیل عقلی سے مدعا اسکا ہرگز نہیں نکلتا اس قیام کا ثبوت شرعا سے کہیں نہیں ہو ویگا اگر ساری عمر
سر ماریگا اسکا جواب کوئی نہیں ہوگا کہ صورت حاصلہ ذہن کے ساتھ معاملہ معلوم خارجی کا ہووے ہوش کرے اور اس قیام کی کراہت پر دلیل
شرعی تو خود بار ہا دی گئی مگر مؤلف کے ذہن پر غشاوہ[2] ہے تعیین مطلق خود دلیل کراہت کی ہے اور تشابہ کفار دلیل کراہت کی ہے اور خلاف
سلف کے ہونا دلیل کراہت کی ہے اور کیا چاہتا ہے **قولہ** اور یہ جو آپنے فرمایا کہ امر فرضی الخ **اقول** لاحول ولا قوۃ الا باللہ مؤلف کس قدر کند ذہن
آدمی ہے ہرگز نہیں سمجھتا ارے مرد آدمی ولادت خارجی واقعی تو ہو چکی ہے اور ولادت کا تصور جو وقت ذکر ولادت کے ہو وہ اسکی صورت ذہنی اور
حکایت ذہنی ہے اور جو تذکرہ لسانی ہے وہ حکایت زبانی ہے پس ولادت حقیقی تو وہ ہے جو گذر چکی اور ولادت فرضیہ یہ ہے کہ اسوقت
اسکی صورت ذہن میں لیکر یا حکایت زبانی کو قائم مقام اصلی کے کرتے ہیں اور اس تصور یا الفاظ کی حکایت کو ولادت فرض کرتے ہیں کہ گویا یہ ہی
ہے پھر اس کے ساتھ تعظیم عین ولادت جیسی کرتے ہیں محکی کو فرضی نہیں کہا اور نہ حکایت کو فرضی کہا بلکہ حکایت کو فرضی کہا ہے بایں معنی کہ
مثل محکی کے حکایت کو بنادیں اور حکایت کو محکی فرض کریں اور معاملہ اصل کا اسکے ساتھ کریں ولادت اور ذکر ولادت میں فرق بدیہی کہ
مضاف اور مضاف الیہ دو ہوتے ہیں ایک نہیں ہوتا پس ذکر ولادت خود ولادت نہیں لہذا مضاف الیہ کا معاملہ مضاف کے ساتھ شرع
سے ثابت نہیں اور یہ بھی سفسطہ[3] ہے کہ مضاف کو بمقام مضاف الیہ کے رکھکر معاملہ مضاف الیہ کا کریں ہنود کو یہی دھوکا ہے کہ ذکر ولادت
کو عین ولادت جانکر معاملہ ولادت کا کرنے لگے یہ امر بدیہی ہے اگر عقل ہو تو مؤلف تمام مضاف و مضاف الیہ کو اور حکایت و محکی کو ذہن
میں لیکر عقل کو کام فرماوے اور سمجھے ارتاج و صوم عاشورا، و تصور شیخ سے حکایت کے ساتھ محکی عنہ کا سا معاملہ کرنا ثابت نہیں **قولہ** از انجملہ صوم عاشورا
ہے الخ **اقول** پہلے خوب محقق ہو چکا کہ فخر عالم علیہ السلام نے صوم عاشورا با فتراض حق تعالیٰ اور حسب عادت قدیمہ کے رکھا تھا اور ہرگز باتباع
یہود کے یا بوجہ شکر نجات حضرت موسیٰ کے نہیں رکھا اس تحقیق کا اعادہ نہیں کیا جاتا وہاں دیکھ لیویں ابن حجر نے اس صوم کو اعادہ سرور کی
اصل ٹھہرایا تھا کہ جیسا شکر نجات بتجدد[4] امثال ہر سال عود کرتا ہے شکر ولادت بھی ہر سال اس تاریخ میں اگر عود[5] کرے تو اس کی

[1] حال و سرور کی کیفیت [2] پردہ [3] مغالطہ [4] موضوع حکایت [5] حماقت [6] مثالوں کی تبدیلی کے ساتھ [7] واپس آئے ۱۲

فرعون کا ڈوبنا اور موسیٰ علیہ السلام کا نجات پانا اور انکے شکریہ میں موسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھنا اور کہاں یہ بڑا زمانہ کہ اتبک وہ روزہ چلا جاتا ہے حالانکہ حقیقتِ وقوعِ واقعہ غرقِ فرعون و نجاتِ موسیٰ تو اُسی دور میں ہولی تھی اب نہ اصل حقیقت موجود نہیں پس جبکہ آپ قائل ہوئے کہ وقوع ولادت میں قیام ہونا چاہیے تو اگرچہ وہ حقیقت اب موجود نہیں لیکن ہمیشہ تعظیم کا جاری رہنا بمقتضائے اصل واقعہ کے نظیر صوم عاشورا سے ثابت ہو گیا اور دوسری نظیر ایک اور بھی ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو مدینہ میں بخار کی بیماری تھی مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے سست زار و نزار کر دیا ان سے طواف بھی نہ ہو سکے گا یہ کہا اور مقام حجر کی طرف کو مشرک لوگ ان کا تماشہ

مناسبت اسمیں ہے مگر فی الواقع یہ دونوں متغائر ہیں چنانچہ سب تحقیق ہو چکی مگر بہر حال مناسبت ظاہر میں تھی گو واقع میں فرق ہے لیکن مؤلف نے یہ غضب کر دیئے کہ بالکل کوئی مناسبت ہی نہیں تھی اور پھر اصل بنا دیا یہ محض خیال فاسد ہی ہے اس واسطے کہ وہاں اعادہ سرور ولادت کا مثل یوم ولادت میں تھا جیسا سرور عاشورا مثل یوم نجات میں ہے غرض بہر دو یوم تو مناسب ہیں اور یہاں تو محض مؤلف کا امر فرضی ہے اور فرضی امر ٹھہر کر جسکا کہیں خارج میں وجود نہیں معاملہ اسکا کرتا ہے اور عجیب اس کو ہی رد کیا ہے کہ جس وقت چاہے ذہن میں تصور ولادت کا کر لیا اور زبان سے حکایت اس ولادت کی کر دی اور اس تصور ذہنی یا الفاظ حکایت کی تعظیم مثل عین ولادت کے کرنے لگے تو یہاں مؤلف کو واجب تھا کہ اپنے مدعا کے اثبات میں ایسی نظیر دیتا کہ زبان سے حکایت کرکے اس حکایت کے ساتھ تعظیم محکی عنہ[1] کی ہو یا ذہن میں تصور جما کر اس صورت ذہنیہ کی تعظیم قیام خارجی سے کیجاوے تا کہ مدعیٰ اسکا ثابت ہوتا ورنہ اس نظیر سے اسکو کیا نفع ہے اب نہ معلوم کہ مؤلف کے نزدیک ولادتِ حقیقیہ ماضیہ کے قائم مقام فقط تصور ذہنی ہے یا حکایت لفظ لسانی[2] ہے یا دونوں ہیں جسکے واسطے قیام تعظیم ہوتا ہے بہر حال اس فرضی تصور یا حکایتِ واقعہ کی تعظیم جو فرضاً محکی ہوا ہے اس نظیر صوم عاشورا سے کچھ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ یوم عاشورا بتجدد امثال[3] ہر سال عود کرتا ہے گو غرقِ فرعون و نجات بنی اسرائیل عود نہ کریں سو تعظیم یہود اس یوم کی کرتے تھے اور عید مناتے تھے نہ یہ کہ تصور غرق و نجات کا کرکے عید کرتے ہوں یا ذکر غرق و نجات کا پڑھ کر عید مناتے ہوں بخلاف مؤلف کے کہ وہ محض تصور اور الفاظ حکایت و ذکر کو قائم مقام عین ولادت کی کر لیتے اور تعظیم اسکی مثل تعظیم عین ولادت کے ہوتی ہے دیکھو کہ فعل یہود میں اور فعل مؤلف میں زمین آسمان کا فرق ہے یہود کے فعل کو تو کچھ مناسبت[4] بھی کہ زمانہ زمانہ محکی عنہ ہے مگر مؤلف کے فعل میں کچھ بھی مناسبت نہیں محض مغایرت[5] ہے اور یہ تو جیسا فرضی معاملہ ہے اور خیال پرستی کا قصہ ہے معاذ اللہ کیا سوء فہم ہے کہ بیدل سوچے سمجھے جو چاہے لکھدیوے اور شرم نہ کرے شکر نجات حضرت موسیٰؑ کا دائمی تھا اور مثل یوم واقعہ کو شکر کیواسطے مقرر کر دینا عید منانا تھا ایسا ہی شکر ولادت فخر عالم علیہ السلام کا دائمی ہے اور اسکے یوم ولادت کو ٹھہرا دینا عید منانا ہے اس مناسبت سے ابن حجر نے یوم عاشورا کو نظیر سرور یوم ولادت لکھی تھی گو اصل میں یہ اصل بنانا بے اصل تھا کیونکہ صوم فخر عالم اسوجہ سے ہرگز نہیں تھا اور سرور و تعیید کو آپ نے رد ہی کر دیا تھا لیکن صورت غرق فرعون و نجات موسیٰؑ کو ذہن میں ٹھیرا کر یا ذکر غرق و نجات کا کرکے اور اصل واقعہ کے قائم مقام فرض کرکے تو عید نہیں بنایا تھا جیسا کہ مؤلف بیاد و حکایت واقعہ ولادت کے کھڑا ہونا لکھتا ہے یہ تو نہ ابن حجر کو سوجھی تھی نہ یہود نے یہ فرضی کام کیا تھا مؤلف نے ذرا شرما کر اپنی اصل بے اصل کو خیال کرے کہ شرع محمدیؐ میں تصور ولادت و حکایت ولادت کو مقام عین ولادت کے قائم فرض کرکے خیال و لفظ پرستی کرتا ہے حالانکہ شرع میں یہ محض بے اصل ہے اور توبہ کرے **قولہ** اور دوسری نظیر الخ **اقول** رمل میں قوت دکھانا کفار کو تھا مگر دوسری علت کا ہونا کہاں سے محقق ہوا کہ سوائے اس کے کوئی علت نہیں تھی ایک شئے کی کئی کئی علل بھی ہوتی ہیں پس بعد فتح مکہ کے اگرچہ یہ علت مرتفع[6] ہوئی مگر دیگر علل[7] کا رفع ہونا کیونکر

---

۱ موضوع حکایت ۲ زبانی ۳ مثلوں کی تبدیلی کے ساتھ ۴ مشابہ ۵ مخالفت ۶ ختم ۷ علت کی جمع ۱۲

دیکھنے لگے تب حضرت نے صحابہؓ کو فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو انہوں نے رمل کیا یعنی جس طرح پہلوان لوگ وقت لڑائی کے کودتے ہوئے اور مونڈھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ اُن مشرکوں کے سامنے چلتے تھے اور کفار یوں بول اٹھے یہ تو ہرن کیطرح چوکڑیاں بھرتے ہیں یہ روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں خلاصہ یہ کہ رمل یعنی کود اچھل کر مونڈھو ہلا کر چلنا اسوقت تو واسطے دکھانے کفار کے کیا گیا تھا لیکن پھر بعد اس زمانہ کے جو حجۃ الوداع واقع ہوا اسوقت بھی وقت رفتار رمل کے طور پر وقوع میں آئی حالانکہ اسوقت کوئی مشرک وہاں نہ تھا قطعاً اور قائم رکھا اسوقت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رفتار تجبر کو اور پھر قائم رکھا بعد آپکے خلفاء راشدین نے پھر تابعین نے یہانتک کہ ابتک بھی وہی پہلوانوں کی چال کود اچھل کر وقت طواف کیجاتی ہے اب دیکھیے یہ معاملہ حقیقت کا سا بعد منقضی ہوجانے اصل حقیقت کے کیا جاتا ہے الیٰ یومنا ہذا اور جاری رہے گا الیٰ یوم القیامۃ حالانکہ اصل علت موجود نہیں یعنی اب حرم شریف میں ایک بھی کافر نہیں جسکو اپنی طاقت اور بہادری اور جوانمردی کی چال دکھلائے چنانچہ صاحب ہدایہ اس معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں ثم بقی الحکم بعد زوال السبب فی زمن النبی علیہ السلام وبعدہ اور شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادت میں لکھا ہے معلوم شد کہ بعد از زوال علت نیز این حکم باقی ست تو حضرت صاحب اصل حقیقت کا سا معاملہ بعد انقضائے حقیقت بھی کرنے کی نظیریں شرع میں موجود ہیں اور جس چیز کی نظیر پائی جاوے وہ موافق قاعدہ مولوی اسماعیل صاحب کے بدعت نہیں ہوتی الحاصل جب آپ قائل ہوچکے کہ اصل حقیقت یعنی وقوع ولادت شریف میں قیام ہونا چاہیے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اس امر میں حق پر ہیں چنانچہ بعض روایات موالید میں آیا ہے کہ اس وقت ملائکہ اور حوریں کھڑی ہوئی تھیں آدمی کا تو وہاں گذر نہ تھا اور جسکا گذر

معلوم ہوا پس اولاً یہ جزم کہ دوسری علت نہیں تھی صحیح نہیں بلکہ یہاں دوسری علت کا احتمال بلکہ قرینہ وجود اس کا ہے جس کا ذکر اب آتا ہے نہایت یہ کہ ایک علت کو شارع نے بیان کیا دوسری علت کو مجتہدین کے استنباط پر رکھا جیسا اکثر نصوص میں بیان علت نہیں فرمایا اگر ہم تسلیم کریں کہ دوسری علت نہیں تھی تو حجۃ الوداع میں آپ کا رمل[1] کرنا اور کرانا یہ بھی علت ہے کہ بااتباع آپکے فعل کے ہوا اور آپنے تقریر فرمائی پس یہ علت نہایت قوی ہے تو نص علتِ رمل کی موجود ہے ہر چند اس میں بھی استخراج علت کا ممکن ہو مگر سلمنا[2] کہ یہ نص خلافِ قیاس کے ہے کہ فقہاء کے فہم میں اسکی علت نہ آئی پس جو نص خلاف قیاس ہوتی ہے وہ اصل کسی شئی کی نہیں ہوتی اور مقیس علیہ[3] نہیں بنائی جاتی تعدی حکم اس سے ناجائز ہے اور حکم اسکا مقصور بمحل نص ہی رہتا ہے پس اس رمل سے قیاس مؤلف کا محل نزاع میں باطل ہوا اور نظیر اسکی لکھنی لغو ہوئی اب دیکھو علی قاری شرح مناسک میں کیا لکھتے ہیں لایقال الاصل فی الحکم ان یزول بزوال العلۃ فانا نقول قد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال المشروعیۃ تذکر النعمۃ الامن بعد الخوف لیشکر علیہا فہذہ علۃ اخری والحکم قد یثبت بعلل شتیٰ دلۃ او انتفاء شخص علۃ لا یؤثر فی انتفاء نوع الحکم ولئن سلم فالحکم ہہنا مع عدم العلۃ فہو غیر معقول المعنی الخ انتہیٰ اور قول صاحب ہدایہ کا جو نقل مؤلف نے کیا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بعد زوال اس سبب کے جو اس وقت آپ نے اظہار فرمایا تھا مطلق اسباب رمل کی کیونکہ اگر کوئی سبب نہیں تو فعل شارع کا تو خود علت حکم کی موجود ہے کہ اصل علت نص ہی ہوتی ہے مگر مؤلف کس کا فہم لاوے جو سمجھے پھر سنو کہ یہ نظیر بھی محض سفسطہ[4] ہے کیونکہ طواف کی مثل طواف ہے من کل الوجوہ[5] طواف طواف سب ایک ہیں یہاں بھی اعادہ سبب کا موجود ہے کوئی فرضی امر نہیں اعنی یہ نہیں کہ ذکر اظہار قوت کا ہو

---

[1] سینہ تان کر چلنا [2] ہم نے تسلیم کیا [3] جس پر کسی شے کو قیاس کیا جائے [4] بیہودہ لغو [5] ہر اعتبار سے ۱۲

تھا وہ حالت قیام میں تھا تو اب بھی جب ذکر آوے تو وہی قیام امت میں جاری رہے تعظیماً تو ہرگز مخالف اصل شرعی کے نہیں ہوسکتا
اور تماشہ یہ کہ آپ یعنی حضرت معترض صوفی بھی ہیں اور آپکے یہاں تصور شیخ کا قاعدہ بھی چلا آتا ہے آپکے بزرگوار فرماتے ہیں واذکر
الاعظم ربط القلب بالشیخ علی وصف المحبۃ والتعظیم و ملاحظۃ صورتہ انتہی اور شاہ ولی اللہ صاحب سالۃ الانتباہ میں لکھتے
ہیں فینبغی ان تجعل صورۃ الشیخ علی کتفک الایمن اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خلیفہ محمد عاشق پھلتی جن سے شاہ عبدالعزیز صاحب
نے بعد وفات والد اپنے کے تکمیل سلوک کی ہے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں مرشد کا تعلیم کیا ہوا طریقہ لکھتے ہیں اگر وقت دوری شیخ کسے استفاضہ
خواہد طریق است آن است کہ فارغ دل وضو ساختہ نماز گذارد و ہمانجا نشستہ صورت شخصیکہ ازوے فیض می جوید بجمع ہمت و دفع خطرات ملاحظہ نماید
الی آخرہ اور امام ربانی جلد ثانی مکتوب کی مکتوب سی ام میں کثرت تصور شیخ کیلئے لکھتے ہیں ایں قسم دولت سعادتمنداں را میسر است تا در جمیع احوال
صاحب رابطہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند اور حاجی امداد اللہ صاحب ضیاء القلوب مطبوعہ کے صفحہ میں اسطرف اشارہ فرماتے ہیں
اگر در حالت ذکر خطرہ درآید بمشاہدہ جمال مرشد آن خطرہ را دفع سازند و باز بذکر مشغول شود اور مولوی اسحق صاحب نے بھی مائۃ مسائل میں اس بات کو محدود
کردیا کہ پیر کو عالم الغیب جانے لیکن تصور بطور رابطہ قلبی کے ذکر کیا اور اسکو منع نہ فرمایا یہ صریح علامت جواز کی ہے عبارت انکی یہ ہے

اور حل کیا ہو یا تذکرہ صورت ذہنیہ واقعہ کی کرکے رحل کیا ہو اصل معترض کا اعتراض اور رد کرنا تو فرض شے کا ہے نہ مثل شی پر پس یہاں
اس نظیر میں نہ صورت علمیہ فرضیہ پر عمل ہوا نہ حکایات لفظیہ پر رہا جیسا ذکر ولادت پر ہوتا ہے اگر مؤلف کو ہوش نہ ہو تو کوئی کیا کرے
نہ مؤلف مغز سخن کسی کو سمجھے نہ اپنے جواب کی کیفیت سے مطلع ہو الحاصل دونوں نظیر میں مثل موجود ہے مگر مؤلف کے قیام ولادت میں کوئی
مثل ولادت نہیں محض صورت ذہنیہ و حکایت ہے کہ ان دونوں کو یا ایک کو عین ولادت فرض کرکے قیام اسکی تعظیم کا کرتا ہے پس فرق کس
قدر ہویدا ہے سہ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم * چشمہ آفتاب را چہ گناہ، پس ہرگاہ ثمرہ مؤلف کا معلوم ہو چکا تو صاف تحقیق ہو گیا کہ مؤلف خیال
پرستی میں ہے اور یہ امر ہرگز نہ شرع میں ثابت اور نہ عقل میں جائز اور نہ ہرگز یہ وجہ قیام کی درست ہے اور نہ ہوسکتی ہے شرعاً فقط قولہ اور آپ
کے یہاں تصور شیخ الخ اقول بدیہی امر ہے کہ اگر کوئی اپنے دوست محبوب کا تصور کریگا تو اس صورت ذہنیہ کے ساتھ حب لازم ہوویگی اور دشمن
کے تصور میں بغض لازم ہوویگا اور معظم کے ساتھ تعظیم، اسمیں کسی عاقل کو تامل نہیں پس جب کوئی اپنے شیخ مربی کا تصور مثلاً کریگا تو بالضرور
محبت و عظمت اس صورت ذہنیہ کو لازم ہوویگی طبعاً پھر وہ اس صورت علمیہ کو خواہ مواجہ خیال کرے یا ذہنی یہ حب و تعظیم اسکو لازم مگر یہ تعظیم قلبی تو
یہاں محبوث نہیں کیونکہ حب و تعظیم فخر عالم علیہ السلام کی لازم قلب مومن کو ہے ہر دم و ہر لحظہ یہاں کلام افعال تعظیم کی جوارح سے اس صورت
کے ساتھ بجالانے میں ہے اور خاص قیام تعظیم اس میں کرنے میں سو یہ کسی اہل طریقہ نے نہیں لکھا اور نہ کسی کا معمول ہے کہ اس صورت کے ساتھ
معاملہ متصور کا کرنا چاہیے پس اس رابطہ کی حجت سے اگر مراد مؤلف کی یہ ہے کہ تعظیم تصور کی کرتے ہیں ولادت کی بھی تعظیم لازم آئی تو یہ محض
بیجا ہے اس واسطے کہ ابھی بیان ہوا کہ تصور معظم کے ساتھ تعظیم لازم ہوتی ہے سو ولادت کے تصور کے ساتھ بھی تعظیم لازم ہوویگی مگر اس تعظیم قلبی
سے تعظیم بجوارح و قیام تو نہیں لازم آتی جسکے اثبات میں مؤلف چکر کھا رہا ہے ہاں جو منکر حب تعظیم قلبی تصور ولادت کا ہو اس پر یہ حجت
ہوویگی سو ایسا کوئی مومن نہیں چنانچہ توجیہ اسکی بالا ہوئی یہاں تعظیم قیام و جوارح کا انکار ہے سو یہ نہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے
ثابت اور نہ صوفیہ کا معمول اور نہ امر معقول محض ایک جہل قواعد شرع سے ہے پس قول جمیل و انتباہ و سبیل الرشاد و مکتوبات

ے قریب ہے تربیت کرنے والا ہے ظاہر ہے موضوع بحث ہے اعضائے ظاہری ہے جس کی تعظیم کی جائے ۱۲

واگر تصور صورت شیخ بطور رابطہ باشد پس مضمون بعض مشائخ است خلاصہ یہ کہ جیسے مرید طالب اپنے پیر کے سامنے مؤدب بیٹھتے ہیں اور تعظیم مد نظر رکھتے ہیں اس سے دو فائدے پیدا ہوئے ایک تو جب تصور شیخ سے مرید کو فلاح وخیر حاصل ہوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہادی سبل اور مرشد کامل ہیں انکا تصور غلبہ محبت کے ساتھ کیونکر نفع نہ دیگا دوسرا فائدہ یہ کہ جب تعظیم مرشد حالت تصور میں بھی ہے تو یہ حقیقت کا ملہ عدم موجودگی حقیقت میں کیا جاتا ہے پس قائم ہوئی معترض پر یہ حجت ہماری از روئے طریقت اور قائم ہوئیں دو حجتیں صوم عاشورا اور رمل کے ساتھ چلنا حالت طواف میں از روئے شریعت اور وہ جو معترض نے شدت غیض قلبی سے اس بات کو محض حماقت اور حرام اور تشبہ کفار اور جنم کنھیا اور سانگ قرار دیا ہے اسکا جواب ہم کچھ نہیں دیتے ہاں یہ دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم جاہلوں کی زبان کو ایسے کلمات گندہ اور الفاظ غلیظہ سے آلودہ نہ کرے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم **اعتراض** کہتے ہیں کہ شامی جو مجوزین عمل مولد شریف میں شمار کیا جاتا ہے وہ خود قیام کو بدعت لا اصل لہا لکھتا ہے تو یہ قیام بدعۃ سیئہ ضلالت ہوا اور عبارت اس کی سیرت شامی میں یہ ہے جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا ذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوموا تعظیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا القیام بدعۃ لا اصل لہا **جواب** اسکا یہ ہے کہ اس عبارت سے جو یہ لوگ ضلالت اور سیئہ

وضیاء القلوب و مائتہ مسائل سے جو کچھ مؤلف نے نقل کیا ہے محض بے سود و بے محل نقل جہلات سے. دو امر واضح ہوتے ایک یہ کہ جیسا تصور شیخ اور جملہ محبوب میں محبت قلبی لازمی ہے تصور فخر عالم اور آپ کے حالات ... میں بھی وہ حب و تعظیم لازم ہوتی ہے اور جیسا ان محبان کی کے تصور میں قیام وغیرہ امور جوارح کی تعظیم منقول نہیں فخر عالم کے تصور میں بھی نہیں ہونا چاہیئے خصوصاً جہاں تشبہ کفر کا لازم آوے جیسا تصور ولادت میں اور کسی کو نہ دیکھا سنا ہوگا کہ حالت عقل میں تصور زوجہ کے ساتھ بوس وکنار کرے یا تصور قدوم والدین میں قیام مثلاً دوسرے یہ کہ جیسا حب قلبی فخر عالم اور ان کے احوال کے موجب قوت ایمان ہے ایسا ہی امور غیر مشروعہ کو ایسی حالت ذکر و تصور میں بجالانا تشبہ کفار کے ساتھ باعث ہتک حرمت آپکا ہے اور موجب نقصان ایمان فاعل پس ہر دو حجت مؤلف کی منقلب اس پر سبب تشبیہ پیدا کی اس کی ہوگئی اور جو کچھ کلمات تشبیہ کے عدم فہم کی وجہ سے اوس نے لکھے اسکا جواب لکھنا ضرور نہیں مگر اول لکھا گیا کہ جب صحابہ نے ایک امر مباح کی واسطے عرض کیا تھا کہ ہمارے واسطے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیں تو آپ نے یہ تشبیہ فرمائی تھی اجعل لنا الٰہا کما لھم الٰہۃ کہ یہ کلمہ شرک کا تھا پس مباح کی طلب فعل میں آپنے تشبیہ کلمہ کفر کی فرمائی اور حدیث ماشاء اللہ و شئت میں ہرگز قائل کی نیت میں شرک نہ تھا معنی درست تھے مگر لفظا ہر چو موہم شرک کو تھا تو آپ نے فرمایا جعلتنی للہ نداً تو یہ ہی معنی تھے کہ مجھ کو تو نے خدا کا شریک بنایا یعنی مشرکین جیسا کلمہ کہا کہ ظاہر میں شرک کی بو دیتا ہے اور حالت قیام کو صلوٰۃ مرض قدیم میں فرمایا ان کدتم انفا لتفعلون فعل فارس والروم اور فارس اور روم کا فعل حرام غیر مرضی ہی تو تھا کہ قیام صلوٰۃ مشروع کو بوجہ مشابہت کے تشبہ حرام قیام سے فرمائی اب مؤلف ہر سہ نظیر میں دیکھ لیوے کہ بوجہ مشابہت کے فخر عالم نے افعال مباح و مشروع کو تشبیہ شرک حرام ہے دی ایسا ہی یہاں صحیح حالت ذکر فخر عالم میں جو مندوب تھا اس فعل قیام کو جو مشابہ ہنود کے تھا تشبیہ فعل ہنود سے کیا تھا تو کون سی وجہ اشکال کی آگئی خود مؤلف کو تو مسجد کو مندر سے تشبیہ دینا جائز ہوا اور فخر عالم کا ہتک بقول اگر سب اسباب تعظیم کے نہ ہونے میں قیام کی تعظیم بھی نہ ہو کیا حرج ہے ایسے کلام گستاخ کرنا درست رکھا اور دوسروں پر یہ کم فہمی کے کلام حق تعالیٰ مؤلف کو ہدایت کرے کہ مومن ہے گو ظلمات بدعت میں محصور ہے مؤلف کا سیرت شامی سے قیام مولد ثابت کرنا بے اصل ہے **قولہ اعتراض** لکھتے ہیں کہ شامی الخ **اقول** جس امر محدث کی قرون ثلثہ میں اصل نہ ہو مراحتہً و دلالۃً وہ بدعت ضلالہ ہے اور بحسب تقسیم بدعۃ کے وہ سیئہ ہی

ل اعضاء ظاہری ۲ تشریف آوری ۳ بے عزتی ۴ وہم میں مبتلا کرنے والا ۵ کیا تم نے مجھے خدا کا شریک ٹھہرا دیا ۶ بدعت کی تکذیب

ہونا قیام کا نکالتے ہیں کمال بوالعجبی ہے اس لئے کہ بدعت ہونا اسکا تو مسلم کیونکہ رسول و صحابہ کے دورہ میں اسکا رواج نہ تھا لیکن اسوقت
رائج نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضلالت ہو تقسیم بدعت طرف حسنہ اور سیئہ کے مجتہدین اور محدثین کے قول سے ثابت ہے چنانچہ نور دوم کے
لمعوں تا نیز میں ہم نقل کر چکے اور سیرت حلبی میں ہے و قد قال ابن حجر الہیثمی الحاصل ان البدعۃ الحسنۃ متفق علی ندبہا و عمل المولد و اجتماع
الناس لہ کذلک ای بدعۃ حسنۃ انتہی اور یہ ابن حجر قائل جواز اس قیام مروجہ کے ہیں چنانچہ ان کے مولد کبیر کی عبارت جواز قیام میں
عثمان حسن دمیاطی شافعی نے نقل فرمائی ہے پس جبکہ یہ عمل مولد بہیئت مروجہ مع القیام بدعۃ حسنہ ٹھہرا بالاتفاق اس لئے کہ اشارہ لفظ کذلک
کا طرف متفق علی ندبہا کے بھی ہے جس طرح بدعۃ حسنۃ کیطرف ہے کما لا یخفی تو استدلال مانعین اوپر بدعت سیئہ ہونے قیام کے جو سیرت شامی سے کرتے
ہیں اس تقریر سے ساقط ہو گئی اور اگر لفظ لا اصل لہا پر مانعین کو کچھ غرہ ہے کہ اس نے لا اصل لہا جو لکھا ہے اس سے سیئہ ہونا ثابت ہے تو جواب اسکا
یہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں جہاں لفظ لا اصل لہا آیا کرے وہاں بدعت سیئہ مکروہہ یا محرمہ مراد ہوا کرے اس بات پر دو عبارتیں دلیل گذارتا
ہوں مجمع البحار کے خاتمہ جلد ثالث صفحہ ۵۱۲ مطبوعہ نولکشوری میں ہے کہ صاحب مجمع نے اپنے شیخ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ پھول یا خوشبو
سونگھتے وقت درود پڑھنا کیسا ہے تو جواب اسکا یہ لکھا ہے اما الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلک ونحوہ فلا اصل لہا ومع ذلک
فلا کراھۃ فی ذلک عند نا الخ اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لا اصل لہا ہونے کو یہ ضروری نہیں کہ وہ ناجائز ہوا کرے اور مولوی محمد اسحٰق
مسائل اربعین کے مسئلہ چہاردہم میں کہ نوشہ کو بطریق سلامی کچھ دینا اور دلہن کو منہ دکھائی میں کچھ دینا کیسا ہے تحریر فرماتے ہیں جواب در شریعت
محمدی اصل این چیزہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال این چیزہا کہ دادن سلامی و رونمائی ہست مباح باشد الی آخرہ ان عبارتوں سے معلوم ہو کہ کسی
چیز کے بدعت ہونے اور شریعت محمدیہ میں اصل نہ پائے جانے سے حرمت و کراہت لازم نہیں آتی پس سیرۃ شامی میں بدعۃ لا اصل لہا

کہلاتی ہے چنانچہ اسکی تحقیق گذر چکی پس جب صاحب سیرت شامی نے لا اصل لہا کہا بدعۃ ضلالہ اسکے نزدیک ہو چکی اور بدعت ضلالہ ہونا اسکا
اس رسالہ سے بھی محقق ہو لیا اور توجیہات رکیکہ واہیہ مؤلف کا جواب اثبات قیام میں بھی لکھا گیا پس جب احادیث و اجماع سے ضلالہ ہونا
ثابت ہو گیا اب ابن حجر ہیثمی یا کسی عالم کا قول معتبر نہیں اور خود مجلس مروجہ کا ممنوع ہونا بھی سابقاً محقق ہو لیا اور اقوال پہلے علماء اور اعمال
کی توجیہ بھی کر دی گئی کہ حسن ظن اپنا ان کے ساتھ ہے مگر مؤلف کے نہ ماننے پر تنزل کا جواب دیا جاتا ہے پس جمع مؤلف کی بالکل بے سود
و طائل میں بدعت سیئہ ہونا اس کا مقرر ہے **قولہ** اور اگر لفظ لا اصل لہ الخ **اقول** مؤلف کے ہوش و فہم کا قصور ہے ہوش کر کے سنے
کہ جہاں بدعت کے ساتھ لا اصل لہ ہوتا ہے وہاں بدعۃ سیئہ مراد ہوتی ہے اور جو بغیر لفظ بدعت کے لا اصل لہ بولتے ہیں تو وہاں دوسرا
احتمال بھی ہو سکتا ہے پس یہاں سیرۃ شامی میں بدعت لا اصل لہا کہا ہے پس یہ بالضرور سیئہ ہی ہے اور مجمع کی عبارت میں بدعت کا لفظ
نہیں فقط لا اصل لہ ہے اور قرینہ مابعد کا موجود ہے کہ اصل سے مراد حدیث و اثر صریح ہے نہ مطلق اصل کیونکہ کہتا ہے فلا کراھۃ
فی ذلک عند نا فقد قال الحلیمی من ائمتنا الشافعیۃ واما الصلوۃ علی النبی عند التعجب من الشئ کما یقول الانسان حینئذ سبحان
اللہ لا الہ الا اللہ ای لا یأتی بالنادر الا اللہ تعالیٰ فلا کراھۃ فیہ انتہی پس دیکھو کہ اصل صلوٰۃ کے وقت امر تعجب کے حلیمی کے قول
سے ثابت کرتا ہے تو قیاس اور قول فقیہ تو اصل موجود ہے جس پر قیاس ریحان کو کیا مگر حدیث و اثر نہیں پس اصل سے مراد یہاں حدیث
شریف ہے نہ یہ کہ کوئی دلیل صراحۃً و دلالۃً بھی نہیں لہٰذا لفظ لا اصل لہ کہ مطلق قرینہ سے ہو خصوصاً جب بدعت کا بھی ذکر ہو وہاں
ضلالہ ہی مراد ہوتا ہے تو شامیہ میں بدعت سے مراد سیئہ ہی ہے علی ہذا اربعین مسائل میں اصل سے مراد نص صریح ہے و لہٰذا اصل

ے گزر چکا ۴۰ صفحہ ۱۲

کہنے سے قیام کا ضلالت اور سیئہ ہونا ثابت نہ ہوا اور جبکہ ٹوٹ گئی دلیل مانعین کی تو اب پیش کریں ہم وہ قرائن و دلائل کلام پر شامی
کی جو قیام کے بدعت حسنہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس نے یہ لفظ لکھے ہیں جرت عادۃ کثیر من المحبین اول تو لفظ
اجرائے عادت ایک قسم کے مستند ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے باب الاحرام میں لکھا وبذٰلک جرت العادۃ الفاشیۃ
دعی من احسن ما الحج تو عادت فاشیہ یعنی ظاہرہ اگر عہد صحابہؓ سے ہو تو کمال درجہ کی قوی حجت ہے اور اگر مابعد کی عادت ہے تو بھی ایک
طرح کی سند ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مارآہ المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن اور مسلموں سے صحابہ
مراد رکھنا غیر مسموع ہے اس لئے کہ مخالف ہے ہدو فتاوی اور شرح ہدایہ وغیرہ کے جو بہت اکابر مفتیان دین نے اس روایت کو سند
پکڑی ہے استحسان امور مروجہ مابعد پر جنکو علمائے دین نے مستحسن رکھا ہے اور نیز مفتیان دین جا بجا الفاظ فتوی میں لکھتے ہیں
علیہ العمل وعلیہ المسلمون وبہ جری التعامل وھو المتوارث امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ قیام کی تحقیق میں جلد دوم احیاء العلوم
میں لکھتے ہیں ولکن اذا لم یثبت فیہ نہی عام فلا نری بہ باساً فی البلاد التی جرت العادۃ فیہ باکرام الداخل بالقیام دوسرا قرینہ یہ
شامی نے عادت لکھی تو کثیر کی عادت لکھی اور گروہ کثیر اہل اسلام کا ایک عمل پر قائم ہو جانا یہ بھی ایک سند ہے شامی شارح درمختار نے لکھا ہے
والاعتماد علی ما علیہ الجم الکثیر اور حدیث شریف میں ہے اتبعوا السواد الاعظم پس عمل سواد اعظم کا ہونا یہ بھی ایک دلیل اجمالی ہے تیسرا قرینہ

کلی عطار و بہر کی نصوص میں موجود ہے " تہادوا تحابوا الحدیث وغیرہ اور یہاں بھی لفظ بدعت کا مذکور نہیں اور عاقل جانتا ہے کہ
احسان وصلہ مندوب ہے پس لا اصل لہ کے معنی جو مؤلف سمجھا کس طرح درست ہوتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس جزئیہ خاص میں نص صریح
نہیں گو اصل کا وجود ہے پس ہر دو حجت مؤلف کی محض کم فہمی تھی سو رد ہوئی اور شامی کا قول ضلالہ ہونے پر نص صریح ہے قولہ اب پیش
کریں ہم قرائن الخ اقول عادت فاشیہ کے یہ معنی ہیں کہ کسی قرن میں اسکا تعامل بلا نکیر ہوا ہر سو قرون ثلثہ میں اگر یہ شیوع ہوا تو دلیل شرعی ہے
ورنہ نہیں چنانچہ تحقیق بدعت میں مذکور ہوا اور جو بعد قرون ثلثہ کے شیوع ہو تو شرط اسکی یہ ہے کہ کوئی عالم بھی اسکا خلاف نہ کرے اور کوئی
حجت شرعیہ بھی اسکے خلاف نہ ہو پس ایسی عادت فاشیہ کے حجت ہونے کی دلیل عینی نے یہ حدیث مارآہ المسلمون حسناً الخ لکھی ہے سو یہ
عادت فاشیہ اجماع ہے اور اجماع میں بانفراد ایک کا بھی قاطع اجماع کا ہے پس مؤلف کی خوش فہمی قابل تحسین ہے کہ اول تو قیام مروج پر
نص سے منع و نہی وارد ہے کہ تعین مطلق نص کا کرنا ہے اور تشبیہ کفار کا حرام ہونا جو پہلے محقق ہو چکا دوسرے ہر زمانہ میں علماء اس مجلس مروجہ اور قیام پر انکار کرتے
رہے ہیں پس اس حالت میں عادت فاشیہ کہاں ہے جو مؤلف ناز کر کے ذکر کرتا ہے اور یہ روایت جنایات الاحرام کی ہے پس جرت کے لفظ سے استدلال مؤلف
کا باطل ہوا اور شرح حدیث مارآہ المسلمون کی پہلے لکھی گئی ہے جس سے یہ سب تقریر مؤلف کی لغو ہے کیونکہ اس حدیث میں ہر ہر قرن کا اجماع مراد
ہے بشرطیکہ خلاف نص کے نہ ہو اور کوئی ایک بھی مخالف نہ ہو اور یہی معنی علیہ العمل وعلیہ المسلمون وبہ جرا التعامل وھو التوارث کے
ہیں اگر فہم وعلم ہو تو ظاہر ہے اور احیاء العلوم میں خود بعد نفی نہی کے کہتا ہے اور بلاد کا جریان تعارف اعتبار کرتا ہے اس واسطے کہ
اصل قیام تو درست ہی ہے شبہ تخصیص کا تعارف بلاد سے رفع کر دیا مگر فہم درکار ہے قولہ دوسرا قرینہ الخ اقول واضح ہو چکا کہ خلاف
نص کے کثیر کیا تمام دنیا کا بھی تعارف معتبر نہیں اور سواد اعظم سے مراد اہل سنت ہیں اور جم غفیر کا جب قول معتمد ہوتا ہے کہ فریقین کے
پاس کوئی دلیل نہیں مفصل ہوئے ہے تو اکثر کا قول معتبر جانتے ہیں اور نص کے ہوتے جو موافق نص کے کہے اگرچہ دو تین ہی ہوں اُنکے
مقابلے میں تو یہ دو کم جم غفیر اور سواد اعظم ہو گا پہلے بھی اس کو واضح لکھا ہے قولہ تیسرا قرینہ الخ اقول اگرچہ کسی امر

بیلہ دلیل کہ گمراہی حجہ دلیل قطعی ہے رد لہ ہے عام ہے کثیر جماعت ہے

یہ کہ وہ کثیر جن کا عمل ہے وہ کون ہیں محبین اور یہ بات ظاہر ہے احادیث صحیحہ سے کہ اہل ایمان میں بڑے کامل وہی ہیں جنکو محبت ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین پس جبکہ ایمان کامل انہیں کا ہوا
جو اہل محبت ہیں اور اہل محبت کا عمل اس قیام پر ہوا تو بڑی نادانی کی بات ہے جو فعل ایسے مومنین کاملین کے گروہ کا ضلالت یا سیئہ قرار دیں
چوتھا قرینہ یہ کہ شامی نے وجہ ان کے قیام کی لکھدی کہ کوئی غرض نفسانی یا برائے شیطانی کیلئے قیام نہیں کرتے بلکہ خاص واسطے تعظیم رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے اور یہ بات سب اہل اسلام جانتے ہونگے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم شرع میں مطلوب ہے یا نہیں اور یہ کہ بہ نیت ادب کھڑا
ہونا مفید تعظیم ہے یا نہیں پھر جبکہ قیام انکا مبنی ہو تعظیم پر تو بالضرورہ مستحب اور مستحسن ہوگیا، پانچواں قرینہ یہ کہ اگر محدث شامی کو منع کرنا قیام کا منظور ہوتا تو وہ
اس قسم کے الفاظ لکھتا جو منکرین قیام نے لکھے ہیں، جیسا جونپوری صاحب فرماتے ہیں ما یفعل العوام عند ذکر وضع خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام
لیس بشیئ بل مکروہ اور سرگجراتی صاحب لکھتے ہیں قد احدث بعض جہال المشائخ امورا کثیرۃ لا نجد لہا اصلا ولا اسما فی کتاب لامنۃ منہا القیام
عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس یہ مانعین جنکو اس فعل پر انکار ہے وہ تو قیام کرنیوالوں کو محبین رسول نہیں کہتے بلکہ شدت غیظ وغضب سے انکو
عوام اور جہال وغیرہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں، الحاصل یہ قرائن خاص سی ایک فقرہ کے قطع نظر قرائن عبارت ماقبل ومابعد شامی اور قطع نظر انتظام سیاق و
سباق اس کی سے دلالت صریح کرتے ہیں کہ مراد محدث شامی کی یہ ہے کہ اصل اس قیام کی فعل صحابہ سے تو نہیں پائی گئی لیکن جماعت

بدعت اور معصوم کو محبین[۱] بھی کریں وہ بھی بدعت ہے اور جب شامی نے بدعۃ لا اصل لہا[۲] کہدیا تو کسطرح جائز ہوگیا اور فعل محبین کا حجت شرعی کیونکر ہے
خطا کا کوئی اگر امر سرزد ہوتا ہے پس وہ خطا صواب نہیں بنجاتی صحابہؓ سے لیکر آج تک یہ تعامل ہے، مگر مؤلف کا یہ عقیدہ کہ محب سے خطا بھی بدعت
نہیں ہوتی مردود ہے نصوص قطعیہ سے **قولہ** چوتھا قرینہ الخ **اقول** تعظیم قابل اعتبار کے وہ ہے کہ موافق قاعدہ شرعیہ کے ہو ورنہ مردود ہے بیہودگی
اگرچہ حب فخر عالم میں کریں اگر یہ بوجہ جواز کی حسب اجازت شرع کے کرنا ہے نہ غرض تعظیم و حب فخر عالم کا ہونا اور غرض نفسانی مرتفع ہونا
حضرت معاذ صحابیؓ نے محض حب و تعظیم فخر عالم کی وجہ سے سجدہ آپکو کرنے کی اجازت چاہی، آپ نے رد کردیا اور بہت دلائل اس کی احادیث
میں موجود ہیں پس یہ قرینہ محض خطا و اضلال ہے باقی رہا قول کہ یہ بات سب اہل اسلام جانتے ہونگے تو یہ کلمہ محض محب اندھی کا ہے
کہ تمام عالم کی طرف سے اس علم میں مؤلف کو تردد ہے خود آپ ہی عالم ہے اور آپ ہی محب ہے اور جواب قیام تعظیم کی جواز اور اس قیام کے خاص
عدم جواز کا خوب محقق ہوچکا سو یہ قیاس مؤلف کا فاسد ہے کیا حاجت اعادہ جواب کی ہے **قولہ** پانچواں قرینہ الخ **اقول** لفظ بدعۃ لا اصل لہا
سے زیادہ بڑھکر کون سا کلمہ قبیح کا ہوگا کہ خود فخر عالمؐ فرماتے ہیں کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار اور شامی کا تعبیر اہل قیام کو بلفظ محبین یا
بوجہ دعویٰ ان کے کے ہے یا واقعی یا حسن ظن سے ان کو محب جانتا ہے اور خطاء سے مبتلا اس فعل کو سمجھتا ہے سو یہ قرینہ محض سوء فہم ہے **قولہ**
حاصل الخ **اقول** یہ سب قرائن مؤلف کے معلوم ہوا کہ محض جہل تھا اور سوء فہم معنی کا اور بدعۃ لا اصل لہا کے معنی تمام اہل علم و دیانت کے نزدیک
بدعت سیئۃ کے ہوتے ہیں پس کلام علماء کے سمجھنے کو علم کا مادہ اور نقل کرنے کو دیانت کا ہونا ضرور ہے، جو دونوں سے عاری ہو وہ کیا کسی
عالم کے کلام کو سمجھے گا اور جو خود خائن ہو وہ کیا کسی اہل دیانت کو سند میں پہچانے گا مثل اپنے تصور کرے گا اور مادہ علمی و فہم مؤلف کا اس رسالہ سے
سمجھ سے واضح ہوچکا اور خیانت مؤلف کی بھی نقل عبارت تذکیر الاخوان میں اور اختصار روایت ردمحتار میں محقق ہوچکی اور جو کچھ مؤلف بزبان

---

[۱] سینہ کرنیوالے۔ [۲] جس کی کوئی اصل نہیں [۳] گمراہ کرنا [۴] لوٹانا [۵] ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام آگ ہے [۶] خالی

کثیر اہل اسلام کی کہ جو محبین ہیں وہ تعظیماً قیام کرتے ہیں پس یہ الفاظ تو فی الحقیقت ترغیب دیتے ہیں اہل ایمان کو کہ جس کے دل میں محبت ہو اور
تعظیم رسول مدنظر ہو تو قیام کرے مطلب سمجھنے کیلئے ایک تو مادہ علمی درکار ہے دوسرے ہدایت من عند اللہ کہ قلب مومن میں القا ہوتی ہے جہاں
دونوں مفقود ہوں وہاں کیا کیجئے ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور اب دیکھئے اسی عبارت شامی کے لفظ لا اصل کو محدثین بیدار دل کس طرح شرح
کرتے ہیں، علامہ نور الدین حلبی نے یہ عبارت شامی کی لکھ کر آگے اس کے لکھا ہے "ای لکن ہی بدعۃ حسنۃ لانہ لیس کل بدعۃ مذمومۃ" چنانچہ یہ عبارت
سیرۃ حلبی مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۲۳ میں موجود ہے اور علامہ حلبی نے اپنے اصطلاح دیباچہ میں لکھی ہے کہ جس جگہ میں نے سیرت الشمس کی کوئی عبارت
نقل کی ہے اس کے شروع میں لفظ ای لایا ہوں تو سیرت شامی کے لفظ بدعۃ لا اصل لہا کو جو ساتھ بدعت حسنہ کے تفسیر کی ہے اسکو بھی حلبی
لفظ ای سے لایا ہے، پس امر تو معلوم ہو گیا اتفاق ان دونوں محدثوں کا یعنی صاحب سیرۃ الشمس اور صاحب سیرۃ حلبی کا اس تفسیر پر اور بعض
رسائل میں اس عاجز نے دیکھا ہے کہ محدث شامی کے خلف الصدق ابو نصر عبد الوہاب نے بھی اپنے باپ کے کلام کو تفسیر ساتھ بدعت حسنہ
کے کیا ہے اور ہرگز شک نہیں اس میں کہ عمل امت کا شرقاً و غرباً علی العموم بلاد اہل اسلام میں اس قیام کے استحسان پر ہے اسی واسطے لکھا
ہے علامہ شیخ عبد اللہ سراج مفتی عرب نے رحمۃ اللہ علیہ اما القیام اذا جاء ذکر ولادتہ عند قرأۃ المولد الشریف فتوارثہ الائمۃ الاعلام
واقرہ الائمۃ الحکام اور شیخ عبد الرحمن سراج مفتی مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً در باب محفل مولد شریف مع القیام تحریر فرماتے ہیں وعلماء
العرب المصر والشام والروم الامن لیس کلہم رأوہ حسناً من زمان السلف الی الان الخ **اعتراض** حضرت کی حالت حیات میں

اور بے لگامی عمدۃ المحدثین خیر المعاصرین مولانا احمد علی سہارنپوری قدس سرہ کی شان میں کرتا ہے لاریب اس کا مورد مستوجب وہی ہے اور
خود ہی ورطہ ضلالت[1] و ظلمات بدعت میں پڑا ہوا سب کو جاہل اور غیر متدین[2] بتاتا ہے چنانچہ یہ رسالہ اس کا شاہد ہے ومن کان فی ھذہٖ
اعمی فھو فی الاٰخرۃ اعمی واضل سبیلا **قولہ** علامہ نور الدین حلبی نے بیہ الخ **اقول** مؤلف بیدار دل کو اب تک خبر نہیں کہ یہ قول حلبی کا
شرح ہے، یارو پس اب بیدار مغزی کو کام میں لا کر سنئے کہ سیرت حلبی اپنی عادت کے موافق ای کا لفظ لایا سیرت شمس کی عبارت نقل
کرنے کو اور سیرت شمس لکن کے لفظ سے استدراک کرتا ہے گو یہ بدعت لا اصل لہ نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے بدعت ہونے کو قبول
کیا اور لا اصل لہ پر تعاقب[3] کیا اور دلیل عدم سیئہ کی بیان کر دی، مؤلف سمجھنے کا تو تصدیق نہیں کرتا پس سیرت شمس اور سیرت حلبی
دونوں اس قیام کو حسنہ کہتے ہیں اور شامی سیئہ کہتا ہے، یہ قول شرح کی مراد سے نہیں کیونکہ لکن کا لفظ شرح کے واسطے نہیں اور
ای حرف تفسیر ہے مگر اصطلاح حلبی میں سیرت شمس کی عبارت کی نقل کا نشان ہے کہ وہ بمنزلہ تفسیر کے واقع ہو جاتی ہے پس اول
جواب تو وہی ہے کہ شامی کا قول منصوص ہے، مخالفت کسی کی اس کو مضر نہیں، مخالفت نص کی خود دیکھانی ہے مگر تاویل حلبی
کی یہ ہے کہ وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور تقیید مطلق کا درجہ اس قیام میں نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا
لہذا جائز جانتے تھے، اب وہ امر نہیں رہا مکروہ ہو گیا اور جواب اس توارث ائمہ کا و علماء عرب و مصر وغیرہا کا جو عبد اللہ سراج
اور عبد الرحمن ابن عبد اللہ سراج کے فتوے سے نقل کیا ہے چند بار پہلے گذرا، غرض مؤلف کو سوائے خسران[4] اور کوئی حاصل نہیں **قولہ** اعتراض حضرت
کی حالت حیات الخ **اقول** مؤلف نے یہ فقرہ تو مولوی احمد علی صاحب محدث کا ہے کہ اس میں بطور ترقی کے مذکور تھا جدا کر کے مستقل اعتراض

---

[1] گمراہی اور تاریکی کا بھنور [2] بے دین سمجھا کرتا [3] پیچھا کرنا [4] برا نہ ہونا ۵ محرومی ۱۲

صحابہ واسطے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام نہیں کرتے تھے جیسا کہ ترمذی میں ہے بجواب قیام کس طرح ہو **جواب** ان قیام نہیں
کرتے تھے لیکن اسطرح کا قیام جیسا سلاطین عجم میں تھا کہ جب رعایا اپنے بادشاہ کو آتا دیکھتی اسی وقت سے کھڑی ہوجاتی اور جب تک وہ بیٹھا
رہتا تخت پر اس وقت تک سب اس کے آگے نہایت تواضع کھڑے رہتے، ایسا قیام فی الواقع ممنوع شرعی ہے جبکہ وہ بادشاہ یا امیر حکم کرے اور
پسند کرے اس قیام کو اس محفل میلاد شریف میں یہ بات تو نہیں کہ اس محفل میں منبر یا چوکی یا تخت پر کوئی بادشاہ بیٹھا ہولے اور سب لوگ
اس کے آگے کھڑے ہیں یا یہ کہ بادشاہ حکم کر رہا ہے کہ تم میرے آگے قیام کرو یہاں تو یہ بات ہے کہ قاری مولد منبر پر کھڑا ہوا درود وسلام واشعار

بنایا ہے یا خیانت ہے یا عدم فہم اصل عبارت یہ ہے وقیام عند ذکر ولادت ثبوت آن بزبان صحابہ وتابعین وتبع تابعین
ائمہ مجتہدین اصلا نہ شدہ و در زمان حیاۃ آن سرور مخلوقات صحابہ برائے آنحضرت قیام نمی کردند بوجہ آنکہ حضرت ناخوش می آمد بعد وفات
آنحضرت وجود قیام وقت ذکر ولادت در قرون ثلثہ ثابت نیست الخ پس اس عبارت میں یہ مضمون کہ صحابہؓ آپکے واسطے قیام نہیں کرتے تھے
بطور ترقی کے ہے کہ ذکر ولادت پر قیام کیا ہوتا خود آپ کے مقدم پر بھی نہیں ہوتا تھا مؤلف اپنی کارروائی سے یہ سمجھا کہ یہ قیام منع جانتے تھے لاحول
ولا قوۃ الا باللہ وہ قیام کہ بطور عجم کے ہے وہ تو حرام ہی ہوچکا تھا اور یہ قیام منقول از حدیث ترمذی قیام تعظیم کا ہے کہ خود حدیث میں صریح
ہے کہ لم یقوموا اذا راؤہ لما یعلمون من کراھتہ للہ للہ کیا صحابہؓ ممنوع قیام کو کرتے تھے معاذ اللہ نہیں بلکہ اس قیام تعظیم کو حلال
جانتے تھے اور بسبب خوشی حضرت کے ترک کرتے تھے کیونکہ وہاں ارضائے خاطر محبوب کا منظور ہوتا نہ یہ کہ ہوائے نفس کا اتباع جیسا
اب اس زمانہ میں ہے الغرض حدیث ترمذی کا ترجمہ مؤلف نے بالکل غلط کیا اب حدیث میں بھی مؤلف اپنے نفس کی رغبت سے تصرف
کرنے لگا اس کی شرح طیبی کرتا ہے قال الطیبی لعل الکراھۃ للمحبۃ والاتحاد المرجب رفع التکلیف والحشمۃ یدل علیہ قولہ لم یکن
شخص احب الیھم من رسول اللہ علیہ السلام انتھی پس دیکھو کہ طیبی نے اس قیام کو تعظیم کا قیام لکھا ہے جو مباح ومندوب ہے اسی واسطے
توجیہ کرتا ہے اور خود حدیث میں دلیل ہے بقولہ لم یکن شخص الخ وبقولہ اذا راؤہ کے لفظ میں مگر مؤلف محض اپنے جہل سے معنی حدیث کو غلط
بناتا ہے اور وہ قائم رہتا تو خود حرام ہوچکا تھا اس کے کف کے واسطے یہ اعتذار عدم قیام کا کیا موقع کلام تھا نہم مکار ہے کیونکہ مقام مدح
صحابہؓ میں یہ ذکر ہے کہ رضا مخدوم کیواسطے باوجود واجب ہونے کے یہ قیام مستحب بھی نہیں کرتے تھے اگر یہاں وہ قیام حرام ہوتا تو کیا مدح
تھی کہ باوجود واجب ہونے کے بھی حرام کام نہیں کرتے تھے اس کو تو کوئی عاقل بھی نہیں قبول کریگا کیونکہ حرام کام تو ایذا دہی آپکی تھی
اور اسکا ترک خود فرض تھا سو یہ کون عاقل کہہ سکتا ہے مقام مدح میں کہ صحابہؓ ایسے محب تھے کہ رسول اللہ کو حرام کے کام کو نہیں کہتے تھے کیا
مدح ہے، الحاصل یہ قیام تعظیم جائز ہے اور اسکو مخدوم اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے بوجہ بے تکلفی کے اور جہاں معلوم ہوتا تھا کہ آپ راضی ہیں تو
کرتے بھی تھے جیسا حضرت فاطمہؓ نے کیا اور خود آپ نے ہی کیا اور وہ جو کھڑا رہنا مثل اعاجم کے ہے وہ حرام ہی ہے وہ کسی حال درست
نہیں پس مؤلف ہرگز نہیں سمجھا اور غلط توجیہ حدیث کی کرتا ہے اور پھر وہ ایک اپنے فرضی معنی حدیث کے ٹھیرا کر جواب دیتا ہے کہ محفل میلاد
میں تو قیام حرام نہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ محفل میلاد مؤلف میں وہ قیام ہے کہ قرون ثلثہ میں نہ تھا پیچھے حادث ہوا مؤلف خود قبول کرتا ہے
بدعت حسنہ اسکو کہتا ہے اور یہ قیام محدث بسبب مشابہت ہنود کے اور تعیین مطلق کے منظور ہوگیا اس کی تحقیق گوش گذار مؤلف

ے محبوب کی دلی رضامندی ے روکنا ے عذر بیان کرنا ے تکلیف دینا ے پسند کرنیوالے ے عجمی کی جمع

نعت ومدح پڑھ رہا ہے یہ خود فعل صحابہؓ سے ثابت ہے، صحیح بخاری میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع لحسان منبرا
فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان کے واسطے
منبر رکھتے تھے مسجد میں اور اس پر حسان کھڑے ہو کر فخر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان کرتے تھے پس محفل میلاد شریف میں بھی قاری مولود منبر پر
کھڑا ہو کر فخر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتا ہے غرض کہ اس قیام میں اور ترمذی کی روایت کے قیام میں جس کو مانعین سند لاتے ہیں بہت فرق
ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہؓ کسی طرح کا قیام نہیں کرتے تھے نہ وقت مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور نہ وقت تشریف آوری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تو یہ بالکل غلط ہے اسکو ہم مسلم نہیں رکھتے حضرت حسان کا قیام وقت بیان فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بروایت بخاری ابھی بیان ہو چکا اور وقت تشریف
آوری صلی اللہ علیہ وسلم کے بی بی فاطمہؓ کھڑی ہوتی تھیں اور نیز کھڑے ہوئے صحابہؓ واسطے آپؐ کے اور نیز کھڑے ہوئے آپؐ واسطے دائی حلیمہ
سعدیہؓ کے اور نیز وقت آنے پدر رضاعی اپنے کے یہ سات روائتیں دافع الاوہام میں بتصحیح و حوالہ کتب مذکور ہیں ۔

کے پہلے ہو چکی ہے غور کرکے دیکھئے بھلا مولوی صاحب نے کب منع کیا کہ منبر پر کھڑے ہو کر مدح پڑھنی جائز نہیں اگر حاجت منبر کی ہو تو جواز
حدیث ترمذی میں کہاں یہ معنی ہیں جو مؤلف نے وضع کئے مقصود شارع علیہ السلام کا حرام کرنا قیام اعاجم[۱] کا ہے اور اباحت قیام تعظیم کی تمام
بے تکلفی میں اپنے واسطے پسند نہیں کرتے تھے اگرچہ مندوب ہے مؤلف اپنی کج فہمی سے کہیں کہیں جا ملا ہے اب استدلال جواز قیام پر مؤلف کا دیکھو
حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہو کر اشعار پڑھنے سے جواز قیام مولود کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا | قولہ صحیح بخاری میں ہے کان الخ اقول

استدلال جواز قیام کو دیکھنا لازم ہے اس قصہ میں خود فخر عالمؐ اور جملہ اصحاب قاعد ہوتے تھے اور ایک حسان قائم اشعار پڑھتے تھے اور یہ قیام اور
صعود[۲] منبر کا اعلاء صوت[۳] کے واسطے تھا نہ تعظیم کے واسطے کہ خود فخر عالمؐ زمین پر ہوتے تھے اور حسان منبر پر چڑھے ہوتے تھے اگر تعظیم کا ہوتا تو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر کس طرح ہوتے اور حسانؓ منبر پر کیونکر پڑھتے پس یہ قیام نہ تعظیم فخر عالمؐ کا تھا نہ تعظیم مدح فخر عالمؐ کے واسطے تھا اور نہ
قدوم فخر عالمؐ کے واسطے تھا غرض جس قدر وجوہ قیام مولود میں ہیں سب کے خلاف تھا کیونکہ اگر تعظیم رسول اللہؐ کو ہوتا تو آپؐ زمین پر بیٹھتے تھے حسان
منبر پر کس واسطے چڑھتے اور سب صحابہؓ کس واسطے بیٹھے رہتے اور اگر قدوم کا ہوتا تو وہاں قدوم کسی وجہ سے نہیں تھا نہ حقیقی نہ معنوی اور جو تعظیم ذکر و
مدح کو ہوتا تو سب صحابہؓ کیوں بیٹھتے، نہیں بلکہ فقط مثل خطیب کے اعلاء صوت کے واسطے تھا پس ایسے قیام سے قیام مولود کا اثبات یا قیام تعظیم کا جواز
مؤلف جیسے عاقل ہی کا کام ہے کسی اہل علم سے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، البتہ اگر مولود خواں[۴] منبر پر کھڑے ہو کر سارا مولود پڑھے اور تمام سامعین بیٹھے
رہیں تو یہ ہیئت اس حدیث سے جائز نکلتی ہے مگر اس قیام کا نہ کسی کو انکار اور نہ یہ قیام قیام مؤلف کو کچھ مفید نہ اس سے خود قیام تعظیم ثابت
ہو جسکو مؤلف عقلمند ثابت کرتا ہے مگر فہم کی کوتاہی ہے آسمان ریسمان میں کچھ تمیز نہیں نہایت تعجب ہے اس فہم پر مؤلف علماء کے جواب میں
کتاب لکھتا ہے اور تعظیم قادم کو نہ مولوی صاحب نے منع لکھا اور نہ کوئی مانع بدعت منع کرے خود مؤلف ہی کوتاہ فہمی سے سمجھ گیا پس
حضرت فاطمہؓ کا قیام مسلم ہے مگر اس حدیث ترمذی کا اس میں ہرگز معارضہ[۵] نہیں کیونکہ یہ امر مباح ہے کسی وقت انبساط[۶] طبع کے وقت جائز
رکھتے تھے کسی وقت پسند نہیں کرتے تھے نہ بوجہ کراہت شرعی کے بلکہ بوجہ کراہت طبعی کے اور یہی شان مباح کی ہے بلکہ مندوب کی ہے الغرض
ایجاد اعتراض کا خود مؤلف کے ذہن کی خوبی تھی اور جواب بھی کمال بلاہت[۷] مؤلف کی ہے اور کیا کہا جاوے فہم حدیث اور مطابقت

۱؎ عجمی کی جمع ۲؎ چڑھنا ۳؎ آواز کا بلند کرنا ۴؎ مولود پڑھنے والا ۵؎ مخالفت ۶؎ طبیعت کی خوشی ۷؎ بیوقوفی ۱۲

اعتراض بانیانِ محفل میلاد شریف منکرین قیام پر ایسی ملامت کرتے ہیں جیسے تارکِ فرض و واجب پر **جواب** جو لوگ قیام نہیں کرتے اکثر ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے عقائد وہابیہ نجدیہ کے طور پر ہیں اور وہ قیام کو کفر و شرک اعتقاد کرتے ہیں پس اس میں ایک تو یہ بات ہوئی کہ اس شخص کے نزدیک فاعلین قیام مشرک اور کافر ٹھیرتے ہیں اگر کسی کو اس بات پر غیظ آجاوے ہاتھ یا زبان سے کچھ سرزد ہو تو کچھ بعید نہیں، دوسری یہ بات کہ اس ایک حرکت سے اس کے دوسرے عقائد خبیثہ کا بھی خیال آجاتا ہے، تیسری یہ بات کہ اس فریق کو دیکھتے ہیں کہ یہ سیکڑوں باتیں خوراک پوشاک اور معاملات میں خلاف صحابہ و سلاف قرون ثلثہ کرتے ہیں اور فقط قیام کرنے اور مولد شریف کی محفل میں یہ گفتگو کہ قرون ثلثہ میں نہیں ہوئی کرتے ہیں اور باہم عناد و فساد پیدا کرتے ہیں اس وجہ سے بھی محبین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان مفسدوں پر غیظ آجاتا ہے ہاں اگر معلوم ہو جاوے کہ اس شخص کے سب عقائد عمدہ ہیں اور قیام کرنے والوں کو بھی برا نہیں جانتا تو اس شخص کو ہرگز کوئی آدمی زجر و توبیخ نہ کریگا ہاں البتہ یہ تو کہیں گے کہ آداب محفل کا مقتضا یہ تھا کہ سب کے ساتھ آپ بھی قیام کرتے تو بہتر ہوتا چنانچہ امام غزالی نے

سوال جواب کی کبھی کسی نے ایسی ذرد دیکھی سنی ہوگی اور کیوں نہ ہو مؤلف نے جن سے پڑھا ان پر ہی اعتراض اور انکی ہی خدمت میں گستاخی جیا کا نام نہیں پس مشتے نمونہ از خروارے جیسا انوار ساطعہ میں برعکس نام نہند زنگی کا فور ظلمات بعضہا فوق بعض مکون ہیں ما ایسا ہی دافع الاوہام مخزن شکوک و اوہام واقع ہوگی پس اس کے مطالعہ کی کس کو ہوس ہے مؤلف ہی کو یہ علم نامبارک مبارک رہے **قولہ** اعتراض بانیان محفل الخ **اقول** مؤلف نے اس اعتراض کو تو قبول کیا کہ مولودی منکر قیام پر مثل تارک فرض کے ملامت کرتے ہیں اور اسی کا ہی نام مندوب کو واجب بنانا ہے جس کو شرع میں تغیر حکم اور بدعت کہتے ہیں پس اعتراض بدعت ہونے قیام کا تو ہو لیا مگر علت ملامت کی کچھ تحقیق کرتا ہے سننا چاہیے کہتا ہے اکثر منکر قیام عقیدہ وہابیہ کا رکھتے ہیں اور قیام کو شرک اور قیام کرنیوالوں کو مشرک جانتے ہیں دوسرے ان کی حرکت سے انکے دیگر عقائد کا خیال آجاتا ہے اس سے طبع بھڑک جاتی ہے، تیسرے یہ کہ وہ بہت امور خلاف صحابہؓ کے کرتی ہیں اور ایک قیام و محفل مولود میں کلام کرتے ہیں یہ تین سبب غیظ کے ہیں پس مؤلف نے ملامت اور سب و شتم کو تو تارک قیام پر تسلیم کیا مگر سبب اس کا یہ تین امر قرار دیا ہے اور غرض مؤلف کی یہ ہے کہ ہم قیام کو واجب جاننے کے سبب ملامت نہیں کرتے قیام مستحب ہی ہے مگر یہ تین امر سبب و باعث ملامت کے ہوتے ہیں پس یہ تقریر مؤلف کی محض کذب ہے اس واسطے کہ اگر یہ امور باعث وحشت و گریباں ہونے کے ہیں تو اہل بدعت سے اور فساق و فجار و ظالموں سے اور رشوت خواروں سے تو جو اہل سنت کو کافر جانتے ہیں اور مخالفت حدود اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں اور خلق اللہ کو سخت اذیت دیتے ہیں ان سے کبھی مؤلف ناراض نہ ہوا بلکہ محبت سے ہر روز اور الفت سے ملتا رہا اور ہم پیالہ و ہم نوالہ کبھی حمیت دین اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ آئی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو فرض عین ہر بشر پر کبھی منہ سے نہ نکلا بلکہ مدح و ثنا کر کر واذا مدح الفاسق اهتز عرش الرحمن و غضب الرب کا ہوتا رہا اور انکحوا ذا لتشہم کا مصداق بنتا رہا اگر یہ امر نہی مثل ان معاصی کے ہے تو کیا خصوصیت اسکی ہو بالفرض زیادہ مؤکد ہونیکا عقیدہ ہوگا اور نہیں تو یہ محض کذب ہاں اگر دیگر اہل بدعت ہو کہ انکے عقائد شرک تک پہنچے ہوئے ہیں اور فساق فجار کسی اس کرتا تو یہ عذر یہاں بھی معتبر ہوتا ورنہ محض جان چھڑانی اور دفع الوقتی ہے کہ قابل اعتبار کے نہیں فی الحقیقت معاملہ اس مستحب کا مثل واجب کے ہے لہذا منکر اس مستحب کے مثل تارک واجب فرض کے جانتے ہیں مگر مؤلف کو شاید یہ وہم ہو تو دیگر ہم مشرب اسکا قطعاً یہی عقیدہ اور یہی معاملہ کرتے ہیں محض تکذیب یہ امر کا الخ **قولہ** ہاں اگر معلوم ہو جاوے الخ **اقول**

زنگی کا نام (اسکی بد صورتی کے) برعکس کافور رکھتے ہیں سے شدید تاریکی سے پوشیدہ مکی شکوک و شبہات کا خزانہ شہ رائی کا سبب تہ ہر ودشہ معصیت کا جمع گنہ ہ زینت ثانیا

لکھا ہے باب السماع میں کہ یہ باب آداب حقوق صحبت کے خلاف ہے کہ کھڑا ہونے میں موافقت نہ کرے پس اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ غصہ آنا تارک قیام پر اور سبب ہوتا ہے نہ اس سبب سے کہ فاعلین قیام فرض و واجب جانتے ہیں قیام کو یہ تو بالاتفاق فتاویٰ میں مفتیان دین تصریح فرما چکے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا فرض واجب نہیں بلکہ مستحسن اور تعظیم ادب کی بات ہے اور غور سے دیکھئے تو بعض اوقات میں یہ تارک قیام نص قرآنی کا مخالف بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم و اذا قیل انشزوا فانشزوا یعنی اے ایمان والو جب تم کو کہا جاوے کہ کھل بیٹھو مجلسوں میں تو کھل بیٹھا کرو اور جب کہا جاوے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جب قاری مولد نے پڑھا سوٗ اٹھو ذکر میلاد حضرت ہے اب ٭ یا اسی طرح پڑھا ع چاہئے آداب کرنا قیام ٭ یا یہ کہ اس وقت کھڑے

مؤلف کی بیدار مغزی دیکھنے کے قابل ہے کہ جناب مولوی احمد علی صاحب نے اپنے جواب میں یہ افادہ فرمایا تھا کہ تارکِ ما بدتراز تارک جماعت دانند اس میں مؤلف نے یہ اعتراض نکالا ہے مگر چونکہ مؤلف قیام کے استحباب کا قائل ہوتا ہے گو معاملہ واجبات جیسا کرتا ہے تو سوچا کہ اگر تارک پر ملامت کا اقرار کروں گا تو بات خلاف دعویٰ ہو جاویگی تو تقریر اعتراض میں بجائے تارک کے منکر بنایا اور پھر نفس انکار مستحب کو بھی باعث لوم نہ جانا تو یہ عذرات کذب پیدا کئے تھے جو ذکر ہوئے آخر دروغ گو را حافظہ نباشد اس قول میں اپنی اصل پر آ گیا کہ وہاں جو معلوم ہو جاوے کہ ہمارے عقیدہ کے موافق ہے اور پھر ترک قیام کرے تو توبیخ نہیں کرنے مگر موافقت کی فہمائش اور تعلیم ادب کرتے ہیں پھر جب اس میں بھی خدشہ نظر آیا تو آیت سے استدلال پیدا کیا کہ جس سے بادی الرائی میں تاکید بلکہ وجوب مفہوم ہو پس یہ تقریر مسلسل قابل تحسین مؤلف کے اور عجب سو پہلا انکی بناوٹ کذب کی تو ظاہر ہو چکی کہ کوئی رفض و خروج مثل انکار قیام مولود کے نہیں ہے دوستی و مداہنت کے ساتھ معاملہ ہے مگر تارک قیام کے ساتھ زجر و توبیخ سے پیش آتے ہیں اس کو سنو کہ مسجد میں لوگ نوافل پڑھیں اور ایک آدمی نہ پڑھے تو اس کو موافقت ادائے مستحب پر ادب نہیں سکھاتی تراویح کی ادا میں سب قائم ہوویں ایک شخص قاعد پڑھے محض کاہلی سے اس کو استحباب کا حکم نہیں ہوتا علیٰ ہذا صدہا امور میں بلکہ مکروہات کے ارتکاب پر بھی حکم موافقت کا بترک مکروہات نہیں ہوتا مگر یہاں یہ حکم کرنا موافقت کا بادائے مستحب اور ترک کرنا مخالفت کا بترک مستحب ایسی ضروری ہے کہ ضرور اس میں ادب کی تلقین ہوتی ہے یہی نفس کی چوری ہے کہ سب مستحبات میں سے اس پر زیادہ اصرار اور در پردہ وجوب کا معاملہ ہوتا ہے مگر مؤلف داشتہ داشتہ کہتا ہے تا کہ کوئی متنبہ اصل مدعا پر نہ ہو جاوے اور امام محمد غزالی کا قول باب سماع کا حجت مل گیا دیوانہ را ہوئے بس ست حالانکہ وہ ایک امر مباح میں موافقت طلب کرتے ہیں اور مؤلف امر مکروہ میں موافقت چاہتا ہے اور فتاویٰ میں قیام تعظیمی کو جائز لکھا ہے، معترض بھی انکار نہیں کرتا مگر یہ اس وقت جائز ہے کہ کوئی محظور شرعی نہ ہو ورنہ ناجائز ہے مگر بہرحال اس ادب و مستحب ہونے قیام سے مؤلف کو خدشہ ہوا کہ اب عوام بے پروائی کر کے چھوڑ دیویں گے تو انتظام بگڑا اور خواہش نفسانی کے خلاف ہوا تو کہتا ہے **قولہ** اور غور سے دیکھئے الخ **اقول** جب غور سے دیکھا تو مؤلف کی چالاکی معلوم ہوئی کہ صیغہ فانشزوا امر کا صیغہ ہے اور موجب اس کا وجوب ہوتا ہے تو اس آیت سے ایجاب قیام ثابت کرنا مد نظر ہے اور یہ خوب محقق ہو گیا کہ مؤلف کو ہرگز فہم نہیں اس آیت میں یہ حکم ہے کہ جب تم کو حکم ہو کہ کھڑے ہو جاؤ تو سعت مکان کے واسطے یا خدمت مخزعالم سے چلے جاؤ یا جہاد و صلوٰۃ کی طرف چلو یا کسی امر مامور کی طرف تو اجابت کیا کرو تو اس میں امر مشترک یہ ہے کہ مامور کی طرف اٹھا کرو اور

۱ اس مجلس کے چھوڑنے والے تارک جماعت سے بھی بدتر سمجھتے ہیں ۲ سبب ملامت ۳ ڈانٹ ڈپٹ ۴ بظاہر رائے ۵ لبیک ۶ قریب

ہونے والوں نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ اٹھ کھڑا ہو اور اس نے نہ یہ کیا کہ کھڑا ہو جاتا نہ یہ کیا کہ اٹھ کے باہر نکل جاتا تو دیکھئے وہ اس وقت میں مخالف امر خداوندی کا ہو گیا کیونکہ نزول اس آیت کا منشا یہی ہوا تھا کہ لوگوں کو وہ بات تعلیم کیجئے کہ آپس میں محبت پیدا ہو بغض و عناد وحشت نہ ہو چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اسی آیت مذکورۃ الصدر کے شروع میں لکھا ہے اعلم انہ تعالی لما نہی عباد المؤمنین عما یکون سببا للتباغض والتنافر امرہم الان بما یصیر سببا لزیادۃ المحبۃ والمودۃ اب سب ارباب انصاف خیال فرماویں کہ اگر وہ شخص کھڑا ہو جاتا تو اتحاد و مؤانست باہمی کا سبب ہو جاتا اور کھڑا نہ ہونا بغض و نفرت کا سبب ہو گیا تو یہ فعل اس کا کس قدر منشاء حکم خداوندی سے بعید جا ٹھیرا فاعتبروا یا اولی الابصار **اعتراض** قیام کرنے والوں کو اگر اس بات کی تعظیم منظور ہوتی کہ حضرت کے قدوم کی تعظیم کی جاوے تو فقط وقت ولادت کے کیا خصوصیت تھی چاہئے تھا کہ جب ذکر سنتے کہ فلاں وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں یا مجلس میں تشریف لائے یا حج یا جہاد کر کے پھر آئے ہر قدوم کا ذکر سن کے کھڑے ہو جایا کرتے **جواب** ان قدومات میں اور قدوم وجودی یعنی ولادت شریف میں بڑا فرق ہے یہ سب قدوم جزئی ہیں مثلاً گھر سے جب مسجد یا مجلس میں تشریف لائے تو وہ دولت مخصوص اسی جماعت کے واسطے ہوئی دوسرے

جیسا مامور ایسا ہی اس کے واسطے قیام و نشوز[1] فرض کا فرض مندوب کا مندوب پس اگر یہ قیام مؤلف کا مندوب ہی ہوتا اور عروض[2] و عوارض سے مکروہ نہ ہوتا جب بھی وہی استحباب نکلتا تھا اور مؤلف کی مراد حاصل نہ ہوتی تھی چہ جائیکہ شرع سے اس قیام مخصوص کا بوجہ مخصوص بدعت ہونا اور کراہت ثابت ہو گیا پھر کس طرح یہ قیام اس آیت میں داخل رہ سکتا ہے اول اس کو مندوب ثابت کرنا تھا بعد اس کے یہ آیت پڑھنی تھی مگر مؤلف کا فہم معلوم لیکن ہاں یہ معنی ہیں کہ جس وقت یہ امر بدعت کیا جاوے تو تم وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ کیونکہ معصیت کے مجمع سے اٹھ کر چلا جانا بھی مامور اس آیت سے ہے اب تفسیر کبیر کی عبارت جو مؤلف سمجھا ہے اسکی حقیقت سننے کے قابل ہے یہ عبارت اعلم انہ تعالی لما نہی الخ جو مؤلف نقل کرتا ہے کیفیت پہلے اس آیت سے ربط کے واسطے لکھی ہے کیونکہ پہلے آیت مناجات و سرگوشی کے احکام میں تھی یہاں سے اس پر حکم شروع ہوا یا ایہا الذین امنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا الایۃ تو یہ کہتا ہے کہ سرگوشی کرنا جو پہلے مذکور ہوا موجب تھا تباغض[3] کا اس کی نہی فرما کر وہ امر ارشاد کیا کہ جس سے اتحاد ہو وہ یہ کہ ہر ایک دوسرے کے واسطے فسحت[4] کرے اور شریک خیر و راحت کا ہووے کہ موجب زیادۃ حب کا ہے اور نشوز جو یہاں ہے ایک معنی پر توسیع مجلس کے واسطے بھی مراد لیا گیا ہے تو وہ موجب حب کا ہو تو اس کو اس قیام پر حمل کرنا سوء فہم ہے کیونکہ یہ اگر مندوب ہوتا حسب زعم مؤلف کے تو اس میں کسی کی اعانت یا راحت متصور نہیں ہر شخص اپنے عمل میں مستقل ہے تو اس آیت سے اس کو کیا علاقہ ہے کوئی مجلس وعظ و درس میں مربع[5] بیٹھے اور سب دو زانو[6] بیٹھیں تو یہ ترک ادب موجب کسی کے ملال کا نہیں اور نہ باعث تکلیف کا پس یہ تفسیر محض خیال مؤلف کا ہے کیونکہ اس کے خیال میں وجوب قیام ہی ہے اور البتہ ترک واجب میں مخالفت ہوتی ہے پس دیکھو کہ مؤلف نے کیسا ناکام کام کیا کہ نہ تفسیر کبیر کی مراد سمجھا اور نہ قرآن کو مفسرین کے موافق تفسیر کیا اپنی رائے سے تفسیر کی اور پھر بھی مدعا حاصل نہ ہوا فاعتبروا یا اولی الابصار **قولہ** اعتراض، قیام کرنے والوں کو الخ **اقول** خلاصہ جواب مؤلف کا یہ ہے کہ قدوم ولادت کا تمام عالم کے واسطے ہے اور دیگر قدومات خاص صحابہؓ کے واسطے تھے لہٰذا اس قدوم ولادت کو دیگر قدومات پر زیادہ شرف ہے اس واسطے ولادت پر رواج قیام کا ہوا مگر یہ جواب نہایت بے معنی ہے اول تو معترض کی غرض یہ ہے کہ آپ کے سب قدوم لائق

---

[1] اٹھنا [2] عارض کی جمع [3] گناہ [4] بغض رکھنا [5] کشادگی [6] چار زانو ۱۲

(اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس الآیۃ — [illegible])

لوگوں کا اس میں کیا حصہ ہے برخلاف قدوم وجودی کے کہ وہ قدوم کلی ہے یعنی آپ کا عالم وجود میں آنا رحمت ہے تمام عالم پر جو کوئی اس وقت دنیا میں موجود ہے یا نہیں اور جو کوئی قیامت تک پیدا ہوتا چلا جائیگا اور جو چیز فرش سے عرش تک ہے کل کیلئے آپ کا پیدا ہونا رحمت ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین پس اس قدوم اور قدومات مذکورہ میں بڑا فرق ہے اس لئے قیام کرنا اس اعلیٰ درجہ کے قدوم میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسی قدوم کا احسان اہل اسلام پر ظاہر فرمایا ہے لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولا اور مسجد میں

تعظیم کے ہیں شریف و اشرف کا فرق نہیں دیکھو کہ حضرت فاطمہؓ اور بعض صحابہؓ نے ان ہی قدومات[1] پر قیام کیا تھا اور قدوم ولادۃ میں وقوع قیام بظاہر ہوا ہی نہیں پس اگرچہ ولادت اعلیٰ ہی ہو تاہم دیگر قدومات لائق تعظیم کے ہیں اور نص سے قابل تعظیم ہونا انکا معلوم ہوا ہے پس جیسے قدوم ولادت کی تعظیم میں قیام ہے قدومات دیگر میں بھی چاہیئے تو اس کا جواب مؤلف دیتا ہے کہ ولادۃ اعلیٰ ہے پس یہ کس قدر بے موقع جواب ہے کہ سوال کچھ جواب کچھ، معترض کہتا ہے سب قدوم اعلیٰ اور ادنیٰ لائق تعظیم ہیں مؤلف جواب دیتا ہے کہ قدوم ولادت اعلیٰ ہے اب بولو کہ یہ مؤلف کا جواب ہے یا کچھ اور ہے ہاں اگر یہ ثابت کرتا کہ سوائے ولادت کے دیگر قدوم لائق تعظیم قیام کے نہیں تو البتہ جواب تھا مگر غلط ہے مگر جواب تھا دوسرے یہ کہ آپ کے ان قدومات کی مخصوص بصحابہؓ ہونے سے کیا مراد ہے اگر یہ ہے کہ نفع زیارت وصحبت کا اس جماعت کو تھا تو ولادت کے قدوم کی بھی یہ دولت بایں وجہ صحابہؓ ہی کو تھی سو ولادت کی تعمیم کچھ نہ رہی اور اگر نفع بعثت کا کہ علم اور دین کی اصلاح ہی مراد ہے تو وہ آج تک چلا جاتا ہے کہ صحابہؓ نے آپ سے حاصل کر کے ہم تک پہنچایا ورنہ کیونکر آتا پس معلوم کہ مؤلف نے کیا مراد رکھا ہے کیونکہ زیارت وصحبت تو ولادت و وجود کے باعث صحابہؓ کو ہی تھی مثل دیگر قدومات کے اور نفع مطلق دارین کا سوائے صحبت کے قیامت تک سب کو ہے سب قدومات کا مثل وجود کے سو ایسی بے معنی توجیہ سے کیا نفع مؤلف کو ہے سوائے ضحکہ ہونے کے تیسرے یہ کہ مؤلف ان قدومات پر قیام تعظیم کو آپ ہی بڑے شد ومد[2] سے ثابت کر کے اس کو مقیس علیہ[3] قیام ذکر ولادت کا بناچکا ہے اب اسکو ادنیٰ غیر قابل تعظیم ہونا کہنے لگا تو گویا نقل صحابہؓ سے جو قیام تعظیم ثابت ہوا وہ چنداں معتبر نہ تھا اس کا ذکر بھی قابل تعظیم قیام کے نہیں ولادت کا ذکر جو مقیس[4] ہے وہ زیادہ قوی اور قابل تعظیم قیام کے ہے اور قدوم شریف میں قیام لائق نہیں قدوم اشرف میں لائق واحق ہے سو یہ بات رائے ناقص مؤلف کی خلاف نص کے ہے سو اسکو نص سے ثابت کرنا واجب ہے ورنہ ہرگز قابل التفات نہیں چوتھے جو کہ کلی جزئی جو مؤلف لکھتا ہے اگر باعتبار نفع عام وخاص کے ہے تو دونوں کا نفع عام معلوم ہو چکا اور جو باعتبار مقصود کے ہے تو اصل مقصود رسالت کا یہ ہے قدومات میں جن میں تلقین تعلیم دین کی فرماتے تھے اور وجود شرط وموقوف علیہ[5] رسالت کا ہے اور شرط وموقوف علیہ اصل مقصود نہیں ہوتا مقصود ہی اعلیٰ ہوتا ہے شرط سے پانچویں مؤلف دلیل شرافت ولادت میں جو آیہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ذکر کرتا ہے اور آیت لقد من اللہ علی المومنین ان دونوں آیت میں مبعوث کرنے اور رسول بنانے کا احسان اور فضیلت ہے یہ دونوں امر منت کے بعد ولادت کے چالیس سال بعد ہوئے فضل ولادۃ میں آیات سے حجت لانا نہایت جہل لغت اور مراد حق تعالیٰ سے ہے اور مقصود رسالت وبعثت سے وہی ثمرات ونتائج قدومات جزئیہ کے ہیں اور وجود کی شرافت پر اس کی دلیل بواسطہ ہے پس یہ استدلال اور یہ جواب محض بلاہت[6] ہے اور جو موقوف بعثت کا ہونے کی وجہ سے فضیلت ہے تو جو موقوف علیہ اقرب[7] الی المقصود ہوتا ہے وہ اعلیٰ ہوتا ہے تو شرح صدر مثلاً اعلیٰ ولادت سے

[1] تشریف آوری [2] سختی [3] زور و شور [4] جس پر قیاس کیا جائے [5] جس کو قیاس کیا جائے [6] مدار [7] زبان کو ملاوٹ سے بیوقوفی [8] مقصود سے قریب

ذکر ولادت کی طرح ذکر معراج وفتح وغیرہ پر قیام نہ کرنے کا جواز بے اصل ہے۔

تشریف لانے کی بابت نہیں فرمایا من اللہ علی المومنین اذا خرج رسولا من بیتہ الی المسجد یا اس لئے کہ تو تشریف آوری دولت خانہ سے مسجد تک مخصوص انہی چند صاحبوں کے حق میں تھی جو رقیبا حاضر مسجد میں تھی پس منت اس کی اللہ تعالیٰ کل آدمیوں پر کس طرح ظاہر فرماتا بخلاف پیدائش حضور کے کہ وہ کل کے لئے ہے اس لئے اس کی منت کل پر ظاہر فرمائی اس لئے کل کا دستور ٹھیر گیا کہ جب اس قدوم کلی کا ذکر آتا ہے اسی وقت قیام کرتے ہیں بخلاف اور قدومات کے کہ وہ جزئیہ ہیں **اعتراض** قیام وقت ذکر ولادت نہایت الامر یہ ہے کہ اگر کوئی عرق ریزی کرے تو جواز و اباحت تک نوبت آوے گی مگر مباح کو سنت و واجب جاننے سے پھر بدعت و منکر ہو جاوے گا **جواب** جو شخص کہ از روئے دلیل اس کی اباحت ثابت کرے گا پھر کس طرح عقل میں آوے کہ وہ خود مباح کہہ کر واجب جاننے لگے یہ تو کوئی ذی شعور مسلم نہ رکھے گا باقی

ہونا چاہیئے اور یہ نکتہ فہمی حکمت کی کہ حق تعالیٰ نے آیت میں خروج عن البیت کو نہیں فرمایا سبحان اللہ کیا علم ہے یہ نہ سمجھا کہ حق تعالیٰ نے لقد من اللہ علی المومنین اذ خلق بھی تو نہیں فرمایا جس سے ولادت کا فضل نکلتا بعثت تو نبوت کے معنی ہیں نہ ولادت کے پس ان جزئیات کو اس واسطے نہیں فرمایا کہ یہ سب افراد رسالت و بعثت کے ہیں اور آپ کا ہر ہر خروج و دخول حرکت و انقلاب سب اثبات شریعت و احکام دین کرنا تھا لہٰذا عام جامع کلمہ فرمایا سبحان اللہ مؤلف دعویٰ قرآن فہمی کا بھی رکھتا ہے با ایں علم و فہم الحاصل سب ذکر فخر عالم میں قیام مندوب تھا مگر مؤلف نے ذکر قدوم میں بوجہ مناسبت حصر کیا تھا اب ولادت میں خاص کر دیا اور سب پہلی تحریرات کو بھول گیا اور اپنے گھر بنائے کو ہدم کر دیا اور یہ کلمہ گستاخ اس کا کہ آپ کے گھر سے تشریف لانے اور غزوات سے سالم قدوم مبارک میں اور آپ کی تبلیغ وغیرہ میں سوائے صحابہؓ کے کسی کو کیا نفع ہوا ہے جو اس کے محاورہ کلام سے نکلا صریح بے ادبی ظاہر اور مخالف نص قرآن شریف کی ہے حق تعالیٰ تو اس کلمہ مطلق عام میں اذ بعث فیھم رسولا[1] وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین تمام ذرہ ذرہ آپ کے افعال اقوال کو نعمت بتاتا ہے نعمت عامہ الی یوم القیمۃ اور مؤلف سوائے صحابہؓ کو سب کو محروم ٹھیراتا ہے سوائے نفع ولادت کے سب منافع رسالت کے عموم ابد الابدیت سے انکار کرتا ہے گو نہیں سمجھتا اور لائق احسان کے نہیں جانتا معاذ اللہ ناظرین اس شوخ کلامی اور کوتاہ فہمی اور ناعاقبت اندیشی کو غور فرما دیں کہ اپنی بدعت تخصیص قیام کے جواز میں کیا کیا تکلیف دور از دین و دانش اختیار کر کے دین کو برباد کرتا ہے بس زیادہ کیا کہوں،

اگر امر مباح یا مستحب کی مداومت موہم وجوب ہو تو ترک واجب ہے | **قولہ اعتراض**۔ اگر نہایت عرق ریزی کوئی کرے الخ **اقول** مراد معترض کی یہ ہے کہ قیام مطلقاً ذکر فخر عالم ﷺ میں مندوب ہے اور تخصیص ذکر ولادت کی بدعت ہے اور اگر کوئی محنت کر کے بالفرض اباحت تخصیص اس قیام کی ثابت کر دیوے تو پھر بھی جب عوام اس کو واجب جاننے لگے تو ان کے حق میں بدعت ہوا اور خواص کو اس کا کرنا مکروہ ہوا کہ موجب افساد عقیدہ عوام کا ہے تو مؤلف کیا خوب سمجھا جواب دیتا ہے کہ اگر کوئی اباحت ثابت کرے گا وہ واجب کس طرح جانے گا سبحان اللہ معترض کب کہتا ہے کہ خود مستدل واجب جانے گا معترض یہ کہتا ہے کہ ہرچند کوئی اس کی اباحت ثابت کرے مگر تاہم جو عوام اس کا اصرار و دوام کے سبب واجب جان رہے ہیں ان کے حق میں بدعت ہی ہووے گا اور مفید جواز کو نہ ہوگا مگر مؤلف عام فہم مطلب سے اوپر کو ہی اڑتے ہیں پس مؤلف کا یہ قول محض بے معنی ہے پس سنو کہ مستحب کو واجب جاننا بدعت ہے اور جس دوام فعل خواص سے[2] عوام کو یہ امر پیدا ہو وہ امر خواص کو اعلان و دوام سے کرنا مکروہ ہوتا ہے کیونکہ سبب مذموم کا مذموم ہے قال العینی

[2] تخصیص کا مباح ہونا کہ قابل مذمت، اگر امر مباح یا مستحب کی مداومت موہم وجوب ہو تو ترک ضروری ہے۔

[1] سب کو جمع کر لے والا کہ ڈھا دیا کہ مضمون کلام کہ جبکہ بھیجا گیا ان میں رسول اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر ۲ھ ہمیشگی

رہی یہ بات کہ مبادا اور آدمیوں کو واجب ہونے کا دھوکہ لگے سو صورت اس کی یہ ہے کہ یہ معنی تو بدعت کے نہیں کہ کوئی شخص فعل مباح یا مستحب کرتا ہو اور دوسرا آدمی اس کو اپنے خیال میں واجب سمجھ جاوے تو اصل فاعل کے حق میں وہ امر بدعت ہو جاوے ہاں بعض فقہاء کے کلام سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض مسائل میں ڈرا کرتے تھے کہ ہم کس کس کو کہتے پھریں گے مبادا عوام لوگ اس کو فرض خیال کریں سو اس مسئلہ خاص میں یہ علت مفقود ہے کیونکہ علماء عرب کے فتوی چھپ چکے تفسیر روح البیان اور سیرت حلبی چھپ چکی اور علماء فرنگی محل و علماء کلکتہ و الہ آباد و دہلی وغیرہ بلاد عظیمہ عرب و عجم کے رسالے اور فتاوی چھپ چکے کتنی کتنی صدیاں گذر گئیں یہ اعلان کرتے ہوئے کہ مجلس پاک اور قیام کرنا مستحسن ہے پس اس قدر اعلان اور اشتہار کرنے کے بعد وہ علت جاتی رہی اور اشتباہ کا محل نہ رہا تو اس قیام کی التزام دائمی میں جو صورت کراہت عند البعض بوجہ اشتہار متصور تھی وہ بھی نہ رہی اور بدعت ضلالت ہونا تو کسی طرح ثبوت ہی نہیں رکھتا اور اعتراض آئندہ میں بھی اس کا دفعیہ کریں گے **اعتراض** یہ لوگ اگر قیام کو مباح یا مستحسن جانتے ہیں تو واجب کی طرح دائمی بالالتزام کیوں کرتے ہیں حالانکہ امر مستحب اور

فی وجہ کراہۃ صلوۃ الرغائب ومنہا ان العامۃ یعتقدونہا سنۃ فیکون فعلہا سببًا لکذبہم علیہ صلی اللہ علیہ وسلم پس ظاہر ہو گیا کہ فعل خواص کا جو عوام کی خرابی کا باعث ہو وہ مکروہ ہوتا ہے مؤلف اس امر کو بعض علماء کی طرف نسبت کرتا ہے حالانکہ جماعت کا اتفاق اس پر ہے مگر مؤلف دبا دبا کہتا ہے نہ اصل مراد معترض سے خبردار اور نہ قواعد دینیہ سے واقف و فہم سو علاقہ جو چاہا منہ سے نکال لیا اور یہ قول مؤلف کا کہ عام علماء نے استحباب کو طبع کرا دیا ہے اس وجہ سے علت کراہت رفع ہو گئی یہ قول کس قدر دور از فہم ہے کیونکہ صلوۃ رغائب کی کراہت اور بدعت ہونا علماء نے تحریر و تقریر سے تمام عالم میں اشتہار کیا مگر تیسیر پر بھی عوام جہلاء نے نہ چھوڑا اور کسی عالم نے نہ کہا کہ اب اشتہار عدم سنیت اس کا ہو چکا اب خواص کو مکروہ نہیں دوسرے یہ کہ جب خاص زبان سے تو کہیں کہ ہرگز نہیں مگر عملاً مدام اس التزام سے کریں کہ ترک اس کا مثل سنت مؤکدہ کے ذلیل جانیں تو عوام کو زبانی کہنا کیا نافع ہوگا اور تحریر فتاوی اور طبع اس کا عوام کو کیا مفید ہے کہ نہ پڑھ سکیں اور نہ سمجھیں اور نہ ان کو ان امور کا خیال اور نہ تحقیق کا فکر کہ رسائل خرید کر پڑھیں سو یہ اشتہار طبع کس قدر عذر غیر معقول المعنی[1] ہے، تعیین سنۃ کا مسئلہ دیکھو کہ باوصف شہرت کے اور تحریر کتب کے اب بھی علماء اس کو مکروہ ہی کہہ رہے ہیں چنانچہ پہلے اس کی تحقیق ہو چکی اور سید دیگر مسائل پس ایسے جر لغو عذرات سے مؤلف کو شرم نہیں آتی افسوس کہ خلاف کتب دینیہ کے کس طرح اس کا قلم ایسے کلام لایعنی پر چلتا ہے الحاصل ہر روز فقہاء ایسی حالت میں تحریر اور اشتہار پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوام کو مکروہ ہی کہتے رہے ہیں بلکہ چاہیے کہ گاہ گاہ ترک بھی کیا کرے تاکہ عوام کو یہ خدشہ نہ ہو مگر مؤلف ہر روز جدید قاعدہ خلاف امت کے شرع میں نکالتا ہے کیونکہ شرع نے تو اس صورت کو مکروہ ٹھہرا لیا تھا اس واسطے کہ فعل علماء خواص کو ہر عام دیکھتا ہے پس اس کے دوام سے خود عوام واجب جان لیویں گے اور تحریر کا یہ حال ہے کہ لاکھوں میں ہزاروں پڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہزاروں میں صدہا غافل بے پرواہ اور صدہا میں عدیکا[2] آدمی فہمیدہ ہوتے ہیں پس تحریر سے نفع نہیں ہوتا مگر مؤلف اس کو اپنی رائے سے نافع کہہ رہا ہے اور نفع قواعد فقہاء کا وہ سمجھے کہ فہم من اللہ تعالی اس کو عطا ہو ہر عامی کا کام نہیں کہ اپنی رائے سے قواعد فقہاء کو رد اور اپنی رائے ناقص سے ایجاد کیا کرے پس یہ قول مؤلف کا بالکل غلط خلاف عقل اور نقل کے ہے کہ اس طبع اور اشتہار سے علت کراہت مرتفع ہو گئی **قولہ** اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ قیام کو مباح الخ **اقول** اول اس امر کو محفوظ رکھنا ضرور ہے کہ مؤلف کو ہنوز دوام اور اصرار میں بھی تمیز نہیں سنو کہ دوام مستحب کا شرع میں محمود[3] ہے بشرطیکہ اس کے ادا سے کوئی محظور شرعی[4] لازم نہ آ جاوے اور دوام عبارت ہے

۱؎ جس کے معنی معقول نہ ہوں ۲؎ چند ۳؎ تعریف کیا ہوا ۴؎ شرعی رکاوٹ

کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے جواب التزام امور مستحبہ کا مکروہ نہیں ہے علی العموم بلکہ بعض صور خاصہ میں بعض فقہاء تقریر فرماتے ہیں وہ ہمارے
نوائے کلام سمجھ لیجو، تحقیق اصل مسئلہ قیام کی یہ ہے کہ ہم اس کو مستحسنات میں سمجھتے ہیں مذہب جمہور یہی ہے اور اسی پر عمل ہے تمام بلاد اسلام
میں اور منکرین میں ایک عزفا ایسا ہے کہ اس قیام کو حرام کہتے ہیں اور بعض ان میں کے بدعت مطلقہ اور بعضے ان میں کے بدعت ضلالہ اور
بعضے ان میں کے شرک قرار دیتے ہیں پس اس صورت میں مجوزین قیام بھی اگر ترک کرنے لگیں تو سب کے دلوں میں سما جاوے یہ بات کہ یہ قیام
بلاشک ممنوع ہے کہ انہوں نے بھی ترک کر دیا تو اس صورت میں بدل جاوے گا حکم شرعی اور ثابت کر چکے ہم دلائل شرعیہ سے اس کتاب میں

ہر روز کرنے سے اور اصرار کہتے ہیں کسی امر پر بندھ جانا اور ارادہ نا ایسا کہ ترک کرنا اس کا دشوار ہو مثل ترک ضروریات کے پس اصرار مندوب
کا شرع میں مذموم ہے بقولہ علیہ السلام ان اللّٰہ یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یؤتی عزائمہ اور مصر علی المندوب گویا محرم رخصۃ کا ہوتا ہے
اور اس کا ہی نام تعدی حدود اللّٰہ تعالیٰ ہے اور مدیم چونکہ مصر نہیں ترک بھی کر سکتا ہے لہٰذا وہ محرم جانب مقابل کا نہیں، پس اصرار مستحب کا
مکروہ ہوا کہ تعدی حدود اللّٰہ کی ہے اور اداامۃ مکروہ نہ ہوئی بشرطیکہ عوام کو مضرت نہ ہو اب سنو کہ معترض اصرار قیام کہتا ہے یہ معنی کہ مطلق
قیام جو مستحب تھا اس پر ایک فرد میں ایسا التزام و اصرار کہ ترک اس کا مثل واجب نا گوار جانتے ہیں اور یہ تعدی حد اللّٰہ تعالیٰ ہے نہ کرنی
چاہیے پس پہلے اعتراض میں تو بوجہ خرابی عقیدہ عوام کے اعتراض تھا اور اس میں خود مرتکب کے اصرار کی وجہ سے اعتراض ہے اور دونوں
میں فرق واضح ہے اس کا خیال رہے قولہ جواب التزام امور مستحبہ کا مکروہ نہیں الخ اقول جب امر مستحب میں التزام و اصرار پیدا ہو جاوے گا
وہ مکروہ ہو جاوے گا البتہ دوام محض مکروہ نہیں بشرط عدم مانع مگر چونکہ مؤلف کو دوام و اصرار میں تمیز نہیں لکم فہمی سے خیر الاعمال مادیم علیہ
کو پیش نظر کر کے یہ لکھ دیا ہے حالاں کہ اس کا اور اس کو بہت فرق ہے جیسا واضح ہوا پس قول اس کا کہ التزام علی العموم مکروہ نہیں محض غلط ہی
یہ کم فہمی سے سرزد ہوا ہے حالانکہ روایت مجمع و استنبط منہ ان المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ اور عبارت طیبی کی
نیسان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال دونوں عام ہیں کیوں کہ ان میں
اصرار ہے اور حدیث میں دوام پس نہ معارضہ نہ مخالفت پس اب قول مؤلف کا کہ اصرار علی العموم مکروہ نہیں غلط ہے اصرار مندوب کا علی العموم
مکروہ ہے جیسا کہ مجمع اور طیبی سے ثابت ہو گیا اور دوام محمود ہے جب تک کہ دوام سے عوام کو مضرت نہ ہوا اور قیام میں مولودیوں کو اصرار ہے
جیسا کہ تحریر مؤلف سے خود معلوم ہوتا ہے قولہ ہم اس کو مستحبات میں الخ اقول مطلق ذکر اللّٰہ و ذکر رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم میں نفس
قیام جائز ہے کوئی اس کا منکر نہیں مگر ہاں جب تخصیص مطلق یا تشبہ یا اصرار عارض ہو جاوے یا عقیدہ حضور روح فخر عالم کا
بعلم استقلال ہو تو اس وقت اس کو مکروہ و بدعت و شرک کہتے ہیں ورنہ نفس قیام میں خلاف نہیں مؤلف کو تاہ فہمی سے جو
چاہے سمجھ لیوے قولہ پس اس صورت میں الخ اقول اس کلام سے واضح ہوا کہ مؤلف مصر علی القیام ہے کیوں کہ ترک قیام میں جب
وہ تعدی حد اللّٰہ کا قائل ہے تو ترک قیام حرام ہوا اور قیام واجب ٹھیرا تا کہ تعدی نہ ہو پس اصرار علی القیام لاریب
ثابت ہوا اور مستحب کا واجب ہونا محقق ہو گیا پس اصرار علی المستحب ہی ہوا کیوں کہ قیام درجہ استحباب سے تو نکلا ہی نہیں
اور مستحب کو واجب کرنا بھی پایا گیا فتفکر فیما قد عنہ پس مؤلف نے یہ اقرار حق اپنے اور سب مولودیوں کے اوپر کر لیا
اور قول طیبی کا نقد اصاب منہ الشیطان اور قولہ تعالیٰ ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولٰئک ھم الظلمون الایۃ

اباحت واستحسان قیام پس جبکہ امر مباح و مستحسن کو لوگ شرک اور کفر یا حرام سمجھنے لگیں تو اس کو زیادہ تعدی حدود اللہ میں کیا ہوگی جس طرح مندوب کو واجب سمجھنے میں تغیر شرع ہے اسی طرح مباح کو حرام اور شرک قرار دینے میں تبدیل احکام اللہ اور تغیر دین ہے بنا بریں مناسب سمجھا گیا کہ نہ ترک کیا کریں اس قیام کو واسطے اس مصلحت کے ہاں اگر یہ قیام ایسا ہوتا کہ کسی کو اس کے استحباب میں کلام نہ ہوتا تو اس صورت میں التزام واہتمام اس کا بقول ان بعضے فقہاء کے نہ کیا جاتا کیونکہ ایسا امر جو سب کے نزدیک محمود بالاتفاق ہو اور کوئی اس میں انکار نہ

باقرار مؤلف ان پر صادق آگیا سبحان اللہ مؤلف کے فہم پر ہزار آفریں اب اس کج فہمی کی حقیقت سنو کہ معترض نے اعتراض بر جواز اصرار علی المستحب کے کیا تھا اس کا جواب مؤلف اپنی کج فہمی سے عوام کے تبدیل عقائد کا دینے لگا غور نہیں کیا کہ اصل منشاء اعتراض کا کیا ہے یہ بولا کہ مجوزین کو ترک میں عوام کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے کہ وہ اس مستحب کو ممنوع و مشرک عقیدہ کر لیویں گے سو دیکھو کہ اصرار مستحب جو اصل اعتراض تھا اس کا کچھ جواب وانکار نہیں دوسری بات فساد عقیدہ عوام کا اثبات ہونے لگا اور اپنے اوپر اصرار کو اس ضرورت سے قبول کر لیا اور عوام کی حفاظت کے واسطے آپ عاصی بن گیا دوسری خرابی یہ کہ اس سے پہلے اعتراض کے جواب میں مؤلف نے لکھا ہے کہ فتاوی علماء عرب و عجم بکثرت طبع ہو گئے ہیں کہ سب کو مستحب ہونا اس قیام کا روشن ہو گیا ہے تو اب التزام قیام میں خدشہ فساد عقیدہ عوام کا نہیں کہ علت کراہت کی رفع ہو گئی اور اس جواب میں کہتا ہے کہ ان فتاوی کا اثر بالکل بھی دنیا میں نہیں ہوا وہ بالکل لغو ہو گئے ناچار التزام سے استحباب ثابت کرنا پڑا ورنہ کراہت ہو جاتی کیونکہ اگر فتاوی کثیرہ بزعم مؤلف عوام کو استحباب کا اثبات کر دیتے جیسا پہلے کہتا تھا تو اب کسی کے حرام و بدعت کہنے سے کیوں عوام بہکتے پھر کیا اندیشہ عوام ہوتا وہ تو بلا التزام مجوزین سے خراب ہوتے نہ فتوی تحریم مانعین سے بگڑتے پس اس کا وبال کیوں مؤلف کے ذمہ پڑتا کہ اصرار مستحب اور تعدی حد اللہ اپنے سر پر رکھی گئی بزعم مؤلف بہر حال یہ تہافت اقوال غور طلب ہے کہ یہاں تو فتاوی مغنی بزعم مؤلف کہ دوام فعل سے عوام کو کچھ حرج نہیں تھا اور یہاں غیر کافی ہو گئے شاید ایک ساعت میں پرانی ہو کر قوت زائل ہو گئی اور وہاں باوجود فتاوی کے التزام کا غیر مؤثر ہونا مصرح تھا اور یہاں بدون التزام کے صورت نجات کی ہی نہیں فتاوی میں اثر ہی نہیں یا جو کچھ اثر ہے دوام میں ہی ہے مؤلف کو کچھ ہوش نہیں کہ کتاب میں کیا کیا قلم درج کر رہا ہے اپنے جہل مرکب کے نشہ میں سرشار ہے تیسرے یہ کہ مؤلف مستحب کو واجب جانتا خود داخل تعدی حد اللہ کرتا ہے خواہ عوام کو پیش آوے خواہ خواص کو پس جس تعدی سے عوام کو بچایا ہے وہی تعدی اپنے اوپر لازم کرتا ہے چنانچہ اس کے کلام سے واضح ہو لیا حالانکہ اگر اس قیام کو گاہ گاہ ترک کر دیتا تو عوام کا حرام جاننا بھی رفع ہو جاتا اور خود بھی گناہ تعدی اور اصرار مستحب سے پاک رہتا کیونکہ اگر فعل مجوزین قیام کا عند العوام معتبر ہو تو گاہ گاہ کرنے سے حلت کا ثبوت ہو جاتا ہے جو ان کا فعل لغو ہے تو یہ التزام بھی کچھ نافع نہ ہوگا اور بزعم خود تعدی حد اللہ عبث سر پر لی اور عوام کو فائدہ کچھ نہ ہوا چہ تھے یہ کہ اصرار کو تعدی کہ بہر حال لازم ہے اگرچہ مسئلہ مختلفہ ہو گیا ہو اس واسطے کہ جو فعل ایسا ہو کہ ایک فریق اس کو حلال مستحب اور دوسرا حرام کہے مثلاً زعفران ریش کا خضاب کرنا ابن عمرؓ مستحب کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ائمہ دیگر حرام تو اب اگر کوئی بتقلید ابن عمرؓ ریش کو خضاب زعفران کا کرے مستحب جان کر اور اصرار کرے تو بالضرور حسب رائے ابن عمرؓ کے مصر علی مستحب اور متعدی ہوا اور عوام کے افساد عقیدہ کا سامان کیا کہ اپنے مستحب مزعوم کو عوام پر واجب کرتا ہے پس یہ قاعدہ مؤلف کا کس قدر غلط ہے کہ کوئی معنی اس کے نہیں کہ مستحب مختلف میں اصرار و تعدی درست ہے یہ کیسا جہل اور مخالفت شرع کی ہے معہذا طرفہ یہ ہے کہ مؤلف مانعین محض مولود اور قیام کو اپنے کلام نافرجام میں اقل قلیل کہتا

۱؎ جائز ماننے والے ۲؎ گنہگار ۳؎ بے کار ۴؎ مانعین کا حرام قرار دینا ۵؎ حد الٰہی سے تجاوز کرنا ۶؎ بے پرواہ کر دینے والے ۷؎ مرتب شدہ ۸؎ بے ہودہ لغو

کرتا ہو بلکہ سب اس کو اہتمام سے بجا لاتے ہوں تو اس کی ملاومت اور التزام سے البتہ عوام کے دلوں میں شبہ وجوب یا فرضیت کا پڑ
سکتا ہے وہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس امر کا کوئی منکر نہیں اور سب بالاتفاق کمال تاکید و اہتمام سے کر رہے ہیں شاید یہ کام فرض یا
واجب ہو گا پس صاحب مجمع البحار کا کلام جس کو بعض فضلاء سند میں لائے ہیں درحقیقت وہ ایسے ہی مندوب اور مستحب
بالاتفاق کے حق میں ہے کما المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ۔ برخلاف اس قیام کے کہ اس میں لوگوں
کو کیا کیا گفتگوئیں ہیں، بھلا جس چیز کے جواز و عدم جواز میں مباحثہ ہو رہا ہو اور مجوزین قیام جا بجا فتاویٰ اقرار و استحسان
قیام کے باب میں چھاپ چھاپ کر مشتہر کر چکے ہوں کب عقل سلیم باور کرے گی اس بات کو کہ اس کی فرضیت یا وجوب شرعی کا شائبہ
کسی کے دل میں پیدا ہو گا حاشا وکلا اعتراض بانیان محفل میلاد نے مطلق کو مقید کر دیا ہے یہ بدعت ہے جواب بدعت کی تعریف
اگلے علماء فرما چکے مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل میں نقل کر چکے ہم بطور خلاصہ لکھتے ہیں جو علماء بدعت کی تقسیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں

آدمی غیر معتبر[1] غیر معتمد القول[2] کالعدم اور مجوزین کو سواد اعظم[3] جم غفیر معتمد القول لکھ آیا ہے پس ان کی منع کا اور تحریم[4] کا کیا اعتبار رہے اور ان
کے منع پر کس سبب سے یہاں التفات ہونے لگا کہ بدون التزام مکروہ کے چارہ ہی نہ ملا اور پھر آخر جواب میں اول کے خلاف وہی لکھ دیا
کہ اس اشتہار فتاویٰ کے بعد فرضیت کا عقیدہ ہو نا کسی کی عقل سلیم باور نہیں کرتی پس یہ جواہی مؤلف کی تاویل تماشا ہے اور خوبی علم و فہم مؤلف
کی کس قدر روشن ہوئی کہ بایدو شاید اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مستحب میں اصرار ہو وہ مؤلف کے نزدیک تعدی حد اللہ[5] اور حرام ہے اور جس
فعل مستحب کا التزام سے عوام کو مضرت ہو کہ مستحب کو واجب یا حرام جانیں وہ بھی تعدی ہے اور حرام ہے اور پہلے جواب میں اس کراہت کا
بعض علماء کے نزدیک مؤلف مقر تھا اب حرمت کا خود اقرار کر لیا اور اول جواب میں بعض مستحب کے اصرار کو جائز کہتا تھا اور اب اس قاعدہ
میں عموماً اصرار مستحب پر حرام ہونے حکم لگا دیا کیونکہ تعدی حد اللہ سب میں لازم ہے پس یہ مبلغ علم مؤلف کا ہے اور اس پر دعویٰ فہامتہ
العصر ہونے کا ہے سبحان اللہ بہر حال خدا تعالیٰ ناظرین اس لیاقت علمی اور فصاحت بیانی کو غور کریں لاحول ولا قوۃ الا باللہ قولہ
برخلاف اس قیام کے الخ **اقول** بعد اس تحقیق کے مؤلف نے کیا عجب نتیجہ نکالا ہے کہ دنیا میں کسی ذی عقل واقعی عقل والے سے بھی
نہیں ہوا ہو گا، سنو مقدمات تو یہ تھے کہ قیام مختلف فیہ ہے اگر مجوزین بھی ترک کرنے لگیں اور التزام نہ کریں تو تعدی حکم اللہ کی عوام کے
نزدیک ہو جاوے گی لہٰذا التزام اس کا ضرور ہے اور یہی قاعدہ مقرر کیا کہ ایسے امر مختلف فیہ میں اصرار مضر نہیں بلکہ ضرور ہے اور خلاصہ
یہ نکلا کہ عوام کو بسبب اشتہار فتاویٰ کے عقیدہ وجوب کا نہیں ہو سکتا اب غور کرنا چاہیئے کہ اعتراض تو اصرار کی کراہت کا تھا اور خلاصہ
جواب اور مقدمات وہ تو مؤلف کے دماغ میں خلل ہے یا نہیں اور یہ جواب خاص عطر فکر صائب مؤلف کا ہے کہ جس پر نہایت نازو
نخرہ ہے قولہ اعتراض بانیان محفل میلاد نے مطلق الخ **اقول** بدعت کی تعریف میں سب متفق ہیں تفاوت الفاظ کا ہے پہلے تحقیق ہو چکا
اور یہ بھی تحقیق ہو لیا کہ یہ محفل مروجہ ہر دو تعریف کے موافق بدعت ضلالہ ہے اگرچہ اصل ذکر فخر عالم کا بلا قیود مندوب ہے چونکہ بہت
واضح بیان پہلے ہو چکا ہے لہٰذا اعادہ نہیں کیا جاتا مگر مؤلف کی سوء فہم کو دیکھنا ہے کہ مطلق کو مقید کرتا اور عکس اس کا کہتا
ہے کہ حد بدعت میں داخل نہیں حالاں کہ اس کے بدعت ہونے کے برابر سب قائل ہوتے چلے آئے ہیں اور سب کے نزدیک داخل
حد بدعت کی ہے کیونکہ جس نے مطلق شرع کو مقید کیا تو یہ قید خلاف متلقی عن الشارع ہوئی اور احداث مخالف حکم شارع کے

[1] غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہونے کے برابر [2] کثیر تعداد [3] حرام قرار دینا [4] یقین [5] حد الٰہی سے تجاوز کرنا

البدعة عمالم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم پھر اس کو دو قسم کرتے ہیں ایک حسنہ اور ایک سیئہ پس ان کے نزدیک محفل میلاد بدعت حسنہ میں داخل ہے اور مستحب ہے اور جو علماء تقسیم بدعت کے قائل نہیں وہ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ان علماء کے نزدیک محفل میلاد خود سنت میں داخل ہے کیوں کہ گو یہ محدث ہے لیکن محدث علی خلاف الحق نہیں ہے کہ کوئی حکم قرآن یا حدیث و اجماع کا بدلتی اور تغیر ہوتی ہو پس اصل حال تو یہ ہے کہ محفل میلاد شریف ہر دو طائفہ کے نزدیک مستحسن ہے باقی جو بعض علماء کو انکار واقع ہوا ہے وہ نہیں پہنچے اس رمز دقیق کو الحاصل بدعت کی تعریفیں سلف سے وہ ہیں جو بیان کی گئیں اب تھوڑے دنوں سے یہ لوگ یہ تقریر سیکھے ہیں کہ بدعت وہ ہے جو مطلق کو مقید کر دیں یا مقید کو مطلق کردیں حالاں کہ اگر ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی حرمت مولد شریف کی ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل مولد شریف میں کسی مطلق کو مقید نہیں کیا، یعنی روایات میلاد و معجزات کا پڑھنا جس طرح ماہ ربیع الاول میں ہوتا ہے دوسرے مہینوں میں بھی پڑھ لیتے ہیں پھر مطلق مقید کہاں ہوا اور جس طرح ذکر ولادت شریف کے وقت قیام کرتے ہیں اسی طرح اور بھی چند مقامات میں قیام کرتے ہیں چنانچہ وہ مواقع بیان تحقیق قیام میں کسی جلد لکھے گئے پس قیام بھی مقید نہ ہوا کہ نہ ہو قیام کسی مکان اور کسی زمان اور کسی موقع میں مگر خاص مولد شریف میں اور اسی طرح تقسیم شیرینی یا کھانا کھلانا اور بھی تقریبات دین و دنیا میں ہوتا ہے محفل ختم قرآن تراویح و مجلس بسم اللہ و عقد نکاح وغیرہ اور منبر یا چوکی وعظ میں بھی بچھتی ہے اور فرش کا بچھانا وعظ میں بھی ہوتا ہے اور مجلس نکاح وغیرہ میں اور پڑھنا قصائد و مناقب کا جیسا محفل مولد میں ہوتا ہے بعض غیر مجالس میں بھی ہوتا ہے اور بعض آدمی تنہا بھی شوقیہ پڑھتے ہیں اب بیان فرماویں یہ صاحب کہ مقید کردیا ہم نے کونسی مطلق شرعیہ کو اس طرح کو ہنجار کو ہم سمجھتے ہیں

کے جو کہ عہد شارع میں نہ تھا دونوں حد دیکھو اس پر ظاہر صادق ہو رہے ہیں اس کا بھی پہلے بیان ہو لیا ہے پس یہ محفل مروج بسبب قیود کے داخل بدعت ہیں سب حدود کے موافق ہو گئی بداہۃً اس میں کوئی امر تیس[1] و خفی نہیں اگرچہ مؤلف کے فہم پر غطا رہے کہ صاف مضامین کو بھی سمجھنے نہیں دیتا اور حالاں کہ خود تقیید مطلق کو قابل زجر و توبیخ کہہ آیا ہے غور طلب ہے کہ مؤلف کہاں ہے

وجہ مولود کے جواز سے شریعت کا حکم مطلق کو مقید کرنا لازم آتا ہے | **قولہ** ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل مولد الخ | **اقول** دعویٰ مؤلف کا سراسر غلط اور کور فہمی ہے اور ہنوز مؤلف معترض کے مطلب کو بھی نہیں سمجھا ساری عمر گنوادی اور کچھ خبر نہیں معترض یہ کہتا ہے کہ ذکر فخر عالم علیہ السلام کا مطلق بلا کسی قید کے مندوب ہے اور کسی ہیئت اور قیود سے مقید کرنا اس کا اگرچہ وہ قیود امور مباحہ یا مندوبہ ہی ہوں مکروہ و بدعت ہے پس تقرر تاریخ اور فرش معمول اور شیرینی مروج اور روشنی کثیرا ور تداعی و اہتمام وغیرہ اگر سب یا بعض جیسا مروج ہے ذکر مولود کے ساتھ ہوویں گے تو وہ محفل ان قیود کے اطلاق سے نکل کر بدعت ہو جاوے گی اور جو امور غیر مشروعہ محفل میں ہوویں گے مکروہ تجاوز ہی گی پس معترض یہ نہیں کہتا کہ زمانہ اور شیرینی وغیرہ کو محفل میں مقید و منحصر کردیا کہ انکا وجود کہیں نہیں ہوتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ ذکر کو ان قیود کے ساتھ مقید کیا کہ بدون ان قیود کے سب کے یا اکثر کے یہ ذکر ہوتا ہی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ ان قیود کا ہونا ضروری ہو گیا ہے پس ذکر ولادت جو مطلق عن القیود تھا مقید بقیود کردیا یہ ذکر بدون قیود کے ہوتا ہی نہیں گو یا لازم غیر منفک[2] میں اگرچہ قیود دوسری جگہ بھی ہوں تو قیود کو مقید کرنا نہیں کہا مگر مؤلف نہیں سمجھتا اور قیام جو سب ذکر فخر عالم میں مندوب تھا اس کو خاص ذکر ولادت میں حصر و مقید کیا کہ سوائے ذکر ولادت کی محفل مخصوص میں ہو اور کسی ذکر پر نہیں ہوتا تو مطلق قیام ذکر فخر عالم بھی مقید ہوا مگر مؤلف کا فہم عالی کچھ کا کچھ سمجھتا ہے مؤلف

---

[1] باریک [2] تکلف [3] منحصر [4] علیحدہ نہ ہونے والا

ہم اس مطلق کو کسی وقت بلا قید ہاں یہ بات تو ضرور ہے کہ مجلس خیر میں جسقدر حسنات و امور خیر کی کثرت ہو اور جس قدر تعظیم و محبت کا ظہور ہو
اسی قدر موجب خیر و برکت ہوگا سو تقیید مطلق اس کا نام نہیں کہ یہ بات ہر مرد سلیم الطبع پسند اور دل کو قبول کرے گا **اعتراض** سلامی جوابی
مثل روافض کے تعیین کرتے ہیں **جواب** یہ بات تو ملک عرب میں بھی رائج ہے کہ جب مولد شریف میں کوئی روایت قاری مولد تمام کرتا ہے
اسی وقت حاضرین مجتمع ہو کر درود پڑھتے ہیں اور وہ اکثر شعر ہوتا ہے حالانکہ اہل الحرمین روافض کے دشمن ہیں ممکن نہیں کہ وہ اعداء دین کی بات
اخذ کرتے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب نے یہ بات حضرت سید العرب والعجم کے فعل سے استنباط کی ہو صحیحین میں انس سے روایت ہے کہ صحابہ مہاجرین
و انصار خندق کھودتے اور مٹی نکالتے جاتے تھے اور زبان سے یہ پڑھتے تھے ؎ نحن الذین بایعوا محمدا ؛ علی الجہاد ما بقینا ابدا
اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں پڑھتے تھے ؎ اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ ؛ فاغفر للانصار والمہاجرۃ ؛ کذا فی المشکوٰۃ
فی باب البیان والشعر پس یہ بات قابل طعن نہیں ہاں اگر قواعد موسیقی کے طور پر تغنی کرنے لگیں تو البتہ علماء دین میں مسئلہ مختلف فیہ ہے اور فقط
اپنی آواز اور اس کا حسن ظاہر کرنے کو پڑھیں اور اخلاص حضور ہرگز دل میں نہ ہو تو بالاتفاق ممنوع ہوگا جیسے بعض قاری خوش الحان محض نمود کے
لئے قرآن مجامع میں پڑھنے لگتے ہیں پس اس نیت سے پڑھنا منع ہے امور خیر میں اخلاص ضروری ہے وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین
اعتراض مولوی محمد ہاشم صاحب سیر ہٹی تحریر ثانیہ مطبوعہ مطبع ہاشمی کے آخری صفحہ ۲۴ میں اپنی مہر لگا کر رقم فرماتے ہیں لکھنا حضرت مجدد الف ثانی کا
دربارہ مولد شریف کے اگر فرضاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں زندہ ہوتے اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں نزدیک فقیر کے

کہ نکلے پس قیام بھی مقصود نہ ہوا سبحان اللہ خوب سمجھے علی ہذا طعام و منبر و شیرینی و فرش کو کس قدر الٹا سمجھ گیا ہے پس یہ دعویٰ مؤلف کا محض
غلط نکلا کہ ذکر مولود اور قیام مقید نہیں ہوا بلکہ مقید ہونا اس کا بدیہی ہے اور یہ فہم مؤلف کا کہ شیرینی اور فرش وغیرہ کو مقید کرتا ہے محض
خطاء فاحش ایسے واضح کلام کے فہم سے عاری لاحول ولا قوۃ الا باللہ **قولہ** اعتراض سلامی الخ **اقول** بحث تشبہ میں ثابت ہو چکا کہ تشبہ[1]
ممنوع کے واسطے ضرور نہیں کہ اس قوم سے یہی دیکھ کر اخذ کریں بلکہ عام ہے سو اگر کسی امر کو مسلمان کرتے ہیں بشرطیکہ وہ شعار بھی کفار و
فساق کا ہو اور طبعی اور عرفی گو شرعی نہ ہو تو بسبب تشبہ[2] حادث کے ممنوع ہو جاتا ہے دست چپ[3] میں خاتم کا پہننا حدیث سے ثابت
ہے پھر جب شعار روافض[4] کا ہو گیا تو اب تمام فقہاء مکروہ لکھتے ہیں کیونکہ یہ سنت مؤکدہ نہ تھا ایسا ہی بحق رسلک کا لفظ حدیث سے
ثابت اور بسبب شعار حادث معتزلہ کے فقہاء نے منع لکھ دیا مؤلف کو کاش خبر ہوتی پس یہ سوال الجواب گو عرب میں ہوا اور قصہ حدیث
بھی لیا گیا ہے مگر تاہم اب بسبب تشبہ شعار مجلس روافض کے مکروہ ہو گیا ہے اور فعل فخر عالم اول تو مشابہ روافض کے نہیں تھا کیونکہ
اس وقت روافض کہاں تھے دوسرے روافض کی مجلس مرثیہ میں یہ ہوتا ہے مگر قطع نظر اس کے اب جو مجلس مولود میں تشبہ حادث ہو گیا
گو یہ کہیں سے لیا ہو ممنوع ہو گیا ہے جیسا مسئلہ تختم[5] اور لفظ بحق کا معلوم ہو لیا **قولہ** اعتراض مولوی محمد ہاشم الخ **اقول** مؤلف کی عادت
مستمرہ ہے کہ دوسرے کلام کو ہرگز نہیں سمجھتا اور اپنے نزدیک اس کے کچھ معنی ٹھیرا کر زبان درازی شروع کر دیتا ہے حاصل مطلب مولوی
محمد ہاشم کا مسئوبہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ مجھ کو تردد تھا کہ مجلس مروجہ مولود جائز ہے یا نہیں مگر اب ان فتاویٰ کے مطالعہ سے
اور امام ابو الحسن اور حضرت مجدد صاحب کی تحریر دیکھنے سے تردد رفع ہو گیا اور نا مشروع ہونا معلوم ہو گیا اور پھر اس فتویٰ
کی عبارت تو نقل نہ کی کہ خود موجود تھی مگر ترجمہ امام ابو الحسن اور حضرت مجدد کی عبارت کا نقل کیا تو غرض مجیب کی تو اسی قدر تھی

---

[1] ایسی مشابہت جس سے منع کیا گیا ہو [2] نیا پیدا شدہ تشبہ [3] بایاں ہاتھ [4] شیعہ [5] انگوٹھی پہننے کا مسئلہ ،

یہ ہے کہ ہرگز اس امر کو جائز نہ فرماتے بلکہ انکار فرماتے انتہی کلام المجدد رح ۔ اس کے بعد مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں ثابت ہوا کہ یہ مجلسیں ایسی صورت پر بیشک بدعت ہیں اب مجھ کو کچھ شک و شبہ باقی نہ رہا یہ خلاصہ کلام ہے مولوی محمد ہاشم صاحب کا جواب افسوس کرتا ہوں کہ یہ صاحب نہ سباق و سیاق پر نظر فرمادیں اور نہ شان الفاظ و مرجع ضمائر میں فکر لگادیں مجدد صاحب نے اس مقام پر مکتوب ۲۷ جلد اول میں فرزندان خواجہ احرار کا ذکر اور اپنے خواجہ علیہ الرحمۃ کا حال بیان فرماتے ہیں جس کا دل چاہے مکتوب مذکورہ نکال کر دیکھے غرضکہ وہ ان کی نسبت لکھتے ہیں اگر فرضاً حضرت ایشاں دریں آوان در دنیا زندہ بودند اب خیال کیجئے کہ کجا ضمیر حضرت ایشاں کی راجع مذکورین بالا کی طرف اور کجا مولوی محمد ہاشم صاحب کا ترجمہ فرمانا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں زندہ ہوتے بھلا مجدد صاحب حضرت ایشاں سے اگر مراد رسول خدا رکھتے تو ان کو یہ رشد و ہدایت نہ تھی نعوذ باللہ سنہا کہ وہ حضرت کے نام پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ، حضرت ایشاں بلا درود لکھنا بھی صریح دلیل ہے

کہ ان بزرگوں کی افادات سے میرا شک رفع ہوگیا اور مولوی احمد علی صاحب کا یہ خلاصہ کلام تھا کہ اصل ذکر درست اور قیود مکروہ و بدعت تو نفس مولود کی ممانعت نہیں کرتے اور یہی حضرت مجدد رح نے فرمایا بقولہ در نفس قرآن خواندن بصورت حسن و قصائد نعت خواندن چہ مضائقہ است ، پس مجیب کے یہ محقق ہوگیا کہ اصل ذکر محمود ہے ، مگر ضم قیود سے کراہت و بدعت قدر خطر قیود کے پیدا ہو جاتی ہے اور حضرت مجدد رح کے نزدیک ایسی صورت میں مذموم ہونا محقق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اگر اندک تجویز کردہ منجر بہ بسیار خواہد شد الخ اس سے معلوم ہوا کہ اس قدر پر کہ اصل ذکر مولود ہے اگر زیادہ ہوا تو مکروہ ہوگا علی انہا قولہ یقین فقیر آن است کہ ہرگز تجویز ایں معنی نمی فرمودند جس سے حضرت مجدد رح کے نزدیک ان امور زائد کا مکروہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور یقین فرماتے ہیں کہ حضرت ایشاں بھی اس کو ہرگز جائز نہ فرماتے پس اس مجموعہ کے اصل کا جواز اور قیود کا عدم جواز حضرت مجدد رح کے نزدیک محقق ہونا معلوم ہوگیا پس مجیب بتقلید حضرت مجدد رح کے اس کو قبول کرتے ہیں کہ اصل درست اور قیود ناجائز چنانچہ مجیب خود کہتا ہے کہ یہ مجلس ایسی صورت پر جو تکلفات کئے جاتے ہیں الخ جس سے خوب بدیہی ہے کہ یہ مجلس ہیئت کذائیہ کو بدعت کہتے ہیں نہ نفس مولود کو مگر مؤلف خوش فہم کہتا ہے قولہ افسوس کرتا ہوں الخ اقول بیشک سخت افسوس ہے کہ مؤلف ایسے بدحواس کہ بدیہی امر کو بھی نہ سمجھے اور مطلب اصل سے اعراض اور زوائد امور پر زور شور اور طعن کرنے کو موجود ہو جاوے اچھا صاحب تسلیم کرلیا کہ مجیب نے مرجع آں حضرت میں غلطی کی مگر مطلب میں تو کوئی خطا نہیں کی اور مقصود تو صاف ہے لیکن مؤلف کس منہ سے تخطیہ ناجائز کہتا ہے مؤلف تو اصل مطلب کو بھی نہیں سمجھا نہ حضرت مجدد رح کا مطلب بوجھا نہ مولوی احمد علی صاحب کا نہ مجیب کا کیونکہ مجیب تو یہی کہتا ہے کہ مجلس مروجہ حضرت مجدد رح کے نزدیک ناجائز ہے اور اس قدر یقین عدم جواز کا رکھتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ حضرت ایشاں اگر زندہ ہوتے تو حضرت ایشاں بھی ناجائز ہی فرماتے تو یہ حضرت مجدد رح کے کمال وثوق کی وجہ ہے کہ حضرت ایشاں پر بھی اس حکم کا یقین رکھتے ہیں تو گویا عدم جواز کی ایسی دلیل واضح ہے کہ حضرت ایشاں اس امر میں ایسا ہی فرماتے بس مطلب تو خوب روشن ہے گو کسی کو نظر نہ آئے اب رہا کہ حضرت ایشاں کس سے مراد ہے فخر عالم علیہ السلام یا خواجہ احرار یا خواجہ محمد باقی اس کو کوئی غرض و مقصود متعلق نہیں اور اس پر ایسے زور شور سے بحث محض فضول ہے اچھا حضرت احرار ہی سہی مگر حضرت مجدد رح کا مکروہ جاننا تو اس مجلس کا ثابت ہوگیا اور یہی مجیب کی غرض تھی اما اگر فخر عالم علیہ السلام مراد ہوں جب بھی تو یہ قول حضرت مجدد رح کا ہی ہے اور ان کا ہی یقین ہے حدیث تو نہیں ہو جاوے گی اور اس کو کوئی حدیث ہونا نہیں مانتا جیسا اب خواجہ

کہ اس سے مراد آپ نہیں ہیں اور پھر یہ کونسی دلیل شرعی قطعی ہوگئی کہ وہ فرماتے ہیں یقین فقیر آن ست کہ ہرگز این معنی تجویز نمی فرمودند اسلئے کہ
دوسرا آدمی کہہ سکتا ہے کہ پرائے دل کی کیا خبر ہے کچھ تعجب نہیں کہ وہ جائز فرماتے یہ ہرگز کوئی دلیل یقینی قابل اسناد نہیں ہے اب یہ عاجز
اصل مطلب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب کا بیان کرتا ہے اول تو یہ ہے کہ انہوں نے مولد شریف نام رکھا ہے اشعار پڑھنے کا خواہ
وہ اشعار کسی طرح کے ہوں چنانچہ عبارت خاص ان کی یہ ہے، مولود کہ عبارت از قصائد نعت و اشعار غیر نعت خواندن است دیکھئے اول تو

احرار اگر مراد ہیں حسب زعم مؤلف کے تو یہ خواجہ احرار کا قول نہ ہوگیا بلکہ محض قول حضرت مجدد کا اور حکم یقینی ان کا ہی ہے پس مطلب میں کچھ نقصان
نہیں لیکن مؤلف ہی نہیں سمجھتا اور اپنے زعم میں اگر کسی کی ذرا لفظی غلطی پر بھی مطلع ہو جاتا ہے تو کبروں میں نہیں سماتا اور گویا مؤلف کا علم و فہم
الفاظ میں ہی منحصر اول کتاب سے آخر تک دیکھو کہیں بھی کوئی مطلب نہیں سمجھتا کوئی غلط مضامین ہی موضوع اس کتاب کا ہے اگر یہ خود کو
تنبیہ نہیں اور مواخذات لفظیہ سے ہم کو غرض نہیں ورنہ وہ بھی دکھلایا جاتا مگر چونکہ یہ دأب اہل علم کا نہیں لہٰذا اس پر التفات ہی نہیں لیکن
مؤلف کو کونسی دلیل محقق سے محقق ہوا کہ جناب فخر عالم یہاں مراد نہیں اول منام میں رضا فخر عالم کا دیکھنا مذکور تھا اس کے بعد منام
میں خواجہ احرار کا ذکر بطور اعتراض کے کیا اور پھر صاحبزادہ کا حال بیان کر کے فرماتے ہیں کہ خواب کا کچھ اعتبار نہیں اگر حضرت فخر عالم علیہ السلام
زندہ ہوتے تو یقین تھا ہرگز جائز نہ فرماتے اگر یہ تقریر اس کی ہو تو مؤلف بتاوے کہ کون حجت مانع اس کی ہے اور کیا دلیل قطعی اس کیخلاف
کی ہے اور یہ دلیل کہ حضرت ایشان پر درود نہیں لکھا اور اس کو مؤلف دلیل صریح کہتا ہے تو یہ مؤلف کی کمال کوتاہ فہمی پر دال ہے کچھ
اس کتاب میں تلاش کر کے مؤلف دیکھے تو بہت جگہ آپ کے نام پاک پر درود مکتوب نہیں سو یہ کوتاہی کاتب کی ہے نہ حضرت مجدد صاحب
کی مگر مؤلف کی ہر روز یہ عادت رہی کہ کاتب اور اہل مطبع اگرچہ کوئی کیسی ہی غلطی کرے اس کو بری کر کے اصل مصنف تک
پہنچا کرتا ہے پس یہ دلیل کسقدر بے اصل ہے اگر مجیب یا کوئی کہدے کہ کاتب نے صلوٰۃ وسلام نہیں لکھا اصل کتاب میں تھا تو
بس مؤلف کی تمام ہوئی ہاں مؤلف کے پاس حضرت مجدد کے ہاتھ کا لکھا ہوا مکتوب ہوگا جو یہ جزم ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ
ایسی جزو دلیل پر اس قدر زور وشور غرض ایسی ضعیف دلیل پر مؤلف کا ایسا اعتماد اور پھر خواہ نخواہ اعتراض کسقدر عجیب بات ہے
پس مطلب بھی درست ہے اور مرجع کی خطا بھی محقق نہیں مؤلف کا یہ غیظ و غضب محض نادانی ہے **قولہ** پھر یہ کونسی دلیل شرعی قطعی الخ اقول
دلیل قطعی تو آیت قرآن شریف کی باوصف معلوم ہوا اور حدیث متواتر اور اجماع قطعی ہی ہے باقی سب آپ کی کتاب دلائل ظنیہ وہمیہ سے
بھری ہے بلکہ مؤلف تو اپنی وہمیات سے ہی اثبات اپنے مطلب کا کرتا چلا آرہا ہے اور مراد مولوی محمد ہاشم کی تو یہ تھی کہ حضرت مجدد
کے نزدیک یہ محقق ہوا اور ایسا یقینی ہے کہ حضرت ایشان پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ یہی فرماتے اور واقع میں احتمال خلاف کا ہو ہے
مگر حضرت مجدد کا یہ یقین تھا تو مجیب نے حضرت مجدد کے حکم کو اپنا رفع تردد لکھا ہے نہ حضرت ایشان کے حکم سے نہ اس کو مطلب سمجھو پس یہ اعتراض مؤلف
کا کہ دوسرا کہہ سکتا ہے کہ دوسرے آدمی کے دل کی کیا خبر ہو الخ کسقدر کم فہمی ہے کیونکہ یہ اعتراض حضرت مجدد پر کرے کہ تم نے کیوں ایسی بات دوسرے شخص
پر کہدی اس میں مولوی محمد ہاشم پر کیا اعتراض ہے وہ تو حضرت مجدد کے علم الیقین سے استدلال لائے ہیں نہ حضرت احرار کے قول کو ذرا ہوش کی
حکومت پس یہ حضرت مجدد کا قول دلالت قطعی رکھتا ہے کہ حضرت مجدد کے نزدیک یہ فعل ناجائز تھا اور یہی مراد ہے مگر مؤلف کے فہم میں خلل ہے،
مجدد صاحب کی عبارت سے جواز مولد ثابت نہیں | **قولہ** اب یہ عاجز اصل مطلب الخ **اقول** یہ مؤلف کا کمال فہم عالی ہے کہیں بھی دینا

۱؎ عادت ۲؎ خواب ۳؎ شیخی ۴؎ حمن کے بارہ میں یقین نہ ہو محض ظن ہو۔

ہماری مجلسیں اسی عبارت سے بری ہو گئیں کیونکہ ہم روایات میلاد و معجزات و خصائص کا بیان کرتے ہیں اور جو اشعار پڑھتے ہیں نعت یا حمد کے پڑھتے ہیں اور اشعار غیر سے ہم کو کچھ کام نہیں۔ ثانیاً یہ کہ مجدد صاحب نے اس اشعار غیر نعت سے جو منع کیا ہے وہ اس لئے نہیں کہ اس میں قباحت شرعی ہے بلکہ اپنی طرز کے خلاف سمجھ کر منع فرمایا ہے اس لئے کہ ایسے اشعار پڑھنے سے طرز سماع پیدا ہوتا ہے اور سماع ان کے طریقہ میں درست نہیں چنانچہ اسی مکتوب میں منع کرنے کا سبب بیان فرماتے ہیں۔ مبالغہ فقیر در منع بواسطہ مخالفت طریقت خود است حضرت خواجہ نقشبند فرمودہ اند ما ایں کار نمی کنم و نہ انکار می کنم۔ اور واضح ہو کہ یہ منع فرمانا مجدد صاحب کا مبنی اس بات پر ہے کہ ان کے وقت میں کسی نے

میں غزلیات و اشعار کا نام مولود خوانی ہے شرعاً یا لغتاً یا عرفاً ایسی بار دھوالی بات تو مؤلف کو ہی نصیب ہے کہ نوشہ و سہرا کی غزلیات کو مولود کہا جاوے استغفر اللہ خوب مطلب سمجھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مجلس میں ذکر مولود اور قصائد مدح کے ہیں اور اشعار غیر مدح کے بھی جمع اجمارے کو ہوتے ہیں نہ یہ کہ خالص غزلیات کو مولود خوانی کہتے ہیں حاشا وکلا واؤ بمعنی جمع کے ہیں بمعنی او کے نہیں جیسا مؤلف سمجھا کہ اصل معنی حقیقی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی لیتا ہے دوسرے مکتوب کی عبارت جو خود مؤلف نقل کرتا ہے اس زعم مؤلف کو رد کرتی ہے فرماتے ہیں۔ و نیز با مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و قصائد منقبت خواندن چہ مضائقہ است الخ اب دیکھو کہ مولود میں قرآن و قصائد منقبت آپ ہی فرماتے ہیں اور اس کے ہی عدم جواز کا ارشاد ہے اگر کوئی محظور شرعی اس میں منضم ہو جیسا الغمز تصحیف و تحریف و تبدیل کلمات و حروف قرآن مثلاً پس دیکھو مؤلف کی غفلت کو کہ خود ہی مولود کے معنی نقل کرتا ہے اور پھر آپ ہی اس کے خلاف کہتا ہے اور اگر ہم مسلم رکھیں کہ اصطلاح حضرت مجدد کی میں مطلقاً اشعار خوانی کا نام مولود تھا تو بھی ایک فرد مطلق مولود کی ہے جو کہ حضرت مجدد نے فرمائی ہے قرآن و قصائد مدح خواندن پس اگر اس میں بھی محظور شرعی ہو ویگا وہ بھی ممنوع ہوگی بارشاد حضرت مجدد کے وہو المراد پس مؤلف کی توجیہ کسقدر لغو ہو گئی اور مدعا مولوی محمد ہاشم صاحب کا ثابت ہو گیا بہر حال مجالس مروجہ ماتنا ہرگز اس تقریر حضرت مجدد سے خارج نہیں ہو سکتی کیونکہ ذکر ولادت و اشعار مناقب اس میں بھی ہیں اور محظورات شرعیہ بھی موجود ہیں حضور امارد و فساق مثلاً جیسا پہلے ذکر کیا گیا کچھ خصوصیت تصحیف و تحریف حروف قرآن کی تو نہیں بلکہ سب مناکیر کے ضم سے کراہت حاصل ہو جاتی ہے پس مؤلف کی مجالس حسب ارشاد حضرت مجدد کے جملہ بدعت و منکر مگر مؤلف کو ہرگز فہم ہوش نہیں **قولہ** ثانیاً یہ کہ مجدد صاحب نے اول اشعار غیر نعت الخ **اقول** یہ مسلم کہ اشعار غیر نعت کو خلاف طریقہ اپنے کے ہونے کی وجہ سے منع فرمایا مگر اشعار مناقب کا پڑھنا بھی ان کے طریقہ کے خلاف ہے خصوصاً جب اس میں کوئی محظور ہو تو بہر حال ممنوع ہے پس اس تقریر سے مؤلف کی کوئی غرض صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ کیا ہے اس واسطے کہ اشعار نعت یا غیر نعت کا نام مؤلف نے مولود فرض کیا اور جس مولود میں امر محظور ہوگا وہ ممنوع ہو جاوے گا خواہ کوئی مولود ہو بوجہ امر محظور کے محظور ہو جاویگا جیسا کہ خود حضرت مجدد کے ہی کلام سے ظاہر ہے اور جس میں کوئی محظور نہ ہوگا دونوں جائز ہوں گی مگر خلاف طریقہ حضرت مجدد کے ہے کہ اشعار کی نسبت وجدیہ ہوتی ہے اور ان حضرات کی نسبت سکینہ ہے، پس یہ فقرہ اول ہی توجیہ کی تتمیم ہے جس کو مؤلف ثانی امر ٹھیراتا ہے مگر بہر حال یہی مقصود مولوی محمد ہاشم کا ہے اگرچہ مؤلف خواہ مخواہ تطویل کر رہا ہے **قولہ** اور واضح ہو کہ یہ منع فرمانا الخ **اقول** مؤلف خود مطلق اشعار خوانی کا نام مولود باصطلاح حضرت مجدد ٹھیرا چکا ہے پس اب خود کہتا ہے کہ مولود میں اس وقت کسی نے تالی بجانا اور قواعد موسیقی سے پڑھنا جاری کیا تھا اس کو منع کیا سو اول تو غیر اشعار نعت کو خلاف طریقہ مجددیہ کے ہونے سے ممنوع کہتا تھا اور ابھی مطلق مولود کو بوجہ محظور شرعی کے منع بتانے لگا

۱ وہ معنی جس کے لئے لفظ وضع نہیں کیا گیا ۲ تالی بجانا ۳ ردو بدل ۴ تعریف و مدح ۵ نابالغ لڑکوں اور فاسقوں کی موجودگی ۶ تکمیل ۷ ہم

تالی بجا بجا کر اور قواعد موسیقی و نغمات کی رعایت سے مولد شریف پڑھا تھا چنانچہ جلد ثالث مکتوبات سے صاف سمجھا جاتا ہے وہی حسام الدین احمد جنکو یہ مکتوب ۱۰۳، ۲ جلد اول میں واسطے منع کے لکھا سجان ہی حسام الدین احمد کو بار دویم جلد ثالث میں مکتوب ۷۲ لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے، ومنا مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن در قصائد نعت ومنقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف وتغیر حروف قرآن است والتزام رعایت مقامات نغمہ وترديد صوت بآں بطریق الحان با تصفیق مناسب آں کہ در شعر نیز غیر مباح است اگر نہجے خوانند کہ تحریفی در کلمات قرآنی واقع نہ شود ودر قصائد خواندن شرائط مذکورہ متحقق نہ گردد وآں راہم بغرض صحیح تجویز نمایند چہ مانع است الی آخرہ، اب سب اربابِ انصاف خیال فرماویں کہ یہ تحریر مجدد صاحبؒ کی کس درجہ میں ہے جس کو مولوی محمد ہاشم صاحب حجت قطعی سمجھ کر مطمئن ہو گئے اب مجھکو کچھ شک باقی نہ رہا ہرگز اس مجلس کا ہونا نہ چاہیے، اے حضرت اگر آپ مجدد صاحبؒ کے کہنے پر چلتے ہیں تو فقط ایک طریقہ والوں کو منع کیجیے، دوسرے لوگوں پر کیوں انکار فرماتے ہو مجدد صاحب کی دلیل تو اس مکتوب میں مبنی اس پر ہے کہ ننا نکار می کنم ونہ ایں کار می کنم پورا مکتوب پڑھ کر دیکھو اگر تقریر الصلوٰۃ پڑھا ہے تو دائم سکائے بھی پڑھو والسلام علی من اتبع الہدی اعتراض محفل مولد

تماشا ہے اور یہ جو مراد ہے کہ اشعار غیر نعت کی وہ وجہ تھی اور اشعار نعت کی یہ وجہ ہے تو یہ تفرقہ بھی غلط ہے کیوں کہ محظور شرعی سے تو سب اقسام ممنوع ہو جاتے ہیں مگر تاہم خلاصہ مطلب مولف کا دیکھو اگرچہ بیان مولف کا پریشان و حیران ہے کہ مطلق مولود کی وجہ کراہت کسی محظور کا اس میں مختلط ہو جانا ہے یعنی کہ اصل تو مباح ہے مگر اختلاط امر محظور سے ممنوع ہو جاتا ہے تو یہ مولف نے اس قدر تقریر طویل کر کے حاصل نکالا اور حالانکہ یہی مجیب نے کہا تھا بعینہ چنانچہ ہر ادنیٰ عاقل پر بھی ظاہر ہے اب مولف سے کوئی پوچھے کہ اعتراض مجیب کا تو خود قبول کرتا ہے اور اس کی ہی شرح وبسط کرتا ہے تو نے جواب کیا دیا اور کیا رد کیا فقط ایک مرقع حضرت ایشاں کا کہ وہ بھی محتمل المعنیٰ ہے اس میں تشکیک ظاہر کر دی اور بس مگر کیا عجب العجاب ہے کہ مولف کو لکھنے ہی کا شوق ہے سمجھنے کا خیال بھی نہیں دعویٰ تو رد تقریر مجیب کا کیا اور دلیل دعویٰ میں خود مجیب کا مطلب ثابت کیا سبحان اللہ کیا فہم مجیب ہے قولہ اب سب اربابِ انصاف الخ اقول اب سب اربابِ انصاف خیال فرماویں کہ مجدد صاحبؒ نے مطلق مولود کو بوجہ ضم امر غیر مشروع کے ممنوع شرعا کہا ہے اور اشعار کو مطلقاً اپنے طریقہ کے خلاف کہا ہے اگرچہ شرعاً مباح ہوں اور مولف ہرگز نہیں سمجھا اور اپنی کج فہمی سے طعن مجیب پر کیا مگر مجیب کے مقصود کا اعتراف کرتا ہے اور حاصل مولف کا کچھ نہیں محض غیظ بے موقع ہے سامنے مکتوب کو نہیں دیکھا نہ سمجھا خواہ مخواہ الجھتا ہے حق تعالیٰ اس کو ہدایت فرماوے،

اعتراض مانعین کے جواب میں مولف کی لغزشیں | قولہ اعتراض محفل میلاد میں الخ اقول حاصل اعتراض یہ ہے کہ جس مجمع میں مرد وعورت اکٹھے جمع ہوویں محل اندیشہ فتنہ کا ہے خواہ کہیں ہو، شادی غمی ہو یا وعظ ومولود، کیونکہ ایسا مجمع خلافِ شرع کے ہے تو مولف جواب دیتا ہے کہ یہ امر مولوی عبدالرب اور مولوی حفیظ اللہ کے وعظ میں بھی ہوتا ہے سبحان اللہ اول تو مولوی عبدالرب ومولوی حفیظ اللہ کا فعل کونسا حجت شرعیہ ہے کہ اس کو دلیل جواز بنانا مولف کے نزدیک مقبول ہوا مگر ہاں مولف تو ایسی ہی ہیچ لکھتا رہتا ہے سو یہ خود مردود ہے دوسرے معترض نے یہ کب کہا ہے کہ ایسا مجمع وعظ میں درست ہے بلکہ اگر ایسا مجمع وہاں بھی ہوگا وہ بھی ممنوع ہوگا پھر وعظ مولد میں فرق بھی ہے مگر ہم کو اس کے بیان سے بحث نہیں اور یہ جو جواب مولف نے الزامی دیا ہے تو معترض کب معترض جواز ایسے مجمع وعظ کا مولوی عبدالرب میں ہوا ہے جو اس کو جواب الزامی ایسا چہ لغو دیا گیا پھر آخر میں قول مولف کا کہ اگر یہی دلیل حرمت کی ہے تو مجالس وعظ کو بھی حرام کہیو سخت کم فہمی ہے

ف اختلاف رکھی جاوے جواب دینے والا کہ تفصیل کے دلیل لانے دوسرے معنی کا احتمال شبہ حصہ کمزور،

مرد و عورت جمع ہوتے ہیں جواب مولوی حفیظ اللہ اور عبد الرب وغیرہ کے وعظ میں بھی بہت عورتیں جمع ہوتی ہیں اگر یہی دلیل حرمت کی ہے تو مجالس وعظ کو بھی حرام ٹھہرا دو اعتراض مولود شریف میں روایات موضوعہ بے اصل پڑھتے ہیں جواب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اور دایہ حلیمہ کا دودھ پلانا چالیسویں سال نبوت کا ہونا اور معجزات کا واقع ہونا اور آپ کا سید المرسلین ہونا یہ سب کچھ مولد شریف میں پڑھا جاتا ہے یہ سب صحیح ہے اگر شاید فضائل میں کوئی حدیث مطعون فیہ یا موضوع بھی بیان ہو گئی تو انصاف کی بات یہ ہے کہ خاص ان لوگوں کو منع کرنا چاہیئے کہ ایسی روایت نہ پڑھیں اس میں ہم بھی تمہارے ساتھ ہو جاویں اور یہ بات انصاف سے بہت بعید ہے کہ اگر کسی ناواقف نے کوئی ایسی روایت پڑھ دی تو اس کو تم ذریعہ اپنے خیال خام کا ٹھہرا کر علی العموم سب محفل میلاد کو حرام کہنے لگو ہم نے بہت سنا ہے کہ واعظین آج کل کی بہتیری روایتیں موضوع بیان کر جاتے ہیں ان کو تمیز بھی حاصل نہیں تو چاہیے بعض واعظوں کی جہالت سے علی العموم کل مجالس میلاد حرام ٹھہر جاویں اعتراض بعضے امیر لباس ریشمی و زرین خلاف شرع پہن کر محفل

مجالس وعظ فی حد ذاتہ حلال و مشروع ہے، جیسا ذکر مولود مشروع ہے اور جیسا امر محظور کے مختلط ہونے سے وہ مکروہ اور حرام ہو جاتا ہے یہ مولود بھی ممنوع ہو جاتا ہے یہ فقرہ کس قدر مہمل مؤلف نے لکھا ہے مجالس وعظ کون حرام کہتا ہے مگر خلط ممنوع[1] سے ممنوع ہو جاتا ہے علی ہذا مولود کا ہے مگر جو اس مؤلف کے بحال صواب نہیں رہے جو کچھ سمجھے قولہ اعتراض مولود میں روایات موضوعہ الخ اقول درست ہے روایت موضوع پڑھنے کا اعتراض اس پر ہی ہے جو ایسی روایت پڑھے اگر مؤلف اس سے بری ہے تو خیر یہ ملامت مؤلف سے رفع ہو گی مگر دیگر امور غیر مشروعہ جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں وہ تو مؤلف کی مجلس میں موجود ہیں پس جیسا مؤلف نے اس کے ممنوع ہونے کا اقرار اور اس سے اپنی براءت کی کیسی عمدہ بات ہو کہ دیگر امور سے بھی ایسا ہی براءت حاصل کرے کہ اعتراض ان کی قبائح کا کر کے تائب ہو جاوے . . .

موضوع

پھر اس کے ذکر میں اہل سنت بھی آیا کریں خیر یہ تو مؤلف کی عادت سے معلوم ہے مگر یہ ثابت ہو گیا کہ مؤلف کے نزدیک بھی جس محفل میں روایات ہو ویں گی وہ قابل منع کے ہے سو ایسا ہی سب منہی کی وجود سے ممنوع ہونا اس محفل کا ضروری باقرار مؤلف ہو گیا یہ غلطی نہ کریں جس محفل میں منکرات فساق کی اور مداہنت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ہووے گی وہ بھی منع ٹھہرے گا سو مؤلف کی مجلس ہر روز ایسی ہی ہوتی ہے کیا اس مسئلہ سے مؤلف واقف نہیں لہٰذا استدعا ہے تو توبہ کرے کہ یہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ عوام بھی جانتے ہیں اور مؤلف تو بحر العلوم ہے باقی پھر دیکھی جاوے گی العزم کوئی امر خیر و شر تو مخفی نہیں مگر مؤلف کو بڑا اندیشہ کساد بازاری کا ہے کیا کیجئے کہ اس ضرورت نے محظورات کو عند المؤلف مباح بنا رکھا ہے لیکن اتنے امور قبیحہ سے ایک روایت موضوعہ کا بیان مؤلف کے یہاں نہیں تھا اس کا وہی انکار اور ممنوع ہونا بلا تامل اقرار کیا باقی اپنے غرض کو کھوج قبول کر لیتا غیرت کی بات ہے دیکھو کہ جو حرام اتفاقی ہے اس کے تلبس کا کیا جواب دیتا ہے قولہ اعتراض امرا لباس ریشمین الخ اقول دیکھو کہ یہ لباس باتفاق امت حرام ہے اور معترض نے یہ لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کو کیوں بلاتے ہو اور ان سے مروت کا اظہار اور مدارات کرتے ہو اور امر و نہی جو فرض عین ہے کس واسطے ترک کرتے ہو تو چونکہ ان کا ہی سبب جلب رزق ہی رونق و شہرت ہے تو شل جو لب روایات کے فوائد کے یہ نہ لکھ دیا کہ یہ امور حرام و غیر مشروع ہیں اور ایسی محفل مولود جس میں مدارات فساق و مداہنت فی الدین ہو جاتا مکروہ ہے بلکہ توجیہ جواز کی شروع ہوئی کہ عیدین اور نکاح میں بھی یہ لوگ ہوتے ہیں تو مؤلف کی یہ مراد ہے کہ جیسا باوجود ان کے ہونے کے عید و نکاح میں جانا درست ہے اس مجمع مولود کو بھی محظور رکھنا چاہیے اور یہ جواب مؤلف کا سراسر خلاف حق کے ہے اور مطلق کج فہمی ہے کیوں کہ معترض کب کہتا ہے کہ نکاح میں یا عید گاہ میں یہ امر غیر مشروع ہے نہیں بلکہ حالت صلوٰۃ خمسہ میں بھی حرام ہے اور کوئی اگر ایسے لباس سے صلوٰۃ خمسہ اور عیدین میں آوے اس کو بھی نہی عن المنکر کرنا فرض ہے اور جو

۱ موضوع ۲ ممنوع کے شامل ہو جانے سے ۳ چھٹکارا حاصل کرنا ۴ خاطر داری ۵ مخالفت ۶ بازاری نقصان ۷ بحث
۸ امر ممنوع سے منع کرنا۔

مولد شریف میں آتے ہیں اور بعضے داڑھی منڈے بھی آتے ہیں جواب یہ لوگ مجالس نکاح وغیرہ میں اور نیز عیدگاہ کی نماز پڑھنے
عیدین میں بھی اسی طرز سے بالباس فاخرہ اور ریشہائے محلوقہ جاتے ہیں تو چاہیے کہ ان کے شریک ہوجانے سے مجالس نکاح
اور مجامع عیدگاہ وغیرہ میں بھی بحرمت شرعیہ ہیں اور دیندار لوگ وہاں نہ جایا کرے اعتراض اس محفل میں فروش نفیسہ اور گلدستہ
ہائے عجیبہ ہوتے ہیں جواب یہ کچھ ضروریات محفل سے تو نہیں کہ جس کو نہ میسر ہو وہ بھی اس کی بہم رسانی میں جانکاہی کرے ہاں
جن آدمیوں کو یہ چیزیں میسر ہیں یا بسہولت دوست آشناؤں سے مستعار لے سکتا ہے تو وہ لوگ بھی ایسے سامان کر لیتے ہیں سو
کوئی دلیل شرعی فروش نفیسہ اور گلدستوں کی حرمت یا کراہت پر نہیں قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ کی
تشریح تفسیر کبیر اور بیضاوی وغیرہ میں دیکھو اعتراض جب کسی کے گھر محفل میلاد شریف وقت شب کے ہوتی ہے اور سامعین

قدرت نہ ہو تو ان کو ترک کرنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ فرض اور واجب ہیں اور نکاح میں اگر ایسے امور ہوں تو وہاں شریک
ہونا لاریب[1] حرام ہے اگر ان کو منع کریں اور نہ مانیں تو چلا آوے اور ایسوں کو طلب کر کے شریک کرنا حرام ہے بقولہ تعالیٰ
فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یأکل طعامک الا تقی ولا تأکل الا طعام تقی
الحدیث اور ایسے مجامع[2] میں ضیافت بھی رد[3] کرنی واجب ہے حالانکہ اجابت اس کی سنت ہے اور ضیافت میں وعید ہے ومن لم یجب فقد عصی
ابا القاسم الحدیث اور وہاں سے لوٹ آنا واجب ہے پہلے تحقیق ہو چکی، پس محفل مولود بھی مندوب ہے اگر ایسوں کو بلا کر شریک کرے گا بلانے والا
گنہگار ہے اور ان کی شرکت کے بعد ان کو منع کرنا واجب ہے اگر مداہنت ہو تو وہاں بیٹھنا حرام ہے اس میں کیا تردد ہے، عجب ہے
مؤلف سے کہ کیسا لچر[4] جواب دیا ہے شرح منیہ میں جو زیر نظر مؤلف ہے لکھتا ہے وان کان مع الجنازۃ نائحۃ او صائحۃ تزجر وتمنع وان لم
تنزجر لا یترک اتباع الجنازۃ انتہی ردالمحتار میں ہے ولا یترک اتباعہا لاجلہا لان السنۃ لا تترک بما اقترن بہا من البدع ولا یرد
الولیمۃ حیث تترک حضورہا لبدعۃ فیہا للفارق بانہم لو ترکوا المشی مع الجنازۃ لزم عدم انتظامہا ولا کذلک الولیمۃ انتہی کیونکہ
یہ فرض کفایہ ہے مگر نہی کرنا واجب ہے اگر نہ کرے گا بیشک عاصی ہوگا پس یہ حال جواب عیدین کا ہے اور امر مستحب میں ترک کرنا اس کا ضرور
ہے جیسا ضیافت کا حال پہلے مع روایات کے لکھا گیا مؤلف ہوش کر کے دیکھ لیوے پس یہ جواب خالص غلط ہے اور باطل اور خلاف نصوص
اور روایات فقہ کے ہے اگر رسائل اردو مؤلف پڑھ لیتا تب بھی ایسا لچر جواب دیتا قولہ اعتراض محفل میں فروش نفیسہ اور گلدستہ الخ اقول
اس کا جواب پہلے بھی ہو چکا ہے بساط و فروش اگر اباحت کے درجہ میں ہیں تو درست ہیں مگر جب تاکد کی نوبت ہو جاتی ہے تو مکروہ ہو جاتی ہیں اور
گلدستہ عجیبہ کا حال بھی یہی ہے کہ بتکلف بہم پہنچانا اور ایسے امر مباح کا اہتمام کرنا عوام کے نزدیک موجب تاکد کا ہو جاتا ہے کہ وعظ
و دیگر مجامع خیر میں یہ نہیں ہوتا اور اس محفل میں ہر روز ہوتا ہے تو بالضرور اُن کو سنت یا مستحب ہونے کا عقیدہ ہوتا ہی اس وجہ سے مکروہ
ہیں اور یہ سب مولوی احمد علی صاحب مرحوم کے جواب میں مذکور ہے مگر مؤلف نے آنکھ فہم کی بند کر لی اور وجہ کراہت وتقیید کی نسیاً منسیاً[6] کر کے
اصل اباحت کا جانب دیکر یہاں جائز کر رہا ہے مولوی صاحب مرحوم نے بھی تو ان کو مباح ہی کہا ہے مگر قیود اس فن کی کرنا امور مباحہ کو مکروہ فرماتے ہیں مؤلف
اس مطلب کو گویا سمجھا ہی نہیں ختم حق میں پر خطا راہ اپنی ہوائے طبعی کا ڈالکر اصل اباحت کو حجت لاتا ہے ورنہ امر بدیہی تھا کچھ خفا نہیں تھا
اور کراہت تقیید مطلق کا خود مؤلف بھی مقر ہے مگر فہم سے اپنے مجبور ہے قولہ اعتراض جب کسی کے گھر میں محفل میلاد وقت شب میں الخ اقول
بیشک خود مؤلف کے محافل میں جو قصبہ رامپور میں شب کو ہوتے ہیں تو اس صبح کی جماعت تو اکثر کی جاتی ہے اور بعض بعض کے

---

[1] یقیناً [2] مجمع کی جمع [3] قبول نہ کرنا [4] کمزور [5] بار بار کرنا [6] فراموش، نہ ہونے کے برابر کر دینا۔

جو زیادہ رات گئے فارغ ہو کر سوتے ہیں تو صبح کو شاید اگر کسی کی نماز میں دیر ہو گئی یا سو آدمیوں میں ایک کی نماز قضا ہو گئی تو کمال جہالت سے اس بات کو دلیل عام مذمت مولد شریف کا ٹھیراتے ہیں حالانکہ اگر یہی دلیل برائی کی ہے تو محفل عقد نکاح کے اہتمام میں اگر آدمیوں کی نماز پس و پیش ہو جاوے اور اکثر ہو جاتی ہے اور نیز رمضان میں سحری کھانے کو اٹھتے ہیں بعضوں کی نماز صبح قضا ہو جاتی ہے چاہئے اس دلیل سے نکاح اور سحری بھی حرام ہو جاوے ہر چند اعتراضات واہیہ ہمارے خیال کرنے کے قابل نہ تھے لیکن چونکہ ہم نے دیکھا کہ بعضے صاحب علم بھی اپنی زبان مقالات ردیہ سے آلودہ کرتے ہیں اور بعضے آوان ان کو کمال درجہ کے حجج ساطعہ اور براہین قاطعہ سمجھتے ہیں اسلئے یہ چند الفاظ ان کے جواب میں لکھے گئے اور عطر و لوبان و پھولوں وغیرہ کا ذکر اور زیب و زینت محفل کا بیان اور جو کہا منبر پر بیٹھکر پڑھنے کی لسانی و یہ سب باتیں رسالہ دافع الاوہام میں ہیں طالب حق اس کی طرف رجوع کرے اب ہم کو زیادہ گنجائش اس رسالہ میں نہیں وقت شروع تحریر رسالہ ہذا یوں سمجھا گیا تھا کہ شاید دو تین جزو میں مکمل ہو جاوے گی، لاکن کیا کیجئے ہر چند قلم کو روکا گیا پھر بھی اس قدر طویل ہو گیا اور اطناب کلام اس میں نہ فقط فتویٰ انکاری کے سبب واقع ہوا بلکہ اور بھی چند رسائل منکرین کے مغالطات و شبہات کا رد کرنا مد نظر ہوا جو شخص اس رسالہ کو اور دافع الاوہام کو خوب جمیع شقوق اور قیود سے بغور ملاحظہ کر کے ذہن میں جما دے گا امید خدا وند کریم سے یہ ہے وہ دھوکا اور مغالطہ نہ کھاوے گا اور منکرین کے رسائل پر غوائل کی تردید ان میں صراحۃً یا اشارۃً پاوے گا بنا بریں علیہ اب ضرور یہ سمجھا گیا کہ عنان سمند خامہ کو بیاباں کوئی وادی طول تقریر سے جانب اختصار موڑ دیجئے اور جو علماء ربانی اور

نماز کبھی قضا ہو جاتی ہے اور جس امر مندوب سے ایسا ہوا اس امر مندوب کا کرنا منع ہے بخاری میں ہے کان یکرہ النوم قبلہا والحدیث بعدہا عسقلانی اس کی شرح میں کہتا ہے[2] والسمر بعدہا قد یؤدی الی النوم عن الصبح او عن وقتہا المختار او عن قیام اللیل وکان عمر یضرب الناس علی ذٰلک ویقول اسمرا اول اللیل ونوما آخرہ انتہیٰ دیکھو کہ خدشہ فوت وقت مختار اور تہجد میں حدیث صحیح سے مسامرۃ مکروہ ہوئی اور حضرت عمر رض کا مارنا اس پر ثابت ہوا قال فی شرح المنیہ ومنہا ان فی صلوٰۃ العشاء مخالفۃ السنۃ فی تعجیل الفجر انتہیٰ ہر گاہ کہ ترک سنت اسفارہ سے یہ صلوٰۃ مکروہ ہوئی تو محفل مولود واجب کے ترک میں تو حرام ہونا چاہیئے، پس اس کو کمال جہالت کہنا مؤلف کا ایک کمال جہل مرکب مؤلف کا ہے کہ حدیث اور قول فقہاء کو اپنی رائے ناقص سے رد کرتا ہے اور پھر مؤلف نے وہی نظیر نکاح شادی کی لکھی اور بدالسنت خود نہایت تبحر کو کام فرمایا حالانکہ یہ محض جہل ہے لاریب اگر اہتمام شادی و نکاح میں نماز با جماعت فوت ہو جاوے تو وہ حرام ہے اور ایسا کام کرنا بھی حرام ہوا اسکو کہاں کسی نے جائز کیا ہے مگر مؤلف بے خبر ہے علیٰ ہذا اگر سحری کے کھانے کے سبب جماعت فوت ہو تو ایسے شخص کو سحری بھی حرام ہے علی قاری شرح مناسک میں لکھتے ہیں ثم اعلم انہ قیل یشترط ایضًا ان یکون فاضلًا عن الحاج متمکنا من اداء المکتوبۃ علیٰ وجہ المفروض فی الاوقات قال الکرمانی لانہ لا یلیق بالحکمۃ ایجاب فرض علیٰ وجہ یفوت فرضا آخر یہ لکھکر آخر میں لکھتے ہیں و یؤید الاول ایضًا ما قال ابن الحاج المالکی وضیع صلوٰۃ واخرجہا عن وقتہا لاجل فریضۃ الحج لا یجوز اجماعًا ومن قال علماؤنا فی المکلف اذا علم انہ یفوتہ صلوٰۃ واحدۃ اذا خرج الی الحج سقط الحج عنہ انتہیٰ اب مؤلف ذرا آنکھ کھولکر دیکھے کہ خدشہ فوت ایک صلوٰۃ میں حج بھی ساقط ہوتا ہے چہ جائیکہ سحور مستحب کا کھانا حلال ہو یا نکاح کے سامان مباح کا کرنا جائز ہو یا مولود مستحب کی شرکت درست ہو وجہ عدم[3] یہ مولود بدعت کی پس واضح ہو کہ ایک نماز کی فوت یا تاخیر سے یہ سب حرام ہو جاتا ہے اب بھی اگر کسی کی چشم نابینا حق بین نہ ہو تو بس ومن یضلل اللّٰہ فلا ہادی لہ کا مضمون ہے اور

لہ اور برا جانتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سونا پہلے نماز عشاء سے اور کلام کرنا بعد اس کے ۱۲ لہ یعنی اور قصہ گوئی بعد عشاء کے کبھی مانع ہوتا ہے نماز صبح کے فوت ہونے کا بوجہ سو جانے کے یا وقت بہتر سے ہٹ جانے کا یا نماز تہجد کے فوت کا اور حضرت عمر رض لوگوں کو مارتے تھے بوجہ قصہ گوئی کے اور یوں فرماتے تھے کہ کیا شروع رات میں قصہ گوئی میں مشغول ہوتے ہو اور آخر رات میں سوتے رہو گے ۱۲ لہ یعنی جس

عرفارحقانی مجوزین محفل میلاد شریف ہوئے ہیں ان کا ذکر کیجئے لمعہ تامتہ نام ذکر کیا کیا جاتا ہے ان علمار محدثین و فقہار کا جنہوں نے عمل مولد شریف کو مستحب اور مستحسن فرمایا ہے (۱) شیخ عمر بن محمد الملار الموصلی من الصالحین المشہورین (۲) علامہ ابوالخطاب ابن دحیہ اندلسی جو دحیہ کلبی صحابی کی اولاد میں سے تھے ذکرہ الزرقانی اور جس قدر علمار و صلحار سلطان ابوسعید مظفر کی محفل میں آتے تھے ان کی اسمار نگاری کہاں تک کیجائے جن کو جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے وحضر عندہ فیہ العلماء والفضلاء من غیر نکیر منہم نحو لاء علماء متدینین رضوا قررہ ولم ینکروہ (۳) علامہ ابوالطیب السبتی نزیل قوص من اجلۃ العلمار المالکیۃ ذکرہ الزرقانی (۴) ابومحمد عبدالرحمٰن ابن اسمٰعیل استاد امام نووی معروف بہ ابوشامہ (۵) علامہ ابوالفرج ابن جوزی محدث وفقیہہ حنبلی (۶) امام علامہ سیف الدین حمیری دمشقی حنفی محدث معروف بابن طغربک (۷) امام القرار والمحدثین حافظ شمس الدین ابن جزری (۸) حافظ عماد الدین ابن کثیر (۹) علامہ ابوالحسن احمد بن عبداللہ البکری (۱۰) علامہ ابوالقاسم محمد بن عثمان اللولوی الدمشقی (۱۱) شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی (۱۲) علامہ سلیمان برسوی، امام جامع السلطان کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مولد شریف ان کا تالیف کیا ہوا پڑھا جاتا ہے مجالس اور مجامع میلادیہ میں (۱۳) ابن الشیخ

پس اب ہر ناظر بانصاف دیکھے کہ کون جاہل ہے تارک فرض صلوٰۃ کا اور تارک واجب جماعت کا برائے مندوب مولود اور مؤلف مجوز اس معصیت کا یا مفتی تحریم حضرت سہارنپوری قدس سرہ ہر گاہ کہ فقہار کے نزدیک فوت صلوٰۃ کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہو تو مولود کا کھانا اور مولود کی شرکت کس طرح حلال ہو سکے گی سو یہ مذمت نفس مولود کی نہیں بلکہ ایسی شرکت کی ہے کہ جس کے عوارض کے سبب کراہت شرکت مولود ثابت ہوتی ہے اور باقی جواب عطر و لوبان وغیرہ کا سب کچھ بفضلہ تعالیٰ لکھا گیا ہے کہ مؤلف اور اس کے معاونین اگر دین سے ہاتھ دھو کر جواب دیں تو ممکن ہے ورنہ اگر پابند قواعد دینیہ کے رہیں گے تو دلائل واضحہ سے اثبات حق ہو چکا ہے وما علینا الا البلاغ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

ایک قاعدہ کلیہ مفیدہ | **قولہ** ملونا مذ نام ذکر کیا جاتا ہے ان علمار الخ **اقول** پہلے بندہ لکھ چکا ہے کہ نہیں بدعت نفس مولود کو جائز کہتے ہیں اس میں ہرگز ان کو بحث نہیں البتہ قیود زائد کی کراہت اور بدعت ہونے کے قائل اور مثبت ہیں اور یہ بات متفق علیہ تمام امت کی ہے کہ امر مشروع اگرچہ فرض ہو کسی غیر مشروع کے خلط و عروض سے خواہ یہ غیر مشروع اصلی ہو یا عرضی غیر مشروع و ممنوع ہو جاتا ہے جیسا نماز فرض ارض مغصوبہ میں مکروہ تحریمہ ہے اور تصویر کے سامنے اور آتش کے سامنے نماز مکروہ تحریمہ ہے اگرچہ نماز فرض عمدہ عبادت مفروضہ تھی مگر عروض ان امور غیر مشروعہ سے محروم ہو گئی اور پہلے یہ بھی عرض کر چکا ہے کہ قیود محفل مروجہ کی دو قسم کی ہیں بعض وہ امور ہیں کہ باصلہ مکروہ حرام ہیں تو ان کی اس محفل میں موجود ہونے سے یہ محفل محکوم بحرمت و کراہت ہو جاوے گی ہر حال اس کا عقد اور شرکت دونوں ممنوع رہیں گے اور کوئی عذر تاویل اس کے جواز کی ممکن نہیں جیسا روشنی زائد از حاجت کہ نص حرام و اسراف ہے اور لباس و زی حاضرین کا جو محرم شرعی ہے اور ملاہنت فی الدین کہ نص سے حرمت اس کی محقق ہے اور قسم دوم وہ امور ہیں کہ باصلہ مباح ہیں یا مندوب مگر بسبب عروض تاکد یا وجوب کے علماً یا عملاً ذہن خواص میں یا عوام میں ان کو کراہت عارض ہو گئی ہے حسب حکم شرع کے پس ان امور قسم ثانی کا وجود مجلس مولود میں اس وقت تک مباح و جائز ہے کہ اپنی حالت اصلیہ پر رہیں اور جس وقت اپنی حالت سے نکلی اور خواص یا عوام کے ذہن میں ان کی کیفیت اندازا باحت و ندب سے بڑھی اس وقت وہ بھی مکروہ ہو جاتے ہیں اور ان کے ہونے سے محفل مولود عقد اور شرکت میں مکروہ ہو جاتی ہے پس یہ قاعدہ شرعیہ سب اہل ایمان خوب محفوظ رکھیں کہ بہت کارآمد ہے اور یہ احقر بار بار اس کو بھی ظاہر کر چکا

ے جائز قرار دینے والا ے سحری کی جمیع ے عارض ہونا ے غصب کی ہوئی زمین ے یعنی اس پر حرمت و کراہت کا حکم لگایا جائے گا

۱۳) شمس الدین ذکرہ صاحب کشف الظنون (۱۴) المولی حسن البحری (۱۵) الشیخ محمد بن حمزۃ العربی الواعظ (۱۶) الشیخ شمس الدین احمد بن محمد السیواسی (۱۷) علامہ حافظ ابوالخیر سخاوی (۱۸) سید عفیف الدین الشیرازی (۱۹) ابوبکر الدقلی (۲۰) برہان محمد ناجی (۲۱) برہان ابوالصفاء ان کے مولد شریف کا نام ہے فتح اللہ حسبی وکفی فی مولد المصطفیٰ (۲۲) الشمس الدمیاتی المعروف بابن السلیاطی (۲۳) برہان بن یوسف الفاقوسی ان کا مولد شریف چار سو شعر سے زیادہ ہے (۲۴) حافظ زین الدین عراقی (۲۵) مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی شیرازی صاحب قاموس ان کے مولد شریف کا نام ہے النفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ (۲۶) امام محقق ولی الدین ابوزرعہ العراقی (۲۷) ابوعبداللہ محمد بن النعمان (۲۸) جلال الدین العجمی الہمدانی (۲۹) یوسف الحجاز (۳۰) یوسف بن علی بن رزاق الشامی الاصل المصری المولد (۳۱) ابوبکر الحجاز (۳۲) منصور بشار (۳۳) ابوموسیٰ الزرہونی وقیل زرہونی (۳۴) الشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالملک المعروف بالمخلص (۳۵) ناصر الدین المبارک الشہیر بابن الطباخ (۳۶) امام علامہ ظہیر الدین ابن جعفر الحسینی (۳۷) فاضل عبداللہ بن شمس الدین الانصاری (۳۸) الشیخ الامام صدر الدین موہوب الجزری الشافعی (۳۹) علامہ ابن حجر عسقلانی (۴۰) شیخ جلال الدین سیوطی مجدد مأتہ تاسعہ (۴۱) محمد بن علی الدمشقی مصنف سیرت شامی (۴۲) شیخ شہاب الدین قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ وشارح صحیح بخاری (۴۳) نور الدین علی حلبی شافعی مصنف سیرت حلبی (۴۴) علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی شارح مواہب وغیرہ کتب کثیرہ (۴۵) علی بن سلطان محمد ہروی معروف بملا علی قاری انہوں نے اپنے مولد شریف میں ثابت کیا ہے عمل مولد شریف تمام ملکوں مصر وشام وروم واندلس ومغرب وبلاد ہندوستان ومکہ مدینہ زادہما اللہ شرفاً جمیع بلاد اسلامیہ سے پس درحقیقت یہ ایک کتاب گویا اقالیم سبعہ کا ثبوت ہے اور لکھا ہے اس میں علی قاری نے کہ اس محفل کی عظمت یہ ہے کہ کل مشائخ وعلماء اس سے

کہ مؤلف کے پاس کوئی دلیل ادلۂ شرعیہ سے اپنے مقصود پر کہ اثبات جواز قیود وہیئت مروجہ کا ہے نہیں محض قول علماء کا اور تعامل ان کا پیش کر دیتا ہے اگرچہ ابتداء میں کوئی نص لکھتا ہے مگر چونکہ ان کے مدعا پر وہ دلیل نہیں ہو سکتی ناچار مضطر ہو کر وہی تعامل علماء کا پیش کر دیتا ہے وہ نص محض تبرکاً اور دھوکہ دہی عوام کے واسطے ہے ورنہ ہرگز مثبت اس کے مدعیٰ کے نہیں ہوتی چنانچہ ناظرین نے سارے رسالہ کو اس کے ملاحظہ کر لیا ہے پس معلوم ہوا کہ اس کے پاس کوئی دلیل اثبات جواز ہیئت مروجہ کذائیہ میں نہیں سوائے اس فقرہ کے کہ اکابر علماء کرتے رہے ہیں پس اب اس لمعۂ ثامنہ میں وہی اپنے مبلغ علم اور دلیل معتمد وحجت مستند کو لکھتا ہے کہ جس کے سہارے پر یہ کتاب لکھنے کی اس نے ہمت کی تھی تو گویا اس کی ساری عمر کی تحصیل اور تمام ایام کی تحقیق کا یہ ثمرہ ونتیجہ ہے، مگر یہ بھی اس کا محض خیال باطل اور سودائے لاحاصل ہے کیونکہ یہ دلیل بھی مثل ادلۂ اربعہ کے مؤلف کے مدعیٰ کا اثبات نہیں کرتی اور اس تعامل کو بھی اس کی مراد سے مطابقت وموافقت نہیں،

علماء متقدمین کے مولد کرنے کی کیفیت | چنانچہ یہ احقر پہلے لکھ چکا ہے اب پھر ذرا بسط[1] لکھتا ہوں کہ یہ علماء معدودین کہ بعد وسعیین[2] کے یہاں مؤلف نے لکھے ہیں بعض تو ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے کتاب بذکر فخر عالم علیہم السلام کی لکھی اور اس کا مذاکرہ کیا پس اس تالیف وتذکیر سے سوائے اس بات کے کہ ذکر فخر عالم اور سیر آپ کی تالیف کرنا اور پڑھنا عمدہ عمل ہے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا سو اس کا کوئی بھی منکر نہیں اس سے عمل مولد کا کسی قسم کا جواز نہیں ظاہر ہوتا اور بعض وہ ہیں کہ انہوں نے عمل مولد کیا اور وہ عمل مولد جو ان

[1] مجبور ہے منتہائے علم کے بے شمار کے ستر

انکار نہیں کرتا اس میں شامل ہوتے ہے (۴۶) عبدالرحمٰن صفوری شافعی صاحب نزہۃ المجالس (۴۷) نورالدین ابو سعید بیدانی انہوں نے بھی کل ملکوں سے مولد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے اور بادشاہ مصر کے حال میں لکھا ہے، کہ بادشاہ مصر سائبانی ساختہ بود کہ دو ازدہ ہزار کس در سایۂ اوی نشستند در غایت آراستگی از جہت آنکہ دریں شب در رونا کسرا برافرازند دو غیر آں ہیچیدہ باشد (۴۸) سید امام جعفر برزنجی ان کا مولد شریف نثر عبارت مقفّی فصیح مشہور ہے دیار عرب میں بہت پڑھا جاتا ہے (۴۹) سید زین العابدین برزنجی ان کا مولد شریف منظوم دیار عرب شریفہ میں رائج ہے (۵۰) شیخ احمد ابن علامہ ابوالقاسم بخاری ان کا نسب محمد بن اسماعیل بخاری تک پہنچتا ہے (۵۱) شیخ اسماعیل حقی آفندی مفسر و اعتقاد مصنف تفسیر روح البیان (۵۲) احمد بن محمد قشاشی مدنی (۵۳) محمد بن عرب مدنی (۵۴) شیخ عبدالمالک کردی (۵۵) فاضل ابراہیم باجوری (۵۶) امیر محمد استاد ابراہیم باجوری (۵۷) شیخ سقاط استاد الاستاد باجوری (۵۸) شیخ عبدالباقی پدر و استاد علامہ زرقانی (۵۹) شیخ محمد رملی (۶۰) علامہ احمد بن حجر مؤلف تحفۃ الاخیار بمولد المختار (۶۱) حافظ ابن رجب حنبلی (۶۲) ابی زکریا یحییٰ ابن عائذ حافظ کبیر اندلسی (۶۳) سعید بن مسعود گازرونی انہوں نے بہت ملکوں کے علماء و صوفیہ سے مولد شریف ہونا ثابت کیا ہے (۶۴) مولانا زین الدین محمود نقشبندی (۶۵) حضرت مولانا جمال الدین

چھ سو چار میں ایجاد ہوا اور آخر تک جاری رہا وہ یہ ہے کہ جلال الدین سیوطی کے رسالہ حسن المقصد سے بندہ نقل کر چکا ہے کہ جمع ہو کر کچھ قرآن پڑھیں اور ذکر آپ کا کر کے کھانا کھا کر چلے جاویں اور اس سے زیادہ کچھ نہ ہو تو اس عمل میں ذکر مندوب ہے[1] اجتماع یوم معین اور اطعام طعام[2] زائد ہوا ہے اور یہ دونوں امر باصلہ مباح ہیں چونکہ اس زمانہ میں نہ یہ امور مؤکد عملی ہوئی تھی اور نہ عوام کو اس سے کوئی مضرت تھی بزعم ان علماء کے لہٰذا اس مجلس میں کراہت نہ تھی بلکہ مباح تھے اگرچہ جن علماء کو اس میں اس امر کا خدشہ تھا انہوں نے اس کو مکروہ کہا تھا چنانچہ بالا واضح ہو لیا پس چوں کہ اس میں کوئی امر منکر نہیں تھا محض یہ دو امر مباح تھے کہ خواص و عوام میں علماً و عملاً اپنے درجہ سے نہیں خارج ہوئے تھے تو وہ محافل مباح رہی اور مولود انکار شرع کی نہ ہوئی اور اسی طرح عمل در آمد رہا پس ابتداء ایجاد اس محفل سے آخر تک یہی وضع مباح رہی اب شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی محفل کی کیفیت سنو کہ جن کو مؤلف خاتم الاسماء بنا رہا ہے فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں یہ عبارت بعینہا ان کی نقل کرتا ہوں وکنت قبل ذلک بمکۃ المعظمۃ فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم ولادتہ والناس یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویذکرون ارھاصاتہ التی ظھرت فی ولادتہ ومشاھدہ قبل بعثتہ فرأیت انوارا سطعت دفعۃ واحدۃ لا اقول انی ادرکتھا ببصر الجسد ولا اقول ادرکتھا ببصر الروح واللہ اعلم کیف الامر بین ھذا و ذلک فتاملت تلک الانوار فوجدتھا من قبل الملائکۃ المتوکلین بامثال ھذہ المشاھد وبامثال ھذہ المجالس ورأیت یخالطہ انوار الملائکۃ انوار الرحمۃ انتھی بلفظہ اب ناظرین غور فرمائیں کہ شاہ ولی اللہ جو مولد النبی میں اپنا ہونا فرماتے ہیں تو مولد النبی وہ مکان مکہ معظمہ میں ہے جس میں آپ کی ولادت ہوئی تھی وہاں ایک قبہ بنا رکھا ہے اس کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں لوگ جو جمع ہوئے یوم ولادت میں تو زیارت مکان کے واسطے جمع ہوئے اور وہاں جو صلوٰۃ و سلام اور ذکر آپ کی حالات کا تھا وہ نفس ذکر آپ کا تھا چنانچہ بالکل ظاہر و بدیہی ہے پس اس میں نہ اجتماع تداعی ہوا تھا نہ وہاں طعام و شیرینی کا ذکر ہے نہ وہاں فرش و بخور کا نشان ہے نہ فسقہ فجرہ بلباس و زی مکروہ کا پتہ ہے فقط وہاں مجمع ناس کا ہونا اور آپ کے حالات کے ذکر اور صلوٰۃ کا ہونا مذکور ہے جس کو مؤلف مجلس مولود قرار دیتا ہے اور اپنی ہیئت

[1] مستحب ہے[2] کھانا کھلانا سکھا کر بتی وغیرہ، [2] کہ مکہ معظمہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ آں حضرت علیہ السلام کی ولادت کے دن اصحاب لوگ درود پڑھتے تھے اور یاد کرتے تھے ان کرامات و معاملات کو جو وقت ولادت کے ظاہر ہوئے اور وہ انوار جو پہلے مبعوث ہونے کی پیش آئے پس دیکھا میں نے انوار کو کہ یکبارگی بلند ہوئے اور میں یہ نہیں کہتا کہ آنکھ ظاہری سے میں نے ان کو دریافت کیا اور نہ میں کہتا ہوں کہ آنکھ روحانی سے دیکھا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کیسا کہ تھا وہ امر درمیان ان کے اور اس کے غور کیا میں نے ان انوار کی طرف تو ایسے فرشتے تھے اور مجالس کے حاضر ہونے کے لیے مقرر ہیں اور میں نے دیکھا انوار ملائکہ انوار رحمت سے مخلوط ہیں ۱۲

میرک (٦٦) علامہ محمد قاضی مدینہ ساکن فی درقاق المصدر (٦٧) قاضی ابن خلکان شافعی (٦٨) شیخ محمد بن طاہر محدث مصنف مجمع البحار (٦٩) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (٧٠) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فیوض الحرمین میں اپنا شریک ہونا محفل مولد شریف میں اور دیکھنا انوار کا اس میں بیان کرتے ہیں اور ان کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ ایسی مجلسیں ہوتی ہیں وہاں سب جگہ فرشتے انوار رحمت لاتے ہیں کما قال فتاملت تلک الانوار فوجدتہا من قبل الملائکۃ الموکلین بامثال ھذہ المشاہد بامثال ھذہ المجالس ورایت یخالطہا انوار الملائکۃ انوار الرحمۃ واضح ہو کہ ہم شروع رسالہ میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ جمیع مفتیان فتویٰ انکاری کے مستند اور معتمد اور منتہی الیہ اسناد ہیں پس فاتحہ طعام بھی ہم نے انہی سے ثابت کردی اور اب بحث مولد شریف کا اثبات بھی ہم نے انہی کے نام پر ختم کیا اور خاص ان کی زبان سے اس مجلس کا محل نزول ملائکہ اور مورد رحمت ہونا ثابت کردیا دکھی رجعت نقل مواہیر علماء عرب حضرت مولانا احمد سعید فقیہ مجددی دہلوی نقشبندی اپنے رسالہ میں جو مولوی محبوب علی جعفری کے جواب میں لکھا ہے علماء حرمین مفتیان مذاہب اربعہ کا فتویٰ درباب قیام نقل فرماتے ہیں علاوہ اس کے غایۃ الکلام مطبوعہ کلاں کوٹھی میں بھی وہ فتویٰ عرب کا منقول ہے اس کو بطور تلخیص و ترک تطویل لکھتا ہوں (١)

قد اجمعت الائمۃ الحنفیۃ من اہل السنۃ والجماعۃ علی استحسان القیام وہی بکل مستحبۃ لما فیہ من اظہار الفرح والسرور والتعظیم قالہ بفمہ وامر برقمہ عثمان حسن الدمیاطی الشافعی المقیم بالمسجد الحرام (٢) نعم استحسنہ کثیرون کتبہ عبداللہ بن محمد المیرغنی الحنفی مفتی مکۃ المکرمۃ

کتابیہ پر دلیل لاتا ہے ذرا انصاف درکار ہے کہ اس میں تو دو امر مباح کے سیوطی کے عمل مولد میں منقول تھے وہ بھی نہیں نفس ذکر فخر عالم کا بیان ہے اب دیکھو کہ عمل مولد ابتدا سے شاہ ولی اللہ تک جو ثابت ہوا مؤلف کی محفل اور دعویٰ کو اس سے کیا مناسبت ہے کیونکہ اس وقت کی محافل میں بدلا مذکور ہے کہ منکرات شرعیہ جو باصلہ مکروہ و حرام ہیں موجود ہوتے ہیں اور وہ امور کہ باصلہ مباح تھے اور اب وہ واجب علمیا عملاً ہو گئے ہیں اور مکروہ و بدعت بن گئے ہیں ضرور موجود ہوتے ہیں پس ان علما سابقین سے جو کچھ مؤلف نے ثابت کیا یا نفس ذکر ہی یا مخلوط با امر کروہا باحث ہیں ہی ہے اور مؤلف کے مولد میں خود مناکیر بھی موجود ہیں اور مباحات بھی مناکیر ہو گئے ہیں پس ان علماء کے قول و تعامل سے کس طرح اثبات ہیئت کذائیہ مروجہ کا ممکن ہو کوئی عاقل بالغ ایسی بات کہہ سکتا ہو کہ جس امر کا مانعین انکار کرتے ہیں اس کا اس تعامل میں نام و نشان نہیں اور جس کا دعویٰ مؤلف کرتا ہو اس کا یہاں پتہ بھی نہیں اور پھر حجت جواز کھینچا دے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کیا غباوۃ و غفلت ہو اور کس قدر کوتاہ فہمی و جہل ہے پس صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ مؤلف کی اسم نویسی علماء کی محض مردم شماری و دھوکہ دہی عوام کی ہے ورنہ کوئی حجت اس کی اصلیں نہیں اسواسطے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا تصریحاً بیان ہو لیکہ جس پر مؤلف کو بہت شور تھا اور جلال الدین کی تحریر سے تمام حال عمل مولد کا واضح ہو لیا کہ جس پر مؤلف کو کمال اعتماد تھا کہ اس وقت سے لے کر برابر متعامل علماء معتمدین کا رہا ہو اور واضح ہو گیا کہ یہ متعامل ہرگز مانعین کا رائے نہیں اگر تھوڑا سا فہم ہو تو بدیہی ہو پس اب مؤلف کا یہ قول کہ شاہ ولی اللہ کی زبان سے اس محفل کو محل نزول ملائکہ ہونا ثابت کر دیا کس قدر لغو ہو کیونکہ نفس ذکر مولود کا منکر ہے نہ اس کی نزاع ہے قیود میں کلام ہے سو اس کا یہاں نہ نام ہو نہ نشان ہو مگر مؤلف کو بالکل جہل ہو اور اس کا کوتاہ فہم ہونا ہر ناظر عاقل پر ظاہر و عیاں ہے

نقل مواہیر علماء عرب و ہند اصلاً مفید نہیں | قولہ نقل مواہیر علماء عرب الخ اقول اوپر تو مؤلف نے شاہ ولی اللہ تک کے اقوال سے ثابت جواز مجلس مولود مروج کا چاہا تھا سو وہ تو اس کے مدعا کا مثبت ہرگز نہ ہوا جیسا واضح ہو لیا اب علماء عرب سے قول سے قیام کا اثبات کرتا ہے اور یہ علماء مندرجہ معاصر جناب مولانا احمد علی صاحب کے ہیں نہ ان کو مولانا ممدوح پر تقدم زمانی ہے اور نہ سبق علمی ہم رجب و فن رجال کا مضمون ہو اور نہ یہ وجہ حاصل کہ سوائے ایک مولانا احمد علی صاحب کے سب کا اتفاق استحسان قیام پر بالخصوص

---

۱ محفل کی جمیع کے ممنوعات سے عمل سے جن کا رواج ہو رہا وہ بھی آگئی اور ہم بھی آ دی ہیں

(۳) نعم القیام عند ذکر ولادۃ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استحسنہ کثیر من العلماء کتبہ حسین ابن ابراھیم مفتی المالکیہ بمکۃ المحمیہ (۴) نعم القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استحسنہ العلماء وھو حسن الفقیر الی ربہ محمد بن ابی بکر الرئیس مفتی الشافعیہ بمکۃ المکرمہ (۵) نعم یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استحسنہ العلماء الاعلام قدوۃ الدین والاسلام کتبہ الفقیر الی اللہ سبحانہ تعالیٰ بن یحییٰ مفتی الحنابلۃ فی مکۃ المشرفہ (۶) ام القیام اذا جاء ذکر ولادتہ فی قراءۃ المولد الشریف توارثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ الحکام من غیر نکیر منکر ورد راد واللہ ولی التوفیق والھادی الی سواء الطریق حررہ خادم الشریعۃ والمنہاج عبد اللہ بن المرحوم عبد الرحمٰن سراج المفسر والمحدث بمسجد الحرم واضح ہو کہ یہ عبد اللہ سراج بڑے کمل رجال میں تھے اس عاجز نے مخالف اور موافق مذہب والوں سب سے انکی تعریف سنی ہے اور حضرت مولانا احمد سعید نقشبندی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا عبد اللہ سراج حنفی مفسر و محدث حرم شریف مکہ یکتائے عہد خویش بود در راس رئیس فرقہ محدث بر او نشست و درس او شاں ہی بود ومحقق و محدث یکتائے عہد خویش بود در راس رئیس فرقہ محدث بر او بود و معترف بجامعیت مولانا موصوف کی نمود وفتوی باستحسان قیام نموداست و نزد راقم السطور موجود الیٰ آخرہ فائدہ اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ جو ہم نے کلام ان علماء عرب کا نقل کیا ہے یہ وہ منتخب کاملین تھے جو سلطان عالیجاہ روم کی طرف سے مکہ معظمہ میں مفتی مقرر کئے ہوئے تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور ان سے پہلے بھی قدیم الایام میں جو علماء و فضلاء عرب میں گذرے حکم دیتے رہے ہیں استحباب قیام کا چنانچہ سید امام برزنجی عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر میں فرماتے ہیں وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو روایۃ افسوس ہے کہ جب سے ابتک کتنی صدیاں گذر چکیں اور مخبر صادق کا سچا وعدہ ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد جو بدعت کو اکھاڑے اور سنت کو قائم کرنے پیدا ہوا کرے گا کیا سبب کہ بلاد متبرکہ ہندوستان میں تو جب بہت سے مجدد ہو گئے اور وہاں یعنی مکہ میں ایک بھی مجدد نہ ہوا جو اس بدعت اور ضلالت کا استیصال کرتا پس معلوم ہوا کہ صحیح یہی ہے کہ یہ قیام خیر البلاد میں سیکڑوں برس سے ہے اور علماء سب مستحسن اس کو کہتے ہیں اور عبد اللہ سراج مفتی مکہ معظمہ لکھتے ہیں کہ کسی نے اس پر رد

ہو کیونکہ ہزارہا علماء اس عصر کے محض منکر اس قیام کے ہیں اور یہ امر مخفی نہیں پس ان علماء مذکورہ کے اقوال کی حجت ہونے کی مؤلف کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ وہ عرب ہیں اس واسطے مؤلف اس کو پیش کرتا ہے سو یہ باطل ہے جس کو حق تعالیٰ علم دیوے وہی عالم معتمد ہے خواہ ہند و عجم میں ہو خواہ عرب میں بخاری و مسلم اور جملہ اصحاب کتب حدیث اور شرح وقایہ ہدایہ وکنز و در مختار وغیرہا جملہ مؤلفین کتب فقہ کے عجم تھے اور اس آخر وقت میں اب مولوی رحمۃ اللہ صاحب تمام علماء مکہ پر فائق اور باقرار علماء مکہ اعلم ہیں اور یا یہ وجہ کہ خود لکھتا ہے کہ سلطان نے ان کو انتخاب کر کے مفتی بنایا تو یہ نہ کوئی شرعی حجت اعلمیہ کی ہے اور نہ دلیل عقلی کیوں کہ اکثر مشاہدہ موجود ہے کہ عمال و قضاۃ سلطانی ادنیٰ ادنیٰ جاہل علماء ہوتے ہیں چنانچہ اب بھی بیاہر روم و عرب میں موجود ہے کہ مفتی و قاضی ہونے کو اعلمیت لازم نہیں سو یہ دلیل اعلمیت مؤلف کی یا جہل ہے حقیقۃ الحال اور قواعد شرع سے یا عوام کو دھوکہ دینا مراد ہے مہینا مولانا احمد علی صاحب تو اس قیام کی کراہت دلیل شرعی سے ثابت فرما رہے ہیں جس میں مؤلف نے کیا کیا چکر کھائے اور کلام خارج از علم و فہم کر کے اس کے جواب کے در پے ہوا اور ناکام رہا اور تمام جوہر مخفی اپنا ظاہر کر کے مضحکہ بنا اور یہ علماء مؤلف کے یہی لکھ رہے ہیں کہ استحسنہ کثیر من العلماء یا قریب اس کے کوئی کہتا ہے کہ امت محمدیہ نے اجماع کیا ہے استحسان پر اور بدعت مستحبہ ہے کوئی اکثر کا استحسان کہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ متوارث بلا نکیر ہے اور یہ فقط دعویٰ محض اور قول ہی قول ہے کیوں کہ اس پر نکیر کرنا علماء کا خود ثابت ہو چکا اور بدعت ہونے کا وہ بھی اقرار کر رہے ہیں پھر اجماع کس طرح ہو سکتا ہے اور یہ کلیات نصوص سے تقیید اطلاق خود ممنوع ہو چکی پھر کس کا اجماع معتبر ہو سکتا ہے اور کس کا استحسان قابل التفات کے بن سکتا ہے ہاں اگر نفس قیام کا استحسان ہو

ـــــہ قابل اعتماد کے بلند کے بڑے عالم کہ دلیل سے مطلق کو مقید بنانا۔

انکار نہیں کیا۔ بیشک و شبہ جائز بلکہ مستحسن ہے ہرگز ضلالت نہیں مولوی قطب الدین خاں صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مسئلہ پر مکہ اور مدینہ کے علماء متفق ہوں یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے مظاہر الحق مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۸۹ میں بدعتیوں کے بیان میں لکھتے ہیں کہ سنیوں کا مذہب سچا ہے مکہ مدینہ کہ دین وہیں سے پیدا ہوا وہاں کے لوگ سب سنی ہیں اگر ان کا مذہب یعنی بدعتیوں اور رافضیوں کا اچھا ہوتا تو وہ مکہ مدینہ والے پہلے اس مذہب میں ہو سکتے تھے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اگر انکار قیام مولد شریف کا اچھا ہوتا تو اول علماء عرب انکار کرتے کیونکہ پختہ اہل سنت والجماعت وہی ہیں اب نقل کرتے ہیں ہم بطور اختصار ردو سوال فتویٰ علماء عرب کا جس کو سنہ ۱۲۸۶ بارہ سو اٹھاسی ہجری میں مولوی عبدالرحیم صاحب کاکوروی مرتب کرکے لائے تھے اور کتاب وسیلۃ النعیم کے آخر میں چھاپا گیا تھا عبارات سوال یہ ہے ما قولکم رحمکم اللہ فان ذکر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم والقیام عند ذکر الولادۃ الشریفۃ مع تعیین الیوم وتزئین المکان واستعمال الطیب وقراءۃ سورۃ من القرآن واطعام الطعام للمسلمین ھل یجوز ویثاب فاعلہ ام لا بینوا توجروا۔ جواب علماء مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً۔ الحمد لمن ھو اھل الحمد اعلم ان عمل المولد بھذہ الکیفیۃ المذکورۃ مستحسن مستحب لکل من اراد الفرح بالنبی لانہ امر مستحسن لا نکارۃ علیہ فھو حسن عند اللہ والمسلمین کما جاء فی حدیث ابن مسعود قال ما رآہ المسلمون حسناً فھو حسن والمراد من المسلمین الذین کملوا الاسلام کالعلماء العاملین وعلماء العرب والمصر والشام والروم والاندلس کلھم رأوہ حسناً من زمان السلف الی الآن فصار الاجماع والامر الذی ثبت بالاجماع فھو حق لیس بضلال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع امتی علی ضلالۃ فعلی حاکم الشرع تعزیر منکرہ واللہ اعلم۔

عبدالرحمن سراج
احمد دحلان
حسن
عبدالرحمن جمال
حسن طیب
محمد شرقی
مفتی حنفی
مفتی شافعی

مفتی حنبلی
حنفی
حنفی
مفتی مالکی
سلیمان عیسیٰ
عبدالقادر خوقیر
ابراہیم الفتنی
محمد جار اللہ

احمد الداغستانی
عبدالقادر شمس
عبدالرحمن آفندی
احمد ابوالخیر
عبدالقادر سنبغنی
محمد سعید
عبدالمطلب
کمال احمد

یا تقیید اور بلا فساد عقیدہ عوام تو خود مانعین بھی نفس قیام کو منع نہیں کرتے تو یہ فتاویٰ ہرگز مخالف مانعین کے نہ ہوسکا اور مؤلف کو کچھ مفید نہ ہو ویں گے بہر حال ان اقوال سے علماء کے نزدیک مخالف قاعدہ شرعیہ کے کوئی کچھ بھی ثبوت نہیں مگر مؤلف کی ناواقفیت علم دین سے یہ حرکات کراتی ہے اور وہی مآل کار حجت ہوتی ہے کہ علماء نے یہ کہا اور کیا ہے اور یہ کوئی حجت فی الدین نہیں خصوصاً جب کہ یہ تعامل نص کے مخالف ہوا اور رد اس کا کسی عالم سے ثابت ہو جاوے چہ جائیکہ صدہا سے مدلل رد ہو چکا ہو اب یہ قول مؤلف کا کہ کتنی صدیاں گذر چکی کسی مجدد وعرب نے اس کو منع نہ کیا یہ بھی ایک کلام سخت کم فہمی مؤلف کی ہے ہر چند ظاہر ہے کہ مؤلف نہ مجدد کے معنی اور کیفیت سمجھا اور نہ تجدید کی حقیقت سے واقف ہوا فقط ترجمہ حدیث کا مظاہر حق سے یاد کر لیا ہے اور ہم کو بھی جواب دینے کے واسطے اس کی تقریر و تحقیق مفید نہیں فقط اس قدر الزامی جواب کافی ہے کہ عید عاشورا کو بخاری و مسلم کی حدیث مصرح ہے کہ فخر عالم علیہ السلام نے رد کیا اور خالفوا الیہود اس میں ارشاد فرمایا اور پھر کس وقت میں عید عاشورا مکہ میں حادث ہوئی اور کسی مجدد نے اس کو منع اور موقوف نہ کیا اب تک چلی آتی ہے اور سب علماء کے گھر میں ہوتی ہے تو معلوم کہ مؤلف کے نزدیک کوئی مجدد ہی واں نہیں ہوا یا یہ عید مسنون و مستحب ہے اور مؤلف اور اس کے سب مجددین و علماء مکہ کے نزدیک حلال ہے

لہ معترضین کے انجام کار کے دلیل سے ثابت کہ یہود کی مخالفت کرو

محمد سعید الادیب	علی جودہ	سید عبداللہ کوشک	حسین عرب	ابراہیم زمزمی	احمد امین	شیخ فرد قرش	عبدالرحمن مجتبی
عبداللہ مشاط	عبداللہ تماشی	محمد بابا بصیل	محمد سیونی	علی آمیی	محمد صالح نعاری	عبداللہ زواری	محمد حبیب اللہ
احمد الغزاوی	سلیمان عقبہ	سید شلبی عمر	عبدالحمید الطاغستانی	مصطفی عفیفی	منصور	نشاوی	محمد رضی

جواب علماء مدینہ منورہ تلخیصاً۔ الملم انما یمنع من الولائم فی المولد الشریف وقراءۃ تم بحضرۃ المسلمین وانفاق المبرات والقیام عند ذکر ولادتہ رسول الامین ورش ماء الورد والقہوا والنجوز وتزیین المکان وقراءۃ شیٔ من القرآن والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظہار الفرح والسرور فلا شبہۃ فی انہ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ وفضیلۃ مستحسنۃ فلا ینکرہا الا مبتدع لا استماع بقولہ بل علی حاکم الاسلام ان یعزرہ واللہ اعلم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

محمد امین	جعفر حسین البرزنجی	عبدالجبار	سید جمال الدین	ابراہیم بن خیار	یوسف سید	السید علی محمد	السید عبداللہ بن سید احمد
محمد بن احمد رفاعی	عمر ابن علی	حریری علی	مصطفی سید	احمد سراج	حسن ادیب	ابوالبرکات	عبدالقادر مشاط
سید سالم	العجیمی	محمد نور سلیمانی	عبدالرحیم البرعی	محمد عثمان کردی	قاسم	عبدالعزیز ہاشم	یوسف روسے
محسن	مبارک ابن سعید	حامد	محمد ہاشم ابن حسن	عبداللہ ابن علی	عبدالرحمن صفری		

جواب علماء جدہ تلخیصاً

اعلم ان ذکر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھٰذہ الصورۃ المجموعۃ المذکورۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ شرعاً لا ینکرہا الا من فی قلبہ شعبۃ من شعب النفاق وکیف یسوغ لہ ذلک مع قولہ تعالیٰ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب واللہ اعلم

حالانکہ نص صریح اس کے منع کی موجود ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں صواعق محرقہ سے نقل کرتے ہیں۔ وہم از بدعۃ ناصبیہ متعصبہ باہل بیت از عید گرفتن آں روز باظہار فرح وسرور وزینت وخضاب واکتحال ولبس ثیاب الخ خلاصہ یہ کہ احادیث واقوال معتمدین سے عید ہونا عاشورا کا حرام ہو چکا پس اب جو مؤلف حدیث صریح کو اور اقوال علماء مقبولہ خود کو بالرائے رد کرکے تجدید مکہ کو قبول کرے تاکہ اس کا قیام مستحب ہو یا کچھ تاویل اس عید کی جریان کی باوجود مجددین کرے سوگاہ ہی اس قیام کی کرے اور دل میں سمجھ کر تائب ہو جاوے بہرحال مؤلف کے فہم کا کمال ہر ہر نکتہ میں واضح ہوتا ہے اور نواب قطب الدین خاں نے یہ لکھا ہے کہ قدیم صحابہؓ کے عہد سے وہاں حرمین میں سنی ہی رہے ہیں یہ دلیل اہل سنت کی اہل حق ہونے کی ہے نہ یہ کہ وہاں کوئی بدعت جاری نہیں ہوتی اب یہی منا کہ مروجہ حرمین کی مؤلف پر مخفی نہیں اور نجس بھی اب ایک مدت سے مکہ اور مدینہ میں موجود ہے اگر مؤلف کو یقین نہیں تو تحقیق کر لیوے پس یہ خوبی فہم مؤلف کی ہے کہ مطلب کو غور نہیں کرتا پس قیام تو خود بعد چھ سو سال کے حادث ہوا ہے اور عید عاشورا بھی بعد قرون کثیرہ کے حادث ہوئی پس ایسے تعامل سے حجت لانا اہل علم کا کام نہیں اور یہ دلیل لائق شان علم کے نہیں بلکہ عوام کا قول ہے اور فتویٰ بارہ سو باسٹھ کا جو مؤلف نقل کرتا ہے اس کے جواب کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ اجماع کے

علی بن احمد باصبرین | عباس بن جعفر بن صدیق | احمد فتاح | محمد سلیمان | احمد عباس | محمد صالح | احمد عثمان

احمد بن عجلان | محمد سعید قدس | عبدالرحیم بن محمد سیدی | **جواب علمائے حدیدہ** زادہا اللہ تعالیٰ شرفاً مع الاشیاء المذکورۃ جائز بل مستحب ثابت

فاما من انکر ذلک لعلّه دخل علی فعله قال الاینکر ما الامتناع فعلی حاکم الشریعۃ ان یعزّرہ ۔

علی شامی | محمد سلیم عابش | علی بن عبداللہ | محمد بن ابراہیم خیری | علی المہان | محمد بن عبداللہ | الفقیر الی اللہ یحییٰ بن بکرم | محمد بن داؤد بن عبدالرحمن | علی بن ابراہیم الزبیدی

علی بن محمد حباب | احمد بن محمد ابن یحلیل | عبدالرحمن بن علی جعفر | **واضح ہو کہ** یہ چاروں جواب یعنی علمائے مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً نیز علمائے جدہ و حدیدہ سب اسی ایک سوال کے جواب میں ہیں جمیع قیود قیام تزئین مکان وغیرہ کی مذکور ہیں پس علمائے عرب ادامہم اللہ وسلمہم اسی ہیئت کذائی کے منکر کو بالاتفاق تعزیر کا حکم دیتے ہیں اب نقل کی جاتی ہیں مہریں ہندوستان کے علمائے مستندین کے جو اپنے وقت کے فرد کامل تھے **ازانجملہ علمائے فرنگی محل** کہ سنہ یکہزار دو صد و ہفتاد و نہ ہجری میں محمد مصطفیٰ خاں صاحب کے مطبع مصطفائی میں فتویٰ ان کا مطبوع ہوا تھا جس کو اس کے مضامین بالتفصیل دیکھنے ہوں کتاب مذکور بہم پہنچا کر دیکھے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مولد شریف کی تعیین خاص ماہ ربیع الاول کے ساتھ فرض اور واجب تو نہیں ہاں البتہ بہت علمائے محدثین نے مستحب اور مستحسن فرمایا ہے اور یہ بات کہ جو چیز قرون ثلثہ میں نہ ہوئی ہو وہ بدعت سیئہ ہے صحیح نہیں اور جبکہ آیت کریمہ و تعزروہ و توقروہ سے تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہوئی پس کھڑا ہونا محفل میلاد میں وقت ذکر ولادت شریف جو منجملہ افراد تعظیم ہے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ یہ بدعت سیئہ ہرگز نہیں (۱) حررہ ابو البرکات رکن الدین محمد المدعو بتراب علی عفی عنہ (۲) محمد سعد اللہ عفی عنہ (۳) محمد لطف اللہ عفی عنہ حلیم (۴) ابو الاحبار محمد المدعو بالنعیم (۵) ابو الحسن محمد صالح (۶) محمد عبدالوحید

ابو البقا محمد عبدالحکیم ۱۲۳۰ | حبیب اللہ ۱۲۲۲ | نصیر الدین ۱۲۲۷ | محمد علی ۱۲۶۲ | محمد عبدالحلیم ۱۲۲۶

ازانجملہ علمائے دہلی و بریلی و رامپور و افغانان واضح ہو کہ محفل مولد شریف اور قیام کے جواز میں ایک کتاب غایۃ المرام مطبع علوی لکھنؤ میں یہ واقع سنہ یکہزار دو صد و ہفتاد و یک مطبوع ہوئی تھی اسمیں علماء و فضلائے دہلی و بریلی و رامپور وغیرہ چند مقامات کے علمائے مستندین کے فتوی جمع کر کے چھاپے تھے اور چونکہ سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کو بھی استحباب محفل میلاد شریف کا اعتقاد رکھتا تھا اور رئیس سلطان اسلام کے تجمل اور احتشام

معنی اور حدیث ما راٰہ المسلمون کی مراد پہلے واضح ہو چکی ہے اب اس فتوی سے علم علمائے عرب کا ہر اہل علم پر واضح ہو جاوے گا اور قول ان کا مخالف نص کے ہرگز معتمد اور ملتفت نہیں ہو سکتا ہے اور ان کے اقوال کے قیود مذکورہ کو درجہ اباحت میں اگر کوئی دعوی کر لیوے تو پھر مؤلف کو کوئی جواب نہیں گو بظاہر الفاظ فتاوی کے ان قیود کی تاکید کو تقاضا کرتے ہیں اور خلاف نص کے ہو کر مردود بن جاتے ہیں اور یہی جواب فتاوی ہندیہ کا ہے کہ منجملہ مفتیوں مؤلف کے بہادر شاہ اور حکیم احسن خاں اور حکیم امام الدین خاں بھی ہیں اور دیگر اشخاص خواہ مخواہ تصریح نام کی حاجت نہیں اور جس قدر یہ اس کے چند گونہ زیادہ عمل اور عدد میں مانعین موجود ہیں مگر ہم کو بعد دلائل ادلہ اربعہ کے کیا حاجت مردم شماری کی ہے یہ طریقہ مؤلف کا تو خود دلیل عجز کی اثبات حجت شرعیہ سے ہے اور پھر آخر میں مؤلف مانعین کو شمع لیسیر خود بخود دل کی تسلی کو کہہ بیٹھا ہے شرم کی آنکھ نہ ہو تو جو چاہے کہے، اور سواد اعظم کے معنی

کا سبب ہوتا ہے رئیس المسلمین اور زین المسلمین سمجھ کر ان کی مہر بھی علماء دہلی کی مہروں کے ساتھ کرائی گئی تھی اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولوی مخصوص اللہ صاحب مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے ان کی مہر بھی استحسان محفل مولد شریف پر کرائی گئی جس کو ہر عالم فاضل کی تحریر حرفاً حرفاً بالتفصیل دیکھنی منظور ہو وے اصل کتاب بہم پہنچا کر ملاحظہ کرے اسمیں محفل مولد شریف کو مع جمیع تعینات مروجہ مثل قیام و تقسیم شیرینی وغیرہ جائز بلکہ مستحب لکھا ہے۔ ایک سو بائیس صفحہ کی کتاب ہے اس کے صفحات متفرقہ پر جو مہریں اور دستخط مرین ہیں ان سب کو مجتمع ایک جگہ نقل کرتا ہوں سر سٹھ علماء کے دستخط اور مہریں ہیں ہر عالم کا نام ایک شکل مربع میں مندرج کرتا ہوں

محقق ہو چکے اور جو ناری شاذ ہے وہ بھی معلوم ہو لیا اب ایک قول پر اکتفا کر کے ختم رسالہ کرتا ہوں قال اللہ تعالیٰ ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتھوا۔ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں اتباع طریقہ مرضیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض فرماتا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کیا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ الحدیث۔ وعن ابن مسعود قال من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ

عبدالکریم	عبداللہ ولد محمد نعیم اللہ	نور العطار محمد عبدالحلیم خاں	احمد اللہ جمیل ویحب الجمال	محمد عبد العلی	علی حسین	محمد لطف اللہ	نور النبی
محمد عبداللہ	علاء الدین	آل نبی	مقصود علی	حسین حافظ شریف	شاہ ظہور حسن علم بعد اس شہر	سید محمد کل باغ جادیئے	نظام الدین احمد
محمد علی خادم العلماء	وزیر علی	مصطفیٰ محبوب علی شاہ علی حلف کا	احمد تاج محمد سرسر عالم علی	محمد سلامت اللہ	دستخط فضل رسول فاضل بدایونی	سید بشیر علی امروہی	مولوی دادبخش وارث
حسن الزماں	محمد فضل حق	رفیع اللہ	محمد جلال الدین	وحید الدین	محمد فضل اللہ	فضل حسن	محمد عبد الحق
محمد حیات	محمد خلیل الرحمٰن	محمد حیات ولد مولوی سید احمد					

اہل سنت والجماعت خیال فرمادیں کہ ان دونوں فتوی متاخرہ میں ہندوستان کو کیسے کیسے علمائے جلیل القدر مثل مفتی سعد اللہ صاحب و مولانا تراب علی و مولانا سید محمد مدرس اعلی و مولانا فضل حق و مولانا محمد حیات و مولانا حیدر علی مصنف منتہی الکلام و مولانا سلامت اللہ و مفتی صدر الدین خاں صاحب و مفتی شرع متین مفتی شرف الدین صاحب استحسان محفل مولد شریف پر فرماتے ہیں اس وقت میں ایسے علماء کہاں ہیں ایک ایک عالم کو دو دو سو کے مقابل سمجھا ہم نے اس وقت کے علماء کی مہریں نہیں کرائیں علماء سلف کی نقل مہر لیت پر اکتفا کیا اب یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس لمعہ تامہ میں ہم نے جس قدر علماء عالمین اور فضلاء کاملین کے نام ذکر کیے اگرچہ یہ جمیع اقالیم مشرقی و مغربی جنوبی و شمالی کے تمام علماء و فقہاء کے نام نہیں اگر ان سب کو جمع کیجیے تو اللہ اکبر ایک دفتر بنتا ہے کما قال سے گر ایں جملہ اسعدی ملا کند :: مگر دفتر دیگر انشا کند، یہ تو چند مقالات کے چند علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی کیا کچھ کم ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین کا ایک جمہور کبیر اور جم غفیر ہے پس بموجب فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ان کا اتباع اہل سنت کو لازم ہے فرمایا آپ نے اتبعوا السواد الاعظم من شذ شذ فی النار اس کی تحقیق لمعہ اولی نور چہارم میں محدثین سے ہم نقل کر چکے ہیں وہاں دیکھو معنی یہ ہیں کہ پیروی کرو بڑی جماعت کی جو کچھ الگ ہو وہ پڑے گا آگ میں یعنی جب اختلاف واقع ہو علماء میں تو جس طرف اکثر مسلمین ہوں اس پر عمل کرو یہ تو حدیث ہے اب فقہ کا مسئلہ سنو علامہ شامی نے جلد ثانی شرح در مختار باب صدقۃ الفطر میں تصریح کی ہے فان المانعین جم یسیر و المجوزین جم غفیر فالاعتماد علی ما علیہ الجم الکثیر اور نیز جلد اول رسم المفتی میں لکھا ہے فاذا اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی اسی دلیل کو حق جانتے ہیں چنانچہ مصباح التراویح مطبوعہ مطبع ضیائی کے صفحہ میں لکھتے ہیں باتفاق اکابر و تسلیم اوشاں با جم غفیر از وشاں نیز دلیلیست الی آخرہ اور مولوی اسمعیل صاحب تذکیر الاخوان کی فصل سادس میں کتاب و سنت و اجماع و قیاس مجتہدین کا ذکر کر کے اس کے بعد لکھتے ہیں پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دیکر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانا مگر ہاں اکثر دیندار متقی پرہیزگار اس مسئلہ کو قبول کریں تو البتہ وہ

الفتنۃ المتدعۃ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ہذہ الامۃ ابرہا قلوبا واعمقہا علما واقلہا تکلفا اختارہم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لہم فضلہم واتبعوہم علی اثرہم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقہم وسیرہم فانہم کانوا علی الہدی المستقیم الحدیث پس دونوں حدیث تمسک سنت نبویہ اور التزام و استنان طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو واجب کرتی ہیں الخ ہر امر عبادت میں واجب ہے کہ طریقہ و سنت صحابہ

بھی معتبر ہے انتہی، اب دیکھیے اس عبارت سے صاف ثابت ہے کہ کسی مولوی مشائخ کی نکالی ہوئی بات کو اگر سارا جہان متفق ہو کر تا قیامت کرے دیندار
متفق اس کو مان لیں تو وہ بھی حق اور معتبر ہے پس اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب اور نیز مولوی محمد قاسم صاحب تابع فقہاء اور محدثین کے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہ
میں متفق ہو جانا اکثر علماء دین کا ایک حجت شرعیہ و دلیل حقیقت کی ہے یہ مسئلہ خاص ان کی زبان کو ہم نے سنوا دیا اگر موافق استحسان مولد شریف میں یہ صاحب یا ان
کے تابعین اس دلیل کو باہر ہونے لگیں تو ہم ان لوگوں پر کچھ درد غم ہو کر مشکل نہیں ہوئے کہ ان کے دل و زبان کو امر حق کی طرف جبراً پھیر دیں خود حضرت ہادی
انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ نسبت یہ ارشاد ہے لست علیھم بمصیطر اور دوسری جگہ فرمایا انک لا تھدی من احببت ہمارا ذمہ تو صحیح امر حق تھا وہ
کر چکے جس لفظ کی قید مولوی اسماعیل صاحب نے لگائی ہے یعنی دیندار حقی پرستگار وہ بھی جواز محفل مولد شریف ثابت کر چکے مثل امام ابو شامہ و ابو الخیر سخاوی و ابن
جزری و سیوطی و قسطلانی وغیرہم جن کے نام لمعۂ ثامنہ میں ہم نے لکھے ہیں اور جو شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے سلاسل طریقت اور اسانید علم حدیث سے واقف
ہوگا اس سے یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ ان مجوزین مولد شریف میں وہ علما بھی ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ حدیث اور شیوخ طریقت کے پیشوا ہیں پس تحقیق
تحقیق کو پہنچا چکے ہم یہ بات کہ مولد شریف کرنا جم غفیر سے ثابت ہے اور یہ مضمون حدیث اور فقہ سے اور ان کو علماء مستندین سے ثابت کر چکے کہ جو چیز جم غفیر سے ثابت ہو
وہ معتبر اور ماخوذ بہا اور معمول علیہا لازم الاتباع ہو جب دونوں مقدمہ صحیح ثابت ہو چکے تو یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ مولد شریف کرنا معتبر ماخوذ معتمد علیہا لازم الاتباع ہو والسلام علی من
اتبع الہدیٰ مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات یا اللہ میں نیاز بندہ ہوں تو سمیع و علیم ہے سنتا ہے سب اقوال کو جانتا ہے دلوں کے احوال کو نہیں لکھی میں نے یہ کتاب مگر اس لئے کہ
افراط و تفریط جانبین کی دور ہو ہر فریق اپنی غلو و تعصب سے نفور ہو اگر حضرات مانعین پر باعث تکفیر و تفسیق اہل ایمان چند تنبیہات ہیں تو طرف ثانی کو بھی
اصلاح نیت و تصحیح اعمال کے لئے ہدایات بینات ہیں اور مبنی کیا میں نے اپنے جمیع مسائل و دلائل کو ان علماء مقبولین کی دلائل و اقوال پر کہ وہ دنیا میں
کالبدر المنیر مشہور ہیں اور کتابیں ان کی ان ملکوں میں جابجا موجود اور حوالہ دے چکا ہوں میں ہر ایک مسئلہ میں تصانیف سلف صالحین کا پس میرا
میرا جو قول ہے وہ فی الحقیقت انہی مقبولین کا قول ہے یا اللہ ان مقبولین کے توسل کو قبول کر مجھ سے یہ کتاب اور کچھ اس کو فریقین کے لئے فصل الخطاب
یا اللہ اس کتاب کی ہر دلیل مظہر الحق اور شک میں پڑے ہوؤں کو دافع الاوہام ہو یہ کتاب تسکین بخش براہین حقانی سرمایہ راحت قلوب مستہام ہو یا اللہ میری کل سعی
مغفرت کی وسائل ہوں اور یہ انوار ساطعہ اندھیری گور کا چراغ ہو میری قبر بہار جنت کا باغ ہو ہر ناظرین انوار ساطعہ کہو تم میرے حق میں دعا پر آمین یارب العالمین
آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین :: فقط تمام شد تمت

کو ہر مسلم عاقل اپنا امام بنالے اور اس کے موافق عمل کرے اور خلاف قول و فعل ان کے قول کسی عالم کا اور توارث اور استحسان کسی
کا ہرگز قابل التفات و اعتبار فی الدین کے نہیں مؤلف نے لاطائل تطویل کی اور کوئی نفع اس کو اس سے حاصل نہیں ہوتا کما لا یخفی
علی من وفق للفہم والسداد واللہ الہادی الی سبیل الرشاد والحمد للہ علی آلہ ونوالہ کہ برہان رابع تمام ہوئی وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا[1]
اور اطفاء انوار باطلہ انوار ساطعہ کا کما یبتغی حاصل ہوا ذہب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمات لا یبصرون اب بعد اس
براہین قاطعہ کے بھی اگر مؤلف اور اس کے مشرب بدعت کو تنبیہ نہ ہو تو من یضلل اللہ فلا ہادی لہ کا مورد ہے اور اب بھی اگر ظلمات
ضلالۃ بدعت پر تبصر نہ ہو تو ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور[2] کا مصداق ہے نعوذ باللہ تعالیٰ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد
اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ وصلی اللہ
علی سیدنا ومولانا محمد ھادی الامۃ وکاشف الغمۃ الذی ترکنا علی مثل البیضاء لیلھا ونھارھا سواء وعلی آلہ وصحبہ اتباعہ سرج الامۃ
ومصابیح الظلمۃ صلوٰۃ دائمۃ کما یحب بہ ویرضی وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین تمت

[1] اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی سچائی اور انصاف میں۔ [2] اور جس کو اللہ تعالیٰ روشنی نہ دے اس کو کہیں روشنی نہیں مل سکتی ۱۲۔

تقریظ کتاب براہین قاطعہ جیدہ قلم فیض رقم جناب قدوۃ المحققین زبدۃ الفقہاء والمحدثین عمدۃ الصلحاء والکاملین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مدفیوضہم،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا۔ اما بعد احقر الناس خادم الطلبہ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ نے اس کتاب مستطاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا الحق کہ بندہ کے نزدیک رد اور جواب کافی اور الزام و حجت وافی ہے اور فی الواقع یہ براہین قاطعہ اپنے مصنف کی وسعت نورِ علوم دینیہ فسحت ذکاء و فہم و حسن تقریر و بہار تحریر پر دلیل واضح اور اقوال مخالف کے باحسن البیان فاضح ہے لہذا یہ احقر الناس اس کتاب کو ملقب بالدلائل الواضحہ علی کراہۃ المروج من المولود والفاتحہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے مؤلف کے علم و فہم میں برکت اور اس کی خیرات و مبرات میں عمومًا اور اس تالیف نفیس میں خصوصًا کرامت قبولیت عطا فرماوے اور اس کو موجب ندامت و توبہ اہل بدعت کا اور سبب استقامت اور تثبت متبعین سنت کا بنا کر مقبول مقبولین و معمول عاملین فرمائے آمین وما ذلک علی اللہ بعزیز واللہ تعالیٰ ولی التوفیق وصلی اللہ تعالیٰ علی سید الکائنات وآلہ وصحبہ اہل الدرجات علی ما یحب و یرضی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

تاریخ طبع اوّل کتاب براہین قاطعہ از جناب قامع البدعۃ محی السنۃ مولوی محمد حسین صاحب فقیر

[illegible]	چوں اختطات برق براہین حق رسید تاریخ او بست بے سر طغیان و گفت گو		شد باعث ذہاب با نوار ساطعہ بدعات قطع کردہ براہین قاطعہ	۱۳۰۶

تاریخ ۲۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقل خط فیض نمط حضرت سیدنا و مرشدنا جناب حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکہ معظمہ سلمہ اللہ تعالیٰ

التماس مشتہر

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح رائے ناظرین ہو کہ امسال جو بعض حجاج مکہ معظمہ سے بعد فراغ حج بیت اللہ و زیارت روضہ مطہر جناب سرور عالم فخر بنی آدم رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم و زیارت حضرت حجۃ الاصفیاء تاج الاولیاء زبدۃ المقربین عمدۃ الواصلین شمس الحقیقۃ والعرفان بدر الطریقۃ والاحسان حجۃ اللہ تعالیٰ البالغہ برہان الملۃ المستفیضۃ مرجع عالم منبع الفیض الاتم بحر الحقائق والاسرار معدن العلوم والانوار صاحب المقامات العلیۃ والافضال والدرجات الرفیعۃ الصدیق الاعظم والقطب الافخم وسیدنا الحاج شاہ امداد اللہ الفاروقی الچشتی المہاجر فی المکۃ المعظمۃ لازالت شموس فیوضہ بازغۃ و بدور مکارمہ طالعۃ ہندوستان کو واپس آئے تو ایک نقل نامہ والا حضرت موصوف الصدور سلمہ کی جو ذیل میں طبع کیجاتی ہے ساتھ لائے کہ جس کی تحریک کی وجہ حضرت سلمہ کو یہ پیش آئی کہ ایک مولوی نذیر احمد خاں نامی ساکن رام پور فی الحال مدرس مدرسہ احمد آباد گجرات نے ایک خط طویل جس میں چند اعتراضات براہین قاطعہ کے مضمون پر کئے ہیں روانہ خدمت عالیہ حضرت حاجی صاحب سلمہ کیا اس خط میں علاوہ اعتراضات کے تکفیر علماء ربانیین کی نوبت پہنچائی ہے چنانچہ ان اعتراضات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاوے گا۔

الحاصل اس نامہ والا حضرت موصوف سلمہ کو دیکھکر اور اسکے مضامین سے بقدر استعداد واقف ہو کر یہ خیال میں آیا کہ چونکہ اس تحریر میں حضرت سلمہ نے افراط و تفریط سے اغماض فرما کر طریق وسط کو جو خیر امت کی علامت ہے اختیار فرمایا ہے اور اصلاح خلق اور رفع اختلافات کو مدنظر رکھا اور حق گوئی میں پرواہ مطاعن طاعنین نہیں فرمائی علاوہ ازیں بیان بھی ایسا مدلل اور قوی ہے کہ باوجود اختصار کے مطالب مرقومہ بوجہ احسن منکشف ہیں صاف صاف الفاظ میں مسائل متنازعہ کو ایسی طرح بیان فرمایا کہ کسی کو گنجائش چون و چرا نہیں عقل و نقل و شریعت و حقیقت کو باہم ایسا ربط دیا کہ کسی کو سوائے تسلیم مجال گفتگو نہیں اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس خط حضرت حاجی صاحب سلمہ کو طبع کرا دیا جاوے کہ اس تحریر سراپا ہدایت کو اہل انصاف علی الخصوص معتقدین و مریدین حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب موصوف سلمہ دیکھ کر اختلاف باہمی سے کنارہ کریں اور تحریرات طرفین کے لیے یہ خط محاکمہ ہو جاوے اور نیز یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ حضرت سیدی و مرشدی جناب حاجی صاحب عم فیضہٗ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ جو خاص خلیفہ حضرت سلمہ کے ہیں ان مسائل میں .... متفق ہیں کسی قسم کی

لہ چنانچہ حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب سلمہ ضیاء القلوب کے صفحہ ۶۰ پر اسطرح رقم فرماتے ہیں و نیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من

مخالفت باہم نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہو گیا اور اس تحریر بابرکت کے دیکھنے سے حلم و اخلاق حضرت سلمہ کا سب پر عیاں ہو جاوے گا کہ باوجود
یکہ مسائل یعنی مولوی نذیر احمد خاں اپنے خط میں بہت کچھ سب و شتم و تکفیر و تذلیل کو کام میں لائے ہیں لیکن حضرت سلمہ نے کوئی امر خلاف
داب علماء تحریر نہیں فرمایا اور نہ ان کی سب و شتم کا جواب ترکی بترکی دیا بلکہ نفس مطلب سے بحث فرمائی اور اصلاح باہمی مدنظر رکھی علاوہ
ازیں چونکہ حضرت عم فیضہم نے وقت تحریر جواب یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ مولوی عبد السمیع کو بھی ان ہی مسائل میں شبہ ہے ایک نقل اس کی ان
کے پاس بھی جانا مناسب ہے اس لئے طبع کرانے میں یہ بھی نفع سمجھا گیا کہ مولوی عبد السمیع یا جس کسی صاحب کو ان مسائل میں اشتباہ

شارعہ اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشاں بجائے من و من بمقام اوشاں سلمہم و صحبت اوشاں را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند
و از خدمت بابرکت ایشاں فیضیاب بردہ باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد در نظر اوشاں تحصیل نمایند انشاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہد ماند انشاء اللہ تعالیٰ
و عمر شاں برکت دہد و از تمامی نعماء عرفانی و کمالات تربیت خود مشرف گرداند و بمراتبات عالیات رساند و از نور ہدایت ایشاں عالم را منور گرداند و تا ایام
فیض اوشاں جاری دارد بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد انتہی بلفظہ۔ احقر کاتب الحروف کہتا ہے کہ خدائے پاک نے حضرت حاجی صاحب سلمہ کی دعا ان حضرات
کے بارہ قبول فرمائی چنانکہ ان کے نور ہدایت سے عالم کو منور فرمایا اور نیز جناب حاجی صاحب سلمہ نے بارہا یہ فرمایا کہ جو کچھ ضیاء القلوب میں ان
حضرات کی شان میں کلمات لکھے گئے ہیں وہ میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھے بلکہ بامر حق جل و علی و الہام غیبی لکھے گئے و کفی بہ فضلاً والحمد للہ تعالیٰ
پس حضرت مولانا رشید احمد صاحب سلمہ پر طعن کرنا بعینہ حضرت حاجی صاحب سلمہ پر طعن ہے مخالفین اپنا انجام سوچیں اور تائب ہوں وما علینا الا البلاغ

لہ کیونکہ جو کچھ حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب نے مسائل متنازعہ کی نسبت اس خط میں تحریر فرمایا ہے بعینہ یہی مسلک حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا
ہے ۱۲ لہ چنانچہ مولوی احمد حسن صاحب پنجابی مدرس مدرسہ کانپور وغیرہ کو بھی اس مسئلہ میں اشتباہ واقع ہوا اور معتزلہ و متکلمین کے کلام میں لفظ محال
و ممتنع دیکھ کر قدرت باری کی نفی کردی حالانکہ وہی حضرات دوسری جگہ خلاف وعدہ کو داخل قدرت فرماتے ہیں پس معلوم ہوا کہ وہ حضرات وقوع کذب کو
محال لکھتے ہیں اور ان کی مراد محال و ممتنع سے محال بالغیر و ممتنع بالغیر ہے ورنہ خدائے پاک قادر علی الاطلاق کو خلاف وعدہ وعید خلاف مقدرات کے کرنے
سے مجبور کہنا پڑے گا وہو باطل بالاجماع، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مثلاً زید جس کی تقدیر میں عالم ہونا اور عمرو جس کے مقدر میں جاہل ہونا لکھا گیا یا ایک
شخص کیلئے جنت کا وعدہ ہوا اور دوسرے کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہوا سو اگر اس تقدیر یا وعدہ وعید کا خلاف ہوگا تو لوح محفوظ میں یا وحی میں خلاف واقع ہونا
ثابت ہوگا اور یہی کذب ہے مگر اس عدم وقوع سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالیٰ کو خلاف کرنے پر بھی قدرت نہ رہی ورنہ زید عالم کا جاہل کرنا اور عمرو جاہل کا
عالم بنانا اور جنتی کا دوزخ میں لیجانا اور اس کا عکس قدرت خدائے پاک سے خارج ماننا پڑے گا بلکہ یہ لازم آئے گا کہ تمام کائنات کے لئے جو کچھ ایکبار مقدر
کردیا گیا اس کے خلاف سے خدائے تعالیٰ عاجز ہے معاذ اللہ مولوی احمد حسن صاحب بلا تدبر و تفکر رسالہ لکھنے کو تو موجود ہو گئے پر یہ نہ دیکھا کہ اس مسئلہ کے انکار اور
اہل حق کی تضلیل سے بالکل خدا تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے اور عقیدہ اہل سنت بلکہ اہل اسلام کے خلاف پر عوام کو جماتا ہے لفظ کذب سے گھبرا کر کمال و
قدرت جناب باری کی نفی کرنا بعینہ ایسا ہے جیسا کوئی شخص خنزیر وغیرہ و ارذل مخلوقات دیکھ کر یا افعال و اعمال سیئہ و شرور انسانی کو لحاظ فرما کر خدا
تعالیٰ کو ان چیزوں کے خالق کہنے سے انکار کرے اور خدا تعالیٰ کی تنزیہ اس میں سمجھے اور یہ کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ ایسے برے
افعال اور بدترین مخلوقات کو پیدا فرماوے سو جیسا اس شخص کا یہ کہنا اہل حق کے نزدیک مسلم نہیں بلکہ سب جانتے ہیں کہ مخلوقات کے نقص سے
خدائے پاک تک نقص نہیں پہنچتا اور اس کی تنزیہ میں کچھ فرق نہیں آتا ایسے ہی قضیہ کاذبہ خلاف واقع کے پیدا کرنے سے خدائے پاک میں
کیوں نقص آئے گا جو بدیں وجہ قادر مطلق کی قدرت کا انکار کیا جاوے ۱۲ ۔

جو اس جواب حضرت حاجی صاحب سلمہ سے اپنی تسکین کرے اور چونکہ اس تحریر کی اشاعت سے صرف اصلاح طرفین و رفع فتنہ و خلاف باہمی مقصود ہے نہ اظہار نفسانیت و عناد پس اگر کسی صاحب کو اس تحریر کی حقیقت میں شبہ ہو تو حضرت سید مولائی جناب حاجی صاحب سلمہ سے بذریعہ تحریر تصدیق کرے اور مولوی نذیر احمد خاں صاحب مکتوب الیہ کے پاس بھی یہ تحریر موجود ہے امید ہے کہ وہ بھی بلکم و کاست اظہار واقعی فرمائیں گے اور اصل تحریر کو نہ چھپائیں گے اور نیز جناب مولوی حاجی محمد عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی جو قریب ایک سال حرمین شریفین میں تھے وقت تحریر صحیفہ بھی حضرت حاجی صاحب سلمہ کی خدمت میں حاضر تھے اس امر کے شاہد ہیں اور نقل اصل خط حضرت موصوف کی اپنے پاس بھی رکھتے ہیں اور چونکہ کاتب حروف کی غرض اشاعت سے صرف اصلاح و تسکین فتن ہے اسلئے بمصداق حدیث الدال علی الخیر کفاعلہ امید اجر رکھتا ہے اور بعد مجز و زاری جناب باری کے حل و علی میں ملتجی ہے کہ اس تحریر حضرت والا سلمہ کی باعث رفع فتنہ و نزاع باہمی فرمائے اور نیز ناظرین حق بین اور انصاف پرست کی خدمت والا میں ملتمس ہے کہ اس تحریر کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور کاتب کی اس اشاعت کو کسی اور غرض پر محمول فرما کر مطعون و ملام نہ فرمائیں نقل سوالات سائل میں سائل کے نفس مطلب کو بوجہ اختصار لکھتا ہوں سب و شتم و تکفیر و تضلیل جو اصل خط سائل میں مندرج ہے وہ بوجہ تطویل درج تحریر نہیں کیا اصل خط بندہ کے پاس موجود ہے جواب حضرت سلمہ بجنسہ نقل ہوگا

خلاصہ اعتراض

پہلا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ممکن ہے اس مسئلہ کی وجہ سے کتب الٰہیہ میں احتمال جھوٹ کا پیدا ہو سکتا ہے یعنی مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ شاید قرآن ہی جھوٹا ہے اور اس کے احکام ہی غلط ہیں اور براہین قاطعہ کی اس تحریر کی وجہ سے بہت لوگ گمراہ ہو گئے

دوسرا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بشریت میں مثل جملہ مخلوقات کے کہکر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب کی برابر کر دیا اور ہامان و فرعون بھی اس اعتبار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی برابر ہو گئے یہ بات کفر کی ہے

تیسرا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں مجلس میلاد کو بدعت ضلالہ کہا اور فاتحہ اور محفل میلاد کرنیوالوں کو ہنود اور روافض لکھا،

چوتھا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں دیوبند کو حرمین شریفین پر ترجیح دی،

پانچواں اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں لکھا ہے کہ جو ایک وتر نہ پڑھے اس کے ایمان کا کیا ٹھکانا ہے پس یہ اعتراض امام صاحبؒ و صاحبینؒ وغیرہم تک جو تین وتر کے قائل ہیں پہنچتا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے ایمان کا بھی ٹھکانا نہ ہو، نعوذ باللہ

چھٹا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں یہ صاف لکھدیا ہے کہ مسائل مختلف فیہا بین الحنفیہ والشافعیہ میں بلا ضرورت دوسرے کے مذہب پر عمل کرے

نقل خط حضرت حاجی صاحب سلمہ

نحمد اللہ العلیم القدیر الدیان الذی کشف بمحض فضلہ علی من اصطفٰے من عبادہ حقائق العلوم والبیان ونصلی ونسلم علی عبادہ الذین اصطفٰے لاسیما علی اشرف الرسل والانبیا سیدنا محمدن المصطفٰے وآلہ وصحبہ النجبا والاتقیا را اما بعد از فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ بخدمت مولوی نذیر احمد خاں صاحب بعد سلام تحیۃ اسلام آنکہ آپ کا خط آیا مضمون سے مطلع ہوا ہر چند کہ بعض وجوہ سے عزم تحریر جواب نہ تھا مگر بغرض اصلاح اور توضیح براہین قاطعہ بالاختصار لکھا جاتا ہے شاید اللہ تعالیٰ نفع پہنچائے ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

جواب اول۔ واضح ہو کہ امکان کذب کے جو معنی آپ سمجھے ہیں وہ بالاتفاق مردود ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف وقوع کذب کا قائل ہونا باطل ہے اور خلاف نص صریح ومن اصدق من اللہ قیلا، ان اللہ لا یخلف المیعاد وغیرہما آیات کے وہ ذات پاک مقدس ہر شائبہ نقص و کذب وغیرہ سے ہے باخلاف علماء کا جو دربارہ وقوع خلاف وعید ہے جس کو صاحب براہین قاطعہ نے تحریر کیا ہے وہ اصل کذب¹ ہی نہیں صورت کذب ہے اس کی تحقیق میں طول ہے الحاصل امکان کذب² سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ وعید فرمایا ہے اس کے خلاف پر بھی قادر ہے اگرچہ وقوع اس کا نہ ہو امکان کو وقوع لازم نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شئی ممکن بالذات ہو اور کسی وجہ خارجی سے اس کو استحالہ لاحق ہو جیسا کہ اہل عقل پر مخفی نہیں پس مذہب جمیع محققین اہل اسلام صوفیائے کرام وعلمائے عظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے پس جو شبہات³ آپ نے وقوع کذب پر متفرع کئے تھے وہ مندفع ہو گئے کیونکہ وقوع کا کوئی قائل نہیں ہے یہ مسئلہ دقیق ہے عوام کے سامنے بیان کرنے کا نہیں اس کی حقیقت کے ادراک سے اکثر اذہان قاصر ہیں⁴ آیات واحادیث کثیرہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے ایک ایک مثال قرآن وحدیث کی لکھی جاتی ہے ایک جگہ ارشاد جناب باری ہے قل ھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا الآیۃ⁵ اور دوسری جگہ فرمایا

١؎ کیونکہ فساق مومنین کے لئے مثلاً جو کچھ وعید وتہدید آیات واحادیث میں فرمائی گئی ہیں وہ عموماً باعتبار استحقاق عذاب سزائے نفس اعمال بلا تخصیص مقرر فرمائے گئے ہیں پھر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ہم ان میں سے جس کو چاہیں بلا تعذیب بخش دیں پس اس وعید کا خلاف کذب نہیں چنانچہ بعض اہل عصیان مومنین کا بلا تعذیب جنت میں جانا اور خدا تعالیٰ کا ان کو محض اپنی رحمت سے بخش دینا احادیث میں مصرح ہے البتہ کفار کے لئے دوزخ میں جانا وعید قطعی ہے اس کا خلاف بکذب ہے اس لئے کفار جنت میں نہ جاویں گے مگر کفار کا جنت میں داخل کرنا قدرت خداوندی میں داخل ہے یہی معنی امکان کذب کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کذب پر قادر ہے بعد وقوع اس کا نہ ہوگا ۱۲۔ ٢؎ جیسے رسول خدا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل اصل میں ممکن ہے یعنی خدا تعالیٰ قادر ہے کہ آپ کا مثل پیدا کرے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ مثل الممکن جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہیں واجب نہیں مخلوق ہیں خالق نہیں تو آپ کا نظیر بھی ممکن افعیینا بالخلق الاول مگر چونکہ وعدہ الٰہی ہو چکا کہ کمالات نبوت ورسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اس لئے وقوع نظیر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا محال ہو گیا ہے محال بالغیر علیٰ ہذا زید مثلاً جس کی تقدیر میں عالم ہونا لکھا گیا اس کا جاہل ہونا بالذات ممکن یعنی خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے پس چونکہ خدا نے اس کا لکھا ہوا بدلتا نہیں اس لئے زید کا جاہل ہونا محال بالغیر ہو گیا اسی طرح غیر متناہی مثالیں اس کی موجود ہیں ۱۲ ٣؎ معترض کے شبہات کی بناء وقوع کذب پر تھی کیونکہ قرآن شریف میں مثلاً احتمال کذب اسی وقت ہو کہ کذب کے وقوع کا کوئی قائل ہو ہرگاہ وقوع کذب باری تعالیٰ محال ہو یا استحالہ کسی وجہ سے ہو احتمال کذب کلام اللہ بھی غلط اور نیز واضح ہو کہ ہرگاہ جناب حاجی صاحب نے مسلک جمیع محققین اہل اسلام وصوفیہ کرام کا مذہب امکان کذب بمعنی دخولہ تحت القدرۃ تحریر فرمایا تو جناب منکرین اپنا انجام سوچیں کہ وہ کس گروہ میں داخل ہیں ۱۲ ٤؎ مگر جب دیکھا کہ اس زمانہ کے معمولی مغالطات کے بھروسہ قدرت خداوندی کی نفی کرنے لگے اور اہل حق کی تکفیر وتذلیل پر آمادہ ہوئے تو بضرورت اظہار اس مسئلہ کا کرنا پڑا ۱۲ منہ ٥؎ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے تمہارے اوپر عذاب بھیجنے پر اور آیت ثانیہ کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بدولت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں عذاب نہ آئے گا پس اس وعدہ کی وجہ سے دنیا میں بے شک عذاب نہ آئے گا مگر آیت اولیٰ سے اس کا قدرت الٰہی میں داخل ہونا معلوم ہوا وہو المدعیٰ ۱۲ منہ ٦؎ بدلالۃ عرف وعقل ثابت ہے کہ خلاف وعدہ کے قدرت میں داخل ہونے سے کذب کا داخل قدرۃ ہونا لازم آتا ہے بلکہ احادیث میں مصرح ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے خلاف وعدہ عہد کو کذب سے تعبیر کیا چنانچہ قصہ ابوہریرہؓ میں جو اُن کو شیطان لعین کے ساتھ غلہ صدقہ میں پیش آیا اور شیطان نے یہ عہد کیا کہ میں پھر نہ آؤں گا مگر چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ شیطان پھر آئے گا اور اپنا

وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم الایۃ آیۃ ثانیہ میں نفی وقوع عذاب کا وعدہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ اگر اس کا خلاف ہو تو کذب لازم آئے مگر آیت اولیٰ سے اس کا تحت قدرت باری تعالیٰ داخل ہونا معلوم ہوا پس ثابت ہوا کہ کذب داخل تحت قدرۃ باری تعالیٰ جل علیٰ ہے کیوں نہ ہو وہو علیٰ کل شیئ قدیر، احادیث کو دیکھیے کہ عشرہ مبشرہ[1] مثلاً بالیقین جنتی بارشاد نبوی جو حقیقۃً وحی الٰہی جل علیٰ ہے ہو چکے مگر چونکہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ خدائے پاک مجبور نہیں ہے اس لئے نظر بقدرۃ و جلال کبریائی ڈرتے ہی رہے بلکہ خود سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات جن کی شان میں لیغفر[2] لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر ہے فرماتے رہے واللہ[3] ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم او کما قال واللہ تعالیٰ یحق الحق وھو یھدی السبیل۔

جواب ثانی:۔ علیٰ ہذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بشریت میں شریک و مثل ہونا جملہ بشر کے نص قرآنی ثابت ہے اس کا انکار نص کا انکار ہے مگر ایک وصف میں شامل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جمیع اوصاف میں شامل ہو اگر یہی سو برابری کا دعویٰ کوئی نہیں کرتا خود براہین قاطعہ میں آیت انما انا بشر مثلکم کی شرح کے بعد صاف لکھ دیا ہے، کہ جملہ یوحیٰ الی سے علو مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وامتیاز معلوم ہو گر شاید آپ نے براہین قاطعہ کی اگلی عبارت کو بنظر انصاف نہیں دیکھا اس لئے تکفیر علماء و صلحاء پر مبادرت کرکے اپنا خیال بحیاء یہ طعن تو در پردہ خود سرور کائنات بلکہ خالق موجودات تک پہنچتا ہے کیوں کہ انما انا بشر مثلکم کے اظہار و بیان کا ارشاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جناب باری تعالیٰ جل علیٰ کی طرف سے ہوا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار

وعدہ اور عہد پورا نہ کرے گا اس لئے اس کو کاذب فرمایا لفظ کذب جو حدیث میں موجود ہے شاید دعویٰ ہے یعنی شیطان تجھ سے جھوٹ بول گیا پس بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ وعدہ کا خلاف کرنا تو داخل قدرت جناب باری ہے پر کذب داخل قدرت نہیں محض سفسطہ عقلی ہے

[1] اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی محدثات و ممکنات خواہ برے ہوں یا اچھے سب اس کی قدرت میں ذات و صفات خداوندی جو ازلی ابدی ہیں ان میں حدوث ممکن نہیں اس لئے وہ اس سے خارج ہیں ۱۲ [2] عشرہ مبشرہ یعنی دس صحابیؓ جن کو ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم نے دخول جنت کی بشارت دی ۱۲ [3] کیوں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جس کے لئے قطعاً جنت کا وعدہ فرمایا اس کو دوزخ میں ڈال دے اور دوزخی قطعی کو جنت میں داخل کرے اگرچہ اس کے عدل و کرم سے ایسا نہ ہوگا پر اس کی قدرت و جلال کے سامنے چون و چرا کی مجال نہیں وھو القاھر فوق عبادہ وھو الحکیم الخبیر ۱۲ [4] تاکہ بخشے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ اگلے پچھلے ۱۲ [5] قسم اللہ تعالیٰ کی نہیں جانتا ہوں میں حالانکہ میں رسول خدا تعالیٰ کا ہوں کہ کیا کیا جاوے گا ساتھ میرے اور نہ یہ کہ کیا معاملہ ہوگا ساتھ تمہارے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا نظر بقدرۃ جلال و کبریائی کے ہے ورنہ آپ کو وعدہ الٰہی پر پورا وثوق تھا ۱۲ [6] معترض کا یہ کہنا کہ ہامان و فرعون کی برابر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے کہہ دیا نہایت درجہ کی بلادت اور گستاخی ہے رسول اللہؐ کے کمالات تو اور انبیاءؑ کو بھی عطا نہیں ہوئے اور کوئی نبیؑ کمالات میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں چہ جائیکہ فرعون و ہامان مگر یہ خوش فہمی معترض کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بشر اور مخلوق کہہ دینے سے فرعون و ہامان کی برابری ثابت کر دی کیا معترض کے نزدیک جملہ انبیاء علیہم السلام اور امتی اور مومنین و کفار یکساں ہیں معاذ اللہ، یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاءؑ معترض کے نزدیک مخلوق و بشر ہونے سے خارج ہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم و نیز دیگر انبیاءؑ کا کمال تو عبدیت ہی میں ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ . ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۱۲

جواب ثالث — اسی طرح صاحب براہین قاطعہ نے نفس ذکر میلاد کو بدعت ضلالہ نہیں کہا قیودات[1] زائدہ محرمہ مکروہہ کہا ہے اور نہ نفس ذکر و قیام کرنے والوں کو ہنود و روافض لکھا بلکہ عقیدہ باطلہ پر حکم حرمت مشابہتہ روافض و ہنود کا لگایا ہے چنانچہ خود فتوی جناب مولوی احمد علی صاحب مرحوم اور مولوی رشید احمد صاحب سلمہ میں یہ امر مصرح موجود ہے کہ نفس ذکر میلاد کو وے باعث حسنات و برکات لکھتے ہیں اور براہین قاطعہ میں مکرر اس کو ظاہر کیا ہے انصاف شرط ہے

جواب رابع — ایسے ہی براہین قاطعہ میں دیوبند کو حرمین پر ترجیح نہیں دی ہے جو موجب استبعاد ہو بلکہ اس کتاب میں صاف لکھ دیا ہے کہ دیوبند کو مثل بازار کے جو شر البلاد ہے سمجھو اور حرمین کو مثل مسجد کے جو خیر البلاد ہے مگر فتوی میں اعتبار علم ربانی منتقی کا ہے گو وہ کسی جگہ کا ہو بنظر تحقیق اس میں کس کو کلام ہو سکتی ہے،

جواب خامس — ایسے ہی ایک وتر کی بحث میں جواب نے لکھا ہے کہ صاحب براہین کا اعتراض امام صاحب و صاحبین علیہ الرحمۃ تک پہنچتا ہے یہ کو محض تعصب یا سفاہت ہے صاحب براہین اس شخص کو رد کرتے ہیں جو عموماً ایک وتر پڑھنے والو پر طعن کرے کیوں کہ ایک وتر پڑھنے والے بعض صحابہؓ و ائمہؒ بھی ہیں حضرت امامؒ و صاحبینؒ نے کب ایک وتر پڑھنے والوں پر طعن کیا ہے اور وے کب طعن کر سکتے ہیں کہ اس طرف بھی صحابہؓ کبار و ائمہ اخیار ہیں صاحب انوار ساطعہ نے چونکہ بالعموم ایک وتر پڑھنے والوں کو مطعون کیا تھا حالانکہ ان میں صحابہؓ و ائمہ ہیں اس کو متنبہ کیا ہے اور اس گستاخی سے روکا ہے

جواب سادس — صاحب براہین نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ مسائل مختلف فیہا بین الحنفیۃ والشافعیۃ میں بلا ضرورت دوسرے کے مذہب پر عمل کرنا درست ہے اس میں یہ مضمون کسی جگہ نہیں شاید یکو نقل قول امام ابن ہمام سے جو در بارہ تراویح لکھا ہو یہ شبہ پیدا ہوا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں اول تو امام ابن ہمام حنفی ہیں شافعی نہیں پھر صاحب براہین نے اس پر عمل ہونا نہیں لکھا اور نہ اس کو ترجیح دی فقط واللہ الموفق والہادی وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین،

---

[1] حضرت حاجی صاحب سلمہ نے جیسا اس تحریر میں قیودات زائدہ سے منع فرمایا ایسا ہی زبانی بھی بارہا قیودات زائدہ سے منع فرمایا اور نیز حضرت سلمہ کی دیگر تحریرات سے مخالفت عیاں ہے پس اس صورت میں اگر حضرت سلمہ نے کسی کو اجازت میلاد شریف کی دی تو اس کو نفس ذکر میلاد شریف پر محمول کرنا چاہیے ۱۲ سے پس معترض کا یہ کہنا کہ براہین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ایمان کا بھی کیا ٹھکانا نہایت حمق و شقاوت ہے کیوں کہ ان حضرات نے ایک وتر پڑھنے والوں صحابہؓ و ائمہؒ کو کبھی طعن نہیں کیا اور نہ کلمات تحقیر ان حضرات کی شان میں لکھے مؤلف انوار ساطعہ نے بالعموم ایک وتر پڑھنے والوں کی نسبت کلمات ناشائستہ لکھے اس لئے اس کو گستاخی سے روکا گیا ہے بھلا یہی کہ تحقیر آحاد و تحقیر سلف میں ایمان کا ٹھکانا نہیں، اگر مؤلف انوار ساطعہ کہے کہ میری مراد حضرت صحابہؓ و ائمہ قائلین وتر واحد پر اعتراض کرنا نہیں تو یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کیونکہ اس کتاب میں بالتعمیم ایک وتر پڑھنے والوں پر اعتراض کیا ہے حکم شرع ظاہر پر ہے اور پھر سلف ہوں یا خلف جس امر میں وہ متبع حدیث نبوی ہیں اس فعل پر اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی تحقیر ہاں اعتراض جب ہے کہ کسی احادیث یا اتباع ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ چاہیئے کہ فرق باطلہ و اہل ہوی جن عقائد و اعمال میں اہل حق کے موافق ہیں ان عقائد و اعمال پر بھی اعتراض کیا جائے پھر جب ایک وتر کے قائلین بھی صحابہؓ و اہل سنت ہیں تو اس فعل پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے فقط

تمام شد

ضمیمہ براہین قاطعہ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مصنف براہین قاطعہ پر تنقیص شان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپاک بہتان اور اس کا مفصل جواب

از مولانا محمد منظور نعمانی

مولوی احمد رضا خاں صاحب حسام الحرمین ص ۱۵ پر لکھتے ہیں:

وھؤلاء اتباع شیطان الآفاق
ابلیس اللعین وھم ایضا اذناب
ذلک المکذب الکنگوھی فانہ
قد صرح فی کتابہ البراھین القاطعۃ
وما ھی واللہ الا القاطعۃ لما امر
اللہ بہ ان یوصل بان شیخھم
ابلیس اوسع علما من رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وھذا
نصہ الشنیع بلفظہ الفظیع
(ص ۴۷) شیطان وملک الموت کو الخ ای ان
ھذہ السعۃ فی العلم ثبتت
للشیطان وملک الموت بالنص

اور یہ شیطان آفاق ابلیس لعین کے پیرو ہیں اور یہ بھی اسی تکذیب خدا کرنے والے گنگوہی کے دم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں تصریح کی (اور خدا کی قسم وہ قطع نہیں کرتی مگر ان چیزوں کو جن کے جوڑنے کا اللہ عزوجل نے حکم فرمایا ہے) کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اور یہ اس کا بُرا قول خود اس کے بد الفاظ میں ص ۴۷ پر ہے۔
شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص

وای نص قطعی فی سعة علم رسول	کو ذکر کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی	اور اس سے پہلے لکھا کہ شرک نہیں تو
تُرَدُّ بہ النصوص جمیعا ویثبت	کونسا ایمان کا حصہ ہے ۔
شرک وکتب قبلہ ان ھٰذا	
الشرک لیس فیہ حبة خردل	
من ایمان ۔	

پھر مؤلف براہین کو کچھ صلواتیں سنا کر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :

وقد قال فی نسیم الریاض	اور بے شک نسیم الریاض میں فرمایا
کما تقدم من قال فلان اعلم	(جیسا کہ اس کا نص اصل کتاب میں گذر چکا
منہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد	ہے) کہ جو کسی کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ
عابہ ونقصہ فھو سابٌّ والحکم	وسلم کے علم سے زیادہ بتاتے اس نے
فیہ حکم الساب من غیر فرق لا	بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو
نستثنی منہ صورة وھذا	عیب لگایا اور حضور کی شان گھٹائی تو وہ
کلہ اجماع من لدن	گالی دینے والا ہے اور اس کا حکم وہی ہے
الصحابة رضی اللہ تعالیٰ	جو گالی دینے والا ہے، اصلاً فرق نہیں،
عنھم ثم اقول انظروا الی	اس میں سے ہم کسی صورت کا استثنا نہیں
آثار ختم اللہ کیف یصیر	کرتے، اور ان تمام احکام پر صحابہ رضی
البصیر اعمی، وکیف یختار	اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے اب تک برابر
علی الھدی العمی، یؤمن بعلم	اجماع چلا آیا ہے، پھر میں کہتا ہوں کہ
الارض المحیط لابلیس وافجاء	اللہ کی مہر کردینے کا اثر دیکھو، کیونکر انکھیارا
ذکر محمد رسول اللہ صلی اللہ	اندھا ہوجاتا ہے اور راہ حق چھوڑ کر چوپٹ
علیہ وسلم قال ھذا اشرک	ہونا پسند کرتا ہے۔ ابلیس کے لئے تو
وانما الشرک اثبات الشریک	زمین کے علم محیط پر ایمان لاتا ہے اور جب

لله تعالیٰ فالشئ اذا کان اثباته
لاحد من المخلوقین شرکاً
کان شرکاً قطعاً لکل الخلائق
اذ لا یصح ان یکون احد شریکاً
لله تعالیٰ فانظروا کیف آمن بان
ابلیس شریک له سبحانه وانما
الشرکة منتفیة عن محمد صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم ثم انظروا
الیٰ غشاوة غضب الله تعالیٰ
علیٰ بصره یطالب فی علم محمد
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بالنص
ولا یرضیٰ به حتی یکون قطعیاً
فاذا جاء علے سلب علمه صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم تمسک
فی هذه البیان نفسه علے
صفحه ۴۶ لبتة اسطر قبل
هذا الکفر المهین بحدیث
باطل لا اصل له فی الدین
وینسبه کذباً الیٰ من لم یروه
بل رده بالرد المبین حیث
یقول روی الشیخ عبد الحق
قدس سره عن النبی صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم انه قال

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو
کہتا ہے یہ شرک ہے، حالانکہ شرک تو اسی کا
نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے کوئی شریک
ٹھیرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق میں سے کسی
ایک کے لئے ثابت کرنا شرک ہو، وہ تو تمام
جہان میں جس کے لئے ثابت کی جائے یقیناً
شرک ہوگا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو
سکتا. تو دیکھو ابلیس لعین کے اللہ عزوجل
کے ساتھ شریک ہونے کا کیسا ایمان رکھتا
ہے. شرکت تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے منتفی ہے پھر غضب الٰہی کا گھٹا
ٹوپ اس کی آنکھوں پر دیکھو. علم محمد صلی
اللہ علیہ وسلم میں تو نص مانگتا ہے اور نص
پر بھی راضی نہیں جب تک قطعی نہ ہو اور
جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی
پر آیا تو خود اسی بحث میں صفحہ ۴۶ پر اس
ذلت دینے والے کفر سے چھ سطر پہلے ایک
باطل روایت کی سند پکڑی ہے جس کی دین
میں بالکل اصل نہیں اور انکی طرف اسکی نسبت
کر رہا ہے جنھوں نے اسے روایت نہ کیا
بلکہ اس کا صاف رد کیا کہ کہتا ہے شیخ عبد الحق روایت
کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم
نہیں حالانکہ شیخ نے مدارج النبوۃ میں

لا اعلم ما وراء هذا الجدار اھ
مع ان الشيخ قدس الله تعالىٰ
سرّہ انما قال فی مدارج النبوۃ
هكذا يشكل ههنا بان جاء فی
بعض الروايات انہ قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم انما
انا عبد لا اعلم وراء هذا الجدار
وجوابه ان هذا القول لا اصل له
ولم تصح به الرواية اھ فانظروا
كيف يحتج بلا تقربوا الصلوٰۃ
ويترك • وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی۔

یوں فرمایا ہے
کہ یہاں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ
بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے یوں فرمایا ——
میں تو ایک بندہ ہوں ——
اس دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے
اس کی روایت صحیح نہیں ہوئی۔ دیکھو کیسی
لا تقربوا الصلوٰۃ سے دلیل لیا اور انتم
سکاریٰ کو چھوڑ گیا۔

(حسام ص ۱۸)

اِس موقع پر شوقِ تکفیر پورا کرنے کے لئے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے دین و دیانت پر جو ظلم کیا ہے اس کی فریاد بس واحدِ قہار سے ہے۔ اس کی باز پرس انشاء اللہ روزِ جزا ہو گی۔ لیکن دُنیا میں ارباب انصاف بھی فیصلہ فرمائیں کہ اس مُدّعیٔ مجدّدیت کے بیان اور اس کے فتوے میں کتنی صداقت ہے؟

اس عبارت میں خاں صاحب نے مصنّفِ براہینِ قاطعہ پر مندرجہ ذیل چار اعتراض کیے ہیں:

۱۔ (معاذ اللہ) رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم کے عِلم شریف کو شیطانِ رجیم کے علم سے گھٹایا۔

۲۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے زمین کے عِلمِ محیط کے اثبات کو شرک بتلایا اور شیطانِ لعین کے لئے اس کو ثابت مانا حالانکہ کسی ایک مخلوق کے لئے جس چیز کا ثابت کرنا شرک ہے وُہ دوسری مخلوقات کے لئے بھی اس کا ثابت

کرنا یقیناً شرک ہے تو گویا مصنف براہین نے (معاذ اللہ) شیطان کو خدا کا شریک مان لیا۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر نص قطعی کا مطالبہ کیا، اور جب حضور اقدس کے علم کی نفی کی، تو ایک باطل الروایۃ حدیث سے استناد کیا۔

۴۔ پھر اس حدیث کی روایت کو ازراہِ دروغ بیانی اس شخص کی طرف منسوب کیا جس نے روایت نہیں کی بلکہ نقل کر کے ردِّ بلیغ کیا۔

یہ ہے خاں صاحب کی اس ساری عبارت کا خلاصہ اور مصنف براہین قاطعہ کے خلاف ان کی فردِ قرار دادِ جرم ــــــــ ہم تحریرِ جواب سے پہلے چند تمہیدی مقدمات عرض کرتے ہیں۔

پہلا مقدمہ علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی۔ ذاتی وہ ہے جو از خود ہو کسی کا دیا ہوا نہ ہو۔ اور عطائی وہ ہے جو کسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہو۔ پہلی قسم (علمِ ذاتی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ مخلوقات میں سے جس کو بھی کوئی علم ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی یا فرشتے کے لئے بھی علمِ ذاتی ثابت کرے گا تو سب کے نزدیک مشرک ہوگا، چونکہ یہ تمام اُمت کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے لہٰذا ہم اس کے ثبوت میں صرف خاں صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں ؎

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

موصوف "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر رقمطراز ہیں:

"علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی وعطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی، ان میں اللہ عزّ و جلّ کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی قسمِ اوّل ہے یعنی علمِ ذاتی و علمِ محیط حقیقی۔"

نیز اسی "خالص الاعتقاد" کے صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں:

"بلاشبہ غیر خدا کے لئے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر"

اور "الدولۃ المکیۃ" کی نظر اوّل صفحہ ۶ پر ہے:

فالاول (العلم الذاتی) مختص بالمولیٰ سبحانہ وتعالیٰ لا یمکن لغیرہٖ ومن اثبت شیئاً منہ ولو ادنیٰ من ادنیٰ من ذرۃ لاحدٍ من العالمین فقد کفر واشرک وباد وھلک۔	علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہو گیا اور ہلاک و برباد ہوا۔

دوسرا مقدمہ کائنات کے ہر ذرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور چونکہ کسی مخلوق کا علم معلومات غیر متناہیہ کو محیط نہیں ہو سکتا لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ کسی مخلوق کو ایک ذرہ کا بھی حقیقی معنی میں علم محیط نہیں ہو سکتا۔ اس کے ثبوت میں بھی ہم خان صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پر قناعت کریں گے موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں:

بل لہ سبحانہ وتعالیٰ فی کل ذرۃ علوم لا تتناھیٰ لان لکل ذرۃ مع کل ذرۃ کانت او تکون او یمکن ان تکون نسبۃ بالقرب والبعد والجہۃ مختلفۃ فی الازمنۃ باختلاف الامکنۃ من اوّل یوم الیٰ مالا اٰخر لہ والکل معلوم لہ سبحانہ وتعالیٰ بالفعل فعلمہ عزجلالہ غیر	بلکہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے لئے ہر ذرہ میں علوم غیر متناہیہ ہیں۔ اس لئے کہ ہر ذرہ کو دوسرے اس ذرہ کے ساتھ جو موجود ہو چکا یا آئندہ موجود ہوگا یا جس کا وجود ممکن ہے، قرب اور بُعد اور جہت کے اعتبار سے کوئی نسبت ہے جو مختلف ہوتی رہتی ہے۔ زمانوں میں ساتھ مختلف ہونے ان امکنہ کے جو واقع ہوں اور جن کا امکان ہے دنیا کے پہلے دن سے

متناہٍ فی غیر متناہٍ فی غیر متناہٍ............	ابداً آباد تک اور سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو بالفعل معلوم ہے، پس اللہ عزوجل کا علم غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہے۔
و معلوم ان علم المخلوق لا یحیط فی آنٍ واحدٍ غیر متناہی کما بالفعل تفصیلاً تاماً حیث یمتاز فیہ کل فردٍ عن صاحبہ امتیازاً کلیاً	"اور معلوم ہے کہ مخلوق کا علم ایک آن میں غیر متناہی بالفعل کا تفصیلی احاطہ نہیں کرسکتا اس طرح کہ اس میں ہر فرد دوسرے سے کامل طور پر ممتاز ہو۔

نیز اسی "الدولۃ المکیۃ" کے صفحہ ۲۱۲ پر ہے:

انی بینت ان لہ سبحانہ فی کل ذرۃ ذرۃ علوماً لا تتناہی فکیف ینکشف شیء لخلق کما انکشافہ للخالق عز و جل "	"یہ تحقیق میں بیان کر چکا ہوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہر ہر ذرہ میں غیر متناہی علوم ہیں پس کوئی چیز کسی مخلوق کے لئے اس طرح کیسے منکشف ہو سکتی ہے جیسے کہ اس کا انکشاف خداوند تعالیٰ کے لئے ہے"

تیسرا مقدمہ عقیدہ قائم کرنے کے لئے دلیلِ قطعی کی ضرورت ہے اور نفی کے لئے صرف عدم دلیلِ ثبوت کافی ہے۔ اسی لئے قرآنِ عزیز میں جابجا مشرکین کے خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ کی تردید میں فرمایا گیا ہے کہ یہ ان کے ذاتی خیالات اور شیطانی وسوسے ہیں۔ خدا کی طرف سے اُن پر کوئی دلیل و بُرہان نہیں۔

نیز خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی انباء المصطفیٰ میں عقائد کے اثبات کے لئے دلیلِ قطعی کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

چوتھا مقدمہ علوم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو دین سے تعلق ہے (جیسے تمام علوم دینیہ شرعیہ) اور دوسرے وہ جن کو دین سے تعلق نہیں (جیسے زید، عمرو، گنگا پرشاد، جمنا داس، مسٹر بیگ اور لارڈ ولنگڈن، مسٹر چرچل وغیرہ کے جزئی حالات کا علم، زمین کے کیڑے مکوڑوں اور سمندر کی مچھلیوں کی تعداد اور ان

کے خواص کا علم، ان کی عام نقل و حرکت، اکل و شرب اور بول و براز کا علم) ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے علم کو دین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان علوم کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل، اور نہ ان کے نہ ہونے سے انسان میں کوئی نقصان!

اگرچہ یہ مقدمہ بدیہی ہے اور ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی اس کو تسلیم کرے گا، مگر اب چند روز سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روحانی ذرّیت نے اس سے انکار شروع کر دیا ہے اور وہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی علم ایسا نہیں جس کا دین سے تعلق نہ ہو اور جس کو کمالِ انسانی میں دخل نہ ہو۔ لہٰذا یہاں بھی ہم صرف خاں صاحب ہی کی ایک عبارت پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں، موصوف کے ملفوظات حصہ اول صفحہ ۲۱ پر ہے "سیمیا ایک ناپاک علم ہے" خاں صاحب کے اس مختصر مگر پُرمعنی فقرے سے صرف اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ بعض علم ناپاک بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو علم ناپاک ہو، وہ نہ دینی علم ہو سکتا ہے اور نہ کسی انسان کے لئے باعثِ کمال۔

پانچواں مقدمہ شریعت میں جس علم کی مدح کی گئی ہے اور انسانوں کو جس کی ترغیب دی گئی ہے اور جو رضائے الٰہی کا باعث ہے، وہ صرف وُہ علم ہے جس کا تعلق دینیات سے ہو اور جس سے کمالِ انسانی وابستہ ہو، مثلاً قرآن عزیز میں ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ	کیا علم والے اور بے علم سب برابر ہو سکتے ہیں۔ (ہرگز نہیں)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ	اللہ تعالیٰ تم میں سے اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے درجے بلند کرے گا۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں علم سے نہ انگلش مُراد ہے نہ سنسکرت یا بھاشا، نہ سائنس نہ جغرافیہ، نہ جادوگری نہ شاعری، بلکہ صرف علم دین ہی مُراد ہے، اور وُہی خُدا کو محبوب ہے اور حدیث شریف میں ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى	طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

كُلِّ مُسْلِمٍ۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ	بہ تحقیق انبیاء علیہم السلام نے درہم ودنانیر کی میراث نہیں چھوڑی، ان کی میراث صرف علم ہے، جس نے اسکو لے لیا اس نے بہت بڑا حصہ پایا۔

ان احادیث کریمہ میں بھی علم سے علم شریعت اور علم دین ہی مراد ہے۔ کون بدبخت کہہ سکتا ہے کہ دُنیاوی علوم کو حاصل کرنا بھی مسلمان کا مذہبی فرض ہے، اور کون محروم البصیرت خیال کرسکتا ہے کہ جادُوگری و شعبدہ بازی جیسے لغو علوم بھی میراثِ نبوت ہیں۔ بہرحال یہ چیز بالکل بدیہی ہے کہ شریعت میں جس علم کی ترغیب دی گئی ہے اور جس کو کمالِ انسانی میں دخل ہے وہ صرف علم دین ہے۔ بلکہ بیکار اور غیر متعلق باتوں کی کھود کرید سے تو شریعت نے منع فرمایا ہے۔ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ (حدیث نبوی)	انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وُہ بیکار باتوں میں نہ پڑے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب سے کسی نے تعزیہ داری اور متعلقہ تعزیہ داری کے متعلق چند سوال کئے تھے۔ منجملہ ان کے بارھواں سوال (شہداءِ کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق) یہ تھا کہ:

" بعد شہادت کس قدر سر مبارک دمشق کو روانہ ہوئے تھے اور کسقدر واپس آئے؟

اس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:

" حدیث میں فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں چھوڑے "

خاں صاحب کا پُورا فتوی جس میں یہ سوال وجواب درج ہے، کئی جگہ متعدد

بار چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور اس کی اصل بہ مہر و دستخط بھی میرے پاس محفوظ ہے اور اگر ان کے یہاں نقل فتاوی کا پورا اہتمام ہوگا (جیسا کہ میں نے سنا ہے) تو غالبًا وہاں بھی اس کی نقل محفوظ ہوگی۔

فتوے پر تو کوئی تاریخ درج نہیں اور لفافہ پر ڈاک خانہ کی مہر بھی کچھ زیادہ صاف نہیں تاہم بعد غور بسیار ظن غالب یہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں بریلی کے ڈاک خانہ سے وہ فتوے روانہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم!

خاں صاحب کے اس فتوے سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو بیکار ہیں اور اُن کا حاصل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جس سوال کے جواب میں خاں صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے وہ سوال زید، عمرو، بکر، حیوانات و بہائم، دریا کی مچھلی، مینڈک یا حشرات الارض کے متعلق نہیں کیا گیا ہے بلکہ اہل بیت کرام و شہدائے عظام کے مقدس سروں کے متعلق سوال ہے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتوں کو چھوڑ دے۔

چھٹا مقدمہ جو علوم انسان کے لئے باعث کمال نہیں اور جن کے حصول کے لئے انسان خدا کی طرف سے مامور نہیں (جیسے روزمرہ کے جزئی حوادث اور مخصوص افراد کے شخصی اور خانگی حالات) ان میں ایک مفضول کا دائرۂ علم افضل سے اور ایک مردود کا مقبول سے وسیع ہو سکتا ہے بلکہ غیر دینی اور غیر ضروری اُمور میں غیر نبی کا علم بھی کبھی نبی سے بڑھ سکتا ہے۔ لیکن علوم شرعیہ و اُمور ضروریہ اور اصول دینیہ میں ہمیشہ نبی ہی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہوگا کیونکہ ان علوم کے فیضان میں وہ تمام اُمت کے لئے واسطہ کبریٰ ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے یہ علوم افرادِ اُمت تک پہنچتے ہیں

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں،

یجوز ان یکون غیر النبی	جائز ہے کہ غیر نبی، نبی سے بڑھ جائے
فوق النبی فی علوم لا تتوقف نبوته	ان علوم میں کہ جن پر نبی کی نبوت

علیہا ۔ (ج ۵، ص ۲۹۵) موقوف نہ ہو ۔

ساتواں مقدمہ

دین سے غیر متعلق اور غیر ضروری امور کے نہ جاننے کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقبولینِ بارگاہِ احدیت کی شان میں کوئی کمی بیشی نہیں آتی اور نہ ان کے کمالِ علمی کو اس سے کچھ صدمہ پہنچتا ہے۔ بلکہ ایسا سمجھنا انتہائی سفاہت اور منصبِ رسالت سے اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے۔

علامہ قاضی عیاض جن کو حضرت رسالتؐ کے ساتھ قابلِ تقلید عشق ہے "شفا شریف" میں اس نکتہ پر تنبیہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فاما تعلق منها بامر الدنیا فلا یشترط فی حق الانبیاء العصمة من عدم معرفة الانبیاء ببعضها او اعتقادها علی خلاف ما هی علیه ولا وصم علیهم فیه اذ همتهم متعلقة بالآخرة وانبائها وامر الشریعة وقوانینها وامور الدنیا تضادها بخلاف غیرهم من اهل الدنیا الذین یعلمون ظاهرًا من الحیوٰة الدنیا وهم عن الآخرة هم الغافلون۔ (شفاء، ص ۲۵۲)

بہر حال وہ علوم جن کا تعلق دُنیاوی باتوں سے ہو، سو ان میں سے بعض کے نہ جاننے سے اور ان کے متعلق خلافِ واقعہ اعتقاد قائم کر لینے سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری نہیں (یعنی ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض دنیاوی باتوں کا علم نہ ہو) اور اس کے نہ جاننے کی وجہ سے ان پر کوئی دھبہ نہیں کیونکہ انکی توجہ آخرت اور اسکی خبروں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دنیاوی باتیں اُن کے برعکس ہیں بخلاف اہلِ دنیا کے جو اسی دنیاوی زندگانی کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں

پھر اس مضمون کو متعدد احادیث شریفہ سے ثابت فرما کر صفحہ ۲۰۲ پر لکھتے ہیں:

فمثل هذا واشباهه من امور الدنیا التی لا مدخل فیها لعلم دیانة ولا اعتقادها

پس دنیاوی امور میں سے ایسی باتیں کہ جن کو نہ دین کے علم میں کوئی دخل ہے نہ اسکی تعلیم میں نہ اس کے اعتقاد میں سو ایسی باتوں کے

ولا تعليمها يجوز عليه فيها ما ذكرنا اذ ليس في هذا كله نقيصة ولا محطة وانما هي امور اعتيادية يعرفها من جربها وجعلها همه وشغل نفسه بها والنبي مشحون القلب بمعرفة الربوبية ملآن الجوانح بعلوم الشريعة۔

انتهى بقدر الحاجة

شفا قاضی عیاض، ص ۲۰۲

بارے میں) جائز ہے نبی علیہ السلام پر وہ جو ہم نے ذکر کیا (یعنی ان باتوں کا نہ جاننا) اس لئے کہ ایسی باتوں کے نہ جاننے کی وجہ سے نہ تو کچھ نقصان پیدا ہوتا ہے نہ درجہ اور مرتبہ میں کوئی کمی آتی ہے۔ یہ امور تو عادت پر موقوف ہیں ان کو وہ شخص خوب جانے گا جس نے ان کا تجربہ کیا ہو اور انھیں کو اپنا مقصد بنالیا ہو اور جس نے اپنے نفس کو انھیں باتوں میں مشغول کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تو معرفتِ الٰہیہ سے اور سینۂ فیض گنجینۂ علوم معرفت سے لبریز ہے

بہر حال جو امورِ دین سے غیر متعلق ہوں، اگر ان میں سے بعض کا علم کسی غیر نبی کو ہو جائے، اور نبی کو نہ ہو تو اس میں اس نبی (علیہ السلام) کی کوئی تنقیص نہیں کیونکہ ان امور سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو کوئی خاص تعلق ہی نہیں۔ اسی لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انتم اعلم بامر دنیاکم۔ (رواہ مسلم)

اپنی دنیا کی باتوں کے تم زیادہ جاننے والے ہو۔

صحیح مسلم کی یہ روایت ہمارے مدعا کے لئے نہایت واضح اور روشن دلیل ہے

نیز آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا كان شئ من امر دنياكم فانتم اعلم به واذا كان شئ من امر دينكم فالي رواه احمد ومسلم عن انس، وابن ماجة

جب کوئی چیز تمہارے دنیاوی امور میں سے ہو تب تو تم ہی اس کے زیادہ جاننے والے ہو اور اگر کوئی دینی معاملہ ہو تو میری طرف رجوع کرو۔ روایت کیا اس کو امام احمد

عن انس و عائشہ م معًا، وابن خزیمۃ عن ابی قتادۃ
(کنز العمال، ج ۶، ص ۱۱۶)

اور امام مسلم نے حضرت انس سے اور ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت عائشہ دونوں سے امام ابن خزیمہ نے حضرت ابو قتادہ سے۔

آٹھواں مقدمہ اگر بعض جزئی واقعات کا علم کسی ادنیٰ وجہ کے شخص کو ہو اور اعلیٰ کو نہ ہو، یا کسی اُمتی کو ہو اور نبی کو نہ ہو تو صرف اس کی وجہ سے اس ادنیٰ کو اعلیٰ سے اور اس اُمتی کو نبی سے اعلم (زیادہ علم والا) نہیں کہا جا سکتا، مثلاً آج کل کی مادی ایجادات اور صنعتی اختراعات کے متعلق جو معلومات یورپ کے ایک مُلحد کو حاصل ہیں یقیناً وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کو حاصل نہ تھے۔ گراموفون بنانے کا علم جو اس کے غیر مسلم مُوجد کو تھا، وہ یقیناً حضرت غوث پاکؒ کو نہ تھا۔ لیکن کون احمق ہے جو ان مادی اور دنیوی امور کی وجہ سے یورپ کے ان مُلحدین کو حضرت امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے اَعلم (زیادہ علم والا) کہنے کی جرأت کرے سینما اور تھیٹر کے متعلق جو معلومات ایک فاسق و فاجر بلکہ ایک کافر و مشرک تماشہ بین کو ہیں وہ یقیناً ایک بڑے سے بڑے متقی عالم کو نہیں۔ تو کیا کوئی تاریک دماغ ہر تماشہ بین کو اس عالم سے اعلم کہہ سکتا ہے اور اسی پر کیا موقوف، جرائم پیشہ لوگوں کو جو معلومات اپنے جرائم کے متعلق ہوتے ہیں حضرات علمائے دین کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی تو کیا سب چور، ڈاکو، گرہ کٹ، پاکٹ مار، شرابی، کبابی، ہر عالم دین کے مقابلہ میں اعلمیت کا دعوٰی کر سکتے ہیں۔

اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ نجاست کھانے والے کیڑے کو نجاست و غلاظت کا ذائقہ معلوم ہوتا ہے اور ہر شریف انسان اس سے ناواقف ہے، تو کیا اب نجاست کا ہر کیڑہ بھی تمام انسانوں سے اعلم کہا جا سکتا ہے۔

بہر حال یہ مقدمہ بالکل بدیہی ہے کہ جو علوم دین سے غیر متعلق ہوں اور جن علموں کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل نہ ہو، وہ اگر کسی شخص کو زیادہ مقدار میں حاصل ہو جائیں تو صرف اس کی وجہ سے اس کو زیادہ علم داں نہیں کہا جا سکتا۔ اَعلم (زیادہ علم والا)

جبھی کہا جائے گا جب کہ علومِ کمالیہ اور علومِ دینیہ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو۔

نواں مقدمہ | قرآن وحدیث میں اس کی نظیریں بکثرت ملتی ہیں کہ حضور کی حیاتِ طیبہ میں بہت سے واقعاتِ جزئیہ کی اطلاعات دوسرے لوگوں کو ہوگئی اور وجہ اس کے کہ وہ واقعہ انھیں پر گزرا تھا یا ان سے اس کا کوئی خاص تعلق تھا) اور حضور کو اس وقت اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ غزوۂ تبوک میں عبداللہ بن اُبَیّ منافق نے کسی موقعہ پر یہ کہا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔	جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والے ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔

نیز اسی مجلس میں اُس نے یہ بھی کہا:

وَلَئِنْ رَجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ۔	اگر ہم مدینہ پہنچے تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہوگا وہ ذلیلوں کو نکال دے گا (یعنی ہم مہاجرین کو مدینہ سے بھگا دیں گے)

اس کی یہ بکواس حضرت زید بن ارقم رضؓ نے سنی اور انھوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کر دیا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اُن منافقین نے جھوٹی قسم کھائی کہ ہم نے نہیں کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصدیق کر دی اور زید بن ارقم کو جھوٹا قرار دے دیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ مدت العمر کبھی ایسا صدمہ نہ ہوا تھا، یہاں تک کہ میں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ تا آنکہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ درحقیقت اُن منافقین نے ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ تو حضورؐ نے مجھ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مطمئن ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے بیان کی تصدیق نازل فرما دی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

۲ - بعض منافقین کے متعلق سورۂ توبہ میں ارشاد ہے :

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ

اور بعض ان لوگوں میں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں بدوی منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ میں سے منافقت میں بہت مشاق ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں ۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت میں خود مدینہ طیبہ اور اس کے آس پڑوس کی بستیوں میں کچھ ایسے منافق تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کو نہیں جانتے، اور ظاہر ہے کہ خود ان منافقین کو اپنے نفاق کا ضرور علم ہوگا۔

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ (سورۂ بقرہ)

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کی بات اس دنیاوی زندگی میں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر خدا کو شاہد بناتے ہیں اور فی الحقیقت وہ نہایت جھگڑالو ہیں ۔

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ یہ شخص دیکھنے میں بہت اچھا اور نہایت شیریں زبان تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں آتا اور اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا اور بہت زیادہ اظہارِ محبت کرتا تھا اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے پاس بٹھاتے تھے، اور درحقیقت وہ منافق تھا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔

فنزل فیہ ومن الناس من یعجبک قولہ: ای یروقک وتستحسنہ ویعظم فی قلبک ۔ (خازن، جلد اول، ص ۱۶۱)

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جن کی بات آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور آپ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ کے دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے ۔

اس آیتِ کریمہ اور اس کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ اخنس بن شریق کے باطن

کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ بدبخت اپنے حال سے ضرور آگاہ تھا۔

۴۔ نیز منافقین ہی کی ایک جماعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے :-

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۔ (سورۂ منافقون)	اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں، اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ انکی سُن لیں گے ۔

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ کی تفسیر میں ہے :

اى فتحسب انه صدق	یعنی آپ اسکو سچا سمجھیں (ج ۷، ص ۸۲)

ان تینوں آیتوں سے بطور قدر مشترک اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدینہ طیبہ ہی کے اندر کچھ ایسے سیاہ باطن منافق بھی تھے جن کے نفاق (یا مدارجِ نفاق) کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا۔ ظاہر حال دیکھ کر آپ ان کو اچھا جانتے تھے۔ ان کی جھوٹی باتوں کو سچ سمجھتے تھے، اور وہ بدکردار اپنے حال سے خود یقیناً خبردار تھے (اگرچہ بعد میں بذریعہ وحی حضور کو بھی مطلع فرما دیا گیا ہو)

اس کے بعد ہم اس سلسلہ میں صرف ایک آیت اور پیش کرتے ہیں، ارشادِ خداوندی ہے :

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۔ (سورۂ یٰسین)	اور ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ ان کے لئے مناسب ہے ۔

اس آیت کریمہ سے نہایت صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ کو علمِ شعر نہیں عطا فرمایا گیا حالانکہ یہ علم کافروں تک کو حاصل ہوتا ہے ۔

بہر حال قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ بعض غیر ضروری اور امورِ رسالت سے غیر متعلق علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں عطا فرمائے گئے، اور دوسروں کو حتیٰ کہ

لا یموت فیکم میت ما دمت بین ظهرانیکم الا اذنتمونی به فان صلٰوتی له رحمةٌ (ج ۱ ص ۲۸۴)	جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں، تو مجھ کو ضرور اسکی خبر دیا کرو کیونکہ میری نماز اس کے واسطے رحمت ہے۔

اس روایت سے بھی ہمارے مدعا پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے اور اس سے صرف ایک وقتی واقعہ ہی نہیں بلکہ آپ کی زندگی کی ایک عام مستمر حالت معلوم ہوتی ہے

(۳) صحیح بخاری اور سنن اربعہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد میں شہدائے احد میں سے دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن فرماتے تھے اور قبر میں اتارتے وقت لوگوں سے دریافت فرماتے تھے۔

ایھما اکثر اخذاً للقرآن فاذا اشیر الی احدھما قدمه فی اللحد۔	ان دونوں میں سے کون زیادہ قرآن حاصل کرنیوالا ہے پس جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اس کو لحد میں پہلے اتارتے۔

(۴) صحیح مسلم اور سنن نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے کچھ آواز سنی، فرمایا:

متٰی مات ھذا؟	یہ شخص کب مرا ہے؟
قالوا مات فی الجاھلیة	لوگوں نے عرض کیا، دور جاہلیت میں۔
فسُرّ بذٰلك	تو آپ کو اس سے مسرت ہوئی۔

(۵) مسند احمد اور مسند بزار میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں حضورؐ کی خدمت میں پنیر حاضر کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ:

این صُنعت ھذہٖ؟	یہ کہاں کا تیار شدہ ہے؟
فقالوا بفارس! الخ	لوگوں نے عرض کیا کہ فارس کا بنا ہوا ہے۔

(۶) ابو داؤد و جامع ترمذی میں ابیض بن جمال سے مروی ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مقام مارب میں جو شورا بہ ہے وہ مجھ کو عنایت فرمایا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے درخواست منظور فرمائی۔ اور وہ ان کو دے دیا گیا۔ جب وہ واپس چل دیئے تو حاضرین مجلس میں سے ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اُن کو کیا دے دیا؟

اتدری ما قطعت له یارسول الله	آپ نے تو ان کو بنا بنایا پانی (جو بلا کد و کاوش
انما قطعت له الماء العد	کے نمک بن سکتا ہے) دے دیا۔ تو حضورؐ نے ان
فانتزعه منه۔ الخ ترمذی ج ا ص ۱۶۶	سے وہ واپس لے لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو پہلے اس سرزمین کی مخصوص حیثیت معلوم نہیں تھی اور اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ ابیض بن جمّال کو عطا فرما دی گئی تھی۔ لیکن جب بعد میں اُن صحابی کے عرض کرنے سے اس کی حیثیت معلوم ہوئی (کہ اس سے عام پبلک کے منافع وابستہ ہیں) تو حضورؐ نے اس کو واپس لے لیا۔

(۷) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ قضائے حاجت کے لئے) بیت الخلا تشریف لے گئے تو میں نے حضورؐ کے لئے پانی بھر کر رکھدیا جب آپ باہر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ

ماوضع هذا فأخبر فقال	یہ کس نے رکھا ہے؟ تو حضورؐ کو اطلاع
اللّٰهم فقّهه فی الدین وعلّمه	دی گئی کہ میں نے رکھا ہے تو حضورؐ نے میرے
التاویل۔	تفقہ فی الدین اور علمِ تاویل قرآن کی دعا فرمائی۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس موقع پر حضورؐ کو پانی رکھنے والے کی اطلاع دوسروں نے دی۔

(۸) سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بخار میں مبتلا تھا اور مسجد میں پڑا ہوا تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پس آپ نے فرمایا:

من احسّ الفتی الدوسی ثلث مرات فقال رجل یارسول اللہ ھو ذا یوعك فی جانب المسجد فاقبل یمشی حتی وصل الیّ فوضع یدہ علیّ الخ	کسی نے دوسی جوان (ابو ہریرہ) کو دیکھا ہے؟ یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا، تو ایک شخص نے عرض کیا، حضرت وہ یہ ہیں ! بخار میں مبتلا ہیں، مسجد کے کونہ میں ہیں۔ پس آپ میری طرف کو چلے اور میرے پاس پہونچ کر اپنا دست مبارک مجھ پر رکھ دیا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مسجد میں ہونے کی اطلاع حضورؐ کو نہ تھی۔ دوسرے شخص کے مطلع کرنے سے حضورؐ کو خبر ہوئی۔

(۹) مصنّف ابن ابی شیبہ میں عبدالرحمن ابن الازہر سے مروی ہے کہ:

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح وانا غلام شاب یسئل عن منزل خالد بن ولید۔	میں نے فتح مکہ کے سال (جبکہ میں جوان لڑکا تھا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خالد ابن ولید کے گھر کا پتہ پوچھتے تھے۔

(۱۰) صحیح بخاری صحیح مسلم سُنن نسائی اور سُنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے خالد بن ولید نے بیان کیا کہ میں ایک بار اپنی خالہ حضرت میمونہؓ[1] کے پاس حاضر ہوا، تو میں نے ان کے پاس بُھنی ہوئی "گوہ" دیکھی جس کو ان کی بہن "حفیدہ" نجد سے لائی تھیں۔ وہ گوہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی گئی اور حضورؐ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب تک کھانے کی کیفیت نہ بیان کر دی جاتی اور اس کا نام نہ بتلایا جاتا۔ آپ اس کی طرف بہت کم ہاتھ بڑھاتے تھے۔

وکان قلما یقدم یدیہ لطعام حتی یحدث عنہ ویسمّی لہ فاھوی بیدہ الی الضب فقالت امرأۃ	پس آپ نے اپنا دستِ مبارک گوہ کی طرف بڑھایا تو ایک عورت نے کہا کہ حضورؐ کو بتلا دو کہ حضورؐ کے سامنے کیا رکھا گیا ہے۔

---

[1] حضرت میمونہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور خالد بن ولید اور عبداللہ بن عباسؓ کی حقیقی خالہ ہیں۔ ۱۲ منہ۔

اخبرن رسول اللہ صلی اللہ	(چنانچہ ازواج مطہرات میں سے جو حاضر تھیں)
علیہ وسلم بما قدمتن لہ قلن	انھوں نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ گوہ ہے، تو آپ
ھو الضب یا رسول اللہ فرفع یدہٗ الخ	حضرتؐ نے اپنا ہاتھ اُٹھا لیا۔ الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب وہ گوہ حضورؐ کے سامنے رکھی گئی تو آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ گوہ ہے حتیٰ کہ آپ نے کھانے کے لئے ہاتھ بھی بڑھایا اور بعد میں جب، دوسروں کے بتلانے سے اس کا علم ہوا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

(۱۱) طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت بلالؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس معمولی درجہ کی کھجوریں تھیں۔ میں نے ان کھجوروں کو دے کر ان کے بدلے میں ان سے آدھی عمدہ کھجوریں لے لیں اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ان سے اچھی کھجوریں آج تک ہم نے نہیں دیکھیں۔ تم یہ کہاں سے لائے ہو (حضرت بلالؓ کہتے ہیں)

من این ھٰذا لک یا بلال؟	میں نے وہ تبادلے کا واقعہ بیان کر دیا تو
فحدثتہ بما صنعت فقال	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی جاؤ اور ان
انطلق فردّہ علی صاحبہ الخ	کو واپس کر کے آؤ (کیونکہ یہ ربٰو ہو گیا)

(۱۲) مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں نہایت عمدہ کھجوریں دیکھیں۔ دریافت فرمایا یہ کھجوریں تمہارے پاس کہاں سے آئیں انہوں نے عرض کیا:

من این لکم ھٰذا؟ قلن ابدلنا	ہم نے دو صاع اپنی معمولی کھجوریں دے کر
صاعین بصاع فقال (صلی اللہ	یہ ایک صاع اچھی کھجوریں لے لی ہیں حضورؐ نے
علیہ وسلم) لا صاعین بصاع	فرمایا، ایک صاع کے بدلے میں دو صاع، اور ایک
ولا درھمین بدرھم الخ	درہم کے بدلے میں دو درہم جائز نہیں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس ناجائز تبادلہ کی اطلاع دوسروں

کے عرض کرنے سے ہوئی۔

(۱۳) روایت کیا ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور امام احمد نے مسند میں اور ابونعیم نے کتاب المعرفت میں حضرت عبداللہ بن سلام سے، اور عبدالرزاق نے ابوامر سے اور ابن جریر نے ابن ساعدہ سے کہ:

جب اہلِ قبا کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ما هذا الطهور الذی قد خصصتم به فی هذه الآیة وفی بعض الروایات فما طهورکم وفی لبعضها ان الله قد اثنیٰ علیکم فی الطهور خیرا الخ

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تمہاری وہ کیا خاص طہارت ہے جس کی تعریف خداوند تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں فرماتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم استنجا میں ڈھیلے کے ساتھ پانی کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۴) صحیح مسلم، جامع ترمذی، سننِ ابی داؤد اور سننِ نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ہجرت پر حضورؐ سے بیعت کی اور حضرت کو یہ علم نہ تھا۔

ولم یشعر انه عبدٌ فجاء سیدہ یریدہ فقال له صلی الله علیه وسلم بعنیه فاشتراه بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدًا بعدہ حتی یسئل اعبدٌ هو؟

کہ وہ غلام ہے۔ بعد میں اس کے لینے کے ارادہ سے اس کا آقا آیا تو حضورؐ نے اس سے فرمایا کہ تم اس غلام کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چنانچہ آپ نے دو حبشی غلام دے کر اس کو خرید لیا اور اس کے بعد آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے جب تک کہ یہ دریافت نہ فرمالیں کہ وہ غلام تو نہیں ہے۔

(۱۵) صحیح بخاری اور جامع ترمذی اور سننِ ابی داؤد میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ مدینہ میں سریانی زبان کے جاننے والے صرف یہودی تھے۔ اگر کہیں سے سریانی میں کوئی خط آتا تو وہی پڑھتے اور کسی کو سریانی میں کچھ لکھوانا ہوتا تو وہ انہیں سے لکھواتا۔ جب حضورؐ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے مجھکو سریانی

سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا، خدا کی قسم، میں اپنی خط و کتابت میں یہودیوں کی طرف سے مطمئن نہیں (واللہ ما آمن یہود علی کتابی) پس نصف مہینہ پورا نہیں ہوا تھا کہ میں نے سریانی سیکھ لی اور مجھے اس میں خاصی مہارت ہو گئی۔ پھر میں ہی آں حضرتؐ کی طرف سے یہودیوں کو خط لکھتا تھا، اور میں ہی اُن کے خطوط پڑھتا تھا۔"

اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے جس خطرے کا ذکر ہے وہ جبھی ممکن ہے کہ حضورؐ کو اس سریانی زبان کا علم نہ ہو جس کا علم اس زمانہ کے یہودیوں کو تھا۔ اگرچہ اس مدعا کے لئے حضورؐ کا اُمّی ہونا بھی کافی ہے جس کی شہادت قرآن مجید میں دی گئی ہے مگر میں نے یہ روایت اس لئے نقل کر دی کہ یہ اُس اُمّیت کی ایک عملی تفسیر ہے جس کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ تاویل صرف اقوال و الفاظ میں چل سکتی ہے نہ کہ واقعات و حالات میں۔

یہاں تک پانچ آیتوں اور پندرہ حدیثوں سے صرف یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عہدِ رسالت میں بہت سے جزئی واقعات پیش آتے تھے اور حضورؐ کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی تھی اور دوسرے لوگوں کو ہو جاتی تھی۔ لیکن صرف ان جزئی معلومات کی وجہ سے (جن کو امورِ دین و دیانت اور فرائضِ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں) نہ ان دوسرے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم داں کہا جا سکتا ہے اور نہ ان علوم کے عدمِ حصول سے حضورؐ کے کمالِ علمی میں کوئی کمی آتی ہے۔

علامہ سیّد محمود آلوسی مفتیٔ بغداد علیہ الرحمۃ اپنی بے نظیر تفسیر "روح المعانی" میں ارقام فرماتے ہیں:

<table>
<tr><td>ولا اعتقد فوات کمال بعدم العلم بحوادث دنیویۃ جزئیۃ کعدم العلم بما یصنع زیدٌ مثلاً فی</td><td>اور میں دُنیوی اور جزئی حوادث کے علم نہ ہونے کی وجہ سے کمال کے فوت ہو جانے کا قائل نہیں جیسے کہ زید کے روزمرہ کے</td></tr>
</table>

بیتہ وما یجری علیہ فی یومہ وغدہ۔ (روح المعانی ج ۸، ص ۲۵) | خانگی حالات کا علم دوسا ایسے علموں کے نہ ہونے سے کمال نہیں جاتا)۔

دسواں مقدمہ اگر زید کو ایک ہزار باتوں کا علم ہو اور عمرو کو لاکھوں کروڑوں باتوں کا لیکن زید کے ان ایک ہزار معلومات میں سے دس بیس ایسے ہوں جو عمرو کو حاصل نہ ہوں تو ان دس بیس علوم کی وجہ سے (جو زید کو حاصل ہیں اور عمرو کو حاصل نہیں) زید کو علی الاطلاق "اعلم من عمرو" (عمرو سے زیادہ علم والا) نہیں کہا جاسکتا (دراں حالانکہ عمرو کو لاکھوں اور کروڑوں وہ علوم عالیہ حاصل ہیں جن کی زید کو ہوا بھی نہیں لگی) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زید کو فلاں فلاں معلومات ہیں اور عمرو کو نہیں، مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو شریعت کے لاکھوں اور کروڑوں علم حاصل تھے اور ابن رشد کو بھی علوم شرعیہ میں خاصی دستگاہ تھی، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عشر عشیر بھی نہیں تھی مگر فلسفہ یونان کے متعلق جو معلومات ابن رشد کو حاصل تھے، وہ یقیناً حضرت امام ابوحنیفہؒ کو حاصل نہ تھے کیونکہ ان کے زمانے میں فلسفہ یونان عربی میں منتقل ہی نہیں ہوا تھا لیکن اس کی وجہ سے ابن رشد کو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اعلم نہیں کہا جاسکتا۔

علیٰ ہذا حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو کتاب و سنت کے لاکھوں علوم حاصل تھے مگر تاریخ و سیر میں جو معلومات ابن خلدون اور ابن خلکان کے تھے وہ تمام بحیثیت مجموعی ان حضرات کو یقیناً حاصل نہ تھے کیونکہ ابن خلکان اور ابن خلدون کے علم میں تو بہت سے وہ تاریخی واقعات بھی تھے جو ان حضرات ائمہ کی وفات کے بعد وقوع میں آئے۔ لیکن اس کی وجہ سے ابن خلکان اور ابن خلدون کو یا آج کل کے کسی مورخ کو ان ائمہ دین سے اعلم نہیں کہا جاسکتا۔ علیٰ ہذا ایک موٹر ڈرائیور کو ڈرائیوری کے متعلق اور ایک موچی کو جوتے دوزی کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتے ہیں وہ یقیناً خود مولوی احمد رضا خانصاحب کو حاصل نہ تھے، لیکن میرے نزدیک کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق بھی اس کی وجہ سے ہر موٹر ڈرائیور اور موچی کو خاں صاحب موصوف

سے زیادہ وسیع العلم کہنے کی جرأت نہ کرے گا۔

بہر حال جب کسی ایک شخص کو دوسرے کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم (زیادہ علم والا) کہا جائے گا۔ تو مجموعہ علوم کے اعتبار سے اور بالخصوص علوم دینیہ شرعیہ ہی کے اعتبار سے کہا جائے گا ——— اور اگر کوئی شخص زید کے لئے کسی خاص علم کی وسعت تسلیم کرے اور عمرو کے لئے تسلیم نہ کرے تو اس سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ اس نے زید کو عمرو سے اعلم مان لیا۔ بالخصوص جب کہ وہ علم علوم عالیہ کمالیہ میں سے بھی نہ ہو۔ اور پھر خصوصاً جب کہ شخص مذکور عمرو کے لئے اعلیٰ درجہ کے لاکھوں اور کروڑوں علوم ایسے مان رہا ہو جن کی زید کو بلکہ دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہ لگی ہو ——— تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

یہاں تک دس مقدمے ہوئے۔ ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اصل مبحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس بحث میں بھی جواب دینے سے پہلے ہم کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کی دیانت کا مرثیہ پڑھنا پڑتا ہے اگر جناب موصوف عباراتِ "براہینِ قاطعہ" کے نقل کرنے اور ان کا مطلب بیان کرنے میں خیانت سے کام نہ لیتے تو آج اس کے جواب میں ہم کو اس قدر طوالت اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

"براہینِ قاطعہ" میں نہ تو مطلق علم کی وسعت میں کلام تھا، نہ علومِ عالیہ کمالیہ کی بحث تھی، بلکہ صرف علم روئے زمین کی وسعت میں گفتگو تھی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ہم مشرب مولوی عبد السمیع صاحب نے "انوارِ ساطعہ" میں شیطان و ملک الموت کے لئے اسی وسعتِ علمی کو دلائل سے ثابت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر قیاس کیا اور اسی قیاس کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم زمین کی وسعت ثابت کی تھی، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مصنف "براہینِ قاطعہ" نے اسی قیاس کو رد کیا ——— ("براہینِ قاطعہ"، "انوارِ ساطعہ" ہی کا جواب ہے)۔

بہر حال "براہینِ قاطعہ" کی ساری بحث صرف علم زمین کی وسعت میں تھی، جس کو دین و دیانت اور فرائضِ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق نہیں (اور ایسے

علوم کے متعلق بذیل مقدمہ ملا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہم تفسیر کبیر سے نقل کر چکے ہیں کہ ان میں غیر نبی سے بڑھ سکتا ہے ۔ ملا

لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنی مجددانہ تلبیس سے لکھ مارا کہ :

انه قد صرح فی کتابه البراهین القاطعة ..... بان شیخهم ابلیس اوسع علما من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم	اُس نے اپنی کتاب " براہین قاطعہ " میں تصریح کی کہ ان کے پیرا ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے ۔

غور فرمایا جائے ، کہاں صرف علم زمین کی وسعت اور کجا مطلق علم کی وسعت ۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

ہم ناظرین کی سہولت کے لئے ایک مثال بھی پیش کرتے ہیں اور اسی سے انشاء اللہ عبارت براہین کی پوری توضیح بھی ہو جائے گی ۔

فرض کیجئے کہ مصنف انوار ساطعہ کی ذہنیت رکھنے والا مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی دوسرا بھائی مثلاً زید کہتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم حاصل تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بہت سے فاسقوں اور کافروں کو یہ فن آتا ہے امرأ القیس بدترین کافر تھا اور ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی ۔ فردوسی فاسد العقیدہ شیعی تھا اور فارسی کا بہترین شاعر بھی ۔ پس جب کہ فاسقوں اور کافروں تک کو یہ فن حاصل ہے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو افضل المرسلین سید الاولین والآخرین ہیں ضرور حاصل ہوگا ۔ اس کے جواب میں مولانا خلیل احمد صاحب کا کوئی اہم مسلک مسلمان کہے کہ :

" امرأ القیس اور فردوسی کا حال تاریخ کی متواتر شہادتوں سے معلوم ہوا ، اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے

ملا نیز مقدمہ ملا کے ذیل میں نہایت واضح دلائل سے ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اگر ایسے علوم میں کسی کا دائرہ علم زیادہ وسیع ہو تو اس کو دوسرے کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم نہیں کہا جا سکتا ۔ جب کسی کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم کہا جائے گا تو علوم کا لیہ اور مجموعہ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جائے گا جیسا کہ آخری مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے ۔

ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اوّل تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں، بلکہ قطعی ہیں قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں لہٰذا اس کا اثبات جب قابل التفات ہو کہ قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابل التفات ہوگا۔

قرآن پاک میں ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ (سورہ یٰسٓ)	یعنی ہم نے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) شعر کا علم نہیں دیا، اور وہ ان کے لئے مناسب بھی نہیں۔

اور کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضورؐ نے مدت العمر کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا، اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاوٰی قاضی خاں" میں ہے:

قال بعض العلماء من قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال شعرًا فقد كفر۔	جو شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شعر بھی کہا ہے، وہ کافر ہے۔

تیسرے اگر افضلیت ہی اس کی موجب ہے تو تمام نیک مسلمان امراء القیس اور فردوسی سے اچھے شاعر ہونے چاہئیں۔۔۔ علیٰ ہٰذا القیاس غور کرنا چاہیے کہ امراء القیس اور فردوسی کا حال دیکھ کر علم شعر کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا بد دینی نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔

امرأ القیس اور فردوسی کو علم شعر کی وسعت تاریخ کی متواتر شہادتوں سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم شعر کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک خلاف شریعت عقیدہ ثابت کرتا ہے۔[1]

---

[1] مذکورہ بالا عبارت بعینہٖ "براہین قاطعہ" کی ہے۔ البتہ خط کشیدہ الفاظ ہمارے ہیں جن میں تفصیل کی ضرورت سے کچھ ترمیم کر دی گئی ہے، ورنہ خاکہ بالکل براہین قاطعہ ہی کا ہے۔ ۱۲ منہ

اس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی روحانی فرزند فتویٰ دے کہ :-

"اس شخص نے اپنی عبارت میں تصریح کی ہے کہ امراء القیس اور فردوسی کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے . . . . . اور بیشک نسیم الریاض میں فرمایا کہ جو کسی کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگایا اور حضورؐ کی شان گھٹائی تو وہ (حضورؐ کو) گالی دینے والا ہے[1] (لہٰذا کافر و مرتد ہے)

ناظرین با انصاف غور فرمائیں کہ اس مفتی نے خیانت نہیں کی؟ کیا مذکورہ بالا عبارت میں مطلق علم، یا علوم عالیہ کمالیہ کی بحث تھی؟ اور کیا شخص مذکورہ نے امراء القیس اور فردوسی کے لئے مطلق علم کی یا علوم عالیہ کمالیہ کی وسعت تسلیم کی ہے؟ اور کیا اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق وسعتِ علمی سے انکار کیا ہے؟ یا علوم متعلقہ نبوت و رسالت و علوم عالیہ و کمالیہ سے اس کو انکار ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں بلکہ یہاں صرف علم شعر کی بحث ہے۔ اُسی کی وسعت کو امراء القیس جیسے کافر اور فردوسی وغیرہ کے لئے تسلیم کیا گیا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شخص مذکورہ نے امراء القیس جیسے کافر اور فردوسی جیسے فاسد العقیدہ کو حضور سے زیادہ وسیع العلم مان لیا ——

یا تو ایسے عیار و مکار کا کام ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے یا ایسے جاہل اور احمق کا کام ہے جو "اعلم" اور "اوسع علماً" کے معنی سے بھی ناآشنا ہے۔ ہم دسویں مقدمہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم (زیادہ وسیع العلم) علوم عالیہ کمالیہ اور مجموعۂ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ایک موچی اور ایک موٹر ڈرائیور بلکہ بلکہ نجاست

---

[1] منقولہ بالا عبارت بعینہٖ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی ہے، ہم نے صرف تطبیقِ مثال کے لئے ابلیس کے بجائے امراء القیس اور فردوسی کا نام لکھ دیا ہے۔ ۱۲ منہ

کے ایک ناپاک کپڑے کو بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مقابلہ میں اعلم کہنا صحیح ہو، اس کی تفصیل آٹھویں اور دسویں مقدمے کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

اگرچہ ارباب فہم کے لئے اسی قدر کافی ہے مگر بدقسمتی سے سابقہ ایسی جماعت سے پڑا ہے جس میں جہل کی کثرت ہے اور پھر اللہ کی عنایت سے جو علماء ہیں وہ بھی جہلاء سے کمتر نہیں بلکہ بدتر ہیں۔ لہٰذا مزید تفصیل کے لئے ہم ایک مثال اور عرض کرتے ہیں:
مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک اُلّو کی عجیب و غریب کہانی بیان فرمائی ہے:

خاں صاحب بریلوی کا کراماتی اُلّو

خاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"تین صاحب جا رہے تھے، دُور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت سے آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایک راجہ گدی پر بیٹھا ہے۔ جواری[1] حاضر ہیں ایک فاحشہ ناچ رہی ہے۔ شمع روشن ہے۔ یہ صاحب تیراندازی کے بڑے مشاق تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلس فسق و فجور کو درہم برہم کرنا چاہیئے۔ کیا تدبیر کی جائے؟

ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کردو کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے۔ دوسرے نے کہا، اس ناچنے والی عورت کو قتل کرو۔ تیسرے نے کہا کہ اسے بھی نہ قتل کرو کہ وہ خود نہیں آئی۔ راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا درہم برہم کرنا ہے۔ اس شمع کو گل کردو، یہ رائے پسند ہوئی۔ انھوں نے تاک کر شمع کی لَو پر تیر مارا۔ شمع گل ہوئی، اب نہ وہ راجہ رہا، نہ فاحشہ نہ مجمع۔ نہایت تعجب ہوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ ایک اُلّو مرا پڑا ہے اور اسکی چونچ میں وہی تیر لگا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب

[1] یعنی پیشہ ور لونڈیاں۔ ۱۲۔

کام اُسی اُلو کی مدح کر رہی تھی"۔ [1]

اب فرض کیجیے کہ خاں صاحب کا ایک مرید (علیم الدین) جو خاں صاحب کو محدث [2]، مفسر [2]، فقیہ [2]، صوفی [2]، حافظ [2]، قاری [2] سبھی کچھ سمجھتا ہے مگر کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم نہیں آتا تھا، اور ایک دوسرا مرید (حفیظ الدین) کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم آتا تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے مذکورہ بالا ملفوظ شریف سے معلوم ہوا کہ ایک اُلو مسمریزم کا اتنا ماہر تھا کہ اپنی ایک نگاہ میں اچھا خاصہ جہان منی کا تماشا دکھاتا تھا تو ہمارے اعلیٰ حضرت مجدد ملت جو خدا کے بڑے مقبول بندے تھے اور اس اُلو سے یقیناً ہزاروں بلکہ لاکھوں درجہ افضل تھے تو بھلا ان کو کیوں نہیں آتا ہوگا۔ اس پر علیم الدین کہتا ہے کہ اُلو کی مسمریزم دانی تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہٗ کے ملفوظ شریف سے معلوم ہوئی مگر اعلیٰ حضرت کی مسمریزم دانی کا کیا ثبوت ہے؟ اور اعلیٰ حضرت کو اُلو پر قیاس کرنا ——— قیاس فاسد (بلکہ نہایت بیہودہ حرکت) ہے۔

تو کیا خاں صاحب کے کسی مرید یا وارث کو حق پہونچتا ہے کہ اس غریب علیم الدین پر اعلیٰ حضرت کے علم کی تنقیص کا دعویٰ دائر کر دے اور یہ کہے کہ اس نے ایک اُلو کو حضور پُر نور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد الملت صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ علیہ وسلم ——— سے زیادہ وسیع العلم مان لیا ——— میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سمجھنے والا اور کہنے والا اُلو ہے، اور اگر بیچارے علیم الدین کو رضاخانی برادری سے خارج کرنے کے لئے دانستہ طور پر ازراہِ عیاری اس کے خلاف یہ پروپگنڈہ کرتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا فریبی اور پلے سرے کا خائن ہے۔

بہر حال خاں صاحب کی پہلی خیانت تو یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں ایک خاص علم کی وسعت یعنی علم روئے زمین کی وسعت میں کلام تھا۔ اُسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب

---

[1] جناب خاں صاحب نے یہ قصہ مسمریزم کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو ملفوظات، حصہ چہارم مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۲۰ منہ

[2] مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مریدین و متبعین یوں ہی کہتے ہیں۔

کے مشرقی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب نے شیطان اور ملک الموت کے لئے دلائل سے ثابت کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنا برافضلیت قیاس سے ثابت کیا تھا اور مصنف براہین نے اسی قیاس کو رد کیا تھا، نیز عبارت میں ایسے الفاظ بھی موجود تھے جنہوں نے بحث کو صرف علم زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا، چنانچہ براہینِ قاطعہ کے صفحہ ۴۷ سے خاں صاحب نے جو فقرہ نقل کیا ہے، اس کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں :۔

• "الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیطِ زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔"

اس فقرے میں "علم محیطِ زمین" کا لفظ موجود ہے جس کے بعد کوئی شبہ ہی نہیں رہتا مگر خاں صاحب کی دیانت ملاحظہ ہو کہ آپ نے "حسام" میں اس فقرے کا آخری خط کشیدہ جزء یعنی صرف "خبر" تو نقل کر دی، لیکن پہلا جزء یعنی مبتدا جس میں علم محیط زمین کی تصریح تھی صاف ہضم کر گئے، اور اس پر آپ کا لقب ہے مجددِ مائۃ حاضرہ، مؤید ملتِ طاہرہ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اسی جگہ اسی قسم کی ایک اور خیانت ملاحظہ ہو، خاں صاحب کی نقل کردہ عبارت براہین سے ٹھیک دو سطر کے بعد اُسی صفحہ پر یہ عبارت شروع ہوتی ہے :۔

"پس اعلیٰ علیین میں رُوحِ مبارک علیہ السلام کے تشریف رکھنے اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔"

اس عبارت میں بھی "ان امور" کا لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ بحث صرف علم روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی۔ نہ علوم عالیہ کمالیہ کی جن پر فضل انسانی کا مدار ہے، لیکن خاں صاحب نے اس عبارت کو بھی صاف اڑا دیا۔

بہرحال براہین قاطعہ میں یہ تمام تصریحات ہوتے ہوئے بھی (جن سے صاف

معلوم ہوجاتا ہے کہ یہاں بحث صرف علم روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی ، خاں صاحب نے بے دریغ لکھ مارا کہ :

"اس نے اپنی کتاب براہینِ قاطعہ میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے"

یہاں تک خاں صاحب کی پہلی خیانت کا ذکر تھا اور اس کے ضمن میں موصوف کے پہلے اعتراض کا شافی جواب بھی ہوگیا جس کے بعد کسی منصف بلکہ متعنت اور متعصب کو بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی ۔ فللّٰہ الحمد !

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ براہینِ قاطعہ میں ملک الموت اور شیطان کے لیے (ان دلائل کی بنا پر جو مولوی عبد السمیع صاحب مصنف انوارِ ساطعہ نے پیش کئے ہیں) صرف علم زمین کی وسعت تسلیم کی گئی ہے اور اسی مخصوص وسعت کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیر ثابت بالنص کہا گیا ہے اس کو مطلق وسعتِ علمی کے انکار پر محمول کرنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو شیطان کے علم سے کم بتلا دیا صرف اسی جاہل اور احمق کا کام ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عالی کو اسی عالمِ سفلی میں محدود سمجھتا ہو لیکن جس کے نزدیک آپ کے علم کی پرواز عرش و کرسی سے بھی بالاتر ہو وہ ایسی حماقت کا ارتکاب کیونکر کر سکتا ہے ؟

اگر آج کوئی شخص کہے کہ تعمیرات کے فن میں فلاں یورپین انجینئر کے معلومات حضرت امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ وسیع ہیں تو کوئی احمق سے احمق بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس شخص نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علم کو اس کافر انجینئر کے علم سے گھٹا دیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شرابی کو شراب کے متعلق بہت کچھ معلومات ہیں اور فلاں غوث و قطب کو وہ معلومات حاصل نہیں تو اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس شخص نے اس شرابی کو غوث و قطب سے زیادہ وسیع العلم مان لیا ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ گمراہ کرنے کے لئے شیطان کو جن وسائل کی ضرورت

تھی (بندوں کی آزمائش کے لئے) حق تعالیٰ نے وہ سب اس کو عنایت فرمائے۔ قیامت تک کی عمر دی۔ وہ عجیب و غریب قدرت دی کہ انسان کی رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ سکے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لئے جس علم کی ضرورت تھی، وہ بھرپور دیا تاکہ وہ اپنی ابلیسانہ کوششیں ختم کرلے اور دنیا دیکھ لے کہ عباد الرحمٰن کے مقابلے میں اس کے سارے ہتھیار کس طرح بےکار ہوتے ہیں۔

اُس کو ضرورت ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے ان کے امیال وعواطف (جذبات وخواہشات) سے واقف ہو، اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فلاں جگہ تنہائی میں ایک نوجوان عورت ہے اور فلاں آوارہ نوجوان کو اس تدبیر سے وہاں تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ فلاں جگہ مجلسِ رقص ہے اور شوقین مزاج نوجوانوں کا فلاں جگہ مجمع ہے اور اس حیلہ سے ان کو اس مجلسِ فواحش میں بھیجا جاسکتا ہے۔ بہرکیف اس کو ان شیطانی امور کی تکمیل کے لئے اس عالمِ سفلی کے وسیع معلومات کی ضرورت ہے لیکن مقربانِ بارگاہِ خداوندی کو ان لغویات سے کیا غرض؟ ان کا کام تو ارشاد وہدایت ہے اور اس کے لئے جن پاکیزہ علوم کی ضرورت ہے وہ حق تعالیٰ نے ان کو بےنہایت عطا فرمائے۔

پس اگر اس عالمِ سفلی کے کچھ علوم شیطان کو حاصل ہوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ ہوں تو کون احمق اور شیطان کا کونسا اُمتی ہوگا۔ جو صرف علومِ سفلیہ کی وجہ سے شیطان کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے نبی علیہ السلام سے زیادہ وسیع العلم کہہ دے در آں حالیکہ علومِ الٰہیہ اور معارفِ ربانیہ سے ان کو وہ وافر حصّہ ملا ہے جو کسی مقرب سے مقرب فرشتہ کو بھی نصیب نہیں۔

ہم مقدمات کے ذیل میں اس موضوع پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال چکے ہیں اب یہاں صرف ایک چیز اور عرض کرتے ہیں اور اسی پر انشاء اللہ اس بحث کا خاتمہ ہے۔ دشمنانِ صداقت سے تو ہمیں کوئی توقع نہیں، ہاں حق پسندوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے ان سے ضرور قبولِ حق کی اُمید ہے ملاحظہ ہو:

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی صفائی میں

مولوی عبد السمیع و مولوی احمد رضا خان صاحبان کی زبردست شہادت

ہُوا ہے مُدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

ہمارے بیانِ سابق سے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنفِ براہینِ قاطعہ کا جرم صرف اس قدر ہے کہ اس نے ایک خاص علم یعنی علمِ زمین کی وسعت (بنا بران دلائل کہ جو آپ کے مولوی عبد السمیع صاحبؒ نے انوارِ ساطعہ میں پیش کئے ہیں) ملک الموت اور شیطان کے لئے تسلیم کی ہے اور اسی وسعتِ علمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیر ثابت بالنص کہا ہے لیکن ــــــــــ این گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند۔

ذرا اسی بحث میں انوارِ ساطعہ کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اور تماشا یہ کہ اصحابِ محفلِ میلاد تو زمین کی تمام پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اُس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک، ناپاک، کفر، و غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔"

کہیے! اتنی صفائی کے ساتھ تو مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی نہیں لکھا ہو! نے تو صرف علمِ زمین کی اُس مخصوص وسعت کو غیر منصوص تبلایا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے یہ مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب تو صاف فرماتے ہیں کہ ملک الموت اور شیطان کا حاضر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہی نہیں بلکہ زیادہ تر مقامات میں پایا جاتا ہے۔ منقولہ بالا عبارت انوارِ ساطعہ کے اُس پہلے ایڈیشن میں بھی ہے جو براہینِ قاطعہ سے پہلے شائع ہوا ہے، اور اس میں بھی

جو بعد میں مولوی عبدالسمیع صاحب کی نظرِ ثانی اور ترمیم کے بعد شائع ہوا ہے اور جس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تقریباً چار صفحہ تقریظ بھی ہے جس میں مولوی عبدالسمیع صاحب کی انوارِ ساطعہ کی تعریف میں خوب زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں لہٰذا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اخلاف و متبعین ۔

(۱) مولوی عبدالسمیع صاحب اس عبارت کی وجہ سے کافر ہوئے یا نہیں ؟

(۲) اور خود خاں صاحب اس پر تقریظ لکھنے کی وجہ سے کہاں پہنچے ؟

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دیدۂ بصیرت دے ۔ آپ حضرات نے مصنف براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت دیکھی ؟ ان خاں صاحب نے جو الزام ان پر رکھا تھا ، وہ خود ہی اس میں گرفتار ہو گئے ۔

اس وقت ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور مناسب سمجھتے ہیں کہ خاتمہ بحث میں رسالہ " التصدیقات لدفع التلبیسات " سے مصنفِ براہین قاطعہ (علیہ الرحمۃ) کا وہ کلام بھی نقل کر دیں جو آں مرحوم نے خاں صاحب کے اسی شیطان والے بہتان کے جواب میں تحریر فرمایا ہے ۔

جب مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنی محنت اور کمائی کا نتیجہ (فتوائے کفر) لے کر حرمین شریفین پہنچے اور وہاں سے ان علمائے کرام سے جو حقیقتِ حال سے ناواقف تھے دھوکا دے کر تصدیق کرا لی اور حرمین شریفین میں بھی علمائے دیوبند کے متعلق یہ چرچے ہوئے تو وہاں کے بعض اہلِ علم نے حضرات علمائے دیوبند و سہارن پور سے ان کے عقائد کے متعلق چھبیس ۲۶ سوالات کئے ، ان سوالوں کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مصنف براہین قاطعہ نے تحریر فرمایا ۔ پھر یہ مجموعہ بغرضِ تصدیق و توثیق حرمین شریفین ، شام ، دمشق ، حلب ، مصر وغیرہ بلادِ اسلامیہ کے علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی اور پھر وہ جواب مع ان تصدیقات کے چھپوا دیا گیا اور اسی زمانہ میں " التصدیقات لدفع التلبیسات " کے نام سے اس کا پہلا اڈیشن مع ترجمہ کے شائع ہو گیا ۔ پھر اس کے بعد سے اس وقت تک اس کے بہت سے

اڈیشن نکل چکے ہیں۔

اس میں انیسواں سوال مولوی احمد رضاخاں صاحب کے اسی شیطان والے بہتان کے متعلق ہے۔ ذیل میں ہم وہ سوال وجواب بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے وہ درحقیقت اسی اجمالی جواب کی تفصیل ہے جو خود مصنّفِ براہین نے اپنی زندگی میں دیا ہے۔

انیسواں۱۹ سوال	السؤال التاسع عشر
کیا تمھاری یہ رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم سیدالکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے جس کا یہ عقیدہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟	اترون ان ابلیس اللعین اعلم من سیّد الکائنات علیه السلام واوسع علما منه مطلقا وهل کتبتم ذٰلك فی تصنیف ما وبم تحکمون علی من اعتقد ذٰلك۔

جواب	الجواب
اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا علم حِکَم واسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتوٰے دے چکے ہیں جو یوں کہے شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے۔ ہاں کسی جزئی حادثہ حقیرہ کا	قد سبق منا تحریر هذه المسئلة ان النبی علیه السلام اعلم الخلق علی الاطلاق بالعلوم والحکم والاسرار وغیرها من ملکوت الآفاق ونتیقن ان من قال ان فلانا اعلم من النبی علیه السلام فقد کفر وقد افتٰی مشائخنا بتکفیر من قال ان ابلیس اللعین اعلم من النبی علیه السلام فکیف یمکن

ان توحيد هذه المسئلة في تاليف
ما من كتبنا غير انه غيلوبة لبعض
الحوادث الجزئية الحقيرة عن
النبي عليه السلام لعدم التفاته
اليه لا يورث نقصا ما في اعلميته
عليه السلام بعد ما ثبت انه اعلم
الخلق بالعلوم الشريفة اللائقة
بمنصبه الاعلى كما لا يورث
الاطلاع على اكثر تلك الحوادث
الحقيرة لشدة التفات ابليس
اليها شرفا وكمالا علميا فيه
فانه ليس عليها مدار الفضل
والكمال ومن ههنا لا يصح
ان يقال ان ابليس اعلم من
سيدنا رسول الله صلى الله عليه
وسلم كما لا يصح ان يقال لصبي
علم بعض الجزئيات انه اعلم من
اعلم متبحر محقق في العلوم و
الفنون الذي غابت عنه تلك
الجزئيات ولقد تلونا عليك
قصة الهدهد مع سليمان على
نبينا وعليه السلام وقوله اني
احطت بما لم تحط به ودواوين

حضرت کو اس لیئے معلوم نہ ہوناکہ آپ نے
اسکی جانب توجہ نہیں فرمائی، آپ کے اعلم ہونے
میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہیں کرسکتا جب
کہ ثابت ہو چکا کہ آپ اُن شریف علوم میں جو
آپ کے منصب اعلیٰ کے مناسب ہیں ساری
مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان
کو بہتیرے حقیر حادثوں کی شدتِ التفات
کے سبب اطلاع مل جانے سے اس مردود
میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں ہو
سکتا کیونکہ ان پر فضل وکمال کا مدار نہیں ہے
اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم
سیّدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم
سے زیادہ ہے ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ کسی ایسے
بچہ کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہوگئی ہے یوں
کہنا صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اس متبحر و محقق
سے زیادہ ہے جس کو جملہ علوم و فنون معلوم
ہیں مگر یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہُدہُد کا
سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش
آنے والا قصہ بتا چکے ہیں عـه اور یہ آیت پڑھ
چکے ہیں کہ "مجھے وہ اطلاع ہے جو آپ کو
نہیں" اور کتب حدیث و تفسیر اس قسم کی
مثالوں سے لبریز ہیں، نیز حکماء کا اس پر
اتفاق ہے کہ افلاطون و جالینوس وغیرہ بڑے

عـه یعنی اس کا [illegible]

الحديث ودفاتر التفسير مشحونة بنظائرها المتكاثرة المشتهرة بين الانام وقد اتفق الحكماء على ان افلاطون وجالينوس وامثالهما من اعلم الاطباء بكيفيات الادوية واحوالها مع علمهم ان ديدان النجاسة اعرف باحوال النجاسة وذوقها وكيفياتها فلم تضر عدم معرفة افلاطون وجالينوس هذه الاحوال الردية في اعلميتهما ولم يرض احد من العقلاء والحمقى بان يقول ان الديدان اعلم من افلاطون باحوال النجاسة ومبتدعة ديارنا يثبتون للذات الشريفة النبوية عليه الف الف تحية و سلام جميع علوم الاسافل و الاراذل و الافاضل الاكابر قائلين

طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت وحالات کا بہت زیادہ علم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالتوں اور مزے اور کیفیت سے زیادہ واقف ہیں تو افلاطون وجالینوس کا ان ردی حالات سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مُضر نہیں اور کوئی عقلمند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر راضی نہ ہوگا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ ہے ناخیجہ اُن کا نجاست کے احوال سے افلاطون کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور ہمارے ملک کے مبتدعین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام شریف وادنیٰ واعلیٰ واسفل علوم ثابت کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ساری مخلوق سے افضل ہیں تو ضرور سب ہی کے علوم جزئی ہوں یا کلی آپ کو معلوم ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے محض اس فاسد قیاس کی بنا پر اس علم کلی وجزئی کے ثبوت کا انکار کیا۔ ذرا غور تو فرمائیے ہر

عه الهدهد مع علمنا انه افضل من افلاطون

عه گزشتہ صفحہ کا حاشیہ ملاحظہ ہو

عه یہ واقعہ سورۂ نمل میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمانؑ نے ہُدہُد کو تلاش کیا تو نہیں پایا۔ تو بہت زیادہ ناراضگی کا اظہار فرمایا جب وہ دیر کے بعد حاضر ہوا تو اس سے بازپرس کی تو اُس نے کہا کہ میں ملک "سبا" سے ایک نہایت عظیم الشان خبر معلوم کر کے لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہُدہُد جیسے پرند کو ایک ایسی بات معلوم ہو سکتی ہے جو نبی وقت کے علم میں نہ ہو۔ ۱۲۔

عه ہم نویں مقدمہ میں اس مضمون کی پانچ آیتیں مع اقوال مفسرین اور پندرہ حدیثیں پیش کر چکے ہیں۔ ۱۲۔

انه عليه السلام لما كان افضل
الخلق كافة فلا بد ان يحتوي على
علومهم جميعها كل جزئي جزئي و
انكرنا اثبات هذا الامر بهذا
القياس الفاسد بغير نص من
النصوص المعتدة بها الا ترى ان
كل مومن افضل واشرف من
ابليس فيلزم على هذا القياس
ان يكون كل شخص من احاد
الامة حاويا على علوم ابليس
ويلزم على ذلك ان يكون سليمان
على نبينا وعليه السلام عالما
بما علمه الهدهد وان يكون
افلاطون وجالينوس عارفين بجميع
معارف الديدان واللوازم باطلة
باسرها كما هو المشاهد وهذا
خلاصة ما قلناه في البراهين
القاطعة لعروق الاغبياء المارقين
القاصمة لاعناق الدجاجلة
المفترين فلم يكن بحثنا فيه
الا عن بعض الجزئيات المتحدثة
ومن اجل ذلك اتينا فيه بلفظ
الاشارة حتى تدل ان المقصود

مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے
پس اس قیاس کی بنا پر لازم آئے گا کہ ہر
امتی سبھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ
ہو اور لازم آئے گا کہ سلیمان علیہ السلام
کو خبر ہو اس واقعہ کی جسے ہُدہُد نے جانا اور
افلاطون و جالینوس واقف ہوں کیڑوں کی
تمام واقفیتوں سے اور سارے لازم باطل
ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے قول
کا خلاصہ ہے جو براہین قاطعہ میں بیان کیا ہے
جس نے کند ذہن بد دینوں کی رگیں کاٹ
دیں اور دجال و مفتری گروہ کی گردنیں توڑ
دیں سو اس میں ہماری بحث صرف بعض
حوادث جزئی میں تھی اور اسی لئے اشارہ
کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے
کہ نفی و اثبات سے مقصود صرف یہی جزئیات
ہیں لیکن مفسدین کلام میں تحریف کیا کرتے
ہیں اور شاہنشاہی محاسبہ سے نہیں
ڈرتے ہیں اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو
شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام
سے زیادہ ہے وہ کافر ہے چنانچہ
اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے
بہتیرے علماء کر چکے ہیں اور جو شخص
ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان

بالنفی والاثبات هنالك تلك الجزئیات لا غیر لکن المفسدین یحرفون الکلام ولا یخافون محاسبة الملك العلام وانا جازمون ان من قال ان فلانا اعلم من النبی علیه السلام فهو کافر کما صرح به غیر واحد من علمائنا الکرام ومن افتری علینا بغیر ما ذکرناه فعلیه بالبرهان خائفاً عن مناقشة الملك الدیان والله علی مانقول وکیل۔

باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روزِ جزا سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔

ﷲ انصاف! کیا خود مصنفِ براہین کے اس جواب کے بعد بھی اس بہتان کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔ لا واللہ الحساب یوم الحساب۔

براہینِ قاطعہ پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب

مؤلف براہین قاطعہ حضرت مولینا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاں صاحب بریلوی کا دوسرا سنگین اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے شیطان کے لئے علم محیط تسلیم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسی علم کے اثبات کو شرک کہا حالانکہ جس چیز کا کسی ایک مخلوق کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ دوسری تمام مخلوقات کے لئے بھی اس کا اثبات شرک ہی ہوگا تو گویا مصنف "براہین قاطعہ" نے شیطان کو خدا کا شریک مان لیا (سبحان اللہ وبحمدہ) لیکن اگر ناظرین کرام غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ خاں صاحب کا یہ اعتراض پہلے سے بھی زیادہ غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کو حقیقت سے اتنا ہی بُعد ہے جتنا کہ خاں صاحب اور اُن کے فتوے کو دیانت وصداقت سے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ "براہین قاطعہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم

ذاتی کے اثبات کو شرک بتلایا گیا ہے اور (اُن دلائل کے بموجب جو خاں صاحب کے مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب نے "انوار ساطعہ" میں پیش کئے ہیں) شیطان کے لئے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے، اور شرک علم ذاتی ثابت کرنے سے لازم آتا ہے جیسے کہ پہلے مقدمہ کے ذیل میں ہم خود خاں صاحب کی تصریحات سے ان کو ثابت کر چکے ہیں۔

براہین قاطعہ میں جا بجا ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ شیطان کے لئے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے۔ (جس سے خاں صاحب کو بھی اختلاف نہیں) مگر افسوس ہے ان کی اس مجددانہ دیانت پر کہ براہین قاطعہ کی ان تمام تصریحات سے چشم پوشی کرتے ہوئے صاحب براہین کے متعلق صاف لکھ ڈالا کہ:

" ابلیس کے لئے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لایا ہے اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے۔ حالانکہ شرک تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عز وجل کے لئے کوئی شریک ٹھہرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق میں سے کسی ایک کے لئے ثابت کرنا شرک ہو وہ تو تمام جہان میں جس کے لئے ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا۔"

ہم کو خاں صاحب کے اس کلیہ سے اتفاق کلی ہے کہ مخلوق میں سے کسی ایک کے لئے جس کا اثبات شرک ہے وہ تمام جہان میں سے جس کے لئے بھی ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مشرکین عرب اگر اپنے بتوں کے لئے تصرف ثابت کریں تو شرک ہو اور مشرکین ہند قبروں یا قبر والوں کے لئے وہی تصرف ثابت کریں تو شرک نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو امور عادتاً طاقت بشریہ سے خارج ہیں، مثلاً اولاد دینا، کاروبار میں نفع دینا، مارنا جلانا، وغیرہ وغیرہ، ان امور میں بتوں سے مدد مانگنا تو شرک ہو اور زندہ یا مردہ بزرگوں سے مدد مانگنا اور ان کو فاعل باختیار سمجھنا شرک نہ ہو جیسا کہ قبر پرستوں کا خیال ہے۔)

بہر حال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اس کلیہ سے ہم کو بالکل اتفاق ہے

لیکن صاحب براہین پر اس کو چسپاں کرنا، خاں صاحب کی وہی مخصوص کارروائی ہے جس کو خیانت یا تحریف کہتے ہیں۔

علاوہ اس ذاتی اور عطائی فرق کے اس موقع پر خاں صاحب نے ایک کھلا افترا یہ کیا کہ صاحب براہین نے شیطان کے لئے "علم محیط" مان لیا، حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس میں سچائی کا شائبہ تک نہیں۔

مگر افسوس ہے کہ رضا خانی جماعت میں کوئی الیسا دیانتدار اور راستباز بھی نظر نہیں آتا جو اپنے مقتدا کی اس قابلِ نفرت حرکت کو اگر خیانت نہیں تو نادانستہ غلطی ہی تسلیم کرے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے برادر مشربی مولوی عبد السمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں شیطان کے علم کی وسعت ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

"درمختار کے مسائلِ نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچالیا۔ بعد اس کے لکھا ہے۔ واقدرہ علیٰ ذالک کما اقدر ملک الموت علیٰ نظیر ذٰلک، یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔" (انتہیٰ کلامہ انوار ساطعہ)

پس مولوی عبد السمیع صاحب کی اس دلیل سے شیطان کے لئے جتنا علم ثابت ہوتا ہے اس کو بے شک مولانا خلیل احمد صاحب نے تسلیم کیا ہے، اگر اسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب روئے زمین کا علم محیط سمجھتے ہیں، تو یہ ان کی علمی قابلیت ہے جس کی داد اہلِ علم ہی دیں گے ورنہ کجا شیطان کا آدمیوں کے ساتھ رہنا اور کجا روئے زمین کا علم محیط جس کے لئے ذرّے ذرّے قطرے قطرے اور پتے پتے کا علم ضروری ہے۔

اور اگر خاں صاحب کی خاطر اسی کو علمِ محیط مان لیا جائے تو بھی شیطان کے علمِ محیط

پر پہلے ایمان لانے والے بلکہ دوسروں کو ایمان لانے کی دعوت دینے والے خاں صاحب کے برادر بزرگوار مولوی عبد السمیع صاحب مصنف بھی ہیں کے اور اس کفر و شرک کے فتوے کے اولین مصداق وہی ہوں گے کیونکہ انھوں نے ہی شیطان کے لئے یہ وسعت علم دلائل سے ثابت کی ہے ۔حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو صرف " سلّمنا " کہنے والے ہیں ۔ بہر حال خاں صاحب نے اس موقع پر ایک افتراء تو یہ کیا کہ بالکل خلافِ واقعہ مصنّفِ براہین کے متعلق لکھ دیا کہ ابلیس کے لئے زمین کے علم محیط پر ایمان لایا ۔ اور دوسری خیانت یہ کی کہ براہین قاطعہ میں شیطان کے لئے مولوی عبد السمیع صاحب کے پیش کردہ دلائل کے بموجب صرف علمِ عطائی تسلیم کیا گیا تھا ، اور حضور سرورِ عالم صلّے اللہ علیہ وسلم کے لئے علمِ ذاتی ثابت کرنے کو شرک قرار دیا تھا جناب خاں صاحب نے یہ ذاتی اور عطائی کا زبر دست فرق بالکل ہی نظر انداز کر دیا اب ہم ان دونوں باتوں کا ثبوت عرض کرتے ہیں کہ تسلیم علمِ عطائی کیا گیا ہے اور شرکؔ علمِ ذاتی کو کہا گیا ہے ۔

امرِ اوّل کا ثبوت | براہین قاطعہ کی اسی بحث بلکہ اسی قول میں صفحہ ۵۰ کی چودھویں سطر میں ہے : " شیطان کو جس قدر وسعت علم دی " الخ

پھر اُسی کے چار سطر بعد ہے :

" اور شیطان و ملک الموت کو جو یہ وسعتِ علم دی " الخ

ان دونوں فقروں میں تصریح ہے کہ شیطان کے لئے علم کی جو وسعت تسلیم کی گئی ہے وہ خدا کی دی ہوئی ہے ۔

امرِ دوم کا ثبوت | پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مصنّفِ براہین قاطعہ اس بحث میں ُس قیاس کو رد فرما رہے ہیں کہ جب شیطان اور ملک الموت کو علم کی یہ وسعت حاصل ہے (جو انوارِ ساطعہ کے حوالہ سے مذکور ہو چکی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی افضلیت کی وجہ سے اس سے زیادہ یعنی روئے زمین کا علم خود ہی پیدا کریں گے اور اسی خیال کو صاحبِ براہین نے شرک قرار دیا ہے ۔ اس مختصر تمہید کے بعد ملاحظہ ہو ۔

براہین قاطعہ میں جس جگہ یہ بحث ہے اس کی پہلی سطر یہ ہے :

" تمام اُمّت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرّہ زیادہ کا بھی علم ثابت کرنا شرک ہے۔ سب کُتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے "

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صاحب براہین کے نزدیک صرف اس علم کا ثابت کرنا شرک ہے جو علاوہ عطار خداوندی کے کسی مخلوق کے لئے ثابت کیا جائے اور اسی کا نام علمِ ذاتی ہے۔ پھر اسی بحث میں کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں :

" عقیدہ اہلسنّت کا یہ ہے کہ کوئی صفت حق تعالیٰ کی بندے میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں۔۔۔۔۔۔ پھر جس کو جس قدر علم عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرّہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان اور ملک الموت کو جسقدر وسعت دی (جس کو مولوی عبدالسمیع صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔) اس سے زیادہ کی ان کی کچھ قدرت نہیں "

پھر فرماتے ہیں :

" علمِ مکاشفہ جس قدرت حضرت خضرؑ کو ملا، اس سے زیادہ پر وہ قادر نہ تھے اور حضرت موسیٰؑ کو باوجود افضلیت کے نہ ملا، تو وہ حضرتِ خضرؑ مفضول کی برابر بھی اس علمِ مکاشفہ کو پیدا نہ کر سکے "

یعنی یہ خیال غلط ہے کہ کوئی افضل اپنی افضلیت کی وجہ سے بغیر عطائے خداوندی کوئی صفتِ کمال مفضول سے زیادہ اپنے اندر پیدا کر سکے بلکہ جس کو جو کچھ علم وغیرہ ملے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی سے ملے گا۔ اس مضمون کو مدلل کرنے کے بعد صاحب براہین تحریر فرماتے ہیں :

• الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر (یعنی یہ دیکھ کر کہ اُن کو بعض مواقع زمین کا علم حاصل ہے جیسا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب کے دلائل سے معلوم ہوا) علمِ محیط زمین کا (علمِ ذاتی) فخرِ عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلادلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا (یعنی اس اٹکل سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شیطان و ملک الموت سے افضل ہیں تو آپ بوجہ اپنی اس افضلیت کے اپنے اندر خود ہی ساری زمین کا علم پیدا کر لیں گے) شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت (یعنی اللہ کے حکم سے بہت سے مواقع زمین کا علم ہونا) نص سے ثابت ہوئی (یعنی اُس نص سے جو مولوی عبدالسمیع صاحب نے پیش کی) فخرِ عالم کی وُسعتِ علم کی (یعنی علمِ ذاتی کی کیونکہ قیاس فاسد اور محض اٹکل سے تو وہی ثابت کیا جارہا ہے اور حضرت مولانا اُسی کی بحث فرما رہے ہیں جیسا کہ اوپر کے مضمون سے معلوم ہو چکا اور آئندہ خود حضرت مرحوم کی تصریح سے معلوم ہو جائے گا) کون سی نصِ قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے "

اس آخری جملہ سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم یہاں اسی وسعتِ علم کی بحث فرما رہے ہیں جس کا ثابت کرنا شرک ہے اور یہ سب سے پہلی سطر نے بتلا دیا تھا کہ شرک صرف اسی علم کا ثابت کرنا ہے جو عطاءِ خداوندی کے علاوہ ذاتی طور پر ثابت کیا جائے۔

الغرض زیر بحث عبارت سے پہلی عبارت اور اس سے متصل ہی اُس کے بعد کی عبارت صاف طور سے بتلا رہی ہے کہ صاحب براہینِ اس موقع پر صرف وسعتِ علمِ ذاتی میں کلام فرما رہے ہیں اور اسی کو انھوں نے شرک قرار دیا ہے۔

یہاں تک تو سیاق و سباق کے قرائن سے ہم نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے

اور اگرچہ یہ قرائن بھی تصریحات سے کچھ کم نہیں لیکن اس کے بعد ہم مصنف براہین کی صاف و صریح عبارت پیش کرتے ہیں جس میں انھوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اس کو واضح کر دیا ہے کہ میری یہ بحث صرف علم ذاتی میں ہے نہ کہ عطائی میں، ملاحظہ ہو اسی بحث اور اسی قول میں خاں صاحب کی نقل کردہ عبارت سے چند ہی جملوں کے بعد یہ عبارت ہے :

"اور یہ بحث اس میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں ہے مگر بدوں ثبوتِ شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں"

غور فرمایا جائے، مصنفِ براہین نے کتنی وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کر دیا کہ شرک کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کوئی شخص حضور کے لئے علم ذاتی ثابت کرے[1]۔

اور ہم پہلے مقدمہ کے ذیل میں "الدولۃ المکیۃ" اور خالص الاعتقاد" کے حوالہ سے خود خاں صاحب کی تصریح نقل کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر کا علم ذاتی ثابت کرے تو وہ مشرک ہے۔

---

[1] مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے رسالہ "الموت الاحمر" میں براہین قاطعہ کی اس عبارت پر بڑا وسیع جواب لکھا ہے لیکن بہت زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ مولوی عبد السمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں کہیں علم ذاتی ثابت نہیں کیا۔ پس ان کے جواب میں علم ذاتی کا ابطال کسی طرح امر معقول نہیں، نیز دوسرے رضاخانی صاحبان بھی اس بحث میں ان ہی کی پیروی میں یہی کہا کرتے ہیں۔ سردست اس کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ یہ بات تو صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شرک کا حکم صرف علم ذاتی کے اثبات پر ہے۔ اب یہ کہنا کہ جانب مخالف جب اس کا مثبت نہیں تو اس کا ابطال اور شرک کا حکم لگانا کیسا؟ ایک الگ علمی بحث ہے جس کا مبحث تکفیر سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تکفیر کی غلطی تسلیم کر لینے کے بعد ہم سے یہ سوال کیا جائے تو انشاء اللہ اس کا بھی ایسا تشفی بخش جواب دیا جائے گا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روح بھی حیرت کرے کہ اتنی کھلی ہوئی چیز مجھ سے کیوں مخفی رہی۔ ۱۲ (مؤلف)

پس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جرم ایسا نہیں جس میں خاں صاحب برابر کے شریک نہ ہوں اور اگر بفرضِ براہین میں یہ تصریح بھی نہ ہوتی اور سیاق و سباق کے وہ قرائن بھی نہ ہوتے جو علم ذاتی کے مراد لینے پر مجبور کر رہے ہیں تب بھی اس جگہ وسعت علم سے علم عطائی کی وسعت مراد لینا بالخصوص مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لئے کسی طرح جائز نہ تھا، وہ "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر بطورِ قاعدۂ کلیہ کے لکھ چکے ہیں کہ :-

" آیات و احادیث و اقوالِ علماء جن میں دوسرے کے لئے اثباتِ علم غیب سے انکار ہے اُن میں قطعاً یہی دو قسمیں (ذاتی یا محیطِ کل) مراد ہیں "

پس براہینِ قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا گیا ہے وہ بدرجۂ اولیٰ ذاتی یا محیطِ کل پر محمول ہونا چاہیئے لیکن افسوس ہے کہ شوقِ تکفیر نے اپنا لکھا ہوا اُصول بھی بھلا دیا۔ سچ ہے۔ حُبُّكَ الشَّيءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ ۔

یہاں تک براہینِ قاطعہ کے متعلق خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب ہوا جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اعتراض جب وارد ہو سکتا تھا کہ شیطان کے لئے جو علم تسلیم کیا گیا تھا اسی کے اثبات کو شرک کہا گیا ہوتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے شیطان کے لئے علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے۔ وشتّان ما بینہما۔

براہینِ قاطعہ پر خاں صاحب کے تیسرے اعتراض کا جواب

مؤلف براہینِ قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاں صاحب کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف پر تو نصِ قطعی کا مطالبہ کرتا ہے اور نفی کے موقع پر خود ایک باطل روایت سے استدلال کیا ۔

روایت کی حیثیت کے متعلق تو انشاء اللہ ابھی چوتھے اعتراض کے جواب میں عرض کیا جائے گا۔ یہاں تو ہم صرف خاں صاحب کے اس علمی مغالطہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ "ثبوت کے لئے نصِ قطعی کا مطالبہ کیا اور نفی کے موقع پر خود ایک

پیش کی ہے۔

کاش خاں صاحب اعتراض کرنے سے پہلے یہ غور فرما لیتے کہ مصنف براہین نے اس موقع پر جو حدیثیں پیش کی ہیں اور مدعی اور مستدل ہونے کی حیثیت سے پیش کی ہیں، یا مانع اور معارض ہونے کی حیثیت سے۔ اور کاش اصولِ مناظرہ کی کسی کتاب میں ان دونوں حیثیتوں کا فرق ملاحظہ فرما لیتے۔

واقعہ یہ ہے کہ صاحب براہینؒ نے عقیدہ کے اثبات کے لئے نصِ قطعی کا مطالبہ کیا ہے اور مولوی عبد السمیع صاحب مصنف "انوار ساطعہ" کے قیاس کے معارضہ میں خود احادیث پیش کی ہیں اور یہ دونوں چیزیں صحیح ہیں۔ عقیدہ کے ثبوت کے لئے بیشک نصِ قطعی ہی کی ضرورت ہے۔ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی اُصولاً یہ تسلیم ہے (ملاحظہ ہو انباء المصطفیٰ) اور بیشک قیاس کے معارضہ میں احادیث کیا معنی قیاس بھی پیش کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو مناظرہ رشیدیہ اور اسکے حواشی)

براہینِ قاطعہ پر چوتھا اعتراض اور اس کا جواب:

چوتھا اعتراض یہ تھا کہ صاحب براہین نے نقل میں خیانت کی، اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جس روایت کو نقل کر کے رد کیا، اس کو انکی طرف منسوب کر کے نقل کر دیا اور رد کا کوئی ذکر نہیں کیا تو گویا "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ" تو لے لیا "اَنْتُمْ سُکَارٰی" کو چھوڑ دیا۔

خاں صاحب کی ذرّیت ہمیں معاف فرمائے یہاں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ چونکہ وہ خود اس قسم کی کارروائیوں کے عادی تھے، اس لئے انھوں نے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھا لیکن ان کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ان باتوں کی ضرورت صرف اہل باطل کو پیش آتی ہے۔ حق پرستوں کو اس کی حاجت نہیں، مگر چونکہ خانصاحب کا یہ اعتراض بھی موضوعِ تکفیر سے غیر متعلق ہے، اس لئے اس کے جواب میں بھی یہاں ہم اختصار ہی سے کام لیں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر صاحب براہینؒ کے الفاظ کیا ہیں؟ ملاحظہ ہو

صفحہ ۱۵ کی ساتویں سطر میں فرماتے ہیں۔

"اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔"

یہاں صاحب براہینؒ نے شیخ کی کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا ہے۔ پس اگر شیخ کی کسی ایک کتاب میں بھی یہ روایت بغیر جرح و تردید مذکور ہو تو صاحب براہین کا حوالہ بالکل صحیح ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ انھوں نے وہیں سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح باب صفۃ الصلوٰۃ کی فصل ثالث کے اخیر میں ذیل کی حدیث درج ہے:

عن ابی ھریرۃ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظھر وفی مؤخر الصفوف رجل فاساء الصلوٰۃ فناداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فلان الا تتقی اللہ الا تری کیف تصلی انکم ترون انہ یخفی علی شیئ مما تصنعون واللہ انی لاری من خلفی کما اری من بین یدی (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھائی اور پچھلی صفوں میں ایک شخص تھا جس نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی، پس جب سلام پھیر دیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکارا کہ اے فلانے کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم کیسی نماز پڑھتے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اس میں سے کوئی بات مجھ پر پوشیدہ رہتی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنے پیچھے کے لوگوں کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے والوں کو۔ (روایت کیا اس کو امام احمد نے)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ "اشعۃ اللمعات" صفحہ ۳۹۲ پر ارقام فرماتے ہیں:

بداں کہ ایں دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم از پس وپیش بطریق

جان کہ دیکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے اور پیچھے سے بطورِ خرقِ عادت

خرقِ عادت بود بوحی یا بالہام وگاہ گاہے
بود نہ دائم و مؤید آں است آنچہ در خبر
آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت گم شد
و در نیافت کہ کجا رفت منافقاں گفتند
کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم و نمی
داند کہ ناقہ او کجا است، پس فرمود آنحضرت
واللہ من نمی دانم مگر آنچہ بداناند مرا پروردگار
من اکنوں بنمود مرا پروردگارِ من کہ وے
در جائے چنیں وچناں است و مہارِ وے
در شاخ درختے بند شدہ است و نیز
فرمودہ است کہ من بشرم نمی دانم کہ در
پس ایں دیوار چیست یعنی بے دانانیدن
حق سبحانہٗ۔

(اشعۃ اللمعات جلد اوّل صفحہ ۲۹۳)

تھا وحی یا الہام سے اور کبھی کبھی تھا
نہ ہمیشہ۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے
ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی ناقہ مبارکہ گم ہوگئی اور یہ نہ معلوم ہوا
کہ کہاں گئی، تو منافقوں نے کہا کہ محمد (علیہ
الصلوٰۃ والسلام) کہتے ہیں کہ میں آسمان
کی خبر دیتا ہوں اور ان کو کچھ خبر نہیں کہ انکی
ناقہ کہاں ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ قسم اللہ کی میں نہیں جانتا
مگر وہ کہ میرے پروردگار نے مجھ کو دکھا
ہے۔ اب میرے پروردگار نے مجھ کو بتلا دیا
ہے کہ فلاں جگہ ہے اور اسکی مہار ایک
درخت کی شاخ میں بندھی ہوئی ہے اور
یہ بھی حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں
میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا
ہے، یعنی بے بتلائے حق سبحانہٗ کے۔

یہاں شیخ نے اس روایت کو نقل فرمایا اور کوئی جرح نہیں فرمائی لہٰذا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب علیہ الرحمۃ کا حوالہ بالکل صحیح ہوا۔ بلکہ غور کیا جائے تو شیخ کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ یہاں اس کو شیخ نے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے اور شیخ کی ثقاہت سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی روایت کو باطل محض سمجھتے ہوئے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں۔ پس مقامِ تائید میں شیخ کا اس روایت کو نقل فرمانا صریح دلیل اس کی ہے کہ یہ ان کے نزدیک معتبر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ شیخ نے "مدارج النبوۃ"

میں ایک جگہ اسی روایت کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ "اس کی کوئی اصل نہیں" سو اگرچہ اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ نہیں، مگر تاہم ناظرین کے دفع خلجان کے لئے اس کے متعلق بھی کچھ مختصراً عرض کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مشہور محتاط اور متشدد محدث حافظ ابن جوزی (حدیث کے بارے میں جن کی غیر معمولی احتیاط اور حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا تشدد اہل علم کو معلوم ہے) نے اس روایت کو اپنی بعض کتابوں میں بلا اسناد کے نقل فرمایا ہے اور ان جیسے محتاط ناقد بصیر محدث کا کسی روایت کو بغیر جرح کے نقل کرنا اسکے معتبر ہونے کی کافی دلیل ہے، اور اسی وجہ سے شیخ علیہ الرحمۃ نے روایت کو معتبر سمجھا اور "اشعۃ اللمعات" کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر دیا مگر چونکہ اس روایت کی اسناد منقول نہیں، اس لئے "مدارج النبوۃ" میں ایک جگہ یہ بھی فرما دیا کہ "اسکی کوئی اصل نہیں" یعنی اسناد نہیں، اس طرح شیخ کے کلام کا تعارض بھی دفع ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہتا۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح کا کلام بھی اس روایت کے متعلق بظاہر اسی طرح متعارض ہے چنانچہ قسطلانی "مواہب لدنیہ" میں حافظ سخاوی رح کی "مقاصد حسنہ" سے ناقل ہیں کہ:

حدیث ما اعلم ما خلف جداری
هذا قال شیخنا شیخ الاسلام
ابن حجر لا اصل له قلت ولکنه
قال فی تلخیص تخریج احادیث الرافعی
عند قوله فی الخصائص ویری
من وراء ظهره کما یری من قدامه
هو فی الصحیحین وغیرهما من
حدیث انس وغیره والاحادیث
الواردة بذلک مقیدة بحالة

یہ حدیث کہ "میں نہیں جانتا جو میری اس دیوار کے پیچھے ہے" ہمارے شیخ، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کی اصل نہیں" میں کہتا ہوں کہ مگر تخریج احادیث رافعی کی تلخیص میں خصائص کے بیان میں آپ کے اس قول کے پاس کہ "اور آپ دیکھتے تھے اپنے پس پشت جس طرح دیکھتے تھے اپنے آگے" خود انہی (حافظ ابن حجر) نے فرمایا ہے کہ

الصلوٰۃ و بذالک یجمع بینہ	یہ حضرت انس وغیرہ سے صحیحین اور
وبین قولہ علیہ السلام لا اعلم	انکے علاوہ دوسری کتب حدیث میں مروی
ما وراء جداری ھٰذا انتہیٰ د	ہے اور جن احادیث میں یہ مضمون (یعنی
ھٰذا مشعر بورودہ	حضرت اقدس کا پس پشت کی چیزوں کو

دیکھنا) وارد ہوا ہے وہ نماز کی حالت کے ساتھ مقید ہیں اور اس توجیہ سے تطبیق ہو جاتی ہے اور اس میں اور حضور علیہ السلام کے فرمان میں کہ :

"میں نہیں جانتا اس کو جو میری اس دیوار کے پیچھے ہے "

ختم ہوا (کلام حافظ ابن حجرؒ کا، اس کے بعد حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ) اور اہمکے شیخ کے) اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے "

علامہ زرقانی شرح مواہب میں حافظ سخاویؒ کے اس قول کے بعد فرماتے ہیں کہ:

فینافی قولہ لا اصل لہ فھو	پس ان کا (یعنی احافظ ابن حجرؒ کا) یہ قول
تناقض منہ ویمکن ان مرادہ لا	ان کے اس قول کے منافی ہے (جس میں
اصل لہ معتبر لکونہ ذکر	انھوں نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ
بلا اسناد او ان مرادہ لبطلانہ	اس کی اصل نہیں " پس یہ انکی جانب سے

(کھلا ہوا) تناقض ہے اور ممکن ہے کہ اس قول سے انکی مراد یہ ہو کہ "اس حدیث کی اصل معتمد نہیں ہے کیونکہ وہ بلا اسناد منقول ہوئی ہے یہ مطلب نہیں کہ سرے سے باطل ہے۔

پس ہم نے شیخ علیہ الرحمۃ کے مارح والے قول کی جو توجیہ کی ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو علامہ زرقانی نے حافظ ابن حجرؒ کے کلام کی کی ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا، وہ شیخ کے قول "اصلے ندارد" کی توجیہ سے متعلق تھا اور اپنے فریضہ سے زائد، ورنہ ہمارے ذمہ صرف اسی قدر تھا کہ شیخ کی کسی تصنیف سے بس اتنا ثابت کر دیتے کہ انھوں نے اس کو بلا جرح نقل فرمایا ہے یہ ہمارا تبرع تھا کہ ہم نے شیخ کے طرزِ عمل سے روایت کا معتبر ہونا بھی ثابت کر دیا اور ان کے دونوں قولوں کے ظاہری تعارض کو بھی اٹھا دیا۔ فللہ الحمد والمنۃ

اور قطع نظر ان تمام چیزوں سے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یہ روایت معناً صحیح ہے اور بہت سی صحیح حدیثیں اس کے مضمون کی تائید کرتی ہیں، چنانچہ صحیحین اور سُنن نسائی میں حضرت زینب زوجۂ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں زکوٰۃ کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوئی جب میں پہنچی تو اسی ضرورت سے ایک انصاری بی بی بھی وہاں کھڑی ہوئی تھیں ..... پس حضرت بلالؓ ہمارے پاس آئے تو ہم نے ان سے کہا:

إئت رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخبرہ ان امرأتين بالباب تسألانك اتجزئ الصدقة عنهما على ازواجهما وعلى ايتام فى حجورهما ولا تخبرہ من نحن فسأله بلال فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم من هما فقال امرأة من الانصار وزينب فقال له اى الزيانب قال امرأة عبد الله فقال لهما اجران اجر القرابة واجر الصدقة

آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جایئے اور ان کو اطلاع دیجئے کہ دو عورتیں دروازہ پر کھڑی ہیں اور یہ مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہروں اور ان یتیم بچوں پر جو ان کی پرورش میں ہیں صدقہ کر دیں تو کیا ادا ہو جائے گا؟ اور دیکھو حضرت کو یہ مت خبر دینا کہ ہم کون ہیں۔ پس حضرت بلال نے حضورؐ سے وہ مسئلہ اسی طرح دریافت کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والیاں کون ہیں؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ ایک کوئی انصاری بی بی ہیں اور ایک زینب، حضورؐ نے فرمایا کہ کون زینب؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ عبد اللہ ابن مسعود کی بیوی، تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس صورت میں ان کو دو اجر ملیں گے۔ ایک صدقہ کا، ایک قرابت کا۔

سو اگر حضورؐ کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہو جایا کرتی تھیں تو حضرت بلالؓ سے نام دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؟ پس آپ کا نام دریافت فرمانا اور زینب نام معلوم ہونے پر یہ فرمانا کہ کونسی زینب؟ صریح دلیل اس کی ہے کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کی باتیں معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

نیز حیاتِ طیبہ کے اخیر دنوں میں حالتِ مرض میں حضورؐ کو اپنی جماعت کو دیکھنے کے لئے حجرۂ مبارکہ کے دروازہ پر تشریف لانا اور پردہ ہٹا کر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والی جماعت کو دیکھنا (جس کا ذکر کتب صحاح میں ہے)، اور بالخصوص آخری دن بار بار یہ دریافت فرمانا کہ اَصَلَّی النَّاس ؟ "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ؟" حالانکہ مسجد مبارک اور حجرۂ شریفہ میں صرف دیوار ہی حائل تھی، صریح دلیل اس کی ہے کہ دیوار کے پیچھے کی کچھ باتیں حضورؐ کو معلوم نہیں ہوئی تھیں۔ پس اگر کسی حدیث میں یہ وارد ہوا ہو کہ "واللہ لا ادری ما وراء جداری هذا" او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام (یعنی اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا اس کو جو اس دیوار کے پیچھے ہے)، تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ بہر حال اس روایت کی معنوی صحت سے تو کسی کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

اور پھر اگر ان باتوں سے بھی قطع نظر کر لیا جائے تو یہ ہر منصف مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ صاحب براہین نے اس روایت کو علمِ ذاتی کی نفی کے موقع پر پیش کیا ہے کیونکہ ہم خود صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان کی وہ تمام بحث علمِ ذاتی کے متعلق ہے تو گویا اس روایت کو انھوں نے علمِ ذاتی کی نفی پر محمول کیا ہے اور ہم خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ بھی علمِ ذاتی کے قائل نہیں بلکہ جو شخص ایک ذرہ یا اس سے بھی کمتر سے کمتر کا علمِ ذاتی غیر اللہ کے لئے مانے وہ ان کے نزدیک بھی کافر و مشرک ہے۔ پس اس اعتبار سے تو یہ روایت خاں صاحب کے نزدیک بھی معناً صحیح ہے اور وہ تو خود فرما چکے ہیں کہ "جن آیات و احادیث و اقوالِ علماء جن میں دوسروں کے لئے اثباتِ علمِ غیب سے انکار ہے، ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (یعنی ذاتی یا محیطِ کل) مراد ہیں۔" خالص الاعتقاد، صفحہ ۲۸۔

پس جب کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو علمِ ذاتی کی نفی پر محمول فرماتے ہیں تو پھر خاں صاحب یا ان کی ذریت کے لئے کیا محلِ اعتراض ہے۔

ہم شروع ہی میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بحث موضوعِ تکفیر سے غیر متعلق ہے اس لئے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہاں تک عبارت براہین قاطعہ کی بحث ختم ہوگئی اور خاں صاحب کے چاروں اعتراضوں کے جوابات سے ہم بعون اللہ تعالیٰ فارغ ہوگئے۔ اب حسام الحرمین کی آخری بحث متعلق عبارت حفظ الایمان شروع ہوتی ہے۔

لہ واضح رہے کہ خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کے جواب میں جو ذاتی اور عطائی کا فرق ہم نے دکھلایا ہے وہ پہلے اعتراض کے جواب میں بھی جاری ہوسکتا ہے۔ فافہم وتامل۔ ۱۲ منہ